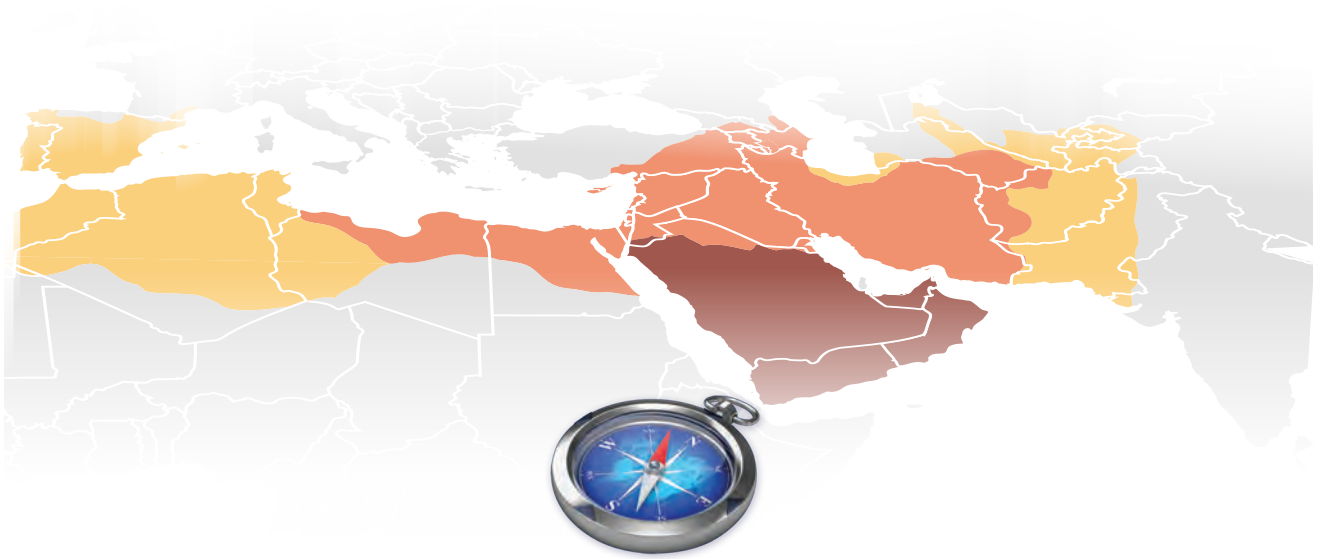

اسلامی فتوحات کا تابناک دور



پرنٹ لائن

اسلامی فتوحات کا تابناک دور



پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز ابراہیم العمری

دار السلام
DARUSSALAM



شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہر بان نہایت رحم کرنے والا ہے

فہرست

عرضِ ناشر ____ 12

عرضِ مترجم ____ 14

تمہید ____ 16

فتوحات کے مقاصد ____ 18

فتوحات سے پہلے ____ 22

فصل اول

نبیٔ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اسلامی فتوحات ____ 27

رسول اللہ ﷺ کا زمانۂ مبارک ____ 28

غزوۂ بدر ____ 33

غزوۂ اُحد ____ 52

غزوۂ احزاب (خندق) ____ 67

فتح خیبر ____ 84

معرکۂ موتہ ____ 92

فتح مکہ ____ 98

غزوۂ حنین و طائف ____ 108

غزوۂ تبوک ____ 118

فصل دوم

خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی فتوحات 136

سلطنتِ ایران 136

سلطنتِ روم 139

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات 142

لشکر اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما 143

جنگ یمامہ 146

فارس اور عراق کی فتوحات 152

جنگ ذاتُ السلاسل (زنجیروں والی جنگ) 155

جنگ ولجہ اور جنگ الیس 156

حِیرہ اور اَنبار کی فتح 157

دومۃ الجندل کی فتح 160

روم کے زیرِ قبضہ شام کی فتوحات 162

جنگ یرموک 165

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات 170

فارس (ایران) کی فتوحات 170

معرکۂ جِسر (پُل) 172

جنگِ قادسیہ 174

مدائن کی فتح 184

فتح نہاوند ''فتح الفتوح'' 187

شام کی فتوحات 190

حمص اور قنسرین کی فتح 194

فلسطین اور بیت المقدس کی فتح 196
طاعونِ عمواس 199
الجزیرہ کی فتوحات 199
مصر کی فتوحات 200
اسکندریہ کی فتح 206
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات 210
افریقہ کی فتوحات 210
اسکندریہ کی بغاوت 210
نوبہ کا علاقہ 214
فتح آرمینیا 214
سمندری فتوحات 216
فتح قبرص 218
معرکہ ذات الصواری 220
مشرقی فتوحات اور سلطنت فارس کا خاتمہ 222
سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات 225

فصل سوم

بنوامیہ کا دورِ حکومت 227
بنوامیہ کے دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات 227
رومی سلطنت میں اموی فتوحات 227
مشرقی علاقوں میں اموی فتوحات 232
سندھ کی فتوحات 237
شمالی افریقہ کی فتوحات 240

اندلس کی فتح ____ 246

طارق بن زیاد کا حملہ ____ 249

وادی لکّہ (شذونہ) کی جنگ ____ 250

موسیٰ بن نصیر کا حملہ ____ 253

بلاط الشہداء (میدانِ شہیداں) ____ 256

فصل چہارم

عباسی خاندان کا دورِ حکومت ____ 260

بنوعباس کے دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات ____ 260

رومیوں سے جنگیں ____ 261

جنگ ملاذگرد ____ 267

مشرقی علاقوں کی فتوحات ____ 270

غزنوی خاندان ____ 271

سمندری فتوحات ____ 273

جنگ زلاقہ ____ 276

فصل پنجم

صلیبی جنگوں کا دَور ____ 284

صلیبیوں کا پہلا حملہ اور بیت المقدس پر ان کا قبضہ ____ 286

صلیبیوں کے خلاف جہاد کی ابتدا ____ 297

عمادالدین زنگی کے جہادی کارنامے ____ 301

رُہا کی فتح ____ 310

نورالدین محمود کے جہادی کارنامے ____ 314

صلاح الدین ایوبی کے جہادی کارنامے ____ 334

مصر اور شام کے محاذوں کا اتحاد ____ 340

جہاد کی تیاری ____ 341

بحری جہاد ____ 345

بری جہاد ____ 348

بیت المقدس کی فتح کے لیے ابتدائی اقدامات ____ 354

حطین کا معرکہ ____ 356

بیت المقدس کی فتح ____ 365

بیت المقدس کی فتح کے بعد ____ 378

بیت المقدس کا دفاع اور رملہ کی صلح ____ 385

جہاد، صلاح الدین ایوبی کے بعد ____ 390

صلیبیوں کا پانچواں حملہ مصر پر ____ 392

سلطان کامل بیت المقدس عیسائیوں کے حوالے کرتا ہے ____ 396

ایوبی خاندان کی صلیبیوں سے آخری ٹکر ____ 399

ساتواں اور آخری صلیبی حملہ ____ 403

غلاموں کا صلیبیوں سے جہاد ____ 405

صلیبیوں کے آخری گڑھ کا خاتمہ ____ 414

فصل ششم

عالم اسلام پر منگولوں کی لشکر کشی ____ 419

سقوطِ بغداد اور خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ ____ 424

منگولوں کا شام پر حملہ ____ 431

عینِ جالوت کا معرکہ ____ 432

فصل ہفتم

سلطنتِ عثمانیہ ____ 441

سقوطِ اندلس۔غرناطہ پر دشمنوں کا قبضہ ____ 442

سلطنتِ عثمانیہ کے دور کی فتوحات ____ 454

قسطنطنیہ کی فتح ____ 458

فتح قسطنطنیہ کی تیاری ____ 461

شہرِ قیصر پر حملہ ____ 466

قسطنطنیہ فتح ہوگیا ____ 482

مشرقی یورپ کی فتوحات ____ 488

جنگ کوسووا ____ 490

معرکہ نیکوپولس ____ 494

عثمانی سلطنت اور عالم اسلام کا دفاع ____ 496

بحیرۂ احمر (قلزم) کا دفاع ____ 499

الخلیج العربی (خلیج فارس) میں کشمکش ____ 502

بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) کا ساحل اور شمالی افریقہ ____ 509

عثمانیوں کا روس سے جہاد ____ 513

حرفِ آخر ____ 528

عرضِ ناشر

عرضِ ناشر

عرضِ مترجم

حق و باطل کی کشمکش تخلیق آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی اور قیام قیامت تک جاری رہے گی۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے کفر و شرک کا راستہ روکنے کے لیے دعوت و تبلیغ میں اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لیا۔ اس طرح انھیں حالات کے مطابق باطل قوتوں کی سرکوبی کے لیے جہاد بالسیف کا حکم بھی دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا مکی دور دعوت و تبلیغ اور صبر و استقامت کا دور تھا۔ مدنی دور میں تعلیم و تزکیہ کے ساتھ ساتھ باطل کی بیخ کنی کے لیے جہاد و قتال کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسی طرح خلافت راشدہ اور اس کے بعد کے ادوار میں جہاد و قتال اسلامی تاریخ کا اہم ترین حصہ رہا ہے۔ ہمارے سلف صالحین کی قربانیوں کے صلے میں آج مسلمانوں کی آزاد ریاستیں قائم ہیں۔ زیر نظر کتاب ''الفتوح الاسلامیۃ عبر العصور'' میں ڈاکٹر عبدالعزیز العمری نے اسلامی تاریخ کے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے فتح کے معنی و مفہوم واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی جہاد کے اغراض و مقاصد بھی بیان کیے ہیں جن سے اسلامی جہاد کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں رفع ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں سے ہر دور کی چند ایک فتوحات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس میں دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ سے لے کر سلطنت عثمانیہ کے دور تک کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں صلیبی جنگوں پر خاص طور سے بہت تفصیل سے کلام کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے کیسے ہر طرح کی قربانی دے کر اسلام کی شمع کی حفاظت کی ہے اور کس طرح امت کی غفلت کے نتیجے میں مسلمان مصائب و آلام کا شکار ہوئے۔ اس طرح یہ کتاب صرف ماضی کی قصہ گوئی پر مشتمل نہیں بلکہ ہمارے سامنے اپنے احتساب کے لیے ایک آئینہ اور مستقبل کے لیے ایک واضح لائحہ عمل بھی پیش کرتی ہے۔

میں دارالسلام کے اکابر کا شکر گزار ہوں کہ ان کی عنایت سے مجھے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کرنے کی

سعادت حاصل ہوئی۔ ترجمہ، بہر حال، اصل تصنیف کے معیار کا تو نہیں ہوسکتا، تاہم میں نے کوشش کی ہے کہ مصنف کے خیالات حسبِ استطاعت اردو قارئین تک پہنچا سکوں۔ اللہ عزوجل کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ اس حقیر کوشش کو اہل اسلام کے لیے فائدے اور اصلاح کا باعث بنا دے اور یہ میرے لیے آخرت میں مغفرت کا بہانہ بن جائے۔ آمین!

عطاء اللہ ساجد

مبارک کالونی۔ گوجرانوالا

6 رجب 1440ھ

مطابق 14 مارچ 2019ء



تمہید

(فتح کا مفہوم)

عربی زبان میں ''فتح'' کھولنے کو کہتے ہیں جو ''اِغلاق'' (بند کرنے) کا متضاد ہے۔ یہاں اس سے مراد دارالحرب کو فتح کرنا اور دشمن کے علاقے میں داخل ہونا ہے۔ اس کے علاوہ ''فتح'' کا لفظ مدد اور غلبے کے معانی میں بھی آتا ہے۔ ''فتح'' کا لفظ قرآنِ مجید میں متعدد آیات میں آیا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝﴾

''ہم نے آپ کو واضح فتح عطا فرمائی۔'' (الفتح 1:48)

اور فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○﴾

''اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوا، جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے۔ وہ جانتا تھا جو اُن کے دلوں میں ہے، چنانچہ اُس نے ان پر تسکینِ قلب نازل کر دی، اور انعام کے طور پر انھیں قریب کی فتح عطا فرمائی۔'' (الفتح 18:48)

مزید فرمایا:

﴿وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○﴾

''وہ تمھیں ایک دوسری (نعمت) بھی دے گا جسے تم چاہتے ہو، وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح ہے اور مومنوں کو خوشخبری دے دیجیے۔'' (الصف 13:61)

اور فرمایا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ○﴾

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ گئی۔'' (النصر 1:110)

مزید فرمایا:

﴿وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○﴾

''کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی، وہ (دوسروں کے) برابر نہیں (بلکہ) اُن کا درجہ بعد میں خرچ کرنے والوں اور جنگ کرنے والوں سے بڑا ہے۔ اور اللہ نے بہترین (ثواب) کا وعدہ سب سے کیا ہے۔ اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے باخبر ہے۔'' (الحدید 10:57)

فتح کا مفہوم صرف فوجی فتوحات تک محدود نہیں بلکہ اس میں مختلف عسکری، ادبی اور اخلاقی میدانوں کی فتوحات بھی شامل ہیں۔ یہ سب فتوحات مل کر فوجی یلغار سے فتح ہونے والے علاقوں میں عوام کے برضا و رغبت اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنی ہیں۔ انھی کی بنا پر اُن ملکوں میں عقیدۂ توحید نے شرک کے عقیدے پر فتح پائی ہے۔

اس وسیع مفہوم کے لحاظ سے ''فتح'' کے لفظ سے وہ تمام اعمال مراد ہیں جو مسلمانوں نے انجام دیے، یعنی جہاد کرنا، شہروں کو فتح کرنا، اللہ کی طرف بلانے کے لیے زمین ہموار کرنا، اللہ کے بندوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا اور برائی کی ان قوتوں کی سرکوبی کرنا جو مختلف علاقوں میں مسلمانوں اور دوسرے لوگوں کے لیے ان مقاصد کے حصول میں رُکاوٹ بنتی ہیں۔ اس میں فوجی کارروائیاں بھی شامل ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ چلنے والی وہ دعوت بھی جس کی ابتدا رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ اپنے خاص مفہوم کے لحاظ سے یہ بابرکت عمل جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے خلفائے راشدین کے دور میں وسیع پیمانے پر اور واضح طور پر سامنے آیا۔ اس کے بعد دوسرے اسلامی ادوار میں بھی جاری رہا، مثلاً: دورِ بنی امیہ، دورِ بنی عباس، خاندانِ ایوبی، خاندانِ غلاماں (ہندوستان)، ممالیکِ مصر و شام، عثمانی سلطنت اور دوسری اسلامی سلطنتوں کا زمانہ جو ان کی ہم عصر تھیں یا ان کے بعد قائم ہوئیں۔ ان تمام ادوار میں جو نمایاں جہادی تحریکیں سامنے آئیں، ان سب کو فتوحات اور جہاد کے واقعات میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ان میں وہ دفاعی جہادی تحریکیں بھی شامل ہیں جن کا مقصد دشمن کو روکنا اور مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کرنا تھا۔

فتوحات کے مقاصد

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول جنابِ محمد ﷺ کو دینِ اسلام دے کر تمام دنیا کے لوگوں کی طرف بھیجا تھا، جیسے ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ (یہ حقیقت) نہیں جانتے۔'' (سبا 28:34)

اور اللہ تعالیٰ نے اس دین کی مدد اور غلبے کا وعدہ کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۝﴾

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔'' (التوبۃ 33:9)

اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے جدوجہد کی اور پوری کوشش فرمائی کہ اس دین کو تمام لوگوں تک پہنچا دیں لیکن ان سے یہ دین زبردستی قبول نہ کروائیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾

''دین میں زبردستی نہیں۔'' (البقرۃ 256:2)

اور فرمایا:

﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا تَكْتُمُوْنَ۝﴾

''رسول کے ذمے تو محض پہنچانا ہے، اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔'' (المآئدۃ 99:5)

مکہ مکرمہ اور دوسرے علاقوں میں موجود شرک کی مختلف قوتوں نے پوری کوشش کی کہ آپ ﷺ کو تبلیغ سے روک دیں اور لوگوں کو آپ ﷺ کی بات نہ سننے دیں۔ جب قریش نے آپ ﷺ کو شہید کرنے اور آپ سے خلاصی پانے کی کوشش کی تو آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے پر مجبور ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے مشرکینِ عرب، یہود اور دیگر اسلام دشمنوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے دنیا کے ان بادشاہوں کو خط کتابت کے ذریعے سے اسلام کی دعوت پیش کرنا شروع کر دی جو آپ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام اور مملکتِ فارس (ایران) کے بادشاہ کسریٰ [1] کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ یہ دونوں اُس وقت دنیا کی سب سے طاقتور مملکتیں تھیں۔ آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی لیکن وہ لوگ کفر اور مخالفت پر اڑے رہے۔

---

[1] شاہانِ ایران میں سے ساسانی خاندان (226ء تا 651ء) کے حکمرانوں کو عربوں نے کسریٰ کہا ہے۔ یہ دراصل خسرو اوّل نوشیرواں اور اس کے پوتے خسرو پرویز بن ہرمز چہارم (610ء تا 628ء) کے نام ''خسرو'' کا معرب ہے۔

اس دوران میں آپ ﷺ جہادی معرکوں میں بھی مشغول رہے اور جزیرہ نمائے عرب میں فتوحات حاصل کرتے رہے۔ اگرچہ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری برسوں میں کہیں کہیں ارتداد کے واقعات بھی پیش آئے، تاہم یہ پورا علاقہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں اسلام کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔

آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت جہاد اور فتوحات کی ایک اور لہر اُٹھی۔ سب سے پہلے اس کا رُخ عرب کے ان قبائل کی طرف ہوا جو مرتد ہو گئے تھے۔ اسلامی فوجیں جونہی فتنۂ ارتداد کی سرکوبی سے فارغ ہوئیں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا رخ فی الفور ان دو مملکتوں کی طرف کر دیا جو اُس وقت دنیا کی سب سے طاقتور حکومتیں تھیں، یعنی فارس اور روم کی سلطنتیں۔

جہاد کا سب سے پہلا مقصد ان ملکوں کے عوام تک اسلام کی دعوت پہنچانا تھا جہاں کی قابض قوتیں اس کی راہ میں رکاوٹ بن رہی تھیں۔ وہاں کی انتظامیہ نے عوام کی آنکھوں پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ اسلام کا رخِ روشن دیکھنے سے قاصر تھے۔ فتح پانے والے مجاہدین اسلام میں تبلیغ کے مقام و مرتبے سے اچھی طرح آگاہ تھے اور یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ اسلام میں زبردستی نہیں، اس لیے وہ دشمنوں سے کوئی معرکہ شروع کرنے سے پہلے ان کے سامنے تین امور رکھتے تھے: اسلام قبول کر لیں یا اسلامی سلطنت کی اطاعت قبول کر کے جزیہ دینا شروع کر دیں، ورنہ جنگ کریں، یعنی جنگ کی باری سب سے آخر میں آتی تھی، چنانچہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو انھیں دوسرے مسلمانوں کے برابر مقام حاصل ہوتا، ان کے وہی حقوق ہوتے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور ان پر وہی فرائض عائد ہوتے جو دوسرے مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں۔ اگر وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو جاتے تو ان کے وہ حقوق ہوتے جن کو پوری طرح ادا کرنے میں مسلمانوں کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ مسلمان ان کے سامنے حکمت اور افہام و تفہیم کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کرتے۔ کسی کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾

''اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اللہ اور اس کے رسول

کے حرام کیے ہوئے کو حرام نہیں مانتے اور دینِ حق کی اطاعت قبول نہیں کرتے، ان سے جنگ کرو، حتی کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' (التوبۃ 29:9)

جہاد اور فتوحات کا ایک مقصد ان مظلوموں اور بے کسوں کو ظلم سے نجات دلانا بھی تھا جو شیطان کے دوستوں اور سرکش طاغوتوں کے پنجے میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ○﴾

''کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان لاچار مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے جنگ نہیں کرتے جو کہہ رہے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار مقرر فرما دے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جنھوں نے کفر کیا، وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو۔ یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔'' (النسآء 75:4، 76)

اس کے علاوہ کافروں کی یہ کوشش تھی کہ اگر ممکن ہو تو جنگ کے ذریعے سے دین اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا﴾

''وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے حتی کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں، اگر وہ ایسا کر سکیں۔'' (البقرۃ 217:2)

مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ مسلمانوں کی اپنے دشمنوں سے جو جنگیں ہوئی ہیں، ان میں مسلمانوں کا مقصود انسانوں کو قتل کرنا یا ان کے مال چھیننا یا لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو انتخاب کی مکمل آزادی حاصل ہو اور اگر وہ سچے دین کو قبول کرنا چاہیں تو کوئی طاقت

اور کوئی سلطنت انھیں روک نہ سکے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

''جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر بن جائے۔'' (الکھف 29:18)

اس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحہ علاقوں کے عوام طاغوتی طاقتوں کے طرح طرح کے دباؤ سے آزاد ہو کر سوچنے سمجھنے اور عقلِ سلیم سے کام لینے لگے، چنانچہ ان میں اسلام کی دعوت وتبلیغ نے بہت کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ علاقوں کے عوام، اللہ کے وعدے کے مطابق، جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے بلکہ اسلام کے دفاع کے لیے اسی طرح سربکف ہو گئے جس طرح پہلے مسلمان اسلام کا دفاع کر رہے تھے۔ اس طرح اللہ کا نام بلند ہو گیا، اور یہ بھی اسلامی فتوحات کا ایک اہم مقصد تھا جس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے ہر دور میں جہاد کیا ہے۔

فتوحات سے پہلے

اسلام کی دعوت ابتدائی ایام ہی سے عالمگیری شان کی حامل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾

''وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور حق کا دین دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اُسے ہر دین پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو ناگوار ہو۔'' (الصف 9:61)

قرآن کریم نے مسلمانوں کی تربیت ایمان اور عملِ صالح کی بنیادوں پر کی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ اپنے اندر یہ صفات پیدا کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور انھیں زمین کی سرداری عطا فرمائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں اسی طرح خلافت عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے دین کو محکم کر دے گا، جسے وہ ان کے لیے پسند کر چکا ہے اور ان کے خوف و خطر کو امن سے بدل دے گا۔ وہ (صرف) میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ جو لوگ اس کے بعد بھی ناشکری کریں، وہی فاسق ہیں۔'' (النور 55:24)

اور فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝﴾

''ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔'' (الأنبیآء 105:21)

مزید فرمایا:

﴿وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝﴾

''پھر ہم نے چاہا کہ ان پر کرم فرمائیں جنھیں زمین میں کمزور کر دیا گیا تھا اور انھی کو پیشوا اور وارث بنائیں۔'' (القصص 5:28)

اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ خود کو، اپنے ساتھیوں کو اور باقی امت کو بھی اس نئے دین کے ذریعے سے پوری دنیا کو فتح کرنے کے لیے تیار فرماتے تھے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی بشارتیں دیتے تھے، جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرُ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ»

''قسم ہے اللہ کی! یہ کام ضرور پورا ہو کر رہے گا، حتی کہ ایک سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا، اور (دورانِ سفر) اُسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا۔'' [1]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6943.

ہجرت سے پہلے جب رسول اللہ ﷺ ایامِ حج میں مختلف قبائل کو دعوت دیتے تھے، اس دوران میں آپ ﷺ نے قبیلہ بکر بن وائل کو پیشکش کی کہ آپ ﷺ ہجرت کرکے ان کے پاس آنا چاہتے ہیں، بشرطیکہ وہ اردگرد کے لوگوں کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کریں مگر انھوں نے اپنے ہمسایہ ایرانیوں کے خلاف مدد کا وعدہ کرنے سے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ہم کسریٰ سے معاہدہ کرکے یہاں رہ رہے ہیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے جواب میں ان سے فرمایا تھا کہ جو کوئی اللہ کے دین کی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے ہر طرف سے محفوظ رکھے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا: ''تھوڑی مدت ہی میں اللہ تعالیٰ تمھیں اہلِ فارس کی زمین اور مال و دولت کا مالک بنا دے گا۔'' اس وفد میں سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ [1]

اسی طرح ابنِ اسحاق نے اپنی سند سے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«لَتَفْتَحَنَّ أَرْضَ كِسْرٰى عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ»

''مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کی سرزمین کو یقیناً فتح کرے گی۔'' [2]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تاکید کے ساتھ بیان فرما رہے تھے کہ مسلمان بہت جلد فارس اور دیگر علاقوں کو، جن میں عراق بھی شامل تھا، فتح کریں گے اور وہاں دین کی تبلیغ کریں گے اور جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں تھے تو سراقہ بن مالک آپ ﷺ سے ملا۔ آپ ﷺ نے اسے بتایا کہ ایک وقت آئے گا جب کسریٰ کے کنگن تمھارے ہاتھوں میں اور اس کا تاج تمھارے سر پر ہوگا۔ اس کا مطلب یہی بنتا ہے کہ مسلمان فارس کے علاقے فتح کریں گے جن میں عراق وغیرہ کے علاقے بھی شامل ہوں گے جو اس وقت اہلِ فارس کے قبضے میں تھے۔ [3]

5ھ میں غزوۂ احزاب سے پہلے جب خندق کھودی جا رہی تھی تو ایک سخت چٹان سامنے آ گئی۔ اسے توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ نے اس پر ضرب لگائی تو بجلی کی سی ایک چمک ظاہر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی بیک آواز

---

[1] سبل الهدٰى و الرشاد: 596/2. [2] السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 271، و مسند أحمد: 100/5.
[3] الإصابة: 19/2.

اللہ اکبر کہا۔ دوبارہ ضرب لگائی تو دوبارہ چمک ظاہر ہوئی۔ آپ ﷺ نے پھر اللہ اکبر فرمایا، تو سب نے اللہ اکبر کہا۔ تیسری بار ضرب لگائی تو پھر چمک ظاہر ہوئی۔ آپ ﷺ نے پھر اللہ اکبر فرمایا، تو آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔

پہلی ضرب کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحَمْرَاءَ السَّاعَةَ»

''اللہ اکبر، مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے اس وقت اس کے سرخ محلات نظر آ رہے ہیں۔''

دوسری ضرب لگائی تو فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْأَبْيَضَ»

''اللہ اکبر، مجھے فارس کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے مدائن کا سفید محل نظر آ رہا ہے۔''

پھر تیسری ضرب لگائی تو فرمایا:

«اَللّٰهُ اَكْبَرُ، أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ، وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِي السَّاعَةَ»

''اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے اس وقت یہاں سے صنعاء کے دروازے نظر آ رہے ہیں۔''[1]

اسی وجہ سے نبیٔ اکرم ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ہمراہ موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکمل یقین تھا کہ وہ ان ممالک پر غلبہ حاصل کریں گے اور ان کے شہروں کو فتح کریں گے جن میں روایات کے مطابق حیرہ اور دوسرے شہر شامل تھے[2] جو اس وقت اہلِ فارس کے قبضے میں تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان ایام کے منتظر تھے اور ان کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب مسلمان مدائن کو فتح کرنے سے پہلے اس کے قریب پہنچے

---

[1] مسند أحمد: 4/303 اور اسے متعدد علماء نے حسن قرار دیا ہے، مثلاً: ابن حجر۔ دیکھیے: ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی السيرة النبوية الصحيحة: 2/423 اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد کی السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية، دراسة تحليلية، ص: 449، حاشیہ: 42)

[2] دیکھیے: بلاذری کی فتوح البلدان، ص: 245.

اور انھیں سفید محل نظر آیا تو انھوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور کہا: ''اللہ اکبر! کسریٰ کا سفید محل جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا ہوا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے جنگ اور جہاد سے پہلے صلح جوئی کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے ان سے خط کتابت کے ذریعے سے رابطہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے مکاتیبِ گرامی کے ذریعے سے انھیں اسلام کی دعوت دی تھی اور انھیں اسلام کا پیغام پہنچا دیا تھا، تاکہ ان سے جنگ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی آپ ﷺ کا عذر موجود ہو اور بندوں کو بھی آپ ﷺ کے حق پر ہونے کا یقین ہو۔

باب 1

نبیٔ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اسلامی فتوحات

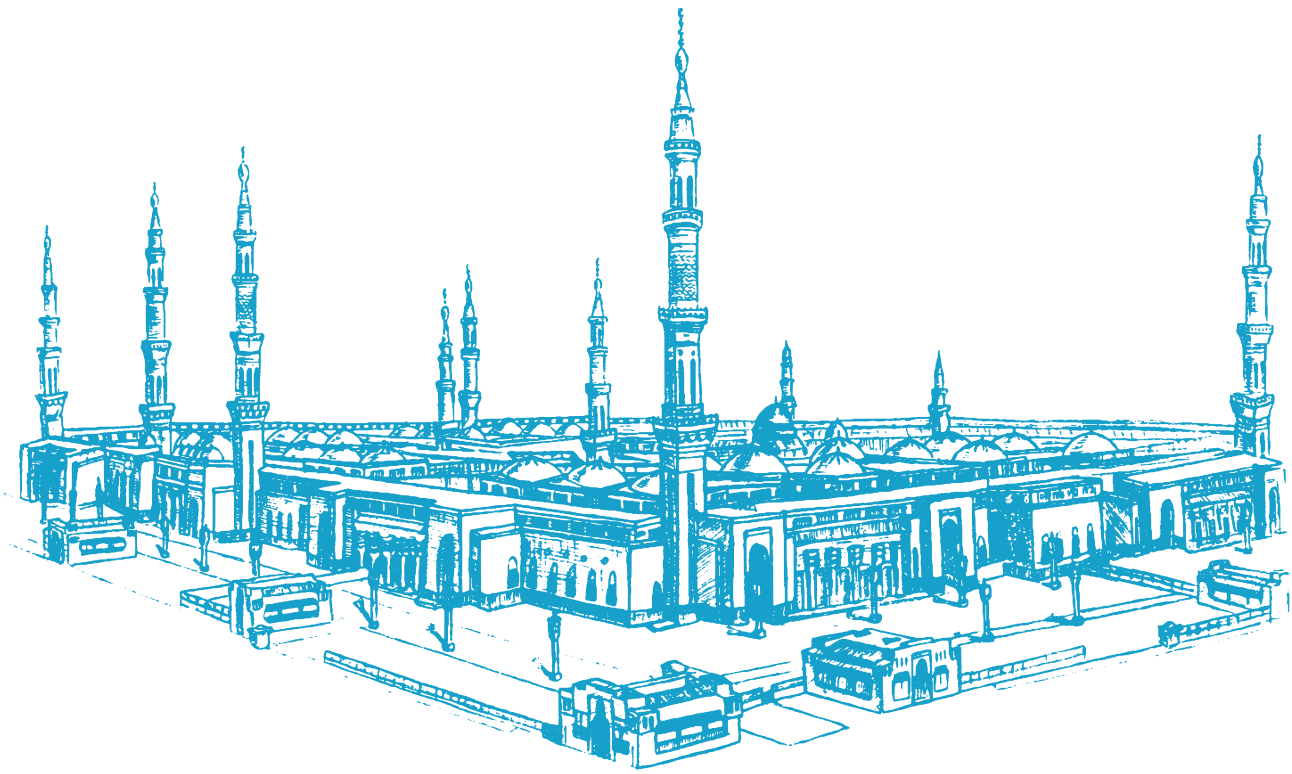

نبیٔ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں اسلامی فتوحات

رسول اللہ ﷺ کا زمانۂ مبارک

اہلِ مکہ کے لیے اسلام ایک نیا مذہب تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ منصبِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد تین سال تک خفیہ طور پر اس کی تبلیغ کرتے رہے، چنانچہ اس مرحلے میں آپ ﷺ کو مکہ کے مشرکین اور مخالفین کی طرف سے قابلِ ذکر مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کھلم کھلا تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ○﴾

''آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کیجیے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجیے۔'' (الحجر 94:15)

یہ اسلام کی تاریخ میں ایک نئے مرحلے کی ابتدا تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جانے لگیں۔ انھوں نے ان تکلیفوں کو صبر و استقامت سے برداشت کیا کیونکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا۔ اس مرحلے میں ان کی جدوجہد کا رخ کفارِ مکہ کا مقابلہ کرنے کی طرف نہیں تھا بلکہ ان میں سے بہت سے افراد اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ وہ سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں خفیہ طور پر جمع ہوتے تھے تاکہ رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مومن افراد سے رابطے میں رہیں۔ یہ مرحلہ تقریباً دس سال کے عرصے پر محیط ہے۔ اس کے آخری حصے میں آپ ﷺ نے اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایک ٹھکانا تلاش کرنا شروع کر دیا تھا، جہاں انھیں پناہ مل سکے اور وہ اپنی قوم کی ایذا رسانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ ہجرت کے لیے مناسب مقام کی تلاش کے وقت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کی اجازت ملنے کا انتظار کرتے ہوئے، آپ ﷺ کے پیشِ نظر یہ مقاصد تھے کہ وہ مقام اسلام کی دعوت کا مرکز، ان کی حکومت کا صدر مقام اور ان کے لشکر کی چھاؤنی بنے گا۔

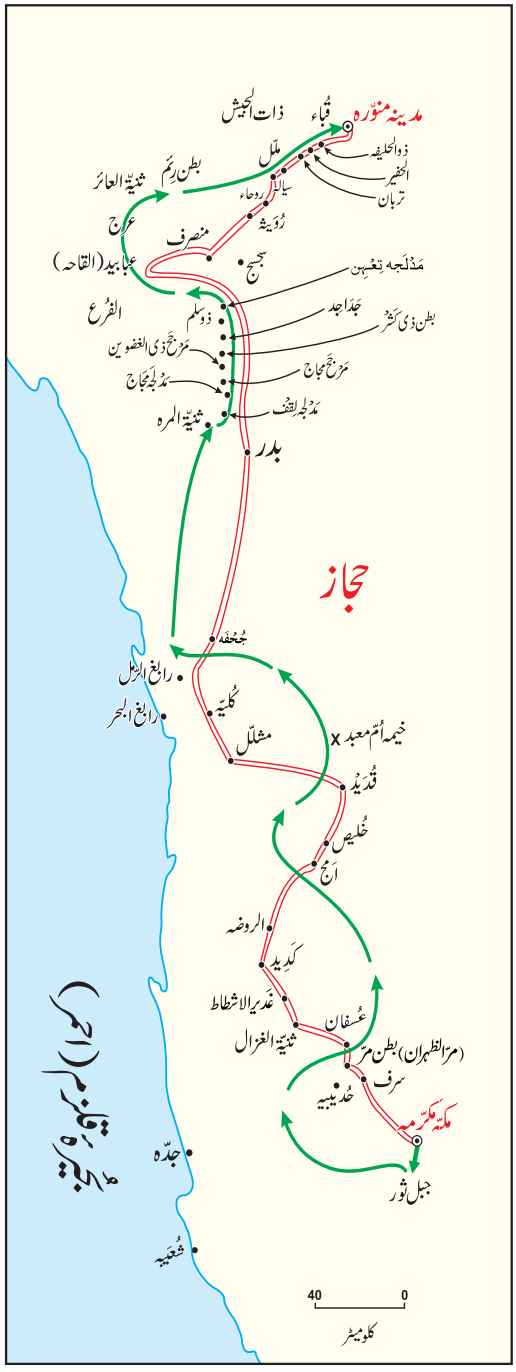

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بیعتِ عقبہ میں انصار سے چند شرائط پر اتفاق کیا تھا اور ہجرت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے پر رسول اللہ ﷺ کے لیے جہاد کرنا ممکن تھا۔



مدینہ منورہ کی ایک پرانی تصویر

آخرکار نبیٔ اکرم ﷺ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھ کر اسلامی سلطنت کی تعمیر شروع کر دی۔ آپ ﷺ مختلف جہادی دستے بھیج کر اور عمومی مشقوں کے ذریعے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کرنے لگے لیکن آپ ﷺ نے مشرکین کے خلاف عملاً جہاد اس وقت شروع کیا جب یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ○ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○﴾

”جن سے لڑائی کی جاتی ہے، انھیں (جوابی اقدام کی) اجازت دے دی گئی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے، جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا، محض اس لیے کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو (راہبوں کے) حجرے، گرجے، (یہودیوں کے) معبد اور وہ مسجدیں جہاں اللہ تعالیٰ کا نام بہت لیا جاتا ہے، (سب) گرا دیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد ضرور کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کرے اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور غالب ہے۔“ (الحج 22:39، 40)



مسلمانوں کو جنگ کی اجازت تب ملی جب ان کی ریاست اور سلطنت قائم ہو چکی تھی اور انھیں اتنی قوت حاصل ہو چکی تھی کہ وہ جہاد کر سکتے تھے۔ اجازت کے بعد وہ مرحلہ آیا جب ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا فرض قرار دیا گیا جو مسلمانوں سے جنگ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝﴾

''اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور ظلم نہ کرو۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (البقرة 190:2)

اور آخر میں تمام مشرکوں سے جنگ کرنے کا حکم دے دیا گیا اور یہ حکم نازل ہو گیا:

﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

''سب مل کر کافروں سے لڑو، جس طرح وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' (التوبة 36:9)

اس طرح مومنوں پر جہاد کا حکم نازل ہو گیا۔ [1]

---

[1] معين السيرة النبوية للشامي، ص: 178.

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بہت سے معرکوں میں حصہ لیا۔ آپ ﷺ کے غزوات کی تعداد ستائیس تک پہنچتی ہے اور آپ ﷺ نے جو مختلف جہادی مہمات روانہ فرمائیں، ان کی تعداد سینتالیس سے زیادہ ہے،[1] ان مہمات کو سرایا کہتے ہیں۔ ہم تمام غزوات اور سرایا پر گفتگو نہیں کریں گے بلکہ چند معرکے منتخب کریں گے جن کے اثرات ہمارے خیال میں کافر قوتوں سے کشمکش میں زیادہ ہمہ گیر ہیں، اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہر جہادی مہم (غزوہ یا سریہ) کا اپنے اپنے مقام پر ایک معروف و خاص کردار تھا جسے معمولی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

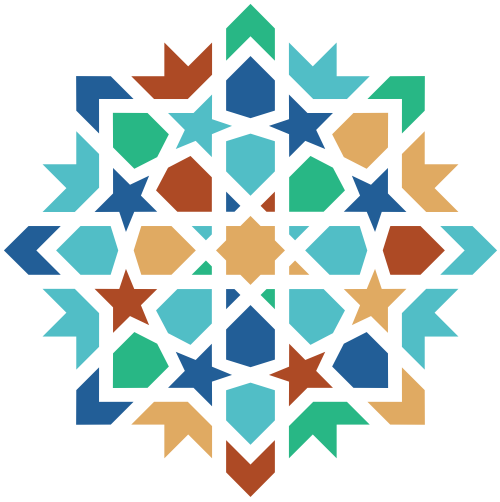

1 غزوات الرسول ﷺ و سرایاہ، ص:6.



غزوۂ بدر

(17 رمضان المبارک 2ھ)

یہ معرکہ اسلامی تاریخ میں ہر لحاظ سے مشہور ترین معرکہ شمار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے ﴿یَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ (حق و باطل میں امتیاز کا دن) قرار دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝﴾

''اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر (حق و باطل میں) فرق کر دینے والے دن نازل فرمایا، جس دن دو جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (الأنفال 41:8)

اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے حالات معلوم کرتے رہتے تھے اور کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں دی تھیں، انھیں ان کے گھروں سے بے گھر کیا تھا، ان کے مال چھین لیے تھے اور بعض کو قید کرکے اذیتیں دی تھیں۔ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا تجارتی قافلہ شام سے مکہ جا رہا ہے اور وہ اس وقت مدینہ کے قریب ہے۔ جو صحابہ کرام اس وقت موجود تھے، آپ ﷺ نے انھیں روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ [1] اور آپ ﷺ خود بھی ان کے ہمراہ کسی خاص تیاری کے بغیر تیزی سے روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ تین سو دس سے زیادہ افراد تھے، [2] جن میں سے اکثر پیدل تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ [3] ان کا خیال تھا کہ وہ کفار کے تجارتی قافلے کو جا لیں گے اور جنگ نہیں کرنی پڑے گی، اس لیے وہ لڑائی کے لیے پوری طرح تیار نہیں تھے۔

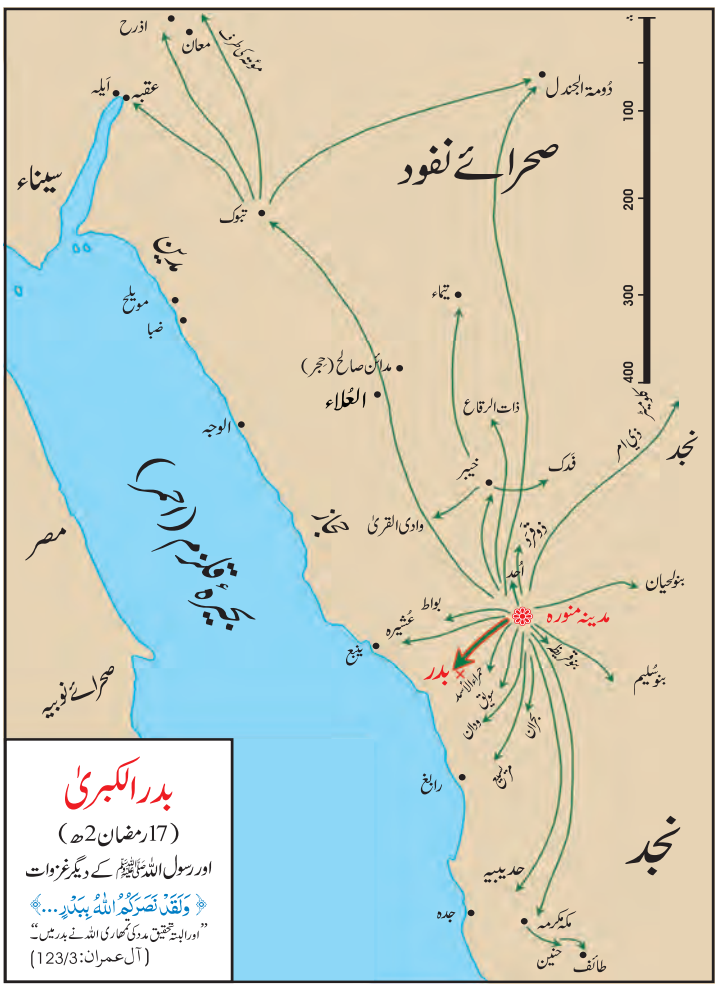

بدر الکبریٰ
(17 رمضان 2ھ)
اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر غزوات
﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ...﴾
"اور البتہ تحقیق مدد کی تمھاری اللہ نے بدر میں۔"
(آل عمران: 123/3)

قریش کے قافلے کے قائد ابوسفیان بن حرب (رضی اللہ عنہ) تھے۔ انھیں اپنے قافلے کے مال و اسباب پر مسلمانوں کے حملے کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا، اس لیے وہ بہت محتاط تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کی نقل و حرکت کے بارے میں معلوم ہوتا رہے۔ انھیں کسی طرح پتا چل گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے قافلے کی طلب میں نکلے ہیں، چنانچہ انھوں نے قافلے کا راستہ تبدیل کیا اور ساحل کے ساتھ ساتھ اس راستے پر ہو لیے جس کے بارے میں مسلمانوں کو توقع نہ تھی اور

---

[1] فتح الباري: 147/15، یہاں یہ پوری حدیث اور ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی جو شرح کی ہے، ملاحظہ فرمائیے، نیز دیکھیے: السيرة النبوية لابن هشام: 606/2. [2] مکمل حدیث کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 156/15. [3] المغازي للواقدي: 27/1، و الطبقات الكبرىٰ: 12/2.



ساتھ ہی قریش مکہ کو پیغام بھیج دیا کہ اپنے قافلے کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے نکلیں۔ قریش کی فوج اپنے خیال میں قافلے کو بچانے کے ارادے سے تیزی سے روانہ ہوئی۔ اس فوج کا کمانڈر ابوجہل حکم بن ہشام تھا۔[1] اس کے ہمراہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھنے والے، قریش کے دوسرے بڑے بڑے سردار اور سورما اور کفار کے سربرآوردہ افراد بھی تھے۔[2] ابوسفیان رضی اللہ عنہ قافلے کو مسلمانوں سے بچانے میں کامیاب رہے اور خطرے سے نکل کر خیریت سے مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ تب انھوں نے اہلِ مکہ کو خبر دینے کے لیے آدمی بھیج دیا کہ قافلہ بچ نکلا ہے، لہٰذا وہ واپس مکہ آجائیں لیکن کفار قریش کا سردار اپنے فخر و تکبر پر اڑا رہا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ بدر کے چشمے پر ضرور جائے گا۔ وہاں اونٹ ذبح کیے جائیں گے، کھانے اور شراب کی دعوت ہو گی، لونڈیاں نغمہ و ساز کے فن کا مظاہرہ کریں گی اور جشن منایا جائے گا۔ عرب کے دوسرے لوگوں کو اس کی خبر ملے گی تو ہمیشہ کے لیے ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اس فیصلے کے بعد انھوں نے اپنے مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے سفر جاری رکھا۔[3]

---

[1] یہاں مصنف سے غالباً سبقتِ قلم کی وجہ سے نام غلط لکھا گیا ہے۔ ابوجہل کا اصل نام عمرو بن ہشام تھا، اہل مکہ اسے ابوالحکم کہتے تھے۔ ہجرت سے پہلے ایک بار نبیٔ اکرم ﷺ کعبہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے تو چند مشرکین نے اونٹ کی گندی بچہ دانی آپ ﷺ کی پشت مبارک پر ڈال دی تھی جسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آکر ہٹایا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ان کے نام لے کر بد دعا دی تھی جو ان کے جنگ بدر میں قتل ہونے کی صورت میں پوری ہوئی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس دعا کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ اس کا نام ابوجہل بن ہشام ذکر کیا ہے۔ (صحيح البخاري، المغازي، حديث: 3960، دوسری روایت میں اس کا نام عمرو بن ہشام ذکر کیا ہے۔ صحيح البخاري، الصلاة، حديث: 520) [2] فتح الباري: 147/15، و السيرة النبوية لابن هشام: 209/2، و الطبقات الكبرٰى: 13/2. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 618/2، و الطبقات الكبرٰى: 13/2، و المغازي للواقدي: 42/1.

رسول اللہ ﷺ کو قریش کی روانگی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشورے کے لیے طلب فرما لیا۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رہنمائی حاصل تھی اور آپ ﷺ معصوم عن الخطا تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ اہم معاملات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے طے کرتے تھے۔ اس عمل کے بڑے اہم مقاصد تھے، ان میں سے دو اہم تر ہیں:

اوّل: مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد قائم رکھنا اور ان کی دل جوئی کرنا۔ اس موقع پر اس چیز کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، خصوصاً انصار کی دل جوئی زیادہ ضروری تھی کیونکہ وہ شہر کے باشندے تھے۔

دوم: زیادہ صحیح فیصلے تک پہنچنا۔

آپ ﷺ نے معاملہ اپنے ہم سفر اصحاب کے سامنے رکھا اور فرمایا:

«أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا النَّاسُ!»

''لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

مہاجرین میں سے متعدد حضرات نے بات کی، ان میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی بات کی۔ انھوں نے فرمایا: ''اللہ کے رسول! قسم ہے اللہ کی! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی:

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝﴾

''آپ اور آپ کا رب جا کر لڑائی کیجیے، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''[1]

لیکن (ہم یہ کہتے ہیں کہ) آپ اور آپ کا رب تشریف لے چلیے۔ ہم آپ کی قیادت میں جنگ کریں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہم کو برک الغماد تک لے چلیں گے،[2] تو ہم آپ کی قیادت میں، راستے میں آنے والوں سے لڑتے لڑتے، وہاں تک ضرور پہنچیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں دعائے خیر دی، پھر فرمایا: ''لوگو! مجھے مشورہ دو۔'' اصل میں آپ ﷺ انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ شہر کے اصل باشندے تھے اور ان کی اکثریت تھی۔ آپ ﷺ ان

---

[1] المآئدة 5:24، اس مشورے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام: 2/215 نیز ملاحظہ کیجیے فتح الباري: 15/151. [2] برک الغماد یمن کی جانب سعودی صوبہ عسیر میں ساحل پر واقع ہے۔ آج کل یہ البرک کہلاتا ہے۔

کے دل جیتنا چاہتے تھے، نیز آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ ان کو مطمئن کر کے کوئی قدم اٹھائیں تاکہ مسلمانوں میں یکجہتی قائم رہے۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی افواج، یعنی مہاجرین اور انصار کا قریش کے اور کفر کے سرداروں سے پہلا مقابلہ تھا، چنانچہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جلدی سے فرمایا: ''اللہ کے رسول! شاید آپ کا روئے سخن ہماری طرف ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں سمندر پر لے جائیں اور اس میں قدم رکھ دیں تو ہم سب آپ کے ساتھ سمندر میں گھس جائیں گے، ہم میں سے ایک آدمی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ کل آپ کے حکم سے ہمارا سامنا دشمن سے ہونے والا ہے۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور سچے دل سے جہاد کرنے والے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ اللہ کی توفیق سے آپ ہماری وہ کارکردگی دیکھیں گے کہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ اللہ کی برکت کے ساتھ روانہ ہو جائیں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو اور مہاجرین و انصار کو دعائیں دیں اور جنگ کے بارے میں اپنے لشکر کے خیالات سن کر پوری طرح مطمئن ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے۔ آپ ﷺ ان سے فرما رہے تھے: ''چلو اور خوش ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دونوں میں سے ایک جماعت کا وعدے کیا ہے۔'' اس وعدے کا ذکر اس آیتِ مبارکہ میں ہے:

﴿وَ اِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ۝﴾

''اور جب اللہ تعالیٰ نے تم سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا کہ وہ تمھارے لیے ہے اور تم چاہتے تھے کہ تمھیں بغیر اسلحہ والی جماعت ملے۔ اور اللہ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنے فرامین کے ساتھ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے۔'' (الأنفال 7:8)

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ہمراہی بدر کی طرف چلے جا رہے تھے کہ انھیں قریش کا تجارتی قافلہ مل جائے گا یا ان کا لشکر۔

---

[1] السیرة النبویة لابن هشام: 615/2، اس واقعے کی مفصل تخریج کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اکرم عمری کی السیرة الصحیحة: 359/2 اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السیرة النبویة، ص: 341.

مسلمان بدر کے قریب جا ٹھہرے اور وہ دشمنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ نبی ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ دشمن کی تعداد نو سو سے ایک ہزار افراد تک ہے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لشکر میں قریش کے کون کون سے سردار موجود ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ مَكَّةُ قَدْ أَلْقَتْ إِلَيْكُمْ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا»

''مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمھارے سامنے لا پھینکے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ ان کا سامنا مکہ کے سورماؤں اور شہسواروں سے ہو گا اور قافلہ ان کی پہنچ سے دور نکل چکا ہے۔

مسلمان بدر کے قریبی چشمے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے احترام سے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کی: ''اللہ کے رسول! کیا آپ اللہ کے حکم سے اس مقام پر ٹھہرے ہیں یا یہ آپ ﷺ کی ذاتی رائے اور جنگی اقدام ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو ایک رائے اور جنگی اقدام ہے۔'' انھوں نے عرض کی: ''یا رسول اللہ! یہ جگہ ٹھہرنے کے لیے مناسب نہیں۔ آپ لوگوں کو لے کر یہاں سے کوچ کریں اور دشمن سے قریب ترین چشمے پر جا ٹھہریں۔ پھر ہم دوسرے تالابوں اور کنووں کو (جن سے انھیں پانی ملنے کی امید ہو) پاٹ دیں گے اور اس چشمے پر حوض بنا کر پانی سے بھر لیں گے، چنانچہ ہمارے پاس پینے کے لیے پانی موجود ہو گا اور ان کے پاس نہیں ہو گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے انھیں دعا دی اور فرمایا:

«لَقَدْ أَشَرْتَ بِالرَّأْيِ»

''تم نے بہت معقول مشورہ دیا ہے۔'' [1]

فوج کے کمانڈر رسول اللہ ﷺ کے اس عمل میں ایک اہم سبق ہے۔ وہ یہ کہ بہتر موقف تک پہنچنے کے لیے کمانڈر کو اپنے فوجیوں کی بات سننی چاہیے اور دنیوی مادی اسباب اختیار کرنے چاہئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ پر بھروسا بھی رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ کے تمام اقدامات میں اللہ پر توکل کو ایک بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔

---

[1] روایت ابن اسحاق۔ السيرة النبوية لابن هشام: 620/2، اس واقعے کی تخریج کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية، ص: 345، انھوں نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔

غزوہ بدر الکبریٰ

(یوم الفرقان، یوم التقی الجمعان)

17 رمضان 2ھ، 13 مارچ 624ء

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ "بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف بستہ، گویا کہ وہ ایک عمارت ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔" (الصف 4:61)

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ "اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں جب کہ تم کمزور تھے، پس ڈرو تم اللہ سے تاکہ تم شکر کرو۔" (آل عمران 123/3)

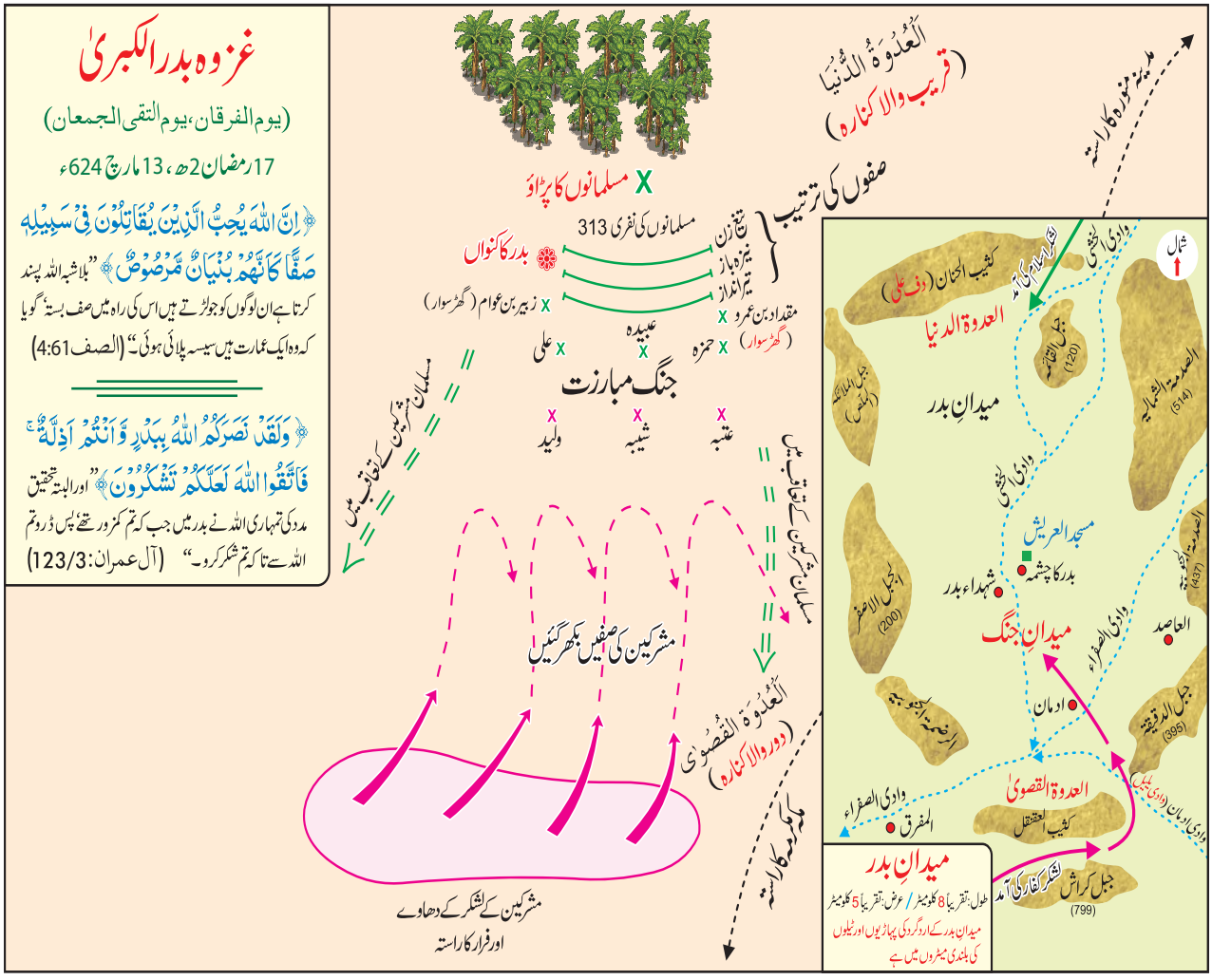

رسول اللہ ﷺ نے مشرکینِ قریش کے متعدد سرداروں کے ہلاک ہونے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وہ جگہیں بھی دکھائیں جہاں ان کفار کو گر کر مرنا تھا۔[1] اس طرح اللہ کی مدد پر مجاہدین کا یقین مزید پختہ ہو گیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھپر تیار کر دیا تھا،[2] تاکہ آپ ﷺ وقتاً فوقتاً تنہائی

---

[1] المغازي للواقدي: 49/1، و السيرة النبوية لابن هشام: 615/2، اس کی تخریج کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اکرم عمری کی السيرة الصحيحة: 359/2 اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية، ص: 344. [2] فتح الباري: 254/18، و المغازي للواقدي: 49/1، تخریج کے لیے دیکھیے: اکرم عمری کی السيرة الصحيحة: 362/2 اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية، ص: 346.

میں نماز ادا کر سکیں اور دعا کر سکیں اور جنگ کے دوران میں اگلی صفوں میں بھی موجود رہیں کیونکہ آپ ﷺ تمام سورماؤں سے بڑھ کر بہادر تھے۔

معرکے سے پہلے قریش میدان میں پہنچ گئے۔ جب وہ آئے تو نبی ﷺ نے ان الفاظ میں دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ قُرَيْشٌ قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا تُحَادُّكَ وَتُكَذِّبُ رَسُولَكَ، فَنَصْرَكَ الَّذِي وَعَدْتَّنِي، اَللّٰهُمَّ احْنِهِمُ الْغَدَاةَ»

''اے اللہ! یہ قریش تجھ سے دشمنی کرتے ہوئے اور تیرے رسول کی تکذیب کرتے ہوئے فخر وغرور کے ساتھ آ گئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما جس کا تُو نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اے اللہ! صبح انھیں پسپا کر دے۔'' [1]

قریش کے بعض حلیم الطبع بزرگوں نے کوشش کی کہ اپنی قوم کو جنگ سے روک دیں اور انھیں واپس مکہ جانے پر رضامند کر لیں لیکن ابوجہل اور اس جیسے کافر سرداروں نے معاملہ خراب کر دیا اور قریش کو قائل کر لیا کہ وہ دشمنی قائم رکھیں اور جنگ میں شریک ہوں۔ اس کے نتیجے میں اللہ کا فیصلہ پورا ہو کر رہا۔ [2]

بدر میں مسلمان رات بھر اللہ تعالیٰ سے بڑی عاجزی کے ساتھ مدد اور دشمنوں پر فتح پانے کی دعائیں کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سکینت نازل فرما دی، چنانچہ وہ مطمئن ہو گئے اور انھیں اونگھ آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

﴿اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝﴾

''جب اللہ تعالیٰ امن کے طور پر اپنی طرف سے تم پر اونگھ ڈال رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی نازل کر رہا تھا تاکہ تمھیں پاک کر دے، تم سے شیطان کی پلیدی دور کر دے، تمھارے دل مضبوط کر دے اور تمھارے قدم جما دے۔'' (الأنفال 11:8)

اس رات نبی ﷺ نماز پڑھتے رہے اور عجز و نیاز کے ساتھ رو رو کر اللہ سے مومنوں کے لیے مدد کی دعائیں کرتے رہے۔ اسی رات یا اس صبح کو آپ ﷺ نے چھپر میں دعا مانگتے ہوئے یہ بھی فرمایا:

---

[1] المغازي: 59/1. [2] المغازي للواقدي: 63/1، و السيرة النبوية لابن هشام: 622/2.

«اَللّٰهُمَّ أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَ وَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ، لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا»

''اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں، (یعنی تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے وعدے کے مطابق ہماری مدد فرما۔) اے اللہ! اگر تیری مشیت ہوئی (اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی) تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کی: ''اللہ کے رسول! کافی ہے۔ آپ نے رب سے بہت عاجزی سے دعا کر لی ہے۔'' چنانچہ آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ○﴾

''لشکر شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بلکہ ان سے قیامت کے دن کا وعدہ ہے اور قیامت بہت خوفناک اور نہایت تلخ ہے۔'' (القمر 54:45، 46، و صحيح البخاري، حديث: 2915)

اس کے برعکس مشرکینِ قریش رات بھر طعام خوری اور شراب نوشی میں مشغول رہے، لونڈیاں ساز بجاتی رہیں اور وہ اپنی طاقت اور مادی اسباب پر فخر کرتے رہے۔ وہ اپنے کفر و شرک اور اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی پر اَڑے رہے۔

جس دن معرکہ برپا ہوا، اس دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فجر کی نماز نبیٔ اکرم ﷺ کی اقتدا میں ادا کی۔ نماز کے بعد آپ ﷺ نے ان سے خطاب فرمایا اور انھیں جنگ کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تلقین فرمائی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس مسلمانوں کی صف بندی کا معائنہ فرمایا اور انھیں ہدایات دیں۔ ایک ہدایت یہ تھی:

«إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَارْمُوهُمْ وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ»

''جب وہ تمھارے قریب (اور تمھارے تیروں کی زد میں) آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور (اندھا دھند تیر برسانے کے بجائے) اپنے تیروں کو بچا کر رکھنا۔'' [1]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 3984.

نبی ﷺ تیر اندازی پسند کرتے اور اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اسی دوران میں یہ واقعہ بھی ہوا کہ نبی ﷺ صفیں سیدھی کر رہے تھے کہ سیدنا سواد بن غُزَیَّہ رضی اللہ عنہ صف سے کچھ آگے بڑھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تیر تھا۔ اس کے ساتھ انھیں برابر کرتے ہوئے فرمایا: ''سواد! برابر ہو جاؤ'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، مجھے قصاص دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے قصاص دینے کے لیے اپنے شکم مبارک سے کپڑا ہٹا دیا تو وہ حضور ﷺ کے شکم مبارک کو چومنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا يَا سَوَادُ ؟»

''سواد! تجھے اس عمل پر کس چیز نے اُبھارا؟''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! جنگ کی جو کیفیت ہے، وہ آپ کے سامنے ہے۔ میں نے چاہا کہ زندگی کے آخری وقت میں میرا جسم آپ کے جسم سے مس ہو جائے۔ آپ ﷺ نے انھیں دعا دی۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنگ شروع کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے منتظر تھے۔ تب رسول اللہ ﷺ دوبارہ چھپر میں تشریف لے گئے اور اللہ سے دعائیں کرنے لگے:

---

[1] المغازي للواقدي: 56/1، 57.



«اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ، لَا تُعْبَدْ، اَللّٰهُمَّ أَنْجِزْلِي مَا وَعَدْتَّنِي»

''اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو تیری عبادت کبھی نہ ہوگی۔ اے اللہ! تُو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، پورا فرما دے۔'' [1]

آپ ﷺ دعا کرتے رہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، انھیں آپ ﷺ پر ترس آنے لگا۔ انھوں نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! آپ کی یہ دعائیں کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے کیا ہوا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔'' پھر آپ ﷺ کو اونگھ کی جھپکی آ گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْشِرْ يَا أَبَا بَكْرٍ! أَتَاكَ نَصْرُ اللهِ، هٰذَا جِبْرِيلُ، أٰخِذٌ بِعَنَانِ فَرَسِهٖ يَقُودُهُ»

''ابوبکر! خوش ہو جائیں! آپ کے لیے اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریل (علیہ السلام) ہیں، وہ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اس کے آگے آگے چلے آ رہے ہیں!''

پھر نبی ﷺ مسلمانوں کے پاس تشریف لائے تو آپ یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ○ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَ السَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ○﴾

---

[1] فتح الباري: 18/254.



بدر کا قبرستان

''لشکر شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے بلکہ ان سے قیامت کے دن کا وعدہ ہے اور قیامت بہت خوفناک اور نہایت تلخ ہے۔'' [1]

نبی ﷺ جنگ کے لیے مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے لگے، انھیں جنت کا شوق دلانے لگے اور فرشتوں کے نازل ہونے کی بشارت دینے لگے۔ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ میں انھی حضرات کا ذکر کیا گیا ہے:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○﴾

''جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمھاری مدد کرنے والا ہوں، جو آگے پیچھے آ رہے ہیں۔'' (الأنفال 9:8)

اور اس آیت مبارکہ میں بھی انھی کا ذکر ہے:

﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○﴾

''جب آپ کا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ تم گردنوں کو اوپر سے مارو اور ان کے ہر جوڑ پر مارو۔'' (الأنفال 12:8)

دوسری طرف کافروں نے بھی صف بندی کر لی اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

ایک قریشی نے کوشش کی کہ مسلمانوں کی صفیں چیر کر چشمے تک پہنچ جائے اور پانی پی لے۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اس کا راستہ روکا اور اسے قتل کر دیا۔ [2]

پھر معرکے کی پہلی انفرادی لڑائی شروع ہوئی۔ مشرکین میں سے عتبہ بن ربیعہ، اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید بن عتبہ باہر نکلے۔ مسلمانوں میں سے سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب، علی بن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم ان کے مقابلے کے لیے آئے۔ یہ تینوں حضرات نبی ﷺ کے خاندان میں سے تھے۔ اس انفرادی لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تینوں مشرک قتل ہوئے اور سیدنا عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے جو بعد میں شہید ہو گئے۔ [3]

اس کے بعد دونوں فوجیں گتھم گتھا ہو گئیں اور بھرپور لڑائی شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی

---

[1] القمر 45:54، 46، دیکھیے: فتح الباري مذکورہ بالا حدیث: 256/16. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 624/2، و المغازي للواقدي: 68/1. [3] سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث: فتح الباري: 161/15.

ایک مٹھی لی اور دشمنوں کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''چہروں کا حلیہ بگڑ جائے۔''[1]
اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

''انھیں تم نے قتل نہیں کیا، انھیں تو اللہ نے مارا ہے۔ (اے نبی!) جب آپ نے (کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں تاکہ اللہ مومنوں کو اپنی طرف سے (ان کی محنت کا) اچھا صلہ دے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' (الأنفال 17:8)

فریقین میں جنگ تیز ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ اگلی صفوں میں موجود تھے حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خود کو آپ ﷺ کے قریب محفوظ تصور کرتے تھے۔ اس معرکے میں بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بہادری کے عظیم کارنامے انجام دیے۔ مسلمانوں کی فتح کے آثار نظر آنے لگے۔ آخر مشرکین شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ ان کے بڑے بڑے سردار جیسے ابوجہل[2] اور امیہ بن خلف وغیرہ[3] قتل ہو گئے۔ ان کے مقتولوں کی تعداد ستر تک پہنچ گئی اور جو باقی بچے وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔[4]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 706:2. [2] ابوجہل کے قتل کی تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 158/15، باب قتل أبي جهل. وہاں یہ حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے مذکور ہے۔ [3] غزوۂ بدر میں 70 کفار ہی گرفتار ہوئے۔ قیدیوں میں نبی ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور داماد سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ [4] فتح الباري: 167/15، حديثِ أنس رضی اللہ عنہ، و السيرة النبوية لابن هشام: 625/2، 631، 634، 638، 642، 708، والمغازي للواقدي: 82/1، 85، 88، 92، 100.


مسجد العریش (بدر)

جنگ ختم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ اور مجاہدین تین دن تک بدر میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں انھوں نے اپنے شہداء کو دفن کیا جن کی تعداد چودہ تھی۔ [1] مشرکین کی لاشیں بدر کے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر ان کے نام لے لے کر آواز دی:

«يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ! أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللهَ وَ رَسُولَهُ ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟»

''اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا تمھاری خواہش ہے کہ تم نے اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برادری کی ہوتی؟ ہمارے رب نے ہم سے (مدد اور فتح کا) جو وعدہ کیا تھا، ہم نے دیکھ لیا کہ وہ سچا ہے۔ (تم بتاؤ) تمھارے رب نے تم سے (انکار کی صورت میں جہنم میں داخلے کا) جو وعدہ کیا تھا، وہ بھی سچا ہوا یا نہیں؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ ان لاشوں سے کیا کلام فرما رہے ہیں جن میں جان ہی نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں جو کہہ رہا ہوں، اُسے تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔'' قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا۔ انھیں ڈانٹنے اور ذلیل کرنے، نیز انھیں غم اور ندامت میں مبتلا کرنے کے لیے آپ ﷺ کے الفاظ سنا دیے۔ [2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے ہمراہیوں سمیت فتح یاب ہو کر سلامتی سے مدینہ منورہ کی طرف لوٹ آئے۔ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں نے انتہائی خوشی کے عالم میں آپ ﷺ کا استقبال کیا کیونکہ آپ ﷺ خیریت سے تشریف لے آئے تھے اور مسلمانوں کو واضح فتح حاصل ہوئی تھی۔ [3]

البتہ مدینہ کے دوسرے باشندے مسلمانوں کی فتح پر غصے (اور افسوس) سے پیچ و تاب کھا رہے تھے کیونکہ یہودیوں، منافقوں اور مدینہ کے دوسرے مشرکوں کے لیے مسلمانوں کی قوت اور فتح بہت ناگوار تھی۔

غزوۂ بدر کے واقعات کے بارے میں بعض آیات نازل ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۫ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ اِذْ

---

[1] شہدائے بدر کے اسمائے گرامی کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن هشام: 706/2، 707. [2] فتح الباري: 168/15.
[3] السيرة النبوية لابن هشام: 643/2، و المغازي للواقدي: 144/1.

يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ○ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَ لِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ○ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ○ وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَ لِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

”جیسے آپ کو آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی۔ وہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد اس کے بارے میں آپ سے اس طرح تکرار کر رہے تھے جیسے کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہو اور وہ (موت کو) دیکھ رہے ہوں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے تم سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا کہ وہ تمھارے لیے

ہے اور تم چاہتے تھے کہ تمھیں بغیر اسلحہ والی جماعت ملے اور اللہ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنے فرامین کے ساتھ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے، خواہ مجرموں کو ناگوار ہو۔ اور یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اللہ نے تمھاری دعا قبول کی (اور فرمایا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمھاری مدد کرنے والا ہوں جو آگے پیچھے آ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں کے ساتھ) یہ امداد اس لیے کی کہ تمھارے لیے خوش خبری ہو، اور تمھارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو جائے۔ (ورنہ) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ اور (یاد کرو) جب اللہ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے تسکین کے لیے اور آسمان سے تم پر پانی برسا رہا تھا کہ اس کے ذریعے سے تمھیں پاک کر دے اور شیطانی وسوسہ تم سے دور کر دے اور تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس کے ساتھ (تمھارے) قدم جما دے۔ اور (یاد کرو) جب آپ کا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں، تم مومنوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ تم گردنوں کو اوپر سے مارو اور ان کے ہر جوڑ پر مارو۔ یہ (سزا) اس لیے ہے کہ انھوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، اور جو کوئی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ (ایسے لوگوں کو) سخت سزا دینے والا ہے۔ یہ (سزا) چکھو، اور یقین کرو کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب (مقرر) ہے۔ اے مومنو! جب تم میدانِ جنگ میں کافروں کے مقابل آؤ تو اُن سے پشت مت پھیرنا۔ اور جو شخص اس موقع پر ان سے پیٹھ پھیرے، سوائے اس کے کہ وہ لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو، یا (اپنی) جماعت سے آملنے کے لیے پلٹتا ہو، (ورنہ جو ایسا کرے گا) وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ پہنچنے کی بری جگہ ہے۔ انھیں تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ انھیں رب نے مارا ہے اور جب آپ نے (کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی طرف سے (ان کی محنت کا) اچھا عوض دے۔ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ (ایک بات تو) یہ ہے اور (دوسری بات یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا تھا۔ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو فیصلہ تمھارے سامنے آچکا۔ اور (اب) اگر تم باز آجاؤ تو تمھارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم دوبارہ (اسی طرح) کرو گے،



مقامِ شہدائے بدر

تو ہم بھی دوبارہ (اسی طرح) کریں گے اور تمھاری جماعت تمھارے کچھ کام نہ آئے گی، خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔'' (الأنفال 8:5-19)

اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں ایک اور مقام پر اس غزوے کے واقعات کے بارے میں فرمایا:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ
الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی
عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اِذْ اَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ
لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ
عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ
فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ○ وَ اِذۡ یُرِیۡکُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِکُمۡ قَلِیۡلًا وَّ یُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا کَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ○﴾

’’جان لو کہ تم جو کچھ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا، رسول کا، (رسول کے) قرابت داروں کا، یتیموں کا، مسکینوں کا اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس پر جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر فرقان کے دن نازل فرمایا، جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسری کے مقابل ہوئیں، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ جب تم قریب والے کنارے پر تھے، اور وہ دور والے کنارے پر اور قافلہ تم سے بہت نیچے (ساحل کی طرف) تھا۔ اگر تم آپس میں وعدے کرتے تو تم وقتِ معین پر پہنچنے میں اختلاف کرتے لیکن اللہ کو تو ایک کام کر ہی ڈالنا تھا جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل دیکھ کر ہلاک ہو، اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ (حق پہچان کر) زندہ رہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ کو وہ کم دکھائے۔ اور اگر وہ تمھیں ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم دل ہار بیٹھتے اور اس کام کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ یقیناً وہ دلوں کے راز جانتا ہے۔ جب تمھارا آمنا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ انھیں تمھاری نظروں میں کم کرکے دکھا رہا تھا اور تمھیں ان کی نظروں میں کم کرکے دکھا رہا تھا تاکہ اس کام کو انجام تک پہنچا دے جو ہو جانے والا تھا۔ اور تمام کام اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔‘‘

(الأنفال 8:41-44)



بدر کا کنواں

سورۂ انفال کے باقی حصے میں بھی کلام کا موضوع جہاد، بالخصوص غزوۂ بدر سے تعلق رکھنے والے بعض واقعات و مسائل ہیں، چنانچہ یہ سورت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سورۃ الجہاد کے نام سے معروف ہوئی اور مسلمانوں کا مختلف فتوحات میں یہ معمول رہا کہ وہ جنگ شروع ہونے سے پہلے جنگ کی صفوں میں یہ سورت پڑھتے تھے۔ خلفائے راشدین کے دور میں تو ہر لشکر میں کچھ حضرات باقاعدہ اس لیے مقرر کیے جاتے تھے کہ وہ مجاہدین کے سامنے یہ سورت پڑھیں، کیونکہ اس سورت کی تلاوت اور اس کا علم حاصل کرنا بہت اہمیت کا حامل ہے، اس لیے کہ اس میں جہاد کے مقاصد اور اس کے اصول وقواعد بیان ہوئے ہیں۔ [1]

غزوۂ بدر مشرکینِ مکہ پر مسلمانوں کی پہلی فتح تھی اور اس کے حالات و واقعات عربوں میں مشہور ہو گئے۔ اس جنگ کے بعد سب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ مسلمان اب ایسی قوت بن چکے ہیں جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

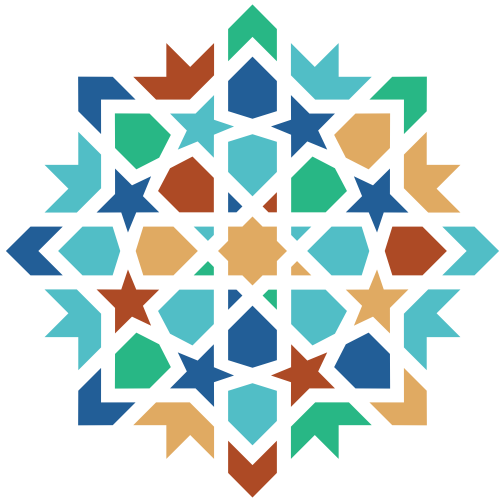

[1] السيرة النبوية لابن إسحق، ص:301.



غزوۂ اُحد

(شوال 3ھ)

بدر میں قریش کو بری طرح شکست ہوئی تھی، اسی لیے وہ اس کے بعد خاموش نہیں بیٹھے بلکہ مسلمانوں پر مدینہ منورہ میں حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔ اس میں ان سب لوگوں نے حصہ لیا جن کے باپ یا بیٹے یا کوئی اور رشتہ دار مارے گئے تھے۔ وہ لوگوں کے پاس جا جا کر انھیں رسول اللہ ﷺ اور آپ کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے لگے۔ مکہ میں یہودی گھومتے پھرتے تھے اور وہاں کے سرداروں کو جنگ کی ترغیب دیتے تھے اور مدینہ کے منافقین قریش سے عہد و پیمان کر رہے تھے کہ اگر وہ محمد (ﷺ) اور آپ کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے آئیں گے تو وہ ان کی مدد کریں گے اور جنگ کی تیاری کا مالی بوجھ برداشت کریں گے۔ اس آیت مبارکہ میں انھی کا ذکر ہے:



میدانِ اُحد

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ فَسَیُنۡفِقُوۡنَہَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡہِمۡ حَسۡرَۃً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَہَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ ۙ﴾

”بے شک جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روک دیں۔ وہ (مزید) مال خرچ کریں گے، پھر وہ مال ان کے لیے حسرت کا باعث ہوں گے، پھر وہ مغلوب ہو جائیں گے، اور جنھوں نے کفر کیا، وہ اکٹھے کر کے جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔“ (الأنفال 36:8) [1]

قریش اور ان کے حلیف قبائل نے، جن کا تعلق تہامہ وغیرہ سے تھا، اپنی تیاری مکمل کر لی۔ ان کا لشکر ہتھیار بند ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ لشکر میں آزاد مرد بھی تھے اور غلام بھی۔ کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ ان کے جنگجو افراد کی تعداد تین ہزار سے زیادہ تھی۔ [2]

اس دوران میں مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے جاسوس قریش کی نقل و حرکت کے بارے میں تفصیل

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 60/3، و المغازي للواقدي: 199/1، و سبل الهدى و الرشاد: 271/1. [2] السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 302، و المغازي للواقدي: 202/1، 203، و سبل الهدى و الرشاد: 273/4.

سے خبریں پہنچا رہے تھے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے معمول کے مطابق مسلمانوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تو مختلف آراء سامنے آئیں۔ اکثر حضرات کی رائے تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ بعض حضرات کے خیال میں مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنا زیادہ مناسب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا میلان دوسری رائے کی طرف تھا، یعنی مدینہ کے اندر ٹھہرنا چاہیے۔ [2] لیکن دشمن سے مقابلے کے لیے باہر نکلنے کی رائے رکھنے والے بہادر حضرات تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار عرض کی، چنانچہ آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے، پھر زرہ پہن کر، ہتھیار سجا کر اور جنگ کے لیے تیار ہو کر باہر تشریف لائے۔ تب جن حضرات نے مدینہ سے باہر جانے پر اصرار کیا تھا، انھیں ندامت ہوئی۔ انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو مجبور کیا۔ یہ ہمارے لیے مناسب نہیں تھا۔ آپ چاہیں تو شہر کے اندر تشریف رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنْ يَضَعَهَا حَتّٰى يُقَاتِلَ»

''نبی کے لیے مناسب نہیں کہ جب ہتھیار پہن لے، تو جنگ کیے بغیر انھیں اتار دے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا تھا۔ بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنی تلوار لہرائی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچی۔ پھر میں نے وہ تلوار دوبارہ لہرائی تو وہ پہلے سے بھی بہتر ہو گئی۔ اس کی تعبیر اللہ کی دی ہوئی فتح اور مسلمانوں کا اتحاد تھا۔ میں نے اس خواب میں کچھ گائیں دیکھیں۔ اللہ بہتری والا ہے۔ اس سے مراد وہ پریشانی تھی جو مسلمانوں کو اُحد میں پیش آئی۔'' [4]

قریش مدینہ کے قریب ایک وادی میں ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے ایک ہزار افراد کے ساتھ باہر نکلے۔ اُحد کے راستے میں منافقوں کا سردار عبداللہ بن اُبی ابن سلول [5] ایک تہائی لشکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرنا چاہتا تھا

---

[1] المغازي للواقدي: 207/1، و الطبقات الكبرٰى: 37/2، و سبل الهدٰى و الرشاد: 273/4. [2] السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 303، و المغازي للواقدي: 310/1، و سبل الهدٰى و الرشاد: 275/4. [3] مسند أحمد: 351/3، نیز دیکھیے: السيرة النبوية، ص: 381 پر اس حدیث کے لیے ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی تخریج۔ [4] فتح الباري: 123/14، دوسری روایات کے لیے دیکھیے: سبل الهدٰى و الرشاد: 274/4. [5] عبداللہ کے باپ کا نام ابی اور ماں کا نام سلول تھا، دیکھیے: صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6207 اور دیگر مقامات۔

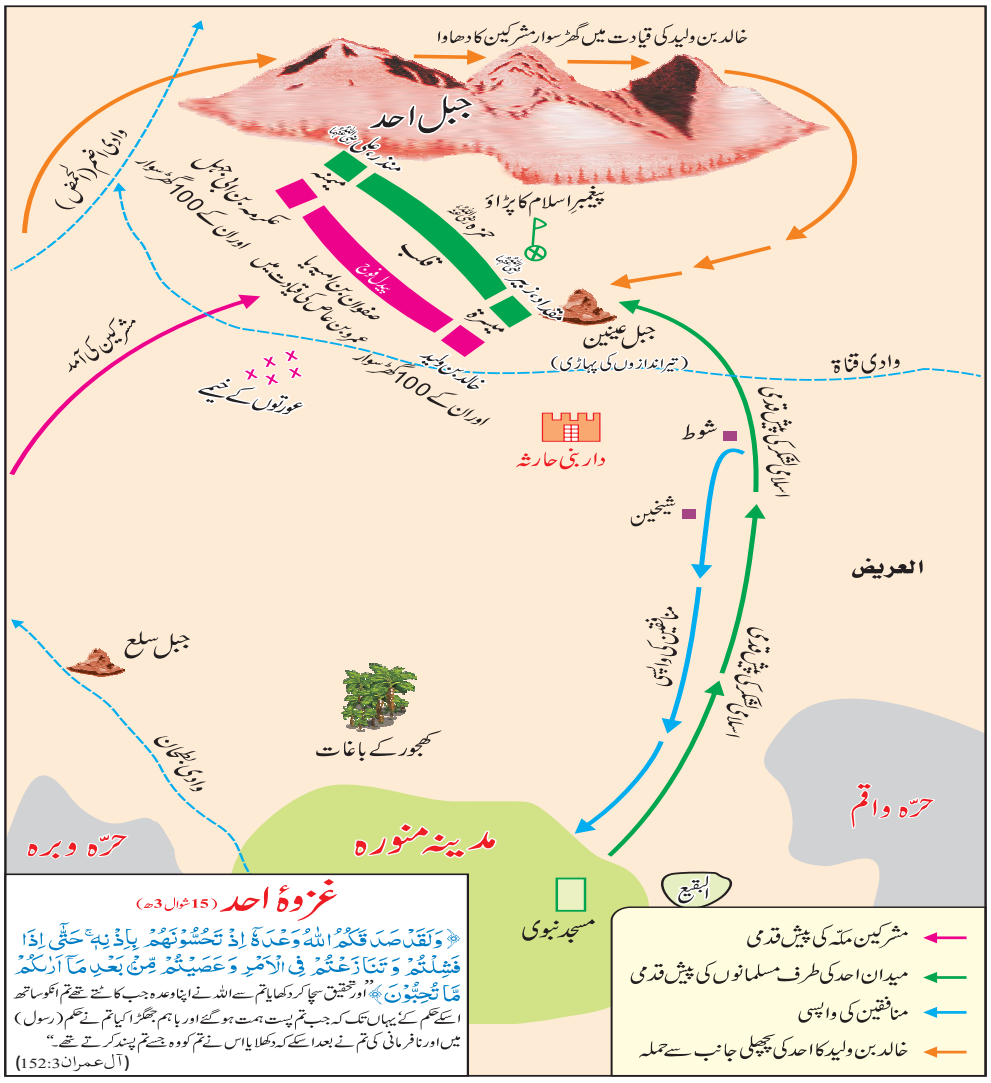

(لیکن اس کی بات نہیں مانی گئی)۔ [1]

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کا ساتھ دینے والوں کی منزل اُحد تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ مقام خود منتخب فرمایا اور وہاں مسلمانوں کی صفیں ترتیب دیں۔ آپ ﷺ نے گھاٹی کو لشکر کا مرکز بنایا جبکہ اُحد پہاڑ ان کے پیچھے تھا۔ آپ ﷺ نے حملہ آوروں کے سامنے کی ایک پہاڑی پر سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ دوسرا حکم آنے تک وہیں ٹھہرے رہیں اور تیر اندازی کے ذریعے سے مسلمانوں کا دفاع کریں تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکیں۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہو، وہ وہیں ٹھہرے رہیں اور رسول اللہ ﷺ کی

[1] المغازي للواقدي: 219/1، و الطبقات: 39/2، و فتح الباري: 232/15.

طرف سے صادر ہونے والے حکم کا انتظار کریں۔ صحیح بخاری میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: اس دن ہمارا مقابلہ مشرکین سے ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر اندازوں کا دستہ (پہاڑی پر) بٹھا دیا۔ ان کا امیر عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وہاں ٹھہرنے کا حکم دیا اور مزید فرمایا:

«إِنْ رَأَيْتُمُونَا ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَلَا تَبْرَحُوا، وَ إِنْ رَأَيْتُمُوهُمْ ظَهَرُوا عَلَيْنَا فَلَا تُعِينُونَا»

''اگر تم دیکھو کہ ہم ان (کافروں) پر غالب آ گئے ہیں، تب بھی جگہ نہ چھوڑنا، اور اگر تم دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آ گئے ہیں تب بھی (اپنی جگہ چھوڑ کر) ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔'' [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کا علم اٹھانے کے لیے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا اور جہاد کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں کو خود ترتیب دیا۔ انھیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہے، نیز جنگ میں صبر اور ثابت قدمی اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی، پھر بعض کم عمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو واپس مدینہ بھیج دیا۔ [2]

جبکہ مشرکین کی طرف ان کے سردار ابوسفیان اپنے جنگجو تیار کر رہے تھے۔ ان کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی جو مسلمانوں سے چار گنا سے بھی زیادہ تھی۔ ابوسفیان نے پہلے اپنی سپاہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا۔ ان کے بلند آواز افراد لوگوں کو جنگ کے لیے جوش دلانے لگے۔ وہ کہہ رہے تھے: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو ختم کر دو۔ قریش کی عورتیں بھی مردوں کو جوش دلانے لگیں اور گزشتہ سال بدر میں ان کے قتل ہونے والے مردوں کا ذکر کرنے لگیں۔ [3]

دونوں فوجوں نے اپنی اپنی جگہ سنبھالی اور جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تلوار تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکال کر فرمایا:

«مَنْ يَّأْخُذُ هٰذَا بِحَقِّهِ؟»

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4043، و السيرة النبوية لابن إسحاق: 305، و المغازي للواقدي: 119/1، و سبل الهدٰى والرشاد: 282/4. [2] السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 203، 308، و المغازي للواقدي: 221/1، و سبل الهدٰى و الرشاد: 282/4، 283. [3] السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 306، و المغازي لابن قتيبة: 220/1، و الطبقات لابن سعد: 41/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 283/4.

''کون اسے لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟''

سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کی:

''اللہ کے رسول! اس کا حق کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنْ تَضْرِبَ بِهِ هَامَ الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يَنْحَنِيَ»

''اسے مشرکین کی کھوپڑیوں پر مارو حتی کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے۔''

سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے تلوار لے لی، پھر اپنی جیب سے ایک سرخ پٹی نکال کر سر پر باندھ لی، پھر تلوار لے کر فاخرانہ چال سے آگے بڑھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ مِشْيَةٌ يُبْغِضُهَا اللهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا فِي مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ»

''یہ چال اللہ اور اس کے رسول کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے مقام پر پسندیدہ ہے۔''

جنگ شروع ہوئی تو سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے ساتھ بہادروں کی طرح جنگ کی۔[1] اسی طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے بے مثال شجاعت کا مظاہرہ فرمایا۔ دوسرے مسلمان بھی بہادری سے جنگ کرتے رہے حتی کہ مشرکین کی صفوں میں شکست کے آثار نظر آنے لگے اور مومنوں کو واضح فتح کا احساس ہونے لگا۔ آخر مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگے اور مسلمان ان کا تعاقب کرکے انھیں جہنم رسید کرنے لگے۔ پھر مسلمانوں نے غنیمت کا مال جمع کرنا شروع کر دیا۔ جب تیراندازوں نے پہاڑی کے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو اپنی جگہ

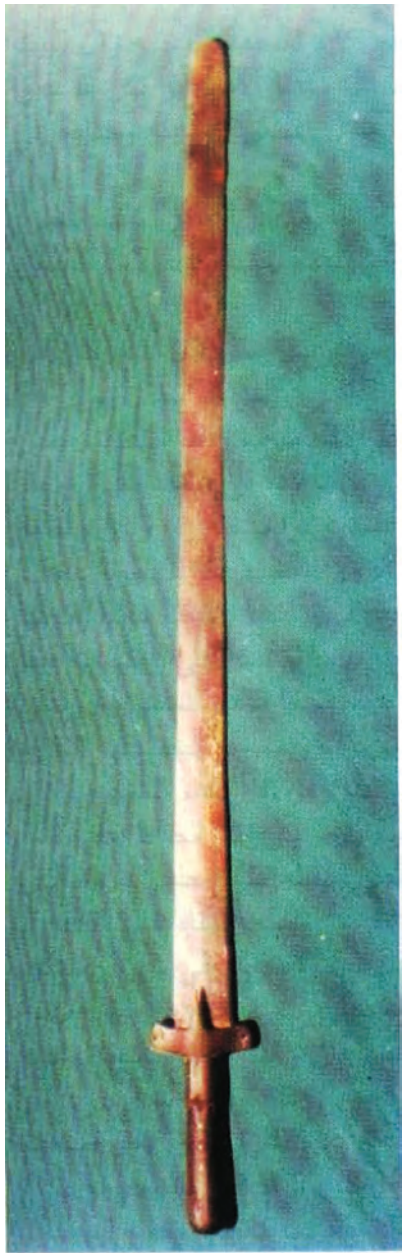

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار عضب

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، ص:305، والمغازي للواقدي:241/1، والإصابة:58/4.


کوہِ اُحد

چھوڑنے لگے۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کا حکم یاد دلا کر انھیں روکنے کی کوشش کی لیکن انھوں نے توجہ نہ دی اور (مالِ غنیمت جمع کرنے کے لیے) چلے گئے۔ ابن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چند افراد رہ گئے جن کی تعداد دس بھی نہ تھی۔ [1]

خالد بن ولید کے ساتھ قریش کے گھڑ سواروں کا دستہ تھا جو ٹیلوں پر سے صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ (پہاڑی پر) تیر اندازوں کی تعداد اتنی کم ہوگئی ہے کہ وہ سواروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ان پر حملہ کر کے انھیں اور ان کے سربراہ کو شہید کر دیا۔ پھر گھڑ سواروں کے ساتھ مسلمانوں پر ہلا بول دیا کیونکہ ان کی پشت غیر محفوظ ہو چکی تھی۔ انھوں نے پیچھے کی طرف سے حملہ کیا اور قریش کی فوج بھی گھڑ سواروں کی مدد سے دوبارہ میدانِ جنگ میں آ گئی۔ اس طرح جنگ کا پانسا پلٹ گیا اور صورتِ حال مشرکین قریش کے حق میں ہوگئی۔ [2]

ان کی کوشش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس تک پہنچ کر آپ ﷺ کو شہید کر دیں۔ ان کے بہادر اس مقصد کے لیے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کے خواہش مند تھے۔

رسول اللہ ﷺ استقامت کا پہاڑ بن کر میدان میں ڈٹے رہے اور انتہائی جانبازی سے لڑتے رہے۔ آپ ﷺ نے اُبی بن خلف کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا جو آپ ﷺ کا شدید دشمن تھا اور اس کی انتہائی خواہش تھی کہ آپ ﷺ کو شہید کر دے۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا: اگر محمد (ﷺ) بچ گئے تو اللہ کرے میں زندہ نہ رہوں! رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو اس کی طرف بڑھنے کی اجازت نہ دی، بلکہ آپ ﷺ بنفس نفیس ایک برچھی لے کر اس کے سامنے آئے۔ برچھی اس کی گردن پر لگی، بعد میں وہ اسی زخم سے مرا۔ [3]

---

[1] فتح الباري: 225/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 306، و المغازي للواقدي: 229/1. [2] فتح الباري: 225/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 307، و المغازي للواقدي: 235/1، و الطبقات: 41/2. [3] السيرة النبوية لابن إسحاق: 310، و المغازي للواقدي: 252/2، و سبل الهدٰى و الرشاد: 307/4.

اس جنگ میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے۔ آپ ﷺ کے سر میں زخم آئے، رباعی دانت شہید ہوگیا اور ہونٹ بھی زخمی ہوگیا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی بے مثال استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔ انھوں نے آپ ﷺ کے دفاع کے لیے جانیں لڑا دیں۔ ان میں سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جو مسلمانوں کے پرچم بردار تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے شہید ہوئے۔ ان میں سیدنا علی بن ابی طالب، ابودجانہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے تیر چلا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے یہ فرمایا تھا:

«اِرْمِ، فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي» ''تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر قربان!'' [2]

رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنے والوں میں سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ [3]

مشرکین نے افواہ اڑا دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔ یہ دیکھ کر سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ [4] اُٹھے اور ساتھیوں سے فرمایا: ''کیوں بیٹھ گئے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''محمد رسول اللہ ﷺ شہید ہوگئے۔'' فرمایا: ''پھر تم لوگ آپ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو، جس مقصد کے لیے رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی ہے، تم بھی اس مقصد کے لیے جان دے دو۔'' پھر کفار کی طرف بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اس دن ان کے جسم پر ستر زخم لگے۔ ان کی لاش کو کوئی نہ پہچان سکا، ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ [5]

اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے جن صحابہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا، ان کی تعداد ستر تک پہنچ گئی۔ ان میں آپ ﷺ کے چچا سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھیں وحشی نے شہید کیا جو ایک حبشی غلام تھا۔ [6] ان کے علاوہ سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ، [7] سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، [8] سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، [9]

---

[1] فتح الباري: 243/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق، ص: 311، و المغازي للواقدي: 247/1، و سبل الهدٰى والرشاد: 310/4. [2] صحيح البخاري، حديث: 2905. [3] فتح الباري: 235/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق: 307، و المغازي للواقدي: 240-243، 268. [4] شہیدِ اُحد سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ خادمِ رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ [5] السيرة النبوية لابن إسحاق: 309، و تاريخ الطبري: 18/3. [6] فتح الباري: 245/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق: 308، و سبل الهدٰى والرشاد: 318/4. [7] المغازي للواقدي: 293/1، و سبل الهدٰى والرشاد: 326/4. [8] فتح الباري: 229/15. [9] سبل الهدٰى والرشاد: 322/4.

سیدنا حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دوسرے حضرات نے شہادت پائی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم گھاٹی کی طرف سمٹ آئے۔ ابوسفیان، جو اس وقت دشمن فوج کا سالار تھا، پہاڑ پر رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں تک چڑھ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ لَا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَّعْلُونَا» ''یا اللہ! ان لوگوں کا ہم تک چڑھ آنا مناسب نہیں۔'' چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے پتھر مار مار کر نیچے اتار دیا۔ تب ابوسفیان نے کہا: ''کیا لوگوں میں محمد (ﷺ) موجود ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا تُجِيبُوهُ» ''اسے جواب نہ دو۔'' اس نے پھر کہا: ''کیا لوگوں میں ابوقحافہ کا بیٹا (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہے؟''، ''کیا لوگوں میں عمر بن خطاب موجود ہے؟'' جواب نہ ملنے پر اس نے کہا: ''یہ سب مارے گئے۔ زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود پر قابو نہ رکھ سکے اور فرمانے لگے: ''اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہتا ہے۔ اللہ نے تجھے رسوا کرنے کے لیے انھیں زندہ رکھا ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: أُعْلُ هُبَلُ (ہبل زندہ باد!) آپ ﷺ نے فرمایا: ''جواب دو۔'' عرض کی: ''کیا کہیں؟'' فرمایا: ''کہو: «اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ» ''اللہ زیادہ بلند اور زیادہ شان والا ہے۔'' ابوسفیان نے کہا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ. ''ہمارے پاس عزّٰی ہے، تمھارے پاس کوئی عزّٰی نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جواب دو۔'' صحابہ نے عرض کی: ''کیا کہیں؟'' فرمایا: ''کہو: «اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ» ''اللہ ہمارا مددگار ہے، تمھارا کوئی مددگار نہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بھی فرمایا: ''ہمارے شہید جنت میں ہیں اور تمھارے مقتول جہنم میں۔'' اس کے بعد ابوسفیان نے کہا: ''اگلے سال بدر میں مقابلہ ہوگا۔''[1]

قریش میدانِ جنگ سے واپس ہوئے تو ان کے چوبیس آدمی ہلاک ہو چکے تھے۔ مسلمانوں نے اپنے زخمیوں کا علاج کیا۔ خود رسول اللہ ﷺ زخمیوں میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے شہداء کا جنازہ پڑھایا، جن کی تعداد ستر تک پہنچ چکی تھی۔ مسلمانوں نے انھیں (اسی جگہ) دفن کر دیا۔[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی مدینہ واپس آ گئے۔ جب وہ شہر میں داخل ہوئے تو عورتیں اپنے شہیدوں پر رو رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ پر اس کا بہت اثر ہوا اور آپ ﷺ بھی اشک بار ہو گئے۔[3]

---

[1] فتح الباري: 227/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق: 313، و المغازي للواقدي: 297/1، و سبل الهدى والرشاد: 325/4. [2] فتح الباري: 225/15، و السيرة النبوية لابن إسحاق: 313، و المغازي للواقدي: 301/1، 310، و سبل الهدى و الرشاد: 326/4-330. [3] المغازي للواقدي: 311/1، 316,315، و السيرة النبوية لابن هشام: 98، و فتح الباري: 256,255/15، و سبل الهدى والرشاد: 334/4.

آپ ﷺ محتاط تھے۔ آپ ﷺ کو خطرہ محسوس ہوا کہ قریش دوبارہ مدینہ کی طرف نہ پلٹ آئیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اگلے دن ہی قریش کو خوفزدہ کرنے کے لیے ان کے تعاقب میں روانہ ہوگئے تاکہ وہ دوبارہ مدینہ کا رخ نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَخْرُجْ مَعَنَا إِلَّا مَنْ حَضَرَنَا بِالْأَمْسِ»

''ہمارے ساتھ صرف وہ افراد آئیں جو کل ہمارے ساتھ شریک تھے۔'' [1]

مسلمان حمراء الاسد تک پہنچ گئے جو مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے اور وہاں تین دن سے زیادہ قیام پذیر رہے۔ قریش کو بھی یہ خبر مل گئی۔ وہ لوگ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے واپس آنے کا سوچ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس تعاقب نے انھیں اس سے باز رکھا، چنانچہ وہ تیزی سے مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ [2]

احد میں مسلمانوں کو جو حالات پیش آئے، ان کے تذکرے پر مشتمل قرآن مجید کی کئی آیات نازل ہوئیں، جن میں یہ آیات بھی ہیں:

﴿وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ

---

[1] فتح الباري: 253/15، و المغازي للواقدي: 334/1، و الطبقات الكبرٰى: 48/2، و السيرة النبوية لابن هشام: 101/3. [2] المغازي للواقدي: 49/1، و السيرة النبوية لابن هشام: 104/3، و سبل الهدٰى والرشاد: 442-438/4.

لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ○﴾

’’اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب تم (احد میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمتی اختیار کی اور حکم (رسول) کے بارے میں جھگڑنے لگے اور جونہی اللہ نے تمھیں وہ چیز (مال غنیمت کی جھلک) دکھائی جس سے تم محبت کرتے تھے تو تم نے نافرمانی کی (اس لیے کہ) تم میں سے کچھ لوگ دنیا چاہتے تھے اور کچھ لوگ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، پھر اللہ نے تمھیں کافروں سے پھیر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ بلاشبہ (پھر بھی) اس نے تمھیں معاف کر دیا۔ اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے۔ جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول (ﷺ) تمھارے پیچھے سے تمھیں آوازیں دے رہے تھے، پھر اللہ نے تمھیں غم پر غم دیے تاکہ تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ سے چوک جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو، اس پر تمھیں غمگین نہیں ہونا چاہیے اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے، پھر اس نے غم کے بعد تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہوگئی اور دوسرا گروہ جن کے نزدیک ساری اہمیت یقیناً اپنی ذات ہی کی تھی، وہ اللہ کے بارے میں ناحق جاہلیت کا گمان کرنے لگے۔ وہ کہتے تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے: بے شک سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ (ﷺ) کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ کہہ دیجیے: اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا، وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے اور یہ اس لیے ہوا کہ جو کچھ تمھارے سینوں میں ہے، اللہ اسے آزمائے اور تاکہ تمھارے دلوں میں سے وسوسے



کوہِ اُحد کے دامن میں جبل رماۃ

صاف کردے اور اللہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے۔ بے شک جب دو لشکر (احد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن لوگوں نے راہِ فرار اختیار کی، یقیناً وہ اپنی بعض کوتاہیوں کے سبب شیطان کے بہکاوے میں آ گئے تھے اور بلا شبہ اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حوصلے والا ہے۔'' (آل عمران 3:152-155)

اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَ مَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ


سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت گاہ (پس منظر میں کوہِ اُحد)

لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ○ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ○﴾

’’بھلا (تمھارا کیا حال ہے) جب (احد میں) تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت کافروں کو پہنچائی تھی۔ کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اور احد کے دن جب دونوں لشکر باہم ٹکرائے تو تمھیں جو (نقصان) پہنچا وہ اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ جان لے کہ مومن کون ہیں اور یہ بھی جان لے کہ منافق کون ہیں۔ اور ان منافقوں سے کہا گیا تھا: آؤ! اللہ کے راستے میں لڑو یا مدافعت کرو۔ انھوں نے کہا: اگر ہمیں جنگ ہونے کا یقینی علم ہوتا تو ہم ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے مونہوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ وہ بات خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے

ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو پیچھے بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں سے (جو لڑائی میں مارے گئے) کہنے لگے: اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ (ان سے) کہہ دیجیے: اگر تم اس بات میں سچے ہو تو اپنی موت آنے پر اسے ٹال کر دکھانا۔ ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا، اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیکوکار اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ انھی سے لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج یقیناً جمع ہوئی ہے، لہٰذا تم ان سے ڈرو، تو اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' (آل عمران 3:165-174)

اس طرح یہ غزوہ مومنوں کے لیے ایک امتحان ثابت ہوا اور مومنوں کی صفیں (منافقوں سے) پاک ہو گئیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو شہادت کے منصب کے لیے منتخب فرما لیا اور منافقوں کا پردہ فاش کر دیا اور مومنوں پر رحمت فرمائی۔ اس طرح یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک اہم غزوہ ثابت ہوا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے خود شرکت فرمائی اور آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سے زخم آئے۔

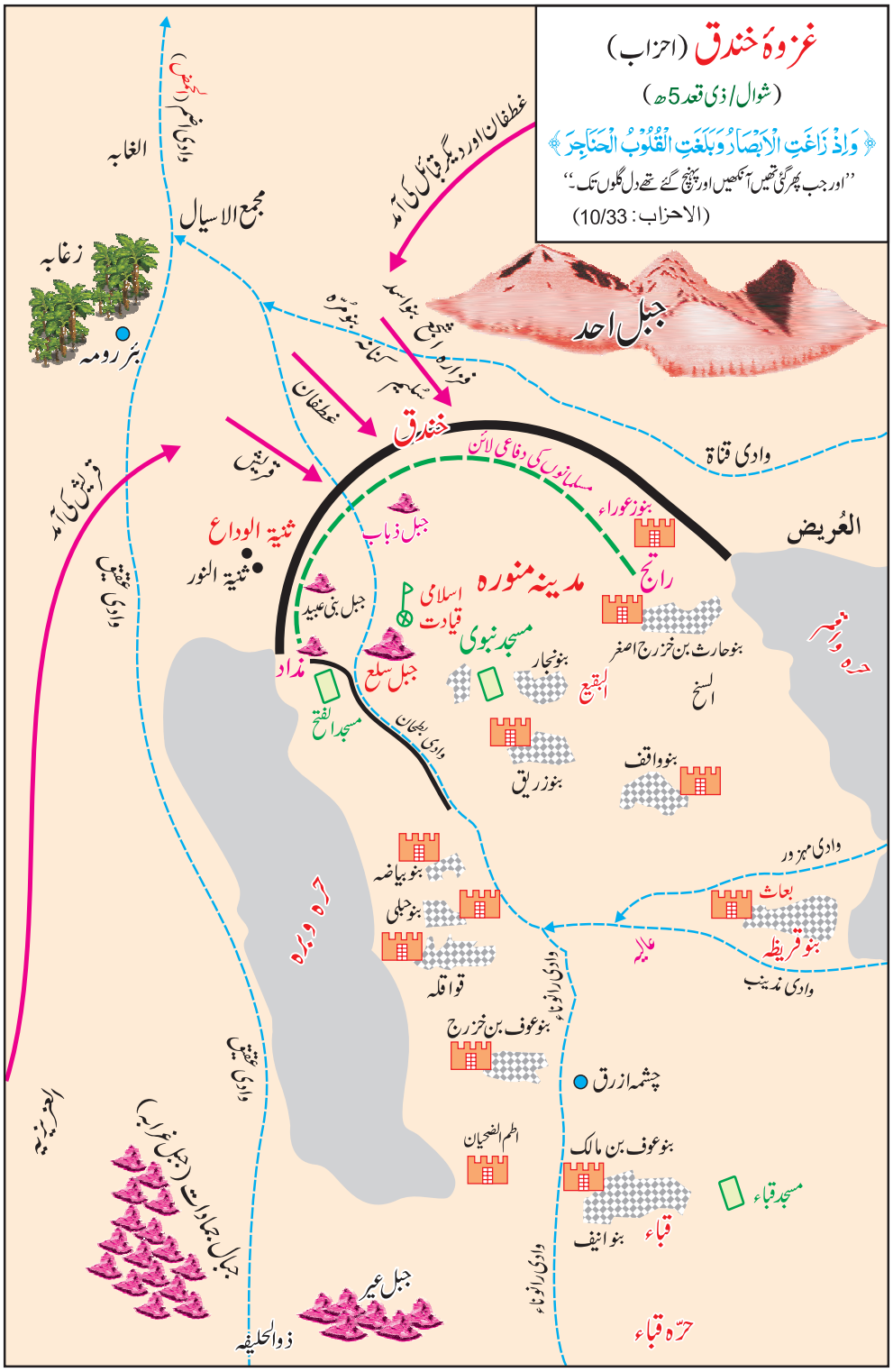
غزوۂ خندق (احزاب)
(شوال/ذی قعد 5ھ)
﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ﴾
''اور جب پھر گئی تھیں آنکھیں اور پہنچ گئے تھے دل گلوں تک۔''
(الاحزاب: 10/33)
جبل احد
غطفان اور دیگر قبائل کی آمد
وادی اضم (الحمض)
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
فزارہ، اشجع، بنو اسد
کنانہ، بنو مرّہ
سلیم
غطفان
خندق
قریش
وادی قناۃ
مسلمانوں کی دفاعی لائن
بنو زعوراء
العُریض
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
جبل ذباب
مدینہ منورہ
راتج
اسلامی قیادت
جبل بنی عبید
مسجد نبوی
بنو نجار
بنو حارث بن خزرج اصغر
حرہ واقم
مذاد
جبل سلع
البقیع
السنح
مسجد الفتح
وادی بطحان
بنو زریق
بنو واقف
وادی عقیق
قریش کی آمد
بنو بیاضہ
بنو حبلی
حرہ وبرہ
وادی مہزور
بعاث
بنو قریظہ
عالیہ
وادی مذینب
قواقلہ
وادی رانوناء
بنو عوف بن خزرج
چشمہ ازرق
اطم الضحیان
بنو عوف بن مالک
مسجد قباء
قباء
بنو انیف
جبل جمادات (جبل غراب)
العزیزیہ
جبل عیر
ذوالحلیفہ
حرّہ قباء

غزوۂ احزاب (خندق)

اس غزوے کا سبب یہ ہوا کہ مدینہ کے چند یہودی سردار مکہ گئے اور قریش کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اُکسانے لگے۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو ختم کرنے کے لیے قریش کی مدد کریں گے۔ انھوں نے یہ فتویٰ دیا کہ قریش کا دین محمد ﷺ کے دین سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان انھی کے بارے میں نازل ہوا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝﴾

”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا؟ (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں اور کافروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان لانے والوں سے زیادہ ہدایت والے ہیں۔“ (النسآء 51:4) [1]

ابوسفیان کی قیادت میں قریش نے یہود کی بات مان لی، پھر یہی یہودی سردار نجد کے قبائل غطفان وغیرہ سے ملے اور انھیں بھی مدینہ میں مسلمانوں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور ان سے بھی اسی طرح وعدے کیے جس طرح قریش سے کیے تھے۔ اس طرح یہودی مختلف جماعتوں (احزاب) کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جنگ کے لیے اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ اپنے معمول کے مطابق قریش اور دیگر دشمن قبائل کی حرکات پر نظر رکھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ کے جاسوسوں نے دشمن کے روانہ ہونے سے پہلے اس منصوبے کی خبر آپ ﷺ کو پہنچا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما لیا تاکہ ان سے مشورہ لیں کہ متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے

---

[1] المغازي للواقدي: 442/2، و السيرة النبوية لابن هشام: 215/3، و سبل الهدٰى و الرشاد: 513/4، مفصل تخریج کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية: 445. [2] فتح الباري: 275/15، و السيرة النبوية لابن هشام: 215/3، و المغازي للواقدي: 443/2، و سبل الهدٰى و الرشاد: 513/4.

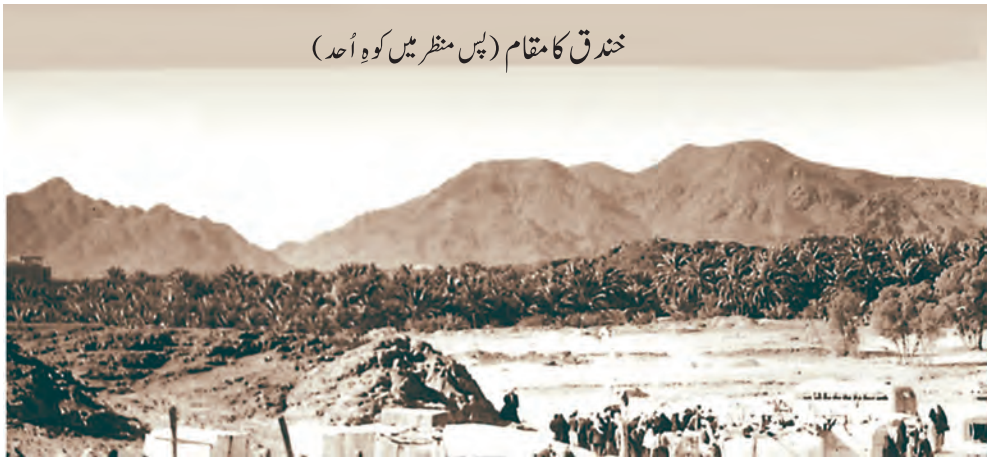
خندق کا مقام (پس منظر میں کوہِ اُحد)

کیا اقدامات کیے جائیں۔ خاص طور پر یہ مشورہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اور مدینہ والوں کے لیے ان فوجوں کا مقابلہ کرنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔

مختلف آراء جو سامنے آئیں، ان میں سے ایک رائے وہ بھی تھی جو سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی کہ مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھود لی جائے جو دشمن کی پیدل اور سوار فوجوں کو مدینہ میں داخل ہونے سے روک سکے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو دفاع میں بھی فائدہ دے، بالخصوص اس لیے بھی کہ مدینہ کی جغرافیائی پوزیشن اس کے لیے بہت سازگار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رائے کو پسند فرمایا[1] اور مجوزہ خندق کے مقام کی نشاندہی فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ کام صحابہ پر تقسیم کر دیا۔ دس دس افراد کے حصے میں چالیس چالیس ہاتھ خندق آئی۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک تھے۔ آپ ﷺ اپنے مقدس ہاتھوں میں کدال پکڑ کر کھدائی کرتے اور اپنے ہاتھوں سے مٹی نکالتے تھے۔

خندق کے دن نبی ﷺ مٹی اٹھاتے رہے حتی کہ آپ ﷺ کا شکم مبارک غبار آلود ہو کر مٹی میں چھپ گیا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

وَاللهِ لَوْلَا اللهُ مَا اهْتَدَيْنَا ... وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا ... وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ الْأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ... إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

---

[1] فتح الباري: 275/15، و المغازي للواقدي: 445/2، و سبل الهدى و الرشاد: 514/4، اس کی مفصل تخریج کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اکرم عمری کی السيرة الصحيحة: 420، اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية: 446.

''اللہ کی قسم! اگر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے، نہ نماز پڑھتے۔ (اے اللہ!) تو ہم پر تسکینِ قلب نازل فرما دے اور مقابلے کے وقت ہمیں ثابت قدمی عطا فرمانا۔ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے، جب انھوں نے فتنہ برپا کرنا چاہا تو ہم نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔'' [1]

کچھ منافق اپنے ذمے لگنے والا فرض ادا کرنے سے بچنے کے لیے چوری چھپے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○﴾

''تم رسول کے بلانے کو اپنے درمیان ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ بنا لو، یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں، لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں (دنیا میں) کوئی آزمائش آ پڑے یا انھیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔'' (النور 63:24)

مومنوں میں سے کسی کو جب کسی ضرورت کے تحت (محاذ سے) جانا پڑتا تو وہ تب تک نہیں جاتا تھا جب تک رسول اللہ ﷺ اسے اجازت نہ دے دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

''مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی جمع کرنے والے کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر (وہاں سے) نہیں جاتے،

---

[1] فتح الباري: 284/15.



جبل سلع اور مسجد الفتح
(مسجد ابو بکر، مسجد علی اور مسجد سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی نظر آ رہی ہیں)

(اے نبی!) بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، لہٰذا جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (النور 62:24)

خندق کی کھدائی کے موقع پر مسلمانوں کے سامنے ایک سخت چٹان آ گئی۔ رسول اللہ ﷺ اسے توڑنے کے لیے خود تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ نے اسے ضرب لگائی تو اس میں سے ایک چمک ظاہر ہوئی۔ آپ ﷺ نے اَللّٰهُ أَكْبَرُ فرمایا۔ تمام مسلمانوں نے آپ ﷺ کے ساتھ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کا نعرہ بلند کیا، پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی تو دوبارہ ایک چمک ظاہر ہوئی۔ آپ ﷺ نے دوبارہ اَللّٰهُ أَكْبَرُ فرمایا، تو مسلمانوں نے آپ ﷺ کے ساتھ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کا نعرہ بلند کیا، پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی تو آپ نے اَللّٰهُ أَكْبَرُ فرمایا۔ مسلمانوں نے پھر آپ ﷺ کے ساتھ اَللّٰهُ أَكْبَرُ کا نعرہ بلند کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلی ضرب کے بعد فرمایا تھا: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحَمْرَاءَ السَّاعَةَ» ''اللہ اکبر، مجھے ملک شام کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے اس وقت اس کے سرخ محلات نظر آ رہے ہیں۔'' دوسری ضرب لگائی تو فرمایا: «اَللّٰهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ

مَفَاتِيحَ فَارِسَ، وَاللهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْأَبْيَضَ» ''اللہ اکبر، مجھے ملک فارس کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے مدائن کا سفید محل نظر آ رہا ہے۔'' پھر تیسری ضرب لگائی تو فرمایا: «اَللهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ، إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِي السَّاعَةَ» ''اللہ اکبر، مجھے ملک یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ مجھے اس وقت یہاں سے صنعاء کے دروازے نظر آ رہے ہیں۔'' [1] مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ اور آپ کے ہمراہ صحابہ کرام کو یقین ہو گیا کہ وہ ان بادشاہوں پر غالب آئیں گے اور ان کے علاقے فتح کریں گے۔ انھوں نے اللہ اور رسول ﷺ کے وعدے کو سچ مانا۔ البتہ منافقین رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اللہ کا یہ وعدہ سن کر مذاق اڑانے لگے۔

﴿وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۝﴾

''اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکے فریب کا۔'' (الأحزاب 12:33)

قریش اور ان کی حامی دوسری جماعتیں مدینہ پہنچ گئیں۔ یہ لشکر دس ہزار جنگجو افراد پر مشتمل تھا۔ انھوں نے مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ وہ خندق دیکھ کر حیران رہ گئے کیونکہ اہل عرب میں اس کا رواج نہ تھا۔ مسلمانوں نے عورتوں اور بچوں کو انصار کے قلعوں میں ٹھہرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ تقریباً تین ہزار مجاہدین کے ساتھ خندق پر آ ٹھہرے۔ [2]

یہ بہت مشکل وقت تھا۔ مسلمانوں کو رات دن اپنے متعلق خطرہ رہتا تھا، بالخصوص اس لیے کہ مدینہ کے ایک حصے میں بنوقریظہ رہائش پذیر تھے۔ اگرچہ ان سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا کہ دونوں فریق مشترکہ طور پر مدینہ کا دفاع کریں گے، تاہم یہ خطرہ موجود تھا کہ یہودی اپنے وعدے پر قائم نہیں رہیں گے، اس لیے مسلمانوں کو ہر طرف خطرہ منڈلاتا محسوس ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ حال کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

---

[1] اسے امام احمد نے مسند: 303/4 میں روایت کیا ہے اور متعدد علماء نے اسے حسن قرار دیا ہے جن میں ابن حجر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ دیکھیے: ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی السيرة النبوية الصحيحة: 423/2 اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية دراسة تحليلية، ص: 449، حاشيه: 42. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 219/3، و المغازي للواقدي: 443/2، و سبل الهدى والرشاد: 524/4.

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○﴾

''جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں اور کلیجے حلقوں کو پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور شدت سے ہلا مارے گئے۔'' (الأحزاب 33:10، 11) [1]

دشمن کے جائزہ لینے والے دستے اس تلاش میں تھے کہ خندق میں کہیں ایسی جگہ ملے جہاں سے وہ خندق کو پار کر کے دوسری طرف پہنچ سکیں۔ آخر کار قریش کے چند سوار ایک جگہ سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں کے لشکر نے انھیں روک دیا اور ان میں سے کچھ افراد کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے مقتولین کی لاشیں انھیں واپس کر دی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے عوض کچھ بھی لینا پسند نہ فرمایا۔ [2]

مسلمان دن رات خندق پر پہرہ دیتے تھے تاکہ دشمن اسے پار نہ کر سکے، بالخصوص زیادہ خطرے والے مقامات پر پہرہ دینے کے بارے میں نبی ﷺ بنفس نفیس اہتمام فرماتے تھے، چنانچہ دشمن افواج نے مسلمانوں کے حفاظتی انتظامات کو کمزور کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہودیوں کے بعض افراد قریش کا ساتھ دے رہے تھے جن میں سب سے نمایاں حیی بن اخطب تھا۔ وہ بنوقریظہ کے پاس ان کے قلعوں میں گیا اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں اور اصرار کے ذریعے سے ان کے سردار کو مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑنے پر آمادہ کر لیا۔ نبی ﷺ کے جاسوسوں نے آپ ﷺ تک فوراً یہ خبر پہنچائی کہ حیی بن اخطب نے بنوقریظہ سے ملاقات کی ہے اور انھوں نے مسلمانوں سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا ہے اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف تعاون کا وعدہ کر لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس خبر سے بہت صدمہ ہوا لیکن آپ نے چاہا کہ خود اس کی تحقیق فرمائیں۔ اس کے

---

[1] فتح الباري: 283/15. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 225/3، و الطبقات الكبرٰي: 68/2، و المغازي للواقدي: 1/464، 473-474، و سبل الهدٰى و الرشاد: 4/532، 536.

ساتھ ساتھ آپ ﷺ یہ بھی چاہتے تھے کہ کسی مسلمان کو اس کا پتا نہ چلے تا کہ ان کی قوت کمزور نہ ہو اور ان کا حوصلہ پست نہ ہو، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے چار انصار صحابہ کو بھیجا جو بنوقریظہ کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے اور ان کے حلیف بھی تھے۔ ان میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو اَوس اور خزرج کے سردار تھے۔ آپ ﷺ نے ان حضرات کو حکم دیا کہ بنوقریظہ سے ان کے قلعوں میں جا کر ملیں اور خبر کی حقیقت معلوم کریں۔ اگر ان لوگوں نے واقعی عہد شکنی کی ہے تو اس خبر کو عام مسلمانوں سے پوشیدہ رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کو ڈھکے چھپے الفاظ میں اس طرح بتائیں کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو جائے۔

یہ حضرات روانہ ہوئے اور بنوقریظہ سے ملاقات کر کے اس موضوع پر بات کی۔ یہودیوں نے جواب میں سخت الفاظ استعمال کیے اور نبی ﷺ اور صحابۂ کرام کے بارے میں بہت نازیبا کلمات کہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا: ''کون ہے اللہ کا رسول؟ محمد سے ہمارا کوئی عہد و پیمان نہیں۔'' سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جو ان کے حلیف تھے، یہودیوں کو سمجھایا اور عہد شکنی کے سنگین نتائج سے آگاہ کیا لیکن انھوں نے جواب میں انتہائی گندی اور فحش زبان استعمال کی۔ وفد واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''عضل اور قارہ۔'' مطلب یہ تھا کہ جس طرح ان دو قبائل نے عہد شکنی کی تھی، یہود نے بھی اسی جرم کا ارتکاب کیا ہے۔[1]

مسلمانوں پر سخت آزمائش آ گئی۔ یہودیوں، مشرکوں اور منافقوں نے مل کر عہد شکنی کی یہ خبر خوب پھیلائی۔ اس طرح منافقین انتہائی واضح طور پر بے نقاب ہو گئے۔ ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝﴾

''اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہلِ یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) کوئی جائے قرار نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو۔ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا۔ وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو صرف (جنگ سے) فرار چاہتے تھے۔'' (الأحزاب 13:33)

---

[1] فتح الباري: 584/15، و السيرة النبوية لابن هشام، ص: 221، و المغازي للواقدي: 458/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 528/4.

مسلمانوں کی آزمائش اس وجہ سے بھی شدید تر ہوگئی تھی کہ بنوقریظہ کے مل جانے سے متحدہ دشمن کی طاقت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ یہود کے بعض افراد نے قلعوں میں موجود مسلمان خواتین پر ہاتھ اٹھانے چاہے لیکن انھوں نے بڑی بہادری سے اپنا دفاع کیا جن میں سب سے نمایاں شخصیت نبی ﷺ کی پھوپھی جان سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کی تھی۔ [1]

ان مشکل حالات میں سیدنا نُعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ غطفان سے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کی فوج میں شامل ہوکر آئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کی: ''اللہ کے رسول! میں اسلام قبول کر چکا ہوں لیکن میری قوم کو میرے مسلمان ہونے کا علم نہیں۔ آپ مجھے جو چاہیں حکم فرمائیں (میں تعمیل کروں گا)۔'' رسول اللہ ﷺ نے چاہا کہ اس گمنام مجاہد سے زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک فائدہ اٹھائیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّمَا أَنْتَ رَجُلٌ وَّاحِدٌ فَخَذِّلْ عَنَّا مَا اسْتَطَعْتَ، فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ»

''تم ایک آدمی ہو (اس لیے کوئی بڑا کام تو تمھارے ذمے نہیں لگایا جاسکتا، البتہ) تم سے جہاں تک ہو سکے، ہمارے دشمنوں کے باہمی تعاون کو ختم کرو، کیونکہ جنگ دھوکے کا نام ہے۔'' [2]

سیدنا نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے ہدایات لے کر روانہ ہوئے اور بنوقریظہ کے ہاں چلے گئے۔ ان سے آپ رضی اللہ عنہ کی جان پہچان زمانۂ جاہلیت سے چلی آرہی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''مجھے تم سے جو محبت ہے، وہ تمھیں معلوم ہی ہے۔'' بنوقریظہ نے کہا: ''ہماری نظر میں تم قابل اعتماد ہو۔'' انھوں نے فرمایا: ''تم نے محمد (ﷺ) سے جنگ کرنے میں قریش اور غطفان قبیلوں کی مدد کی ہے لیکن ان کا معاملہ تم جیسا نہیں۔ یہ شہر تمھارا ہے، اس میں تمھارے مال اور تمھارے اہل وعیال ہیں، تم یہ شہر چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔ قریش اور غطفان کو اگر موقع اچھا معلوم ہوا اور غنیمت ملتی نظر آئی تو وہ ضرور مالِ غنیمت پر قبضہ کر لیں گے اور اگر دوسری صورت پیش آئی، تو وہ اپنے علاقے میں واپس چلے جائیں گے اور تمھیں محمد (ﷺ) کے ہاتھوں میں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور تم محمد (ﷺ) کا مقابلہ نہیں کرسکو گے۔'' پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''میری یہ رائے ہے کہ تم جنگ شروع نہ کرو جب تک ان کے چند سردار اپنے پاس بطورِ ضمانت

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 228/3، و المغازي للواقدي: 460/2-462، و سبل الهدٰى و الرشاد: 529,528/4. [2] فتح الباري: 126/12.



نہ رکھ لوتا کہ تمھیں تسلی رہے کہ جب تم محمد (ﷺ) کے مقابلے میں آؤ گے تو وہ تمھیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔''

اس کے بعد سیدنا نُعَیم رضی اللہ عنہ قریشیوں کے پاس گئے اور ان کے سردار ابوسفیان بن حرب اور ان کے ساتھیوں سے کہا: ''تم جانتے ہو کہ مجھے تم لوگوں سے محبت ہے اور محمد (ﷺ) سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنوقریظہ نے محمد ﷺ سے جو بدعہدی کی ہے، اب وہ اس پر نادم ہیں۔ انھوں نے محمد (ﷺ) کے پاس قاصد بھیج کر کہا ہے: اگر ہم قریش اور غطفان کے سرداروں میں سے چند افراد آپ کے حوالے کر دیں اور آپ انھیں قتل کر دیں، پھر ہم تمھارے ساتھ مل کر ان کے باقی ماندہ افراد کے خلاف کارروائی کریں تو کیا آپ ہم سے خوش ہو جائیں گے؟ محمد (ﷺ) نے جواب میں کہا ہے: ہاں۔'' پھر سیدنا نُعَیم رضی اللہ عنہ نے بظاہر قریش کو خبردار کرتے ہوئے کہا: ''اگر بنوقریظہ تم سے ضمانت کے طور پر کچھ مطالبہ کریں تو انھیں ایک آدمی بھی نہ دینا۔'' پھر قبیلہ غطفان میں جا کر ان سے بھی وہی باتیں کہیں جو قریشیوں سے کہی تھیں اور انھیں بنوقریظہ کے خطرے سے خبردار کیا۔

غطفان، قریظہ اور قریش تینوں نے یہ متفقہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کل جنگ شروع کر دیں گے اور وہ اگلا دن ہفتے کا دن تھا۔ اس دن قریش نے بنوقریظہ کو پیغام بھیجا کہ مل کر جنگ شروع کریں۔ انھوں نے کہا: ''آج ہفتے کا دن ہے (اور ہمارا مذہب اس دن کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔) علاوہ ازیں ہم تمھارے

ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے پاس کچھ افراد ضمانت کے طور پر نہ رکھو۔ ہمیں خطرہ ہے کہ تم اپنے شہر واپس چلے جاؤ گے اور ہمیں اس شخص (محمد ﷺ) سے نبٹنے کے لیے تنہا چھوڑ دو گے۔''

قریش اور غطفان والوں نے (آپس میں) کہا: ''اللہ کی قسم! نعیم بن مسعود نے سچ کہا تھا۔'' (اور یہود سے کہا:) ''واللہ! ہم ایک آدمی بھی تمھارے حوالے نہیں کریں گے۔'' قریظہ والوں نے بھی کہا: ''نعیم بن مسعود نے سچ کہا تھا۔'' اس طرح ان میں پھوٹ پڑ گئی اور ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے۔ [1]

چنانچہ رات ہوگئی اور وہ مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے دشمن کی جماعتوں پر سخت سردی اور تیز ہوا بھیج دی جس سے ان کے خیمے اُکھڑ گئے اور دیگیں اُلٹ گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔'' (الأحزاب 9:33)

چنانچہ کافروں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور ان کی طرف سے شور وغوغا کی آوازیں سنی گئیں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ جائزہ لینے کے سوا کوئی کام نہ کریں، خواہ انھیں (کسی جنگی کارروائی کا) موقع بھی ملے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ قریش کی لشکر گاہ میں داخل ہو گئے۔ وہاں کچھ لوگ عباؤں میں لپٹے ہوئے آگ کے گرد بیٹھے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کے درمیان اس طرح داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے کہ کسی نے انھیں نہ پہچانا۔ سردی سخت تھی۔ تیز ہوا انھیں پریشان کر رہی تھی۔ ان میں ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بھی موجود تھے۔ وہ تسلی کرنا چاہتے تھے کہ ان کی فوج میں نبی ﷺ کا کوئی جاسوس تو موجود نہیں، چنانچہ انھوں

---

[1] واقعے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن هشام: 3/229-231، و المغازي للواقدي: 2/480، و الطبقات لابن سعد: 2/69، و سبل الهدى والرشاد: 4/541-544. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 2/231، و الطبقات الكبرى: 2/69، و سبل الهدى والرشاد: 4/545.

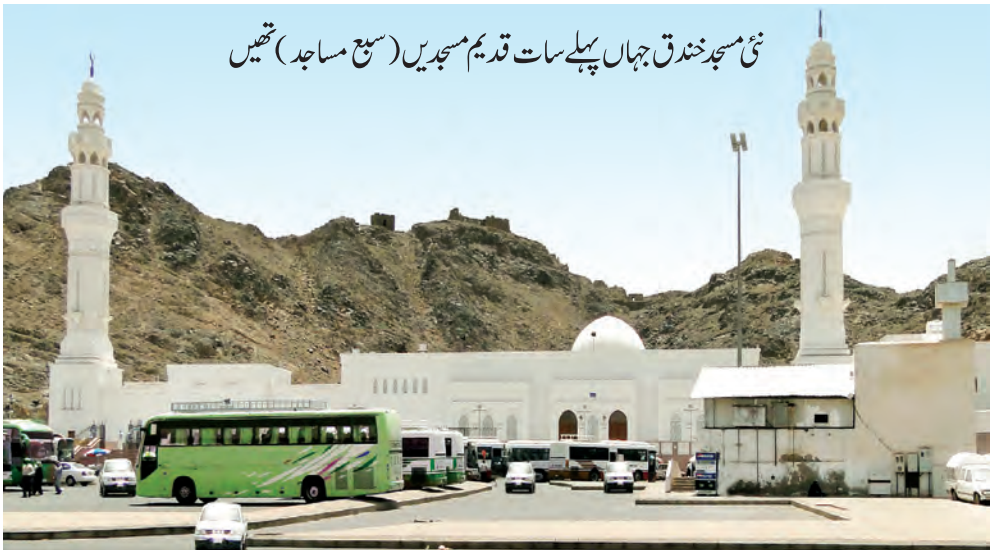

نئی مسجد خندق جہاں پہلے سات قدیم مسجدیں (سبع مساجد) تھیں

نے بات شروع کرنے سے پہلے (ساتھیوں سے) کہا: ''ہر شخص اپنے ساتھ والے کو پہچان لے (کہ اپنا ہی ہے، دشمن تو نہیں)۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اپنی دائیں طرف والے آدمی سے کہا: ''تو کون ہے؟'' پھر بائیں طرف والے سے کہا: ''تو کون ہے؟'' اس طرح ان سے کسی سے نہ پوچھا اور کافروں کو ان پر شک بھی نہ ہوا۔ پھر ابوسفیان نے بات کی اور کہا: ''اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! تم اس جگہ (زیادہ دیر) نہیں ٹھہر سکتے۔ جانور ہلاک ہوگئے ہیں۔ بنوقریظہ اپنے وعدے سے پھر گئے ہیں اور ہوا کی شدت کا جو حال ہے، تمھارے سامنے ہے۔ کوئی دیگ رکھنا یا آگ جلانا ممکن نہیں رہا۔ ہمارا کوئی خیمہ بھی کھڑا نہیں رہتا، لہٰذا کوچ کرو، میں بھی روانہ ہو رہا ہوں۔'' اس کے بعد ابوسفیان روانہ ہونے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوگیا۔ ساتھیوں نے روکا تاکہ باقی سب بھی اس کے ساتھ روانہ ہوں۔ اس طرح قریش نے پسپائی اختیار کی، البتہ کچھ سواروں کو پیچھے رہنے کو کہا کہ وہ پسپائی کے وقت (مسلمانوں کے حملے سے) حفاظت کریں، پھر دوسرے قبائل بھی ان کے پیچھے ہی کوچ کر گئے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے پسپا ہونے کی خبر دی۔ [1] اس طرح تقریباً پچیس دن بعد یہ محاصرہ ختم ہوگیا۔

جب مدینہ منورہ ان قبائل کی فوجوں سے خالی ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

---

[1] سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 284/15، والسيرة النبوية لابن هشام: 231/3-233، و المغازي للواقدي: 488/2-490، و الطبقات لابن سعد: 69/2، و سبل الهدى والرشاد: 546/4-549.

«اَلْآنَ نَغْزُوهُمْ وَلَا يَغْزُونَنَا، نَحْنُ نَسِيرُ إِلَيْهِمْ»

''آئندہ ہم ان پر حملے کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔ ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔''[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو واپس گھر جانے کی اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝﴾

''اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا۔ وہ کوئی خیر اور بھلائی نہ پا سکے اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔'' (الأحزاب 25:33)

اس جنگ میں چھ مسلمانوں نے شہادت پائی اور مشرکین کے تین افراد قتل ہوئے۔ اس غزوے کے حالات پر سورۃ الاحزاب نازل ہوئی۔ اس میں اس جنگ کے بارے میں یہ آیات آئی ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ يَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۛۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝﴾

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 4110.

''اے ایمان والو! تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تمھیں (کفار کے) لشکروں نے آلیا تھا، پھر ہم نے ان پر آندھی اور (فرشتوں کے) ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا، اور تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔ جب دشمن تم پر تمھارے اوپر (کی طرف) سے اور تمھارے نیچے (کی طرف) سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں (خوف و ہراس کی وجہ سے اصل جگہ سے) ہٹ گئیں اور کلیجے حلقوں کو پہنچ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور شدت سے ہلا مارے گئے۔ اور جب منافق اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، کہہ رہے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکے فریب کا۔ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) کوئی جائے قرار نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو، اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر تو غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو صرف (جنگ سے) فرار چاہتے تھے۔ اور اگر اس (مدینہ) کے اطراف سے ان پر (کفار کے) لشکر داخل کیے جاتے، پھر اِن سے فتنہ و فساد (خانہ جنگی میں شرکت) کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ (فوراً) اس میں کود پڑتے، اور اس (شرکتِ فتنہ) میں بس تھوڑا ہی توقف کرتے۔ اور بلاشبہ اس سے پہلے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ کے عہد کی پوچھ گچھ تو ہونی ہے۔'' (الأحزاب 33:9-15)

اس سورت میں ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ○ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ○ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ

عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ○﴾

''وہ سمجھتے ہیں کہ (ابھی تک) لشکر نہیں گئے۔ اور اگر یہ لشکر چڑھ آئیں تو وہ تمنا کرتے ہیں کاش! وہ صحرانشین دیہاتیوں میں جا بسے ہوتے اور (وہاں) تمھاری خبریں دریافت کیا کرتے۔ اور اگر وہ تم میں موجود ہوتے تو وہ (دشمن سے) لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔ بلاشبہ تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس (چیز) نے ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ کر دیا۔ مومنوں میں سے کچھ وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچ کر دکھایا، پھر ان میں سے بعض نے اپنی نذر پوری کر دی (شہادت پا گئے) اور ان میں سے بعض منتظر ہیں اور انھوں نے (عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں کی۔ تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو اگر چاہے تو عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور (غزوۂ احزاب میں) اللہ نے کافروں کو ان کے (ناکامی کے) غصے میں لوٹا دیا، وہ کوئی خیر اور بھلائی نہ پا سکے اور اس لڑائی میں اللہ مومنوں کے لیے کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔'' (الأحزاب 33:20-25)

لشکر تو واپس چلے گئے لیکن جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جونہی گھر پہنچ کر ہتھیار اُتارے، جبریل علیہ السلام تشریف لے آئے اور آپ ﷺ سے فرمایا: ''آپ نے اپنے ہتھیار اتار دیے! اللہ کی قسم! ہم نے تو نہیں اتارے۔ ان کی طرف چلیے۔'' نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کدھر؟'' جبریل علیہ السلام نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''ادھر۔'' چنانچہ نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ [1] رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ بنوقریظہ کے خائن یہودیوں سے جنگ کرنا اللہ عزوجل کا حکم ہے۔ آپ ﷺ نے جھنڈا سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اور مسلمانوں میں اعلان کروا دیا: «لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ» ''کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ کی بستی میں پہنچ کر۔'' [2] پھر آپ ﷺ خود

---

[1] فتح الباري: 293/15. [2] فتح الباري: 294/15.

روانہ ہوئے اور ساتھیوں سے جا ملے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بنوقریظہ کے قلعوں کے اردگرد پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کا محاصرہ تقریباً دو ہفتے جاری رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انھیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ان پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ انھوں نے قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے اپنے بعض حلیفوں سے مدد مانگ لی لیکن وہ یہود کے مکر وفریب اور رسول اللہ ﷺ سے کی ہوئی بدعہدیوں سے خوب واقف تھے۔ وہ بدبخت تو محصور ہونے کے دوران میں بھی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے باز نہیں آئے تھے۔ [1]

جب بنوقریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ شدت اختیار کر گیا تو انھیں یقین ہو گیا کہ اب مومنوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو متزلزل کر دیا تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ تسلیم کر کے اطاعت قبول کرنے کو تیار ہیں۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہود کے لیے سفارش کی تو آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فیصلے کا اختیار دے دیا۔ انھوں نے فرمایا: ''میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے جو مرد جنگ کے قابل ہیں، انھیں قتل کر دیا جائے، بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے۔'' [2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللهِ» ''تو نے وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے۔'' [3] سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس وقت بھی یہود سے ملاقات کی تھی جب غزوۂ خندق کے دوران میں کفار نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا، اس لیے آپ رضی اللہ عنہ ان کی بدعہدی سے ذاتی طور پر واقف تھے کیونکہ وہ اس وفد میں شامل تھے جسے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے بات چیت کرنے کے لیے بھیجا تھا، چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے سب سے وعدہ لیا کہ وہ ان کا فیصلہ قبول کریں گے اور انھوں نے یہ شرط قبول کر لی، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان یہودیوں کے حق میں دوٹوک فیصلہ دے دیا جنھوں نے عہد شکنی کی تھی، رسول اللہ ﷺ سے اور مومنوں سے بددیانتی کی تھی، بلکہ اپنے وطن سے غداری کی تھی۔ فیصلہ یہ تھا کہ ان کے جنگ کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال مسلمانوں میں غنیمت کے طور پر تقسیم کر دیے جائیں۔ اس فیصلے پر عمل ہوا اور سب سے زیادہ وہ خود جانتے تھے کہ وہ واقعی اس سزا کے مستحق ہیں، البتہ بنوقریظہ کا ایک سردار اس سزا سے بچ گیا۔ اس نے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 234/3، والمغازي للواقدي: 499/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 12:5. [2] فتح الباري: 300/15. [3] فتح الباري: 298/15.

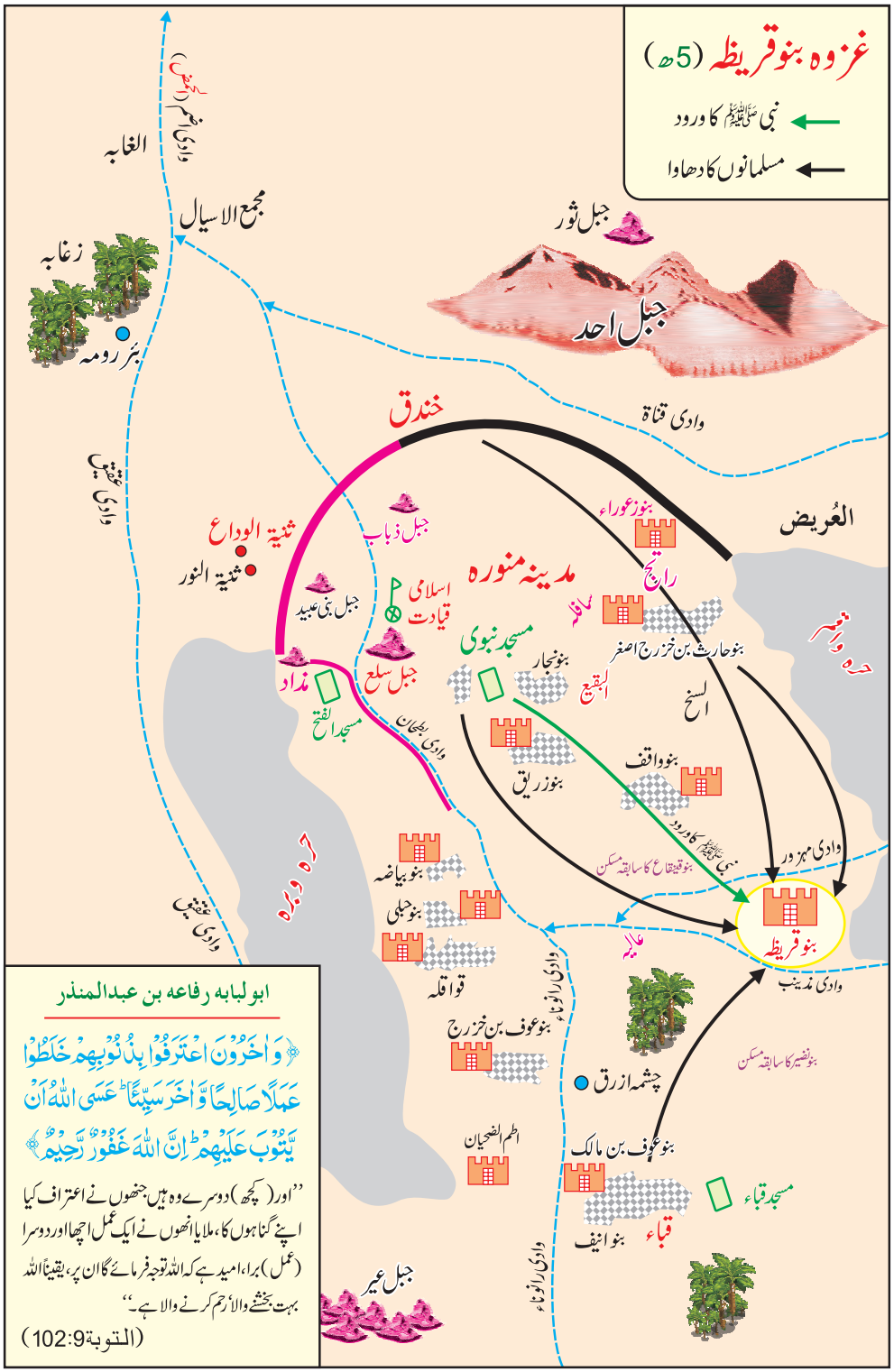
غزوہ بنو قریظہ (5ھ)
نبی ﷺ کا ورود
مسلمانوں کا دھاوا
الغابہ
وادی اضم (الحمض)
مجمع الاسیال
زغابہ
بئر رومہ
جبل ثور
جبل احد
وادی قناۃ
خندق
وادی عقیق
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
جبل ذباب
جبل بنی عبید
اسلامی قیادت
مدینہ منورہ
بنوزعوراء
راتج
سافلہ
العُریض
حرہ واقم
بنوحارث بن خزرج اصغر
مسجد نبوی
بنونجار
البقیع
السنح
جبل سلع
مذاد
مسجد الفتح
وادی بطحان
بنوزریق
بنوواقف
نبی ﷺ کا ورود
بنوقینقاع کا سابقہ مسکن
وادی مہزور
حرہ وبرہ
بنوبیاضہ
بنوحبلی
بنو قریظہ
عالیہ
وادی مذینب
قواقلہ
وادی رانوناء
بنوعوف بن خزرج
بنونضیر کا سابقہ مسکن
چشمہ ازرق
اطم الضحیان
بنوعوف بن مالک
مسجد قباء
قباء
بنو انیف
جبل عیر
ابو لبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر
﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾
''اور (کچھ) دوسرے وہ ہیں جنھوں نے اعتراف کیا اپنے گناہوں کا، ملایا انھوں نے ایک عمل اچھا اور دوسرا (عمل) برا، امید ہے کہ اللہ توجہ فرمائے گا ان پر، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''
(التوبۃ 102:9)



بستی بنو قریظہ کے کھنڈر

نبی ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑنے کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا: ''میں اس عہد شکنی میں تمھارے ساتھ شریک نہیں ہوں۔'' وہ اپنے یہودی مذہب پر قائم تھا لیکن عہد شکنی سے انکار کی وجہ سے بچ گیا۔ [1]

غزوۂ احزاب اور جنگ بنی قریظہ میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔ اللہ نے تمام دشمن گروہوں کو شکست سے دوچار کیا اور وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اللہ نے یہودیوں پر ان کی اصل حقیقت ظاہر کر دی اور مدینہ کو بنو قریظہ سے پاک کر دیا اور مسلمانوں کو ان کے مال اور ان کی زرعی زمین غنیمت میں مل گئی۔

بنو قریظہ کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ○ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ○﴾

''اور اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے کافروں کی مدد کی تھی انھیں اللہ نے ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، تم ان (بنو قریظہ) کے ایک گروہ کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے تھے۔ اور اللہ نے تمھیں ان کی زمینوں، ان کے گھروں، ان کے مالوں اور اس زمین کا وارث بنا دیا جسے تم نے پامال نہیں کیا تھا اور اللہ ہمیشہ سے ہر شے پر خوب قادر ہے۔'' (الأحزاب 33:26,27)

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 238/3، و المغازي للواقدي: 503/2.

فتح خیبر

(ربیع الاول 7ھ)

یہودیوں کے جس وفد نے مختلف قبائل کو مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی تھی، انھوں نے اپنا کام خیبر سے شروع کیا جبکہ خیبر کے یہودی خود بھی مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے قبیلہ غطفان سے معاہدہ کر لیا۔ اس کے علاوہ وہ خیبر، وادی القُریٰ، تیماء اور اس کے آس پاس کے یہودیوں سے مدینہ منورہ پر دھاوا بولنے کے وعدے لینے لگے۔ غزوۂ حدیبیہ سے واپسی کے بعد اس کی پکی خبریں مل گئیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ دشمنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور یہ عمل مسلسل جاری رکھتے تھے۔ اب گویا ایک نئی جنگ احزاب درپیش تھی، چنانچہ مسلمانوں نے اپنی تیاری کی، جبکہ خیبر کے یہودی اپنی طاقت کے بارے میں خبریں پھیلا رہے تھے۔ وہ مشہور کر رہے تھے کہ ان کے پاس تقریباً دس ہزار جنگجو موجود ہیں اور ان کے پاس ناقابل تسخیر قلعے ہیں۔

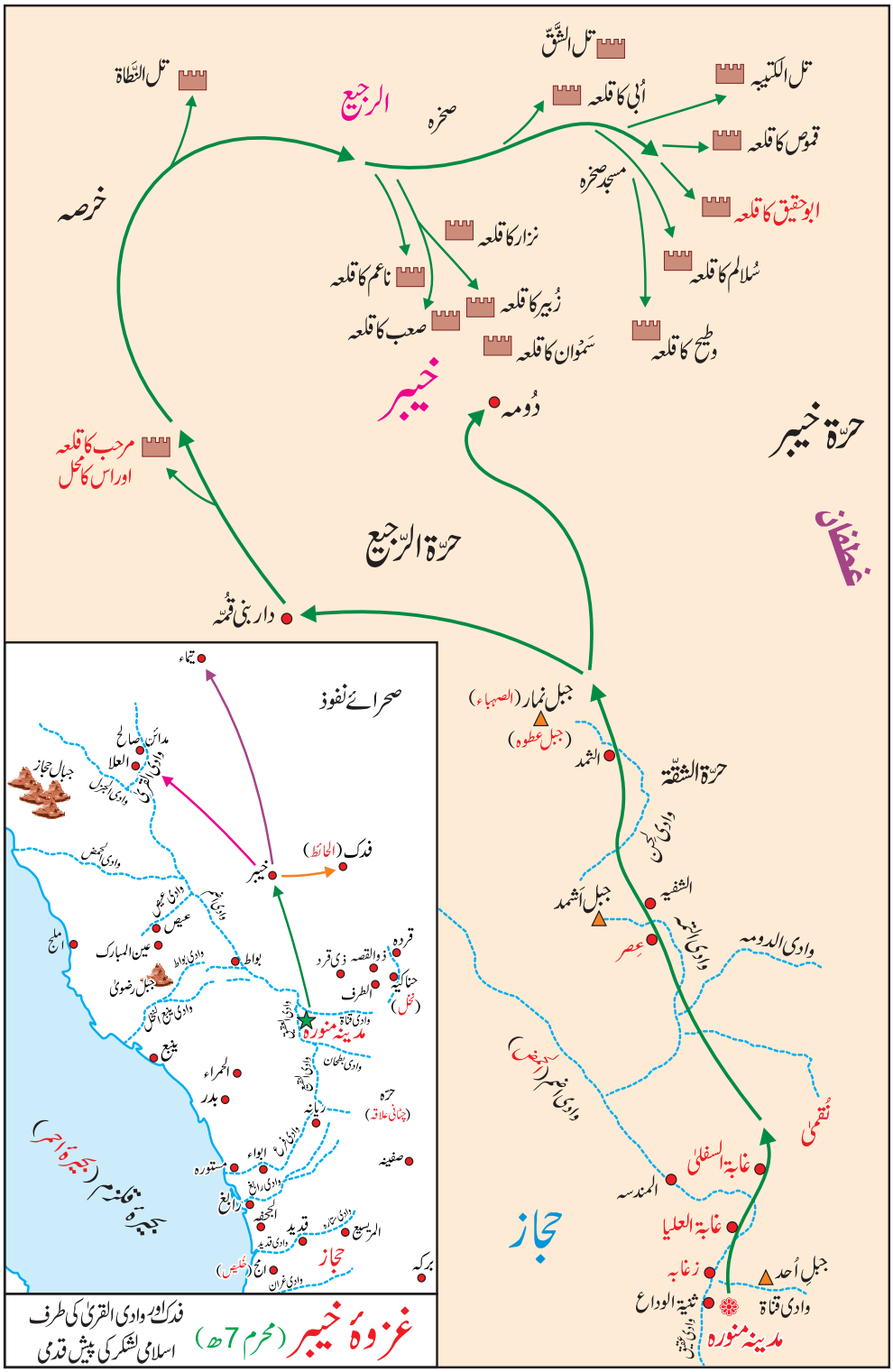
تل النّطاۃ
تل الشّقّ
تل الکتیبہ
الرجیع
صخرہ
اُبی کا قلعہ
قموص کا قلعہ
مسجد صخرہ
ابوحقیق کا قلعہ
خرصہ
نزار کا قلعہ
نا عم کا قلعہ
زُبیر کا قلعہ
سُلالم کا قلعہ
صعب کا قلعہ
سَموان کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
خیبر
دُومہ
حرّۃ خیبر
غطفان
مرحب کا قلعہ
اوراس کا محل
حرّۃ الرّجیع
دار بنی قُمّہ
تیماء
صحرائے نفوذ
جبل نمار (الصہباء)
(جبل عطوہ)
الشمد
حرّۃ الشقّۃ
وادی لہب
الشفیہ
جبل اَشمد
عِصر
وادی الدومہ
وادی الشمد
وادی نمار (الصفیہ)
قُبقبی
غابۃ السفلی
المندسہ
غابۃ العلیا
جبلِ اُحد
زغابہ
وادی قناۃ
ثنیۃ الوداع
مدینہ منورہ
حجاز
مدائن صالح
العلا
جبال حجاز
وادی الحمض
فدک (الحائط)
خیبر
وادی نمار
عیص
وادی عُرَل
ملح
عین المبارک
وادی بواط
بواط
جبل رضویٰ
وادی ینبع الکبیر
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
وادی بطحان
ینبع
الحمراء
بدر
حرّہ (چٹانی علاقہ)
رئیانہ
وادی ابواء
ابواء
صفینہ
مستورہ
وادی رابغ
رابغ
الجحفہ
المریسیع
وادی قدید
قدید
وادی غران
غران (مُطیرفی)
برکہ
جزیرہ نمائے عرب
حجاز
فدک اور وادی القریٰ کی طرف
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
غزوۂ خیبر (محرم 7ھ)

خیبر کے کھنڈر اور کھجور کے باغات



علاوہ ازیں انھوں نے مدینہ میں بچے کھچے یہودیوں اور مدینہ کے بعض منافقین کے ذریعے سے مسلمانوں کو بالواسطہ، بلکہ بلاواسطہ دھمکیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ [1]

چونکہ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ ہو چکا تھا، اس لیے قریش کے حملے کا خطرہ نہیں تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خیبر کے یہود کو حملے میں پہل کرنے کا موقع دینے کے بجائے خود پہل کر کے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مسلمان مکمل تیاری کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کی یہ فوج ایک ہزار چار سو مجاہدین پر مشتمل تھی۔ [2]

جب مسلمان خیبر کی طرف جا رہے تھے تو قبیلہ غطفان کے لوگ بھی خیبر کے یہودیوں کی مدد کرنے کے لیے نجد سے روانہ ہو گئے۔ اس وقت مسلمانوں نے ایک چال چلی اور ان تک یہ خبر پہنچائی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ان کے علاقے پر حملہ کرنے کے لیے جا رہی ہے۔ غطفان والوں نے اس خبر کو سچ سمجھا اور

---

[1] المغازي للواقدي: 634/2، و سبل الهدٰى و الرشاد: 181/5. [2] الطبقات الكبرٰى: 107/2.



خیبر کے یہودیوں کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ [1] نبی ﷺ خیبر میں راہِ شام کی طرف سے تشریف لائے۔ [2] اور اس جگہ ٹھہرے جو خیبر کے اور بنی غطفان کے علاقے کے درمیان تھی تا کہ غطفان کے لوگ یا شمالی حجاز کے یہودی میدانِ جنگ میں نہ پہنچ سکیں اور ان کے لیے خیبر کے یہودیوں سے رابطہ کرنا ممکن نہ رہے۔ مسلمان رات کے وقت خیبر کے قریب پہنچ گئے تھے اور اپنی پوزیشنیں سنبھال چکے تھے لیکن رات کو کوئی جنگی اقدام نہیں کیا۔ [3] صبح کے وقت یہودی جب اپنے کھیتوں کی طرف روانہ ہوئے، تو انھوں نے غیر متوقع طور پر مسلمانوں کی فوج کو موجود پایا، چنانچہ وہ اپنے قلعوں کی طرف یہ کہتے ہوئے پلٹے: مُحَمَّدٌ وَّالْخَمِيسَ (محمد ﷺ لشکر لے کر آ گئے۔) رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا تھا: «خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ» ''خیبر ویران ہوگیا۔ ہم جب کسی قوم کی زمین میں جا پہنچیں تو ان لوگوں کی صبح بری ہوتی ہے جنھیں تنبیہ کر دی گئی تھی۔'' [4]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 330/3، و المغازي للواقدي: 650/2، و السيرة الصحيحة: 501. [2] سبل الهدىٰ و الرشاد: 184/5. [3] فتح الباري: 45/15، و السيرة النبوية لابن هشام: 330/3، و المغازي للواقدي: 643/2. [4] صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4198.


خیبر کے کھنڈر

خیبر میں یہود کے متعدد قلعے تھے۔ مسلمان ان کا محاصرہ کرنے کے لیے مختلف جماعتوں میں تقسیم ہوگئے۔ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے پر تیر چلاتے رہتے تھے، اس طرح متعدد مسلمان شہید ہوگئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی پوری کوشش تھی کہ دوسرے قلعوں کے حالات سے باخبر رہیں۔ [2] الغرض مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے کئی قلعے فتح کر لیے جن میں قلعہ ناعم اور قلعہ صعب بھی شامل تھے۔ [3] خیبر کے ایک قلعے کا نام نطاۃ تھا۔ [4] اس میں دفاع کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس میں اسلحہ اور غذائی سامان وافر مقدار میں موجود ہے اور اس میں ایک منجنیق اور دبابہ بھی ہے۔ [5] اگر مسلمان اسے فتح کر لیں تو ان ہتھیاروں سے دوسرے قلعے فتح کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی پوری توجہ اس قلعے کا محاصرہ کرنے اور اسے فتح کرنے پر مرکوز کر دی، بالآخر اسے فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس میں انھیں غلہ اور غذائی اشیاء ملیں، جن سے دشمنوں کے خلاف جہاد میں مدد ملی۔ اس کے علاوہ کئی قسم کا اسلحہ بھی ملا، جس سے انھوں نے باقی قلعوں پر حملہ کرنے میں فائدہ اٹھایا۔ [6]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 334/3، و المغازي للواقدي: 643/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 186/5.
[2] المغازي للواقدي: 647/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 191/5. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 332,331/3، و سبل الهدىٰ والرشاد: 187/5. [4] نطاۃ دراصل تین قلعوں کا سلسلہ تھا جس میں ناعم، صعب اور حصن زبیر نامی قلعے شامل تھے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا۔ یہ قلعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا اور یہودی سردار مرحب ان کے ہاتھوں قتل ہوا۔ [سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام): 8/355-365] [5] منجنیق اس دور کی توپ تھی جس سے بڑے بڑے پتھر قلعے پر پھینک کر اس کی دیوار توڑی جاتی تھی۔ دبابہ لوہے کی چادروں جیسی چیز جس کے نیچے چل کر قلعے تک پہنچتے تھے تاکہ قلعے کے اوپر سے آنے والے تیروں وغیرہ سے بچاؤ ہوسکے۔ [6] المغازي للواقدي: 647/2.

مسلمانوں کو قلعہ قموص [1] فتح کرنے میں مشکل پیش آئی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے فتح ہونے کی بشارت دی۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے بیان کے مطابق غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ» ''میں یہ جھنڈا کل اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات بھر یہی باتیں کرتے رہے کہ جھنڈا کسے ملے گا۔ صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر کسی کی یہ خواہش اور امید تھی کہ جھنڈا اسے ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ؟» ''علی بن ابوطالب کہاں ہے؟'' عرض کی گئی: ''یا رسول اللہ! ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔'' ارشاد ہوا: «فَأَرْسِلُوا إِلَيْهِ» ''اسے بلاؤ۔'' انھیں حاضر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور انھیں دعا دی۔ وہ بالکل تندرست ہوگئے، گویا تکلیف کبھی تھی ہی نہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں جھنڈا عنایت فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! کیا میں ان سے جنگ کرتا رہوں حتی کہ وہ ہماری طرح (مسلمان) ہو جائیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِّنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ فَوَاللهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللهَ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ» ''آرام سے چلو حتی کہ ان کے علاقے میں جا پہنچو، پھر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اسلام میں ان پر اللہ کے کیا حق واجب ہوتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تیری وجہ سے ایک بھی شخص کو ہدایت نصیب کر دے تو یہ (سعادت) تیرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق فتح عطا فرمائی اور خیبر کے باقی قلعے بھی یکے بعد دیگرے فتح ہوگئے۔ بالآخر یہودی، رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات پر مجبور ہوگئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے سامنے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ ان کی جانیں محفوظ رہیں گی اور انھیں خیبر سے چلے جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔ [3] جب ان کے اور مسلمانوں کے درمیان اس شرط پر جنگ بندی

---

[1] قموص کتیبہ نامی قلعوں کے سلسلے میں واقع تھا۔ قموص کے علاوہ کتیبہ میں وطیح اور سلالم نامی قلعے بھی تھے۔ یہ دونوں قلعے بغیر لڑائی کے فتح ہوئے۔ [سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/355-388] [2] فتح الباري: 16/57، 58. [3] فتح الباري: 16/57.



ہوگئی کہ وہ شہر چھوڑ جائیں گے تو اس کے بعد مسلمانوں نے ان سے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ کھیتوں اور کھجوروں کے باغات میں کام کریں گے اور ان کو آدھی پیداوار ملے گی، تاہم مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ جب چاہیں، انھیں بے دخل کر سکیں گے۔ [1]

اس جنگ میں بیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور خیبر کے ترانوے یہودی قتل ہوئے۔ خیبر والوں کے محاصرے اور جنگ میں دو ڈھائی ہفتے کا وقت لگا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ سے یہودیوں کی صلح ہو جانے کے بعد ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کو زہر دینے کی کوشش کی۔ اس نے بکری کا گوشت پکا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور اس میں زہر ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کے اثر سے محفوظ رکھا۔ [3]

جب مسلمان خیبر کی فتح اور وہاں کے ضروری انتظامات سے فارغ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اور مجاہدین وادی القریٰ [4] کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے لوگوں نے سامنے آتے ہی مسلمانوں پر تیر برسانے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 337/3، و المغازي للواقدي: 690/2، و فتح الباري: 57/16. [2] شہداء کے اسمائے گرامی کے لیے دیکھیے: السيرة النبوية لابن هشام: 343/2، و المغازي للواقدي: 699/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 224/5. [3] فتح الباري: 261/12، و السيرة النبوية لابن هشام: 337/3، و المغازي للواقدي: 677/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 208/5. [4] وادی القریٰ ان دنوں ''العلا'' کہلاتا ہے۔ العلا خیبر سے 190 کلومیٹر کے لگ بھگ دور ہے اور یہ صوبہ مدینہ منورہ میں واقع ہے۔ العلا سے تقریباً 40 کلومیٹر شمال مشرق میں مدائن صالح واقع ہے جہاں سیدنا صالح علیہ السلام کی عذاب یافتہ قوم کے آثار ملتے ہیں۔ [اٹلس سیرت نبوی، دارالسلام: 332]

شروع کر دیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک خادم ان کے تیروں کا نشانہ بن گیا۔ مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اور ان کا شہر فتح کر لیا۔ نبی ﷺ نے ان کو بھی خیبر والوں کی طرح کھجوروں کے باغوں میں نصف پیداوار کی شرط پر کام کرنے کی اجازت دے دی۔ [1] جب خیبر اور وادی القریٰ کی فتح کی خبریں شمالی حجاز کے باقی علاقوں میں پہنچیں تو وہاں کے باشندوں نے بھی، خاص طور پر فدک، تیماء، اَیلہ اور دوسرے شہروں کے لوگوں نے بھی نبی ﷺ سے فوراً صلح کر لی۔ [2]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 338/3، و المغازي للواقدي: 709/2، و سبل الهدٰى والرشاد: 229/5.

[2] تَیْمَاء: شام اور وادی القریٰ کے درمیان حج کے راستے میں ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ حصن ابلق کی وجہ سے مشہور ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں یہاں کچھ یہودی آباد تھے۔ (معجم ما استعجم:329/1، و معجم البلدان:67/2) ❁ اَیْلَہ: یہ جنوبی فلسطین میں خلیج عقبہ کی بندرگاہ ہے۔ یہودیوں نے اس کا نام اَیلات (Elath) رکھ دیا ہے۔ (معجم البلدان:292/1) ❁ فَدَك: اس کا موجودہ نام الحائط ہے۔ یہ خیبر سے 115 کلومیٹر مشرق میں ہے۔

معرکہ موتہ

(جمادی الاولیٰ 8ھ)

خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں اور سرداروں تک اللہ تعالیٰ کی دعوت پہنچانے کے لیے ان کے نام خطوط ارسال فرمائے۔ ان میں سے ایک مکتوبِ گرامی شام میں بُصریٰ (شام) کے حاکم کو ارسال کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی [1] کے ہاتھ یہ خط حارث بن ابی شمر غسانی کو بھیجا جو ہرقل کی طرف سے بُصریٰ کا گورنر تھا لیکن بلقاء (اُردن) کے علاقے میں غسان کے ایک سردار شرحبیل بن عمرو غسانی نے نبی ﷺ کے ایلچی کو گرفتار کر لیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ان کے پاس نبی ﷺ کا ایک نامہ مبارک ہے، تو اس نے انھیں شہید کر دیا، حالانکہ تمام علاقوں میں یہ اصول مسلمہ حیثیت رکھتا تھا کہ پیغام رساں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ [2]

---

[1] یہ صحابی سیدنا حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کی شہادت غزوۂ موتہ کا سبب بنی اور پھر غزوۂ موتہ کے تسلسل ہی میں نبی ﷺ نے 11ھ میں جیشِ اسامہ رومیوں کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ [2] المغازي للواقدي: 576,575/2، و الطبقات الكبرٰى: 128/2، ڈاکٹر اکرم عمری نے اپنی کتاب ''السيرة الصحيحة'': 467/2 میں اور ڈاکٹر مہدی رزق اللہ نے اپنی کتاب ''السيرة الصحيحة'': 543 میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، تاہم اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوے سے پہلے صحابہ کرام ◀◀

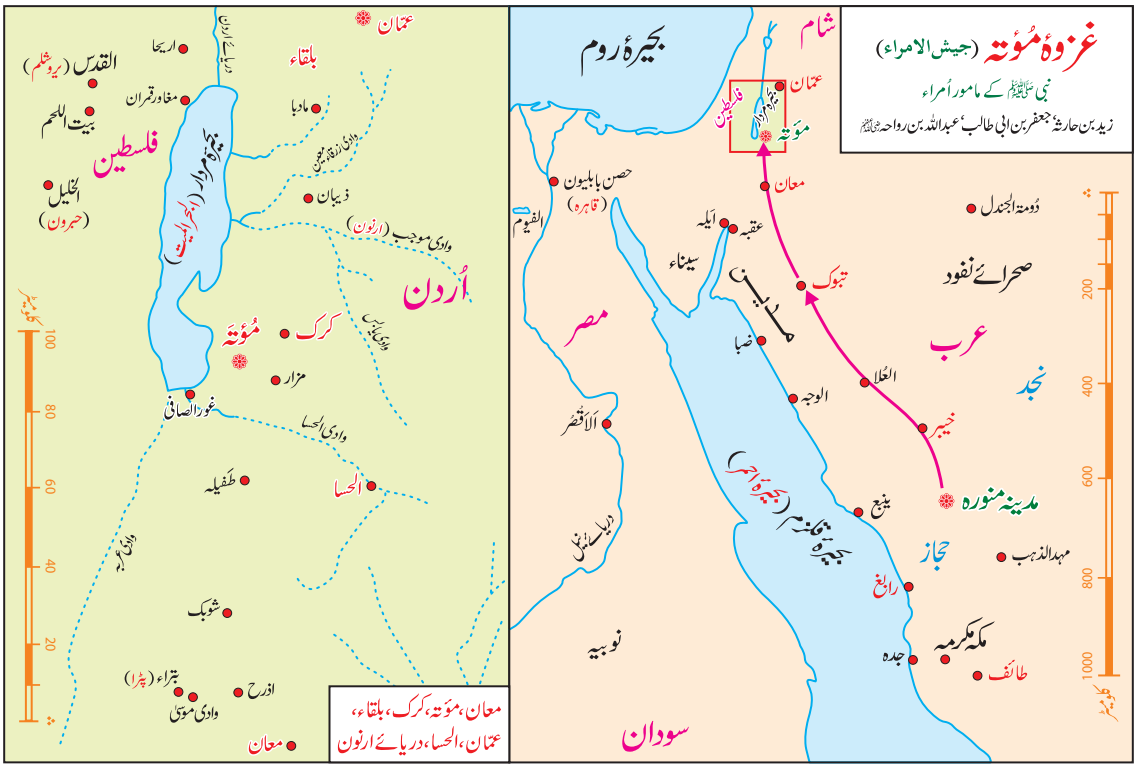

جب نبی ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ جلال میں آ گئے۔ آپ ﷺ نے ایک لشکر تیار کیا جو تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کی شہادت کی صورت میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے شہید ہونے پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ امیر ہوں گے۔ [1] اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان باہمی رضا مندی سے ایک آدمی کو اپنا امیر بنا لیں۔ [2]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، جنھوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا، وہ بھی ایک عام سپاہی کی حیثیت سے مجاہدین کی صفوں میں موجود تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو شام کے سرحدی علاقوں کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس سے عرب کے

◄◄ کو رومیوں سے جنگ کی خوش خبری دیا کرتے تھے اور خود بھی اس کے لیے مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔ البتہ یہ غزوہ اس وقت پیش آنے کا خاص سبب بھی تھا۔ اصل میں جہاد رومیوں اور دوسروں کے خلاف مسلسل جاری تھا۔ اور دوسرے غزوات کی طرح اس غزوے کا بھی بنیادی سبب یہی تھا۔

[1] فتح الباري: 98/16، و السيرة النبوية لابن هشام: 373/3. [2] المغازي للواقدي: 756/2، و الطبقات الكبرىٰ: 128/2.

عیسائی قبائل کی تادیب وتخویف اور مسلمانوں کی قوت کا اظہار بھی مقصود تھا۔ اس کے بعد اس لشکر کو مدینہ واپس آجانا تھا۔ لشکر روانہ ہونے لگا تو نبی ﷺ نے خود تشریف لا کر انھیں تقویٰ پر عمل پیرا رہنے کی تلقین فرمائی اور جنگ کے اسلامی اصولوں کی یاد دہانی کروائی۔ پھر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت کر کے لشکر روانہ فرمایا۔ [1]

لشکرِ اسلامی شام کے سرحدی علاقوں کی طرف گامزن ہوگیا۔ [2] اس طرح مسلمان پہلی دفعہ رومی سلطنت سے اس کی سرحدوں پر ٹکر لے رہے تھے۔ رومیوں اور غسانیوں کو اسلامی لشکر کی نقل وحرکت کا علم ہوا تو انھوں نے بھی مقابلے کے لیے لشکر تیار کر لیا جس میں لخم، بہراء، جذام اور بلی قبائل کے وہ عرب شامل تھے جو عیسائی مذہب قبول کر چکے تھے۔ اس لشکر میں ایک لاکھ سے زیادہ جنگجو شامل تھے۔ رومی لشکر بلقاء کے مقام پر آ ٹھہرا۔ یہ علاقہ موجودہ اردن میں واقع ہے۔ مسلمانوں کے لشکر کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خط لکھنے کا ارادہ کیا کہ آپ ﷺ مزید کمک روانہ فرمائیں، [3] لیکن وقت کم تھا اور دشمن قریب۔ انھیں اتنی مہلت نہیں مل سکتی تھی۔ مسلمان مجاہدین جنگ کے لیے ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آگے بڑھے، چنانچہ موتہ کے مقام پر ان کا رومیوں سے سامنا ہوگیا۔ [4] انھوں نے بے مثال بہادری سے جنگ کی۔ ان کے علم بردار سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے علم اٹھایا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے، پھر سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا، وہ بھی شہید ہوگئے، پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا۔ آخر وہ بھی شہید ہوگئے۔ [5]

پھر ایک انصاری صحابی نے جھنڈا اٹھا لیا اور مجاہدین سے اکٹھا ہونے کو کہا۔ پھر اس نے جھنڈا سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا۔ [6] وہ اللہ کی توفیق سے اپنی جنگی تجربہ کاری سے کام لے کر مسلمانوں کی صفوں کو دوبارہ ترتیب دینے میں کامیاب ہوگئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جنگ میں مسلمانوں کی قیادت کی اور ایک مضبوط حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو سلامتی کے ساتھ واپس لانے میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے مسلمانوں کو مزید نقصان سے بچا لیا۔ اگرچہ مسلمانوں اور دشمن کی تعداد میں بہت زیادہ فرق تھا،

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 373/3، و المغازي للواقدي: 756/2، و الطبقات الكبرٰى: 128/2. [2] امام بخاری نے ''صحيح البخاري'' میں ایک باب کا عنوان اس طرح لکھا ہے: باب غزوة مؤتة من أرض الشام (شام کے علاقے میں غزوہ موتہ کا باب) دیکھیے: فتح الباري: 97/16. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 375/3، و المغازي للواقدي: 760/2. [4] موتہ کا مقام موجودہ اردن کے ملک میں واقع ہے۔ [5] فتح الباري: 100/16. [6] السيرة النبوية لابن هشام: 379/3.



موتہ کا مقام

اس کے باوجود صرف پندرہ مسلمان شہید ہوئے۔ [1] اگر اس معرکے میں فریقین کی افرادی قوت کا موازنہ کیا جائے تو میری رائے میں اسے مسلمانوں کی فتح ہی شمار کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ ان شہداء کی تعریف کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: «مَا يَسُرُّنِي ـ أَوْ يَسُرُّهُمْ ـ أَنَّهُمْ عِنْدَنَا» ''میں یہ خواہش نہیں کرتا۔'' یا فرمایا: ''وہ شہداء یہ خواہش نہیں رکھتے کہ وہ (زندہ) ہمارے پاس ہوتے۔'' [2]

اس کے بعد لشکر واپس مدینہ آ گیا۔ اس کی قیادت سیدنا خالد بن ولید، سیف اللہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ ان کا پہلا جہادی معرکہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے مدینہ پہنچنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے حال سے مطلع فرما دیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ کے حالات کی اطلاع پہنچنے سے پہلے لوگوں کو سیدنا زید، سیدنا جعفر اور سیدنا ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ» ''زید (رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا پکڑا، وہ شہید ہو

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 388/3، والمغازي للواقدي: 769/2. [2] فتح الباري: 152/2.

گئے، پھر جعفر (رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا پکڑا، وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ (رضی اللہ عنہ) نے جھنڈا پکڑا، وہ بھی شہید ہو گئے۔'' یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر فرمایا: «حَتّٰى أَخَذَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللهِ حَتّٰى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ» ''پھر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا پکڑا، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح دے دی۔''[1] اسے رسول اللہ ﷺ نے فتح قرار دیا اور یہ واقعی ایک فتح ہی تھی۔[2]

---

[1] فتح الباري: 100/16. [2] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی چالوں کے ماہر جرنیل تھے۔ انھوں نے راتوں رات جنگی حکمتِ عملی بدل دی اور صبح ہوتے ہی لشکر کے اگلے حصے کو پیچھے اور پچھلے حصے کو آگے تعینات کر دیا۔ اسی طرح دائیں حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو دائیں طرف منتقل کر دیا، یعنی سارے لشکر کی ترتیب بدل ڈالی۔ اس تبدیلی کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انھیں ہر طرف نت نئے چہرے نظر آئے۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے۔ یوں ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا اور وہ شکست کھا گئے۔ مسلمانوں نے ان کافروں کو اس کثرت سے قتل کیا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ (سیرت انسائیکلوپیڈیا: 66/9 بحوالہ سبل الهدٰى والرشاد: 151/6)



رومی آثار

جب لشکر مدینہ پہنچا، تو اہلِ مدینہ نے اس کا استقبال کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو یہ کہتے سنا: ''اے بھگوڑو! تم بھاگ آئے ہو، حالانکہ تم اللہ کی راہ میں نکلے تھے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسُوا بِفُرَّارٍ، وَّلٰكِنَّهُمْ كُرَّارٌ، إِنْ شَاءَ اللهُ» ''وہ بھگوڑے نہیں، وہ ان شاء اللہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں۔''[1] وہ پلٹے اور کیا خوب پلٹے! ملک شام کی فتوحات میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے بہادروں نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے۔ اس کی تفصیل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیان ہوگی۔ ان شاء اللہ!

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 382/3، والمغازي للواقدي: 765/2.

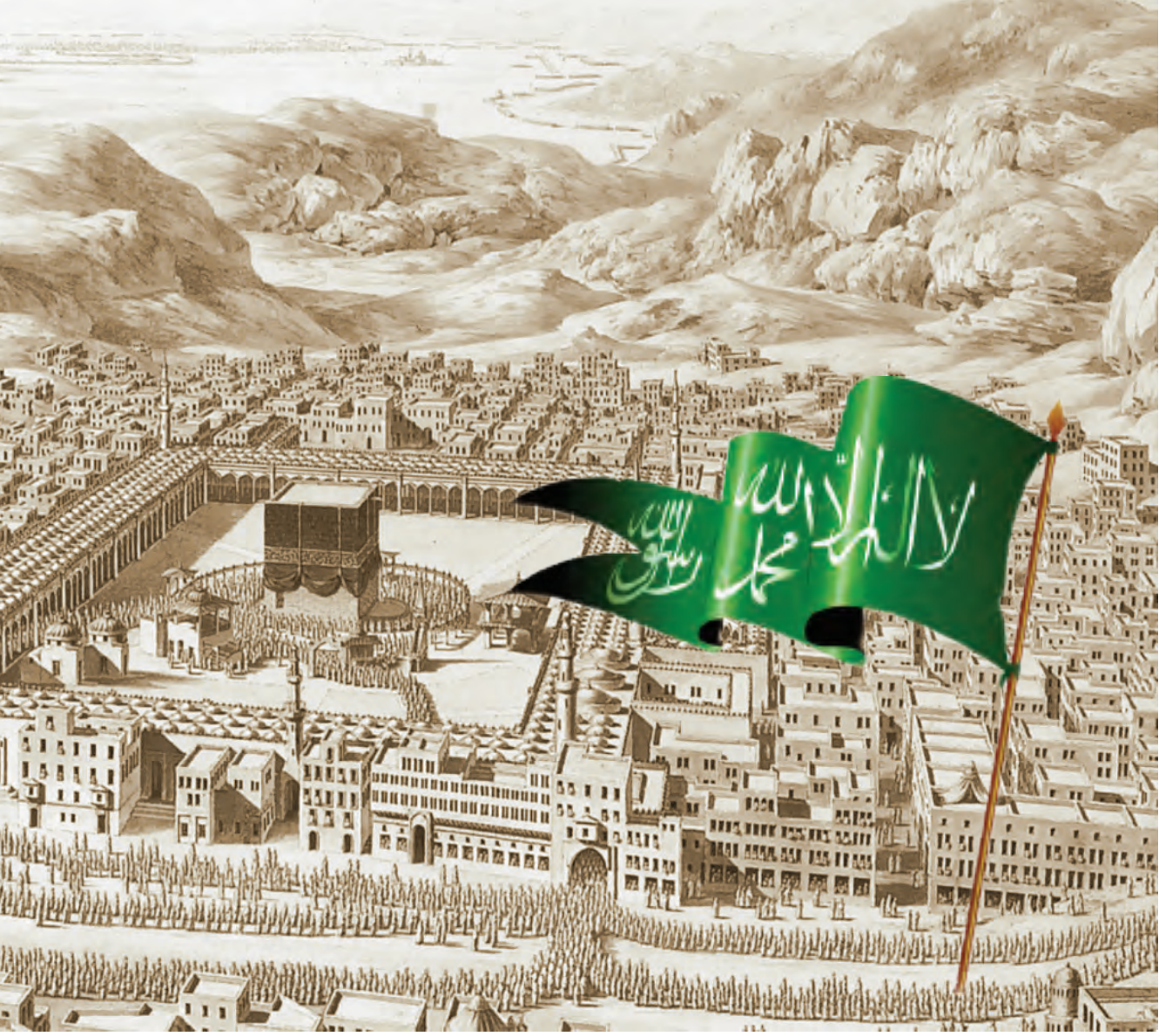

فتح مکہ

(20 رمضان 8ھ)

صلح حدیبیہ (6ھ) میں جو شرائط طے پائی تھیں، ان میں سے ایک شرط یہ تھی: ''جو قبیلہ چاہے محمد ﷺ کے ساتھ معاہدہ کر لے اور جو قبیلہ چاہے قریش سے معاہدہ کر لے۔'' اس شرط کے مطابق قبیلہ خزاعہ نے



نبی ﷺ سے معاہدہ کر لیا اور قبیلہ بکر نے قریش سے معاہدہ کرلیا۔ [1]

اس کے بعد 8ھ میں قبیلہ بکر نے خزاعہ پر حملہ کیا اور قریش نے ان کی مدد کی، چنانچہ اسے قریش کی عہد شکنی شمار کیا گیا۔ خزاعہ قبیلے کا ایک سردار عمرو بن سالم خزاعی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھ کر درخواست کی کہ اس معاہدے کے مطابق ان کی مدد کی جائے۔ ان کی مدد خاص طور پر اس لیے بھی ضروری تھی کہ قریش نے اپنے حلیفوں کی بے جا مدد کی تھی اور یہ مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ اس نے جو شعر پڑھے، ان میں ایک شعر یہ تھا:

يَارَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُّحَمَّدَا

حَلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا

''یااللہ! میں محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے باپ (کی اولاد) اور ان کے معزز باپ (کی اولاد) کے درمیان ہوا۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نُصِرْتَ يَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ» ''اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی جائے گی۔'' [3] اس کے بعد خزاعہ کا ایک اور وفد آیا۔ اس نے بھی نبی ﷺ سے مدد کی درخواست کی، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے مدد کا وعدہ فرما لیا۔

اس کے بعد قریش کو خطرے کا احساس ہوا تو ان کے سردار ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) مکہ آئے تاکہ نبی ﷺ کے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 318/4. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 394/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 527/3، و سبل الهدٰى والرشاد: 308/5. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 395/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 527/3، اس روایت کے مفصل حوالہ جات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی السيرة النبوية الصحيحة: 473/2.

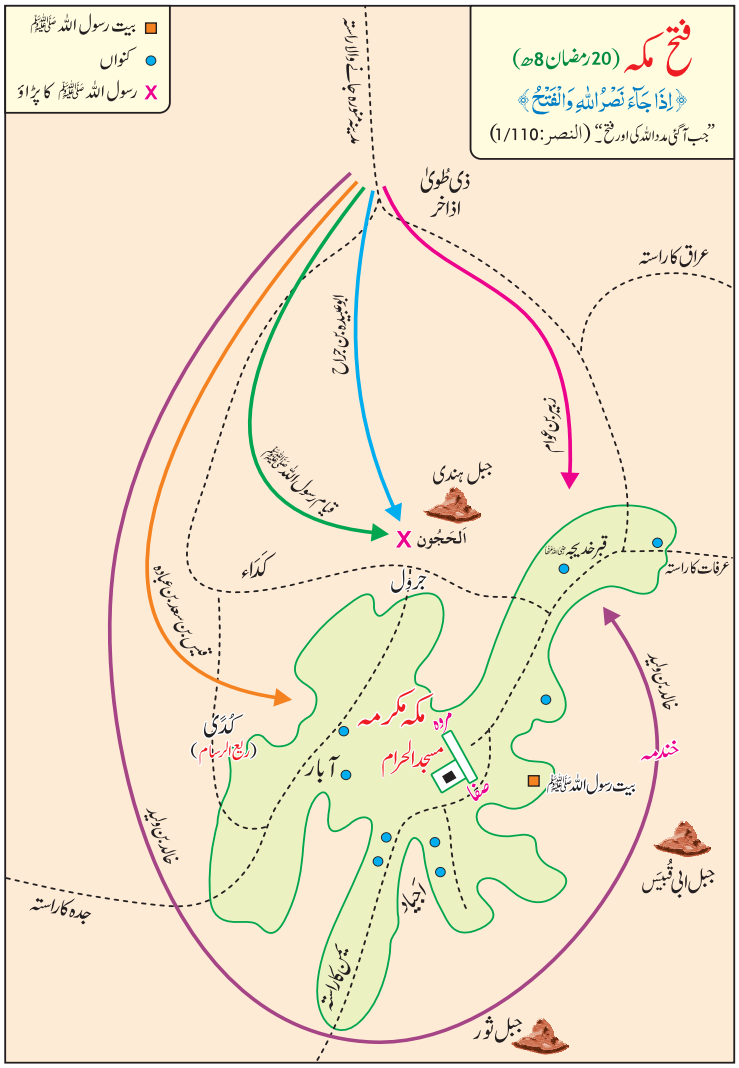

ساتھ نئے سرے سے معاہدہ کر لیں۔ چونکہ آپ (رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ کے سسر تھے، اس لیے پہلے اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے اور نبی ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگے تو سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: ''بیٹی! معلوم نہیں، تجھے یہ بستر میرے لائق محسوس نہیں ہوا (کہ بالکل سادہ ہے،) یا مجھے اس کے قابل نہیں سمجھا۔'' انھوں نے فرمایا: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا (پاکیزہ) بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں، اس لیے میں یہ پسند نہیں کرتی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھیں۔'' ابوسفیان نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھ سے جدا ہونے کے بعد تجھے خرابی پہنچی ہے۔'' اس کے بعد ابوسفیان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے بات کی۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔[1] پھر وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ وہ نبی ﷺ سے ان کی بات کروا دیں۔ انھوں نے فرمایا: ''میں یہ کام

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/397.

نہیں کروں گا۔'' پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بات کی تو انھوں نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اگر میرے پاس چھوٹی چیونٹیوں کے سوا کچھ نہ ہوتا تو تم سے جہاد کرنے کے لیے میں انھی کو استعمال کر لیتا۔'' پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جو ابھی چھوٹے بچے تھے، ان کے پاس تھے۔ (اس وقت ان کی عمر تقریباً چھ سال تھی [مترجم]) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کام کا عزم کر چکے ہیں، ہم اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی عرض نہیں کر سکتے۔'' پھر انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''محمد کی بیٹی! کیا آپ اپنے بیٹے سے کہہ سکتی ہیں کہ وہ لوگوں کو پناہ دے دے؟ اس طرح وہ عربوں کا سردار بن جائے گا۔'' انھوں نے فرمایا: ''میرا بیٹا ابھی اتنا بڑا نہیں ہوا کہ لوگوں کو پناہ دے سکے۔'' جب ابوسفیان بے بس ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''مجھے کوئی مشورہ دو۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ کنانہ قبیلے کے سردار ہیں۔ آپ کھڑے ہو کر لوگوں کے درمیان تجدیدِ معاہدہ کا اعلان کر دیں، پھر وطن (مکہ) چلے جائیں۔'' انھوں نے کہا: ''کیا آپ کے خیال میں اس کا کوئی فائدہ ہوگا؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہیں (فائدہ تو کچھ نہیں،) لیکن مجھے اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔'' چنانچہ ابوسفیان مسجد میں گئے اور یہ جملہ بولا: ''میں لوگوں کے درمیان تجدیدِ معاہدہ کا اعلان کرتا ہوں۔'' جب وہ مکہ پہنچے تو مکہ والوں نے کہا: ''بات صرف اتنی ہے کہ علی نے آپ کا مذاق اڑایا ہے۔'' [1]

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 396/4، والسیرۃ النبویۃ لابن کثیر: 531/3.



حرمِ کعبہ اور مکہ کا فضائی منظر

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ آپ ﷺ کی پوری کوشش تھی کہ قریش کو آپ ﷺ کی روانگی کا علم نہ ہونے پائے۔ آپ ﷺ نے مجاہدین کا ایک دستہ مکہ کے بجائے دوسری طرف روانہ فرما دیا تاکہ لوگوں کو یہ محسوس ہو کہ آپ ﷺ اس طرف جانے کی تیاری کر رہے ہیں، جبکہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا کہ ہمارا رخ مکہ کی طرف ہے۔ آپ نے انھیں یہ ہدایت فرمائی تھی کہ یہ خبر دوسروں کو معلوم نہ ہو۔ آپ ﷺ نے یہ دعا بھی کی تھی: ''یا اللہ! قریش کو معلوم نہ ہونے پائے، حتی کہ ہم اچانک جا پہنچیں۔''

رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پانچ ہزار مہاجرین اور انصار آپ ﷺ کے ہم رکاب تھے۔ راستے میں مختلف قبائل کی جماعتیں شامل ہوتی گئیں۔ مزینہ، بنوسلیم، غِفار، جُہینہ، تمیم اور بنواسد کی جماعتیں آپ ﷺ کے لشکر میں شامل ہوئیں، حتی کہ جب آپ ﷺ مکہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ کے لشکر کی تعداد تقریباً دس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ [1] نبی ﷺ انھیں لے کر مرالظہران کے مقام پر ٹھہر گئے۔

رسول اللہ ﷺ راستے میں تھے کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ملاقات کر کے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار فرمایا۔ [2] ایک قول کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ اس سے بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن انھوں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ اور اس کے بعد کے بعض واقعات میں نبی ﷺ کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ [3] سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ ان کی قوم اسلام قبول کر لے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے خچر پر سوار ہو کر تلاش میں نکلے کہ کوئی ایسا شخص مل جائے جو قریشِ مکہ کو پیغام پہنچا دے کہ وہ محمد ﷺ سے امان کی درخواست کریں یا اسلام قبول کر لیں۔ رات کا وقت تھا۔ نبی ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کثرت سے آگ جلائیں تاکہ اہلِ مکہ مسلمانوں کی کثرتِ تعداد سے مرعوب ہو جائیں اور جنگ سے گریز کریں، چنانچہ تقریباً دس ہزار افراد نے بیک وقت اپنی اپنی آگ جلا لی۔ [4] جب قریش نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ان کے سردار ابوسفیان حالات

---

[1] فتح الباري: 111/16، و السيرة النبوية لابن هشام: 400/4، و الطبقات الكبرٰى: 135/2. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 402/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 543/3. [3] الاستيعاب (مع حاشية الإصابة: 95/3)، و فتح الباري: 223/14، و سير أعلام النبلاء: 78/2. [4] السيرة النبوية لابن هشام: 402/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 547/4، و سبل الهدٰى و الرشاد: 325,324/5.

معلوم کرنے کے لیے نکلے۔ ان کی ملاقات نبی ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ انھوں نے ابوسفیان کو امان دی، پھر انھیں لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ نبی ﷺ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی امان منظور فرمالی، چنانچہ مسلمانوں نے انھیں کسی قسم کی تکلیف پہنچانے کی کوشش نہ کی۔ صبح ہوئی تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا اور انھوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ پھر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی: ''ابوسفیان اپنی قوم میں صاحبِ فخر ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ آپ ہر اس شخص کے لیے امان کا اعلان کر دیجیے جو ان کے گھر میں داخل ہو جائے۔'' [1]

نبیٔ اکرم ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کا داخلہ صلح اور امن کے ساتھ ہو اور اس جگہ کسی کا خون نہ بہایا جائے، اس لیے آپ ﷺ نے مکہ میں داخل ہوتے وقت لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تاکہ وہ اپنی قوت کا اظہار کرتے ہوئے اور جنگ سے اجتناب کرتے ہوئے شہر میں چاروں طرف سے داخل ہوں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مکہ والے حقیقت حال کو قبول کر لیں اور سلامتی کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اسی دوران میں آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَّمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ، وَّمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ اٰمِنٌ»

''جو شخص ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر چلا جائے، اسے امان ہے، جو اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لے، اسے امان ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔'' [2]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہر اس شخص کو امان حاصل کرنے کا موقع دے دیا جو اس کی خواہش رکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ خیریت سے مکہ مکرمہ میں (فاتحانہ) داخل ہو گئے۔ آپ ﷺ کا جھنڈا حجون کے مقام پر نصب کیا گیا۔ [3] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دستے کو کچھ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن مخالفین جلد ہی شکست کھا گئے۔ [4] وہ یا تو بھاگ کر اپنے اپنے گھر میں داخل ہو گئے یا مکہ سے نکل گئے۔ نبی ﷺ انکسار کا

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 403/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 548/3، و سبل الهدٰى و الرشاد: 330/5.
[2] فتح الباري: 122/16، و السيرة النبوية لابن هشام: 403/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 549/3، و سبل الهدٰى و الرشاد: 330/5. [3] فتح الباري: 118/6. [4] فتح الباري: 119/6، و السيرة النبوية لابن هشام: 407/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 560/3.

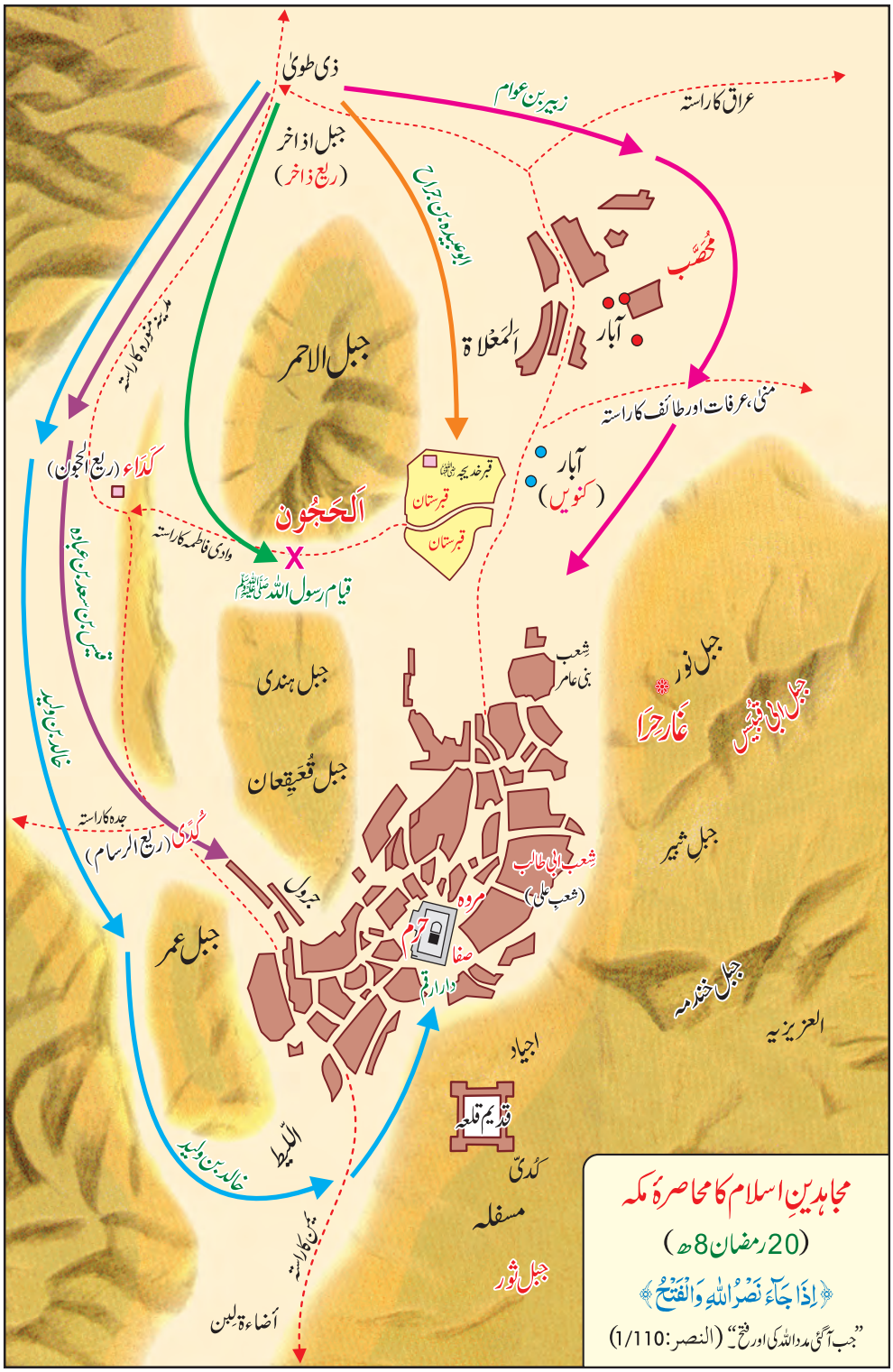

مجاہدینِ اسلام کا محاصرۂ مکہ

(20 رمضان 8ھ)

﴿اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ﴾

"جب آ گئی مدد اللہ کی اور فتح" (النصر: 1/110)

اظہار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کا سر مبارک اللہ کے سامنے عاجزی سے جھکا ہوا تھا۔ [1] اور آپ ﷺ سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ [2]

اس کے بعد آپ ﷺ نے کعبہ شریف کا رُخ کیا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کے سات چکر لگائے، پھر فرمایا: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، أَلَا! كُلُّ دَمٍ أَوْ مَأْثَرَةٍ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، إِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ» ''اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اس اکیلے ہی نے لشکروں کو شکست دی۔ سنو! ہر خون یا (جاہلیت کا) رواج میرے ان قدموں کے نیچے (پامال اور کالعدم) ہے، سوائے کعبہ کی خدمت اور حاجیوں کے پانی پلانے کے۔'' پھر فرمایا: «يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! مَا تَظُنُّونَ أَنِّي فَاعِلٌ بِكُمْ؟» ''اے جماعتِ قریش! تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟'' انھوں نے کہا: ''آپ اچھا سلوک ہی کریں گے۔ آپ معزز بھائی ہیں اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔'' تب آپ ﷺ نے اپنے وہ مشہور الفاظ ارشاد فرمائے: «اِذْهَبُوا، فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ» ''جاؤ، تم سب آزاد ہو۔'' [3] پھر آپ ﷺ نے کعبہ کے دربان کو بلایا اور اس سے چابی لے لی، چنانچہ آپ ﷺ کے لیے کعبہ کا دروازہ کھل گیا۔ [4] آپ ﷺ نے دیکھا کہ کعبہ شریف میں (انبیاء و صالحین کی) تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ انھیں آپ ﷺ کے حکم سے مٹا دیا گیا۔ کعبہ میں اس طرح کے تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ ان کی طرف اشارہ کرتے اور پڑھتے تھے:

﴿وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔'' (بنيٓ إسرآء يل 81:17)

آپ ﷺ نے تمام مجسّموں کو گرا دیا اور آپ کے حکم سے انھیں توڑ پھوڑ دیا گیا۔ [5]

اس کے بعد آپ ﷺ نے مردوں سے اسلام کی بیعت لی، پھر عورتوں سے اسلام پر اور خواتین کے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 405/4، و السيرة النبوية لابن كثير: 555/3، و سبل الهدٰى والرشاد: 342/5.
[2] فتح الباري: 123/16، و السيرة النبوية لابن كثير: 555/3. [3] فتح الباري: 129/16، و السيرة النبوية لابن هشام: 412,411/4، و البداية والنهاية: 570/3، و سبل الهدٰى والرشاد: 364/5. [4] فتح الباري: 128/16.
[5] فتح الباري: 127/16.



کلیدِ کعبہ

بعض مخصوص مسائل پر بیعت لی گئی۔ [1] جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر سے (اذان کے ذریعے سے) حق کی آواز بلند کی۔ اور اعلان کیا: اَللّٰهُ أَكْبَرُ ''اللہ سب سے بڑا ہے۔'' اور أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' اور فرمایا: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اس مقام پر دیکھ کر اور اذان کے کلمات سن کر قریش کے بعض نومسلموں کو ناگواری محسوس ہوئی، مگر اسلام میں پختگی آنے کے بعد انھیں اپنے اس خیال پر ندامت ہوئی۔ [2] اس طرح مکہ مکرمہ شرک سے پاک ہوگیا۔ اس کی اسلام دشمنی کی طاقت ختم ہوگئی۔ وہ اسلام کا ایک شہر بلکہ اہم ترین شہر بن گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام درست کر کے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو اسلام کی تعلیم دینے کا خاص اہتمام فرمایا۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں انیس دن تشریف فرما رہے۔ [3] اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثقیف اور ہوازن کے قبیلوں کا مقابلہ کرنے

---

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 371/5. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 413/4، والسيرة النبوية لابن كثير: 575/4، و سبل الهدٰى والرشاد: 372/5. [3] فتح الباري: 132/16.

کے لیے روانہ ہو گئے۔ مکہ فتح ہو جانے کے بعد ان قبائل نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کی تیاری کر لی تھی۔ فتح مکہ کی وجہ سے اہلِ عرب کی اسلام کے خلاف جنگ کی شدت بہت کم ہو گئی تھی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تھے [1] کیونکہ قریش کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اسلام دشمنوں کی سب سے مضبوط پناہ گاہ زمین بوس ہو گئی تھی۔

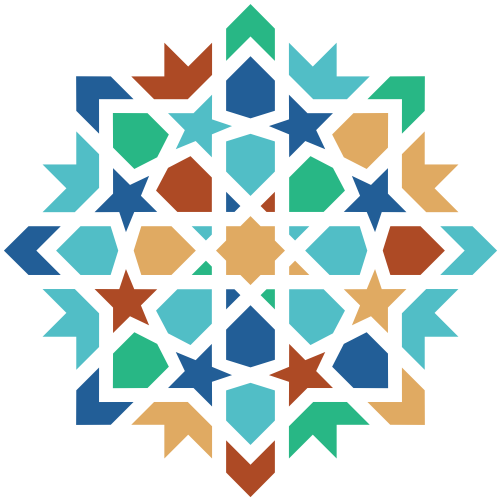

[1] فتح الباري: 16/134.

غزوۂ حنین و طائف

(شوال 8ھ)

جب مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا تو قبیلہ ہوازن مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلا۔ ان کے لشکر میں قبیلۂ ثقیف کے لوگ پیش پیش تھے۔ ان کے ساتھ غطفان اور بعض دوسرے قبائل بھی شامل ہو گئے۔ [1] انھوں نے عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے لیا تا کہ نبی ﷺ اور مسلمانوں سے جنگ کے دوران میں بھاگنے کا خیال نہ آئے۔ [2] نبی ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے تحقیق کی۔ خبر سچ ثابت ہوئی۔ نبی ﷺ فتح مکہ والے لشکر کو لے کر روانہ ہوئے جو دس ہزار مجاہدین پر مشتمل تھا۔ علاوہ ازیں فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والے دس ہزار افراد، جنھیں طلقاء کہا جاتا ہے، وہ بھی ساتھ تھے۔ [3] بعض مسلمانوں کے دل میں فخر پیدا ہوا، انھوں نے کہا: ''آج ہماری تعداد اتنی قلیل نہیں کہ ہمیں شکست ہو جائے۔'' سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ مؤلفۃ القلوب میں شامل تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے کچھ اسلحہ مستعار لیا اور اس کی واپسی کی ضمانت دی۔ جنگ ختم ہونے کے بعد نبی ﷺ نے انھیں وہ اسلحہ واپس کر دیا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

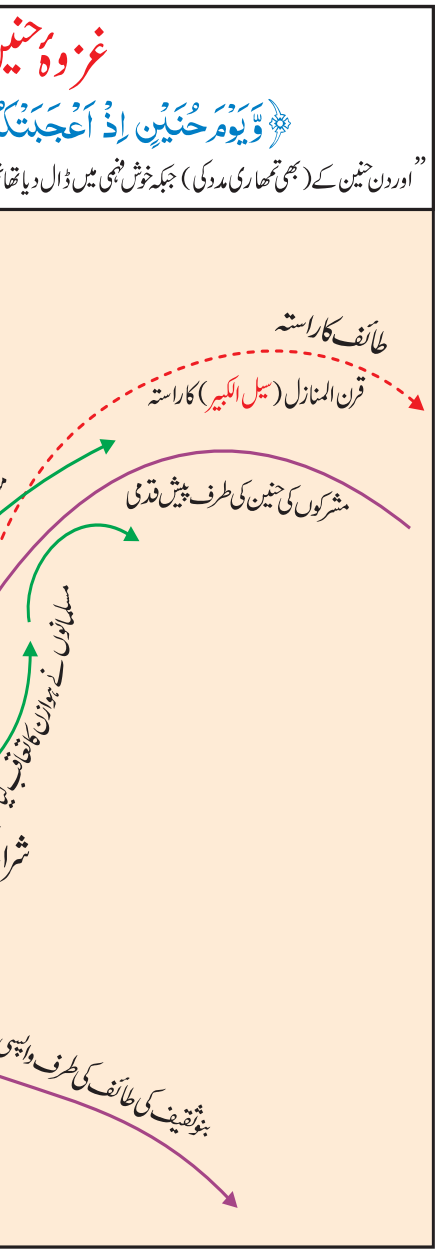

[1] ثقیف دراصل ہوازن ہی کی ایک شاخ تھے۔ ثقیف کا نسب یوں ہے: ثقیف بن مُنَبِّہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عِکرمہ بن خَصَفہ بن قیس بن عَیلان بن مُضَر۔ بنو ہوازن کے حلیف غطفان بن قیس بن عیلان تھے۔ (شجرہ بنو عدنان، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 281/1)

[2] فتح الباري: 172/16، و السيرة النبوية لابن هشام: 438/3. [3] فتح الباري: 172/16.

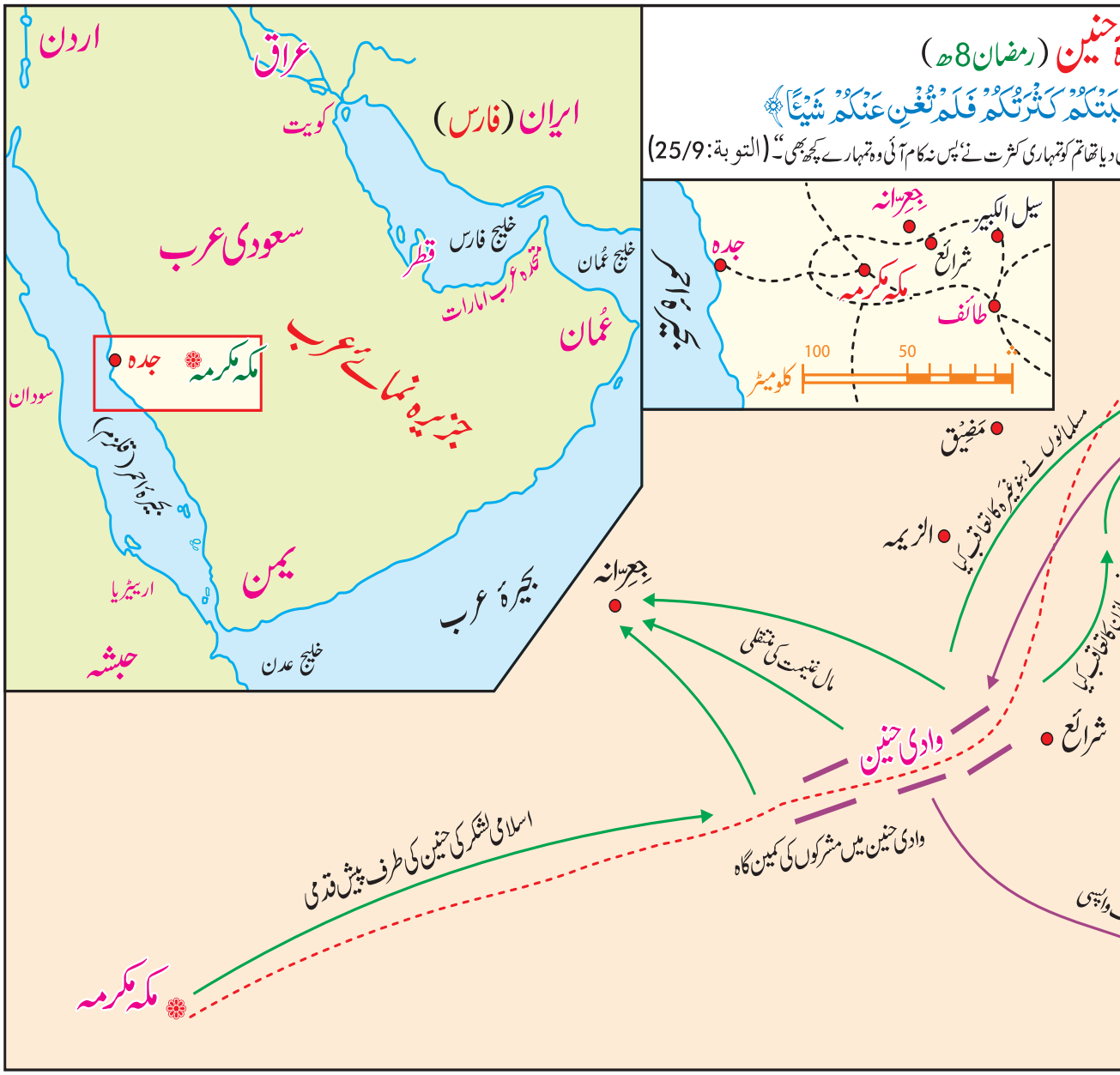

حنین (رمضان 8ھ)

﴿إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾

...دیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی۔" (التوبۃ: 25/9)

ہوازن کا لشکر حنین کے مقام پر جمع ہوا۔ ان کا سردار مالک بن عوف تھا۔ اس نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ اپنی عورتیں اور مال مویشی بھی ساتھ لے کر چلیں تا کہ جنگ کے موقع پر ثابت قدم رہیں۔ درید بن صمہ نے اس پر اعتراض کیا۔ وہ ایک عمر رسیدہ بوڑھا تھا اور ہوازن کے لشکر میں شامل تھا، لیکن اس کی بات نہ سنی گئی۔ وہ بہت سمجھ دار تھا۔ اس نے مالک کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا: ''اگر تجھے فتح ہوئی تو اس کا سبب صرف

تلواروں اور نیزوں والے مرد ہوں گے (عورتیں اور بچے نہیں) اور اگر تجھے شکست ہوئی تو تو اپنے اہل و عیال کے سامنے رسوا ہو جائے گا۔''[1]

مسلمان حنین کی وادی میں داخل ہو گئے لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ دشمن گھات میں چھپے ہوئے ہیں۔ صبح صادق کا وقت تھا۔ مسلمانوں کا لشکر بہت زیادہ تھا۔ اس میں مہاجرین اور انصار کی نسبت طلقاء (نومسلموں) کی تعداد زیادہ تھی۔ ہوازن نے مسلمانوں کے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا، چنانچہ ان کے ہراول دستے بکھر گئے، خاص طور پر بنوتمیم کے افراد اور مکہ کے وہ افراد جن کو فتح مکہ کے موقع پر معافی دی گئی تھی، ان کے قدم اُکھڑ گئے، چنانچہ لشکر کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں۔ رسول اللہ ﷺ ثابت قدمی سے ٹھہرے رہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ بعض مہاجرین اور انصار بھی ثابت قدم رہے۔ آپ ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ، ان کے علاوہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہنے والوں میں شامل تھے۔ لشکر کا دایاں حصہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ تب آپ ﷺ نے پکارا۔ آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے دو بار آواز دی۔ آپ ﷺ نے دائیں طرف رخ کر کے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے انصار کی جماعت!'' انھوں نے کہا: ''اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آپ خوش ہو جائیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' پھر بائیں طرف رخ کر کے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے انصار کی جماعت!'' اس طرف سے بھی یہی جواب آیا: ''اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آپ خوش ہو جائیں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' آپ ﷺ ایک سفید خچر پر سوار تھے، اس سے نیچے اُتر آئے اور فرمایا: «أَنَا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ» ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔''[2] ''لوگو! میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ وہ بہت بلند آواز تھے، آپ ﷺ کے حکم سے انھوں نے پکارا: ''اے جماعتِ انصار! اے کیکر کے نیچے بیعت کرنے والو!'' خود نبی ﷺ بھی بلند آواز سے فرما رہے تھے: «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ـ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ» ''میں نبی ہوں، یہ بات جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''[3] جب انھوں نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فوراً پکارے: «لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ» ''حاضر ہیں، حاضر ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ کے اردگرد صحابہ کی ایک جماعت اکٹھی ہو گئی، تو آپ ﷺ ان کے ساتھ دشمن کے سامنے ڈٹ گئے۔ تب

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 438/3، و سبل الهدٰى و الرشاد: 460/5. [2] فتح الباري: 172/16. [3] فتح الباري: 143/16، و السيرة النبوية لابن هشام: 445,444/3، و سبل الهدٰى و الرشاد: 471/5.


مسجد جعرانہ

مسلمانوں اور ہوازن والوں کے درمیان سخت جنگ شروع ہو گئی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْآنَ حَمِيَ الْوَطِيسُ» ''اب میدان گرم ہوا ہے۔'' [1] یہ جملہ سب سے پہلے نبیٔ اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا ہے۔ [2] صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی معیت میں بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ نبی ﷺ نے مٹی کی ایک مٹھی لے کر دشمنوں کی طرف پھینکی اور فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''چہرے بگڑ جائیں!'' [3] چنانچہ وہ پسپا ہونے لگے۔ تھوڑی دیر میں دشمنوں کی شکست واضح ہوگئی اور مسلمان بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے۔ [4] دشمن کے ستر سے زیادہ آدمی قتل ہوئے۔ متعدد مسلمان بھی شہید ہوئے۔ [5] رسول اللہ ﷺ نے شکست خوردہ فوج کے تعاقب میں مجاہدین کے دستے روانہ کیے تاکہ دشمن کی قوت پارہ پارہ ہو جائے اور ان کا خاتمہ ہوجائے۔ یہ دستے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 445/4. [2] الروض الأنف: 138/4. [3] صحيح مسلم، الجهاد والسير، حديث: 1777، دیکھیے مہدی رزق اللہ کی السيرة النبوية: 589. [4] فتح الباري: 172/16. [5] السيرة النبوية لابن هشام: 449/4.

کامیاب لوٹے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت اور قیدیوں کو جمع کیا گیا۔

جب حالات پُرسکون ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے طائف کی طرف سفر شروع کر دیا۔ وہ بنی ثقیف کا بڑا مرکز تھا۔ وہاں ہوازن کے باقی ماندہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے۔ طائف کا شہر فصیل کی وجہ سے محفوظ تھا۔ یہ حفاظتی فصیل جو شہر کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی، اسی کی وجہ سے اس شہر کا نام طائف مشہور ہوا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ اس شہر میں داخل نہیں ہو سکے اور بیس دن سے زیادہ اس کا محاصرہ کیے رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے منجنیق نصب کر کے ان پر سنگ باری کی تھی، لیکن ان پر اس کا اثر نہ ہوا۔ طائف والوں کی تیر اندازی کی وجہ سے متعدد صحابہ شہید ہو گئے۔ چند مسلمانوں نے لکڑیوں اور کھالوں کی مدد سے ایک حفاظتی ڈھال بنائی اور اس کے نیچے چل کر فصیل کے قریب پہنچ گئے تا کہ اس طرح فصیل کی دوسری طرف پہنچ سکیں۔ طائف والوں نے لوہے کے ٹکڑے گرم کر کے ان پر پھینکے جن سے کھالیں جل گئیں اور لکڑی بھی متاثر ہوئی، چنانچہ مجاہدین ان کے نیچے سے نکل آئے، تب انھوں نے دیوار پر سے تیر چلا کر کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ طائف والوں کے چند غلام شہر سے نکل کر مسلمانوں کے پاس آ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا۔ [1]

جب محاصرہ طویل ہو گیا تو نبی ﷺ نے خبر دی کہ طائف کی فتح (جنگ کے ذریعے سے ہونا) مقدر نہیں، چنانچہ آپ ﷺ اسے چھوڑ کر واپس روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ مایوس نہیں ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ لوگ اپنے دل کی خوشی سے اسلام قبول کر کے حاضر خدمت ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا» ''یا اللہ! قبیلہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔''

نبی اکرم ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور راستے میں جعرانہ کے مقام پر ٹھہر گئے۔ وہاں ہوازن اور ان کے حامی قبائل کے اموالِ غنیمت اور قیدی رکھے گئے تھے۔ جعرانہ میں نبی ﷺ اس انتظار میں تھے کہ بنو ہوازن کے لوگ رابطہ کر کے اپنی غلطی کی معذرت کریں گے۔ چند دن انتظار کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت اور جنگی قیدی مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ اس کے بعد ہوازن کا وفد آیا اور انھوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ ان کے مال اور قیدی واپس کر دیے جائیں۔ اس وقت ان کے ایک شاعر نے ایک طویل قصیدہ کہا جس میں رسول اللہ ﷺ سے اپنے قبیلے کے

---

[1] فتح الباري: 161/16، والسيرة النبوية لابن هشام: 485/4، وسبل الهدىٰ والرشاد: 562/5)



طائف کا قدیم قلعہ

حق میں شفاعت کی۔ اس کا مطلع یہ ہے:

أُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللهِ فِيْ كَرَمٍ فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَنَدَّخِرُ

''اللہ کے رسول! ہم پر سخاوت کے ساتھ احسان کیجیے۔ آپ ہی وہ شخصیت ہیں جن سے ہم امید رکھتے ہیں اور کام آنے کی توقع رکھتے ہیں۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اختیار دیا کہ یا تو اپنے مال واپس لے لیں یا عورتیں اور بچے لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَعِيَ مَنْ تَرَوْنَ، وَأَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِكُمْ» ''میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جنھیں تم دیکھ رہے ہو (انھی مجاہدوں نے لڑ کر فتح حاصل کی ہے) اور مجھے وہی بات پسند ہے جو سچی ہو۔ میں نے تمھاری ہی وجہ سے (غنیمت تقسیم کرنے میں) تاخیر کی تھی۔''

نبی ﷺ نے طائف سے واپس ہو کر دو ڈھائی ہفتے انتظار کیا تھا۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ انھیں دونوں چیزیں واپس نہیں کریں گے تو انھوں نے عرض کی: ''ہم اپنے قیدیوں کی واپسی کا انتخاب کرتے ہیں۔'' تب رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی کما حقہ تعریف فرمائی، پھر فرمایا: ''امابعد، تمھارے بھائی تائب ہو کر آ گئے ہیں اور میری یہ رائے ہے کہ ان کے قیدی انھیں واپس کر دیں۔ جو شخص



طائف کا خوبصورت پہاڑی درہ

خوش دلی سے آزاد کرنا چاہتا ہے تو کر دے اور تم میں سے جو شخص پسند کرتا ہے کہ اپنے حصے کا حق دار رہے، حتی کہ ہم اسے، اللہ کی طرف سے ملنے والے پہلے مالِ فَے میں سے اس کا حصہ دے دیں، وہ یوں کر لے۔'' صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! ہم دل کی خوشی اور آمادگی سے ایسے کرتے ہیں۔'' [1] تمام مسلمان جناب رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے فوراً اپنے اپنے حصے سے دست بردار ہو گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ہوازن کو پند و نصائح سے نوازا، پھر فرمایا: ''مالک بن عوف کو (جو ہوازن کا سردار تھا) خبر دے دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آ جائے تو میں اسے اس کے بیوی بچے بھی واپس کر دوں گا اور اس کا مال بھی اور (مزید) سو اونٹ بھی دوں گا۔'' چنانچہ مالک چھپ کر طائف سے نکلا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اس نے دل سے اسلام قبول کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے طائف

---

[1] فتح الباري: 16/145-147.

کے اردگرد کے مسلمان ہونے والے قبائل کا امیر مقرر فرما دیا۔ سیدنا مالک رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کو لے کر مشرکین ثقیف کے جانور ہتھیانے شروع کر دیے، حتی کہ مشرکین تنگ آ گئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے جب غنیمت تقسیم کی تھی تو فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والے مؤلفۃ القلوب کو اور دوسرے قبائل کے لوگوں کو مال دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ انصار کے بعض افراد کو اس وجہ سے کچھ ناگواری محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے صرف انصار کو الگ سے ایک جگہ جمع کیا اور ان سے خطاب فرمایا۔ اس خطاب میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اے جماعتِ انصار! کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا، تو اللہ نے تمھیں میرے ذریعے سے ہدایت دی؟ (کیا ایسا نہیں ہے کہ) تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھارے درمیان محبت پیدا کر دی؟ تم مفلس تھے، اللہ نے میری وجہ سے تمھیں دولت مند کر دیا؟'' آپ ﷺ جو بات بھی فرماتے، انصار جواب میں عرض کرتے: ''اللہ اور اس کے رسول کا احسان بہت زیادہ ہے۔'' پھر فرمایا: ''تم اللہ کے رسول کو جواب کیوں نہیں دیتے؟'' پھر فرمایا: ''تم چاہو تو جواب میں یہ یہ کہہ سکتے ہو۔ کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم نبی (ﷺ) کو ساتھ لے کر گھر واپس جاؤ؟ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری گھاٹی میں، تو میں انصار کی وادی اور انصار کی گھاٹی میں چلوں گا۔ انصار (میرا) اندرونی لباس



[1] السيرة النبوية لابن هشام: 491/4، والسيرة النبوية لابن كثير: 683/3.



مسجد مدہون (طائف)

ہیں اور دوسرے لوگ بیرونی لباس۔'' [1] انصار صحابہ یہ باتیں سن کر اشک بار ہوگئے، حتی کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ انھوں نے کہا: ''جی ہاں، اللہ کے رسول! ہم اس تقسیم پر اور اپنے اس حصے پر خوش ہیں۔'' اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ [2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا اور مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں چند دن ٹھہر کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ چند مہینوں ہی میں طائف کے اردگرد کے علاقوں کے لوگ کثرت سے مسلمان ہوگئے۔ طائف والوں نے اس صورتِ حال سے تنگی محسوس کی۔ تب ان کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کیے۔ اس بات چیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مسلمان ہوگئے۔ وہ اپنے شہر میں داخل ہوئے تو وہ خود بھی مسلمان ہو چکے تھے اور پورا شہر بھی اسلام میں داخل ہو چکا تھا اور انھوں نے اپنے ہاتھوں بت توڑ دینے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ [3]

اہل طائف کے مسلمان ہونے سے حجاز کے سارے شہر نبی ﷺ کی حکومت کے ماتحت ہوگئے۔ ان کا

---

[1] فتح الباري: 16/163-169. [2] فتح الباري: 16/171، و الكامل: 4/272. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 3/537-541، والسيرة الصحيحة للدكتور العمري: 2/517، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 659.

انتظام نبی ﷺ کے مقرر کیے ہوئے امیروں کے ہاتھ میں آ گیا۔ غزوۂ حنین کے بارے میں کچھ آیات نازل ہوئی ہیں۔ ان میں سے یہ آیات مبارکہ بھی ہیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

”یقیناً اللہ نے بہت سے مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جب تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں عذاب دیا۔ اور کافروں کی یہی سزا ہے۔“ (التوبۃ 9:25، 26)



غزوۂ حنین وطائف کا محل وقوع

غزوۂ تبوک

(رجب 9ھ)

8ھ میں ہونے والی موتہ کی جنگ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی پہلی جنگ تھی جس میں رومیوں کو عرب کے عیسائی قبائل کی مدد بھی حاصل تھی۔ یہ واقعہ نبی ﷺ کے ذہن میں ہمیشہ تازہ رہتا تھا کیونکہ اس میں متعدد صحابہ شہید ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب وجوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں۔ اور تم جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔'' (التوبۃ 123:9)



اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے نبیٔ اکرم ﷺ نے رومیوں سے جنگ کا عزم فرمایا۔

یہ غزوہ بنیادی طور پر رومیوں کے خلاف تھا اور یہ حقیقت بالکل واضح تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسلمانوں کو اس غزوے کی ترغیب دی تو واضح فرما دیا کہ لشکر کی منزل رومی سلطنت کے نواحی علاقے ہیں۔[1] آپ ﷺ نے پوری طرح تیاری کرنے کا حکم دیا کیونکہ سفر بہت طویل تھا، موسم سخت گرم تھا، علاقے میں پانی اور چارے کی قلت تھی، لوگ تنگ دستی کا شکار تھے اور مدینہ کے باغوں میں کھجوروں، انگوروں اور دوسرے پھلوں کے اتارنے کا وقت ہو چکا تھا۔[2] لوگوں کو سارا سال ان فصلوں کا انتظار رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تبوک کی طرف روانگی بہت دل گردے کا کام تھا۔

ان کٹھن حالات میں منافقین جھوٹ کی دلدل میں پھنس گئے اور وہ جہاد کے لیے نبی ﷺ کے ساتھ روانہ ہونے سے بچنے کے لیے جھوٹے عذر بہانے تراشنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

---

[1] فتح الباري: 242/16. [2] اس غزوے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحيح البخاري میں یہ عنوان تحریر فرمایا ہے: باب غزوة التبوك وهي غزوة العسرة، فتح الباري: 237/16.

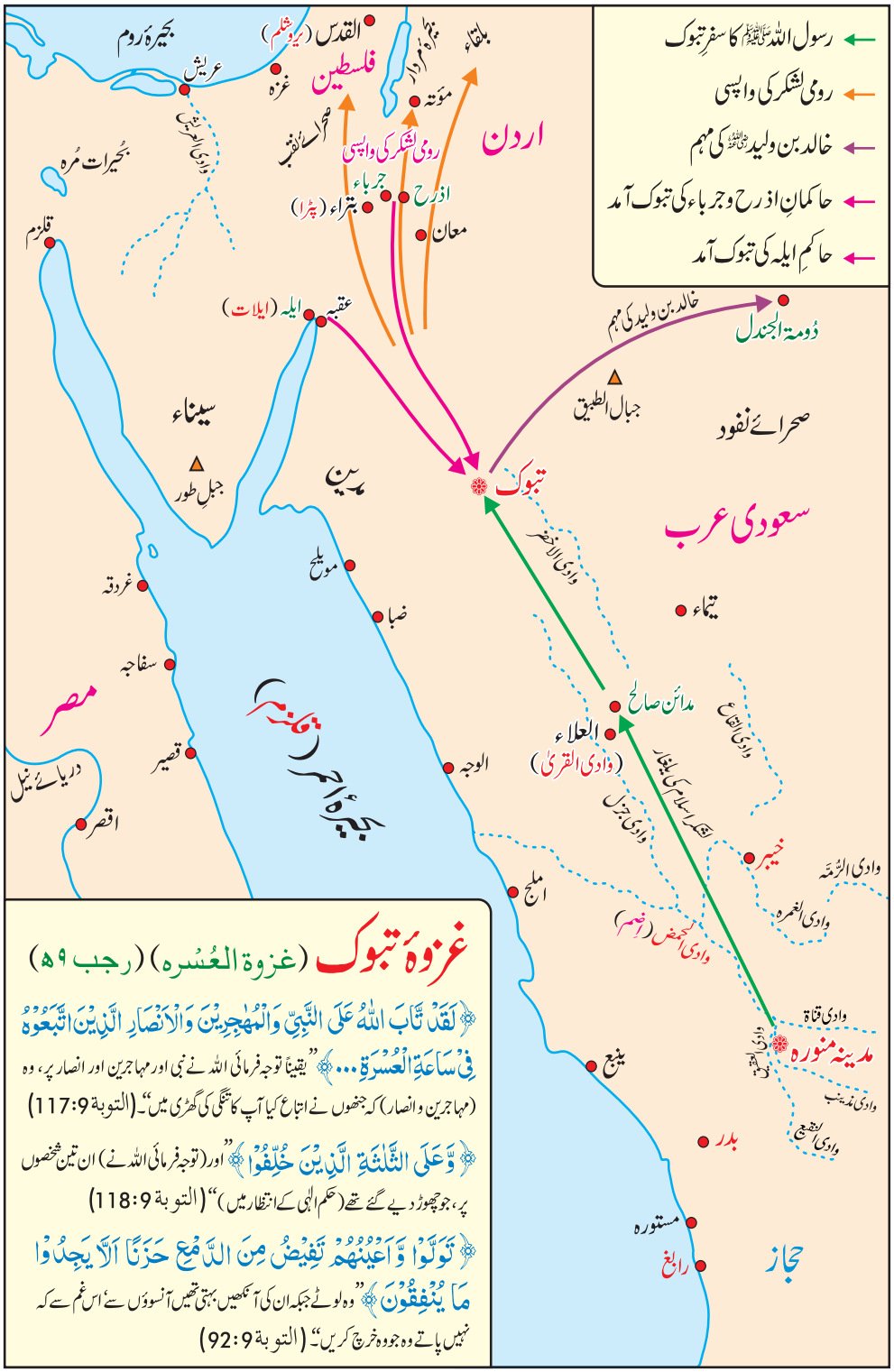

غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرہ) (رجب ۹ھ)

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...﴾ "یقیناً توجہ فرمائی اللہ نے نبی اور مہاجرین اور انصار پر، وہ (مہاجرین و انصار) کہ جنھوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں"۔ (التوبۃ 9:117)

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ "اور (توجہ فرمائی اللہ نے) ان تین شخصوں پر، جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)" (التوبۃ 9:118)

﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ "وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں" (التوبۃ 9:92)

''اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑ چکے ہیں۔ اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والا ہے۔'' (التوبة 49:9) [1]

منافقوں نے ایک دوسرے کو ترغیب دی کہ اس سخت گرمی کے موسم میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جائیں، بلکہ گھروں میں بیٹھے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○﴾

''جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے، وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ پس انھیں چاہیے کہ وہ بہت تھوڑا ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔'' (التوبة 81:9، 82)

نبیٔ اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس جنگ کے لیے اخراجات مہیا کرنے کی ترغیب دی تو خوشحال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً تعمیل کی جن میں سب سے نمایاں حضرات جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ، جنابِ عمر رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر حضرات تھے۔ اس موقع پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ مالی تعاون پیش کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ اور ان کے علاوہ ایک ہزار دینار بھی پیش کیے حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا: «مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا فَعَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ» ''اس کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) سے جو بھی غلطی ہو جائے، اس کو نقصان نہیں ہوگا۔'' اور فرمایا: «مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ» ''جس نے تنگ دستی والے لشکر کو سامان مہیا کیا، اس کے لیے جنت ہے۔'' [2] کچھ مسلمان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ تنگ دست تھے، لیکن جہاد میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے۔ ان کے پاس سواریاں نہیں تھیں۔ وہ سواریاں نہ ملنے اور تنگ دست ہونے کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے معذور تھے۔ انھوں نے نبی ﷺ سے اپنی ضرورت بیان کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ» ''تمھیں سواریاں مہیا کرنے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/516. [2] فتح الباري: 14/195.


مدائن صالح


محاجہ مدائن صالح کی قدرتی محراب

کے لیے میرے پاس وسائل نہیں۔'' وہ پلٹے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

کچھ اعرابی افراد نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے عذر پیش کیے۔

تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، جبکہ ان کا ارادہ یہی تھا کہ وہ بعد میں نبی ﷺ سے (لشکر میں) جا ملیں گے لیکن آج کل کرتے کرتے جہاد میں شرکت سے محروم رہ گئے۔ جب نبی ﷺ واپس تشریف لائے تو ان حضرات نے اپنی حالت سچ سچ بیان کر دی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا اور ان کے بارے میں بعض آیات نازل ہوئیں۔ [1]

---

[1] دیکھیے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث: فتح الباري: 16/241.

یہ غزوہ مسلمانوں کے معاشرے کے لیے حقیقتاً ایک امتحان کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں دولت مند مومنوں کا بھی امتحان ہوا اور ناداروں کا بھی، پختہ ایمان والوں کا بھی اور کمزور ایمان والوں کا بھی۔ اسی طرح اسے ناکام کرنے کی کوشش کرتے ہوئے منافقین اور باقی ماندہ یہودیوں نے بھی اپنا اپنا کردار ادا کیا۔



دومۃ الجندل کی قدیم مسجد

یہ غزوہ رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔ آپ ﷺ عمر رسیدہ ہوچکے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ساٹھ سال سے زیادہ ہوچکی تھی۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس غزوے کی قیادت خود فرمائی کیونکہ اسے رومی سلطنت کے علاقے میں مسلمانوں کی پیش قدمی کے مقدمے کی حیثیت حاصل ہے۔

اس غزوے میں حصہ لینے کے لیے تیس ہزار مجاہد تیار ہوگئے۔ نبیٔ اکرم ﷺ انھیں لے کر روانہ ہوئے۔ ان میں سے دس ہزار گھوڑ سوار تھے۔[1] اسے نبی ﷺ کی زندگی میں روانہ ہونے والا سب سے بڑا لشکر کہا جاسکتا ہے۔ مسلمان تبوک کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ان کا گزر مدائن صالح (سیدنا صالح علیہ السلام کی قوم کی بستیوں) سے ہوا۔ نبی ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ رفتار تیز کر کے گزر جائیں اور ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہوں۔ اور داخل ہونا پڑے تو (اللہ کے خوف سے) ڈرتے ہوئے داخل ہوں یا کم از کم ان پر خوف وخشیت کے آثار نمایاں ہوں۔[2]

---

[1] فتح الباري: 242/16، والسيرة النبوية لابن هشام: 520/4، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 623، و السيرة الصحيحة للدكتور العمري: 531/2. [2] صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ اَلْحِجْر کے علاقے سے گزرے تو فرمایا: ''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، ان کے گھروں میں داخل نہ ہونا، کہیں تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آجائے جیسا ان پر آیا تھا۔ مگر تم روتے ہوئے داخل ہو۔'' پھر آپ ﷺ نے سر ڈھانپ لیا اور رفتار تیز کر دی حتی کہ وادی سے گزر گئے۔'' (فتح الباري: 255/16)

رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا، حتی کہ تبوک پہنچ گئے۔ وہاں آپ ﷺ دس دن سے زیادہ ٹھہرے۔ اس دوران میں آپ ﷺ رومیوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے دستے روانہ کرتے رہے۔ آپ ﷺ قریبی علاقوں میں دستے بھیجتے تھے۔ قبیلوں کے سردار اور قریبی شہروں کے حاکم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک سریہ میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کر لیا اور اسے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ اس نے خود اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے نبی ﷺ کی اطاعت کا عہد کر لیا اور جزیہ دینے کا وعدہ کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا۔ [1] اسی طرح اَیلہ کا سردار یحنہ بن رؤبہ بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو جزیہ ادا کیا اور اپنی قوم کی طرف سے اطاعت قبول کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ اذرح اور جرباء کے لوگ بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے انھیں امان عطا فرمائی اور ان سے معاہدہ کر لیا۔ آپ ﷺ نے انھیں امان کی دستاویزات لکھ کر دیں۔ [2]

حالات کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رومیوں کو معلوم تھا کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر تبوک پہنچ چکے ہیں اور رومی علاقوں کے آس پاس اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہیں بلکہ بعض علاقے تو رومی سلطنت کی حدود کے اندر واقع تھے۔ [3] اس کے باوجود ان کی افواج نے مسلمانوں سے الجھنے، ان سے ٹکرانے یا ان کی راہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش نہیں کی، حالانکہ ان کے پاس (جوابی کارروائی کی) استعداد موجود تھی۔ وہ لوگ باریک بینی سے ان سب حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ غزوۂ تبوک کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے (دوسرے دو حضرات کے علاوہ) سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بلاعذر پیچھے رہنے کی وجہ سے (سزا کے طور پر) ان کا بائیکاٹ کر

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 526/4، والسیرۃ النبویۃ لابن کثیر: 30/4. [2] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 525/4، 526، و السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: 29/4. [3] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ (442/3) کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے کہ روم کے بادشاہ ہرقل * کا ایک ایلچی تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے ملا تھا اور اس کا پیغام آپ ﷺ کو پہنچایا تھا۔ یہ عجیب واقعہ ہے جس کی سند کو انھوں نے قابلِ قبول قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: السیرۃ النبویۃ لابن کثیر: 27/4-29)

* عہدِ نبوی کی رومی سلطنت یا الروم سے مراد بازنطینی رومی سلطنت یا مشرقی رومی سلطنت ہے جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) تھا۔ قدیم رومی سلطنت جس کا دارالسلطنت روم (موجودہ اٹلی کا دارالحکومت Rome) تھا، 395ء میں مشرقی رومی سلطنت اور مغربی رومی سلطنت میں بٹ گئی تھی۔ مشرقی رومی سلطنت کو قسطنطنیہ کے قدیم نام بیزنطیم یا بازنطین کے نام پر بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) کہا جاتا ہے، اطالوی شہر روم سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

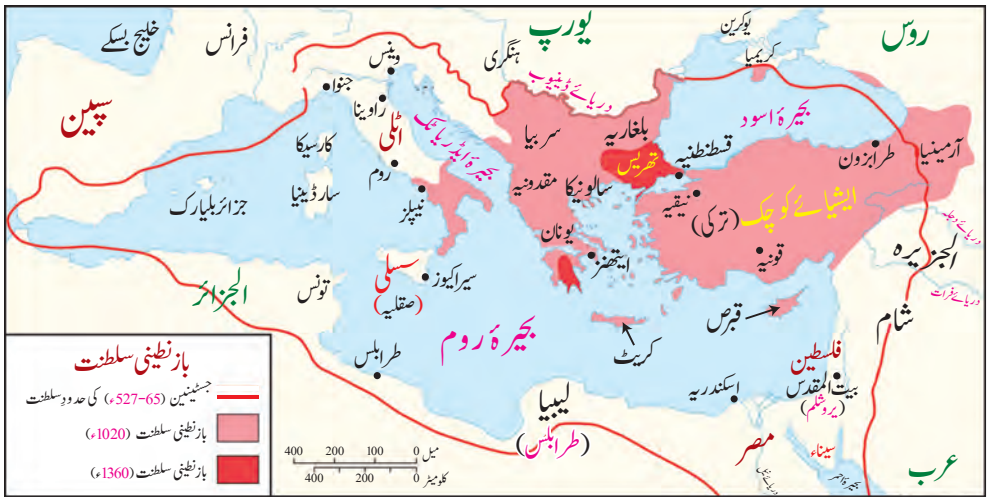

دیا تھا تو غسان کے بادشاہ نے سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر انھیں شام آنے کی دعوت دی تھی،[1] یعنی رومی سلطنت کے ماتحت غسانی بادشاہ کو اس غزوے میں مسلمانوں میں سے ایک آدمی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل تھیں اور اس کے ساتھ نبی ﷺ کے رویے کا بھی اسے علم تھا تو نبوی لشکر کے مدینہ سے تبوک تک سفر کے بارے میں اسے بالاَولیٰ معلوم ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اس سے پہلے اسے لشکر کی تیاری کا بھی یقیناً علم ہوگا، خاص طور پر اس لیے بھی کہ آپ ﷺ نے اپنی منزلِ مقصود کا اعلان پہلے ہی کر دیا تھا۔ رومیوں کے جاسوس مدینہ تک پہنچ جاتے تھے۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہوسکتی ہے کہ شاہِ روم کو رسول اللہ ﷺ کے سچے ہونے کا یقین تھا، اس لیے اس نے آپ ﷺ کے خوف کی وجہ سے آپ ﷺ کے لشکر کا سامنا نہ کرنا ہی بہتر سمجھا۔ ہرقل کو جب رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک ملا تھا تو اس نے آپ ﷺ کے بارے میں معلومات رکھنے والوں سے آپ ﷺ کے متعلق بہت کچھ سنا تھا حتی کہ اس نے یہ باتیں بتانے والے (سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ) سے کہا تھا: ''اللہ کی قسم! اگر تو نے سچ کہا ہے تو وہ (محمد ﷺ) جلد ہی اس زمین کے مالک بن جائیں گے جو (اس وقت) میرے قدموں کے نیچے ہے۔''[2] ہرقل زندہ رہا حتی کہ اس نے اپنے قدموں کے نیچے کی سرزمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے دیکھ لیا۔[3]

جب آپ ﷺ (اس سفر کے ذریعے سے) جزیرہ نمائے عرب میں چاروں طرف مسلمانوں کی قوت کی دھاک بٹھا چکے تو واپس تشریف لے آئے۔ راستے میں بعض منافقوں نے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کی

---

[1] فتح الباري: 242/1. [2] فتح الباري: 71/12. [3] دیکھیے: زیرِ مطالعہ کتاب میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی فتوحات۔

کوشش کی۔ وہ اس طرح کہ تقریباً چودہ افراد پر مشتمل ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کی جان لینے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ پہاڑوں میں ایک تنگ گھاٹی سے گزرنے لگے تو راستہ اتنا تنگ تھا کہ اس میں سے ایک ایک سوار ہی گزر سکتا تھا، اس لیے آپ ﷺ کے حکم سے اعلان کیا گیا: ''رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تشریف لے جا رہے ہیں، کوئی شخص اِدھر نہ آئے۔'' (تاکہ گھاٹی پار کرنے میں کوئی دشواری پیدا نہ ہو۔) سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی سواری کے آگے تھے اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اسے پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ اچانک چند سوار آگئے۔ انھوں نے اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ ان کی سواریوں کے چہروں کو مارنے لگے تاکہ انھیں دور ہٹا کر نبی ﷺ کا راستہ تنگ ہونے سے بچائیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بس، بس۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی پار کر لی تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «هَلْ عَرَفْتَ الْقَوْمَ؟» ''کیا تم نے ان لوگوں کو پہچانا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: ''سواریاں تو میں نے پہچان لی ہیں (دوبارہ سامنے آنے پر بتا سکتا ہوں کہ یہ یہ جانور تھا،) لیکن مردوں نے تو ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هَلْ تَدْرِي مَا أَرَادُوا؟» ''جانتے ہو، ان کا مقصد کیا تھا؟'' سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ معلوم ہے۔'' فرمایا: «أَرَادُوا أَنْ يَّنْفِرُوا بِرَسُولِ اللهِ فَيَطْرَحُوهُ» ''وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی سواری بدک جائے تو رسول اللہ ﷺ گر پڑیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ پہنچ گئے۔ جب مدینہ نظر آیا تو فرمایا: «هٰذِهٖ طَابَةُ وَهٰذَا جَبَلُ أُحُدٍ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ» ''یہ طابہ (پاک شہر) ہے اور یہ اُحد پہاڑ ہے۔ یہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔''[2] عورتیں اور بچے مسلمانوں کے استقبال کے لیے اُمنڈ آئے۔ بچے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر اللہ کا شکر ادا کرنا فرض ہے۔ جب تک کوئی دعوت دینے والا اللہ کی طرف بلاتا رہے۔''[3]

---

[1] مسند أحمد: 391,390/5، و سبل الهدٰى والرشاد: 669/5. [2] فتح الباري: 656/16-669. [3] فتح الباري: 259/16، والسيرة النبوية لمهدي رزق الله: 631.

اس غزوے سے مسلمان معاشرے کی تمام اکائیوں کو جانی اور مالی طور پر جہاد میں شرکت کی تربیت حاصل ہوئی۔ اس طرح اس جہاد نے پوری امت کو دوراندیشی اور بلند مقاصد رکھنے کا سبق دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو الوداع کہہ کر اپنے رب کے پاس جانے سے پہلے امت کی توجہ سلطنت روم کی طرف مبذول فرما دی تاکہ جہاد کی عملی تحریک بعد میں بھی اس کے علاقوں میں فتوحات جاری رکھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ پہنچنے پر اس غزوے کا معاملہ ختم نہیں ہوگیا کیونکہ مسجد ضرار کے مسئلے کا بھی اس سے تعلق ہے لیکن اس وقت اس مسئلے پر تفصیل سے بات کرنے کا موقع نہیں۔ علاوہ ازیں ان لوگوں کے مسئلے کا تعلق بھی اسی غزوے سے ہے جو جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر عذر پیش کرنے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں وہ منافقین بھی شامل تھے جنھوں نے جھوٹے بہانے بنائے اور بے کار عذر پیش کیے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا پول کھول دیا۔ اور وہ بھی تھے جو بلا عذر پیچھے تو رہے لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹے بہانے نہیں کیے، یعنی وہ تین حضرات جن کی توبہ کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ عرصہ ان سے مقاطعہ کیے رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی جس کا ذکر قرآن مجید میں قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا۔[1]

قرآن مجید میں غزوۂ تبوک کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

---

[1] عذر پیش کرنے والوں کے حال کی تفصیل کے لیے دیکھیے سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث، فتح الباري: 16/242.

تَعْلَمُوْنَ ○ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ
الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ
اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ
الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّمَا
يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ
رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ○ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ
انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ
اِلَّا خَبَالًا وَّ لَاَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ
الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ○ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ
اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ
فَرِحُوْنَ ○ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ
اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ
مُّتَرَبِّصُوْنَ ○﴾

''اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو (اُٹھنے کا نام نہیں لیتے)، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا۔

(وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا، اور اس نے کافروں کی بات نیچی کردی، اور بات تو اللہ ہی کی سب سے بلند ہے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ تم ہلکے (بھی) نکلو اور بوجھل (بھی)، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ (اے نبی) اگر مال (غنیمت) قریب الحصول اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے اور لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہوگئی اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا، آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔ (اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ آپ سے رخصت نہیں مانگتے اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے رخصت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک میں پڑے تردد (ہچر مچر) کر رہے ہیں۔ اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے، لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس لیے اس نے انھیں ہلنے نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھارے لیے خرابی ہی بڑھاتے اور تمھارے اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کے جاسوس ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (اے نبی!) بلاشبہ یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔ اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے ہی میں تو پڑ چکے ہیں۔ اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور گھیرنے والا ہے۔ (اے نبی!) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انھیں بری لگتی ہے۔ اور اگر آپ پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے تو اپنے

معاملے میں پہلے ہی احتیاط برتی تھی۔ اور وہ خوش خوش لوٹ جاتے ہیں۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو صرف وہی (مصیبت) پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی، وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے بس ایک (فتح یا شہادت) کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمھارے حق میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں (عذاب دلوائے)، لہٰذا تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں۔'' (التوبۃ9:38-52)

اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اس غزوے کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ○ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ قَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ ○ فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّ لۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ○ فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّ لَنۡ تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ ○ وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰى قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ مَاتُوۡا وَ هُمۡ فٰسِقُوۡنَ ○ وَ لَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا وَ تَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ○ وَ اِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَ قَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ○ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ○ لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَ اَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ○ وَ جَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ وَ قَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ؕ

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَ لَا عَلَى
الْمَرْضٰى وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ مَا
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَّ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ
حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ○ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَ هُمْ
اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا
يَعْلَمُوْنَ ○ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ
قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا
انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۪ وَّ مَاْوٰىهُمْ
جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا
عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○﴾

”(اے نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے۔) اگر آپ ان کے لیے ستر بار بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔ یہ اس لیے کہ بلاشبہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے، وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ سو انھیں چاہیے کہ وہ بہت تھوڑا ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں، ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔ (اے نبی!) پھر اگر اللہ آپ کو ان (منافقین) میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے آئے، پھر وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیے: تم اب میرے ساتھ کبھی (جہاد پر) نہیں نکلو گے اور نہ کبھی میرے ساتھ مل کر دشمن سے لڑو گے، یقیناً تم پہلی بار (پیچھے) بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے تو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اور (اے نبی!) ان میں سے جو مر جائے آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں

اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالتِ فسق میں مرے۔ اور (اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں حالتِ کفر میں نکلیں۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان کے دولت مند آپ سے رخصت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے۔ لیکن رسول (ﷺ) نے اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے، انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اور بھلائیاں بھی انھی لوگوں کے لیے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے۔ اور دیہاتیوں میں سے بہانے باز آئے، تاکہ انھیں رخصت دی جائے، اور وہ لوگ بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا، ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں جلد ہی دردناک عذاب آ پکڑے گا۔ ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ اسے خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہوں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئیں تاکہ آپ انھیں (سفرِ جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں اس غم سے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔ (اے نبی!) (گرفت کی) راہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو آپ سے رخصت مانگتے ہیں، حالانکہ وہ مال دار ہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے (گھروں میں) رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، چنانچہ وہ نہیں جانتے۔ وہ (منافق) تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: تم عذر پیش نہ کرو، ہم ہرگز

تمھارا یقین نہیں کریں گے، بلاشبہ اللہ نے تمھارے حالات سے ہمیں آگاہ کردیا ہے، اور اللہ جلد تمھارے عمل دیکھ لے گا اوراس کا رسول بھی، پھر تم چھپی اور کھلی (باتیں) جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمھیں بتادے گا جو تم عمل کرتے رہے۔عنقریب وہ تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹو گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان (کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔ وہ تمھارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں۔'' (التوبۃ9:80-96)

اور جن مومنوں نے اس غزوے میں نبی ﷺ کا ساتھ دیا تھا، ان سے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ○ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا

الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

’’یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکمِ الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتی کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی، تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اہل مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ (جائز تھا) کہ اپنی جانوں کو نبی کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں، یہ اس لیے کہ بلاشبہ یہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں جو کافروں کو سخت ناگوار ہو اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور وہ جو بھی چھوٹا اور بڑا خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں وہ (سب) ان کے حق میں لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ انھیں ان کاموں کی بہترین جزا دے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں، تو ہر فرقے میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ نکلا؟ تاکہ وہ جب اپنے قبیلے میں واپس جائیں تو انھیں خبردار کریں، تاکہ وہ (پیچھے والے بھی اللہ سے) ڈریں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب وجوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔‘‘ (التوبۃ 9:117-123)



2

خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی فتوحات

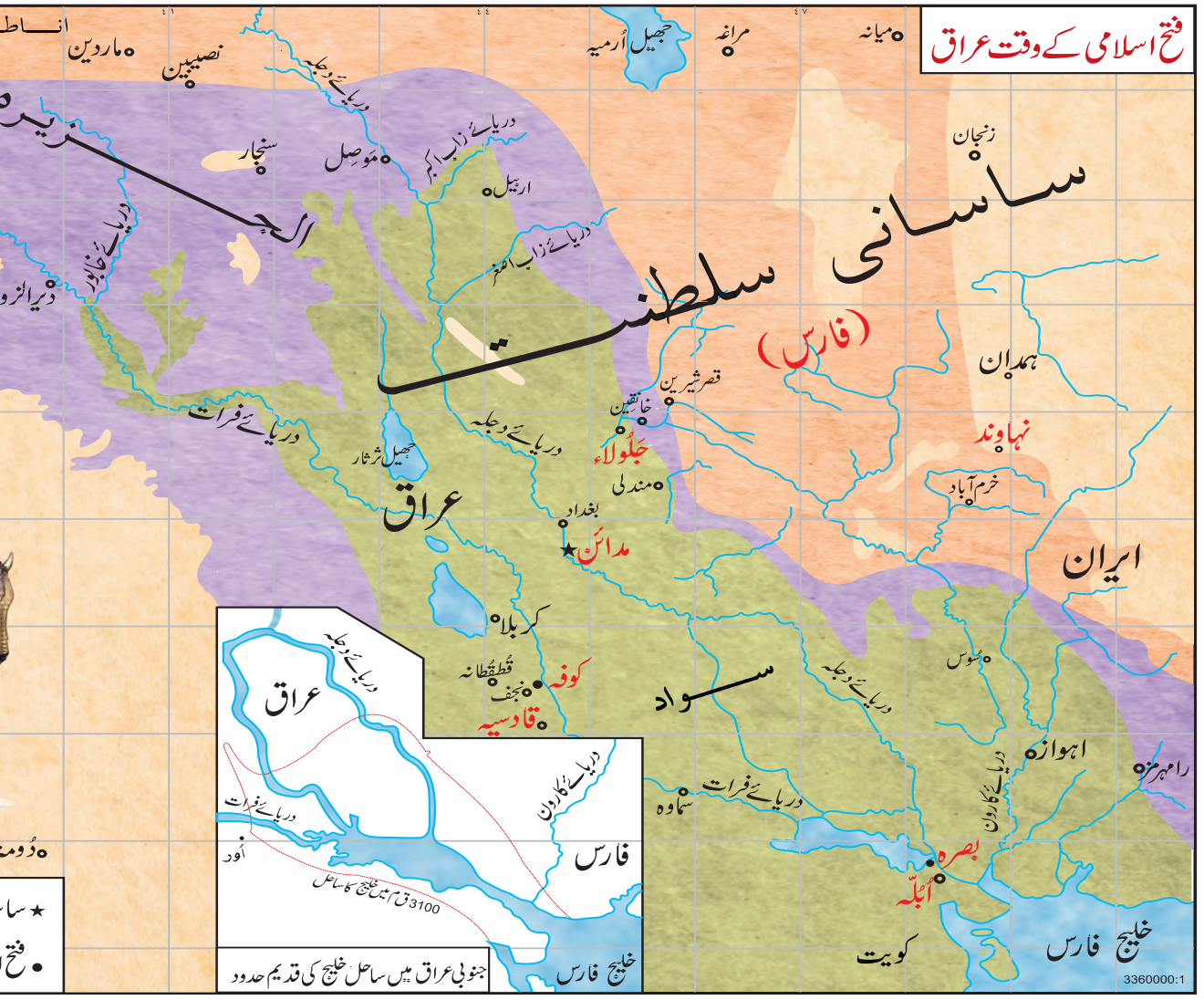

خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی فتوحات

(ایران اور روم کی فتوحات)

سلطنتِ ایران

ایران (فارس) میں زمانہ قدیم ہی سے ایک طاقتور سلطنت قائم رہی ہے جو مختلف تہذیبی مراحل سے



★ ساسانی سلطنت کا دارالحکومت ○ اہم شہر
● فتح اسلامی کے بعد آباد ہونے والے شہر

گزری ہے۔ ہم صرف ان چند سال کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں جو اس سلطنت اور اسلام کے درمیان آویزش اور اسلامی جہاد وفتوحات سے پہلے گزرے۔ سلطنتِ فارس اور اس کے زیر اثر علاقوں میں جو مذہب رائج تھا، وہ مجوسیت تھا۔ اس مذہب کا بنیادی عقیدہ آگ کا تقدس اور آتش پرستی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کچھ دوسرے مذاہب، مثلاً: یہودیت اور عیسائیت بھی موجود تھے جو عراق اور بحرین وغیرہ کے ان علاقوں میں پائے جاتے تھے جو ایرانی سلطنت کے ماتحت تھے۔

اس سلطنت کی حدود میں فارس، خراسان اور عراق کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب کے بعض مشرقی حصے بھی شامل تھے۔ [1]

سلطنتِ فارس کا نظامِ حکومت ایک جابرانہ شاہی نظام تھا جو رعایا میں عدمِ مساوات پر قائم تھا۔ اس میں لوگ مختلف طبقات میں منقسم تھے اور ہر طبقے کے حقوق وفرائض اور امتیازات کی حدود مقرر تھیں۔ ان کی نظر میں ایرانی ساسانی بادشاہ کو خدائی حقوق حاصل تھے۔ وہ جو قانون چاہتا جاری کر سکتا تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو جو سزا چاہتا، دے سکتا تھا۔ ملک میں رائج یہ طبقاتی نظام جو لوگوں میں تفریق اور امتیاز پر قائم تھا، بادشاہ خود اس کا محافظ تھا۔ جو شخص اس قانون کی خلاف ورزی کرتا، اسے سخت سزا دی جاتی جو بعض اوقات سزائے موت بھی ہو سکتی تھی حتی کہ حکمران خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد بھی ان حدود کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، مثلاً: شاہی خاندان کا کوئی فرد اگر یہ جرأت کرے کہ عوام میں سے کسی عورت سے شادی کرنے کی کوشش کرے تو اسے سخت سزا کا مستوجب سمجھا جاتا تھا اور یہ سزا اسے زندگی سے محروم کرنے کی صورت میں بھی مل سکتی تھی کیونکہ اس نے مقدس شاہی خون میں عوام کے خون کی ملاوٹ کرنے کی جسارت کی ہے۔ اس تفریق کی وجہ سے پوری سلطنت میں طرح طرح کے ظلم و ستم عام تھے اور کمزور لوگ خاص طور پر اس ظلم کا شکار تھے۔

---

[1] نوشیرواں (وفات 579ء) کے عہد سے یمن بھی ساسانی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اور صنعاء میں ایرانی گورنر تعینات ہوتا تھا حتی کہ 7ھ میں گورنر یمن باذان مسلمان ہو گیا اور یمن ریاستِ مدینہ کے تحت آ گیا۔ (م ف)



ایران کے شہر پرسیپولس (تختِ جمشید) میں نیلے آسمانی پس منظر میں پاسارگاد محل کے کھنڈر
ہخامنشی سلطنت کا رسمی دار الحکومت سب سے قدیم فارسی شہر تھا

حکومت کا اعتماد ایک طاقتور منظم فوج پر تھا۔ اور فوج کے افراد حقوق، احترام اور دیگر معاملات میں عام لوگوں سے ممتاز اور برتر سمجھے جاتے تھے۔[1] حکومتی معاملات بادشاہ خود طے کرتا تھا جن میں صوبائی حکمرانوں کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں کے بعض سردار اور قائدین بھی اس کی مدد کرتے تھے جو زیادہ تر وسیع اراضی کے مالک جاگیردار اور زمیندار ہوتے تھے۔ وہ مزدوروں، کسانوں اور عام لوگوں سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ ملکی خزانے میں جمع کراتے تھے تاکہ یہ دولت فوج، بادشاہ اور درباریوں کے کام آئے جن کی عیش وعشرت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ تمام بادشاہوں کا دولت جمع کر کے خزانے بھرنا اور پھر کھانے، پینے اور پہننے میں بے حد اسراف سے کام لینا ضرب المثل بن چکا تھا۔[2] ان اللے تللوں کے لیے انھیں کسانوں اور عام لوگوں پر مزید ٹیکس لگانے کی ضرورت پڑ جاتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر فرد پر ٹیکس الگ تھا جو انھیں جزیہ کی طرح ادا کرنا پڑتا تھا۔ عوام سے وصول کی جانے والی ان رقوم کی وجہ سے ان میں اپنے حکمرانوں کے ظلم کا احساس بڑھتا چلا گیا۔

اسلامی فتوحات سے کچھ ہی عرصہ پہلے فارس کی ساسانی سلطنت کی رومیوں سے سخت جنگ ہوئی تھی

---

[1] ڈاکٹر یحییٰ خشاب کی تفسیر أقدم نص عن النظم الفارسية قبل الإسلام: 40. [2] مروج الذهب: 1/193، 194، 303.

جس کے نتیجے میں حکومت، رعایا پر مزید ٹیکس لگانے پر مجبور ہوگئی تھی۔ اس سے عوام میں مظلومیت کا احساس بڑھا اور وہ حکومت سے مزید نالاں ہوگئے۔ اس وجہ سے بھی عوام کو موقع ملا کہ وہ اس صورتِ حال کا موازنہ مسلمانوں کے اس سلوک سے کریں جو انھوں نے مفتوحہ علاقوں کے عوام سے کیا تھا۔ بہر حال رومیوں سے جنگ کی تیاری کے نتیجے میں سلطنت فارس کی جنگی صلاحیت انتہائی بلند سطح تک پہنچ چکی تھی۔

سلطنتِ روم

معروف بات ہے کہ مصر، شام اور شمالی افریقہ کی ریاستوں کی حیثیت بازنطینی رومی سلطنت کے ماتحت صوبوں کی تھی۔ اس سلطنت میں بھی حکومتی اختیارات عملی طور پر شاہِ روم (Emperor) کے ہاتھ میں مرتکز تھے۔ اسی نے قسطنطنیہ کو دارالحکومت بنایا تھا۔[1] اسے کوئی بھی فیصلہ کرنے کا اختیار تھا۔ اس کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بعض کمیٹیاں اور بعض مشیر مدد کرتے تھے۔ سلطنت کی ماتحت صوبائی حکومتیں عام طور پر فوجی حکومتیں تھیں۔ فوج کی مختلف چھاؤنیوں کو مختلف صوبوں کے انتظامی اختیارات سونپ دیے جاتے تھے۔



رومن ہیلمٹ جس پر سرخ رنگ کی جھالر ہے

فارس اور روم کے درمیان ظہورِ اسلام سے پہلے ہونے والی جنگوں کی وجہ سے اس ملک میں فوجی نظام کو قوت حاصل ہوگئی تھی، لہٰذا حکومت کے لیے فوج کی حمایت حاصل کرنا زیادہ ضروری ہوگیا تھا۔ فطری طور پر اس کا نقصان رعایا اور عوام کو ہوا جنھیں شام، مصر اور

---

[1] قدیم رومی سلطنت کے قیصر قسطنطین اعظم (306ء تا 337ء) نے 330ء میں روم (اٹلی) کے بجائے قسطنطنیہ کو دارالسلطنت بنایا تھا جو بعد میں رومی سلطنت کے مشرقی اور مغربی سلطنتوں میں بٹ جانے سے بازنطینی (مشرقی رومی سلطنت) کا دارالسلطنت بنا رہا حتی کہ 1453ء میں سلطان محمود فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے اسے عثمانی سلطنت کا دارالخلافہ بنا لیا۔ (م ف)



موسم گرما: روم، اٹلی میں رومن فورم کا خوبصورت نظارہ، رومی سلطنت کے فن تعمیر کی باقیات
دھوپ والے دن روم شہر کے وسط میں قدیم کھنڈروں کا منظر

الجزیرہ [1] وغیرہ کے صوبوں میں بہت تکلیف اٹھانا پڑی۔ کیونکہ ظہورِ اسلام سے قبل یہاں ایک طویل عرصے تک فارس اور روم کے درمیان جنگوں کے میدان بنتے رہے جن میں کبھی ایرانی اور کبھی رومی فتحیاب ہوئے۔ علاوہ ازیں رومی صوبوں میں عوام ٹیکسوں کے نظام کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ وہاں افراد پر ٹیکسوں کے علاوہ زمین پر بھی ٹیکس تھے، جانوروں پر بھی ٹیکس تھے اور لوگوں کی ملکیت کی مختلف اشیاء پر بھی ٹیکس لگائے گئے تھے، [2] حالانکہ حاکم اور محکوم دونوں عیسائی تھے۔

اسی دور میں جاگیرداری نظام سامنے آیا۔ کچھ افراد حکومت کو خاص مقدار میں رقوم ادا کرنے کا وعدہ کر لیتے تھے۔ اس کے عوض انھیں عوام سے ٹیکس وصول کرنے کا اختیار مل جاتا تھا، چنانچہ انھوں نے عوام پر ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا اور ان پر زیادہ سختی کرنے لگے تاکہ وہ رقمیں پوری کر سکیں جن کی ادائیگی کا انھوں نے حکومت سے وعدہ کیا ہوتا۔ [3]

حکومت اور رعیت کا عام مذہب عیسائیت تھا، چنانچہ پادریوں کو ملک اور عوامی اجتماعات میں خاص مقام

---

[1] دریائے دجلہ اور دریائے فرات کا درمیانی علاقہ الجزیرہ (Mesopotamia) کہلاتا ہے جو اب ترکی، شام اور عراق میں بٹا ہوا ہے۔
[2] النظم الإسلامية: 26,24، و الحضارة البيزنطية لرنسيمان: 112. [3] الإمبراطورية البيزنطية (بازنطینی سلطنت): 135، و النظم الإسلامية: 43.

حاصل تھا اور وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ انھیں اونچا طبقہ شمار کیا جاتا تھا جنھیں لوگوں کے ذاتی معاملات میں، بلکہ عبادات میں بھی من مانی کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے کلیسا کے اخراجات اور کلیسا سے تعلق رکھنے والوں (پادریوں اور راہبوں) کی ضروریات کے لیے بھی ٹیکس لگا رکھے تھے۔ پادری عوام پر اپنے حکم نافذ کرتے تھے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیتے تھے۔[1]



چرچ آف سینٹ جارج: قبطی قاہرہ میں بابل کلی کے اندر ایک یونانی آرتھوڈوکس چرچ

مملکتِ روم میں مختلف عیسائی فرقے موجود تھے۔ ان کے درمیان عقائد کے سخت اختلافات تھے جن سے جھگڑے پیدا ہوتے تھے۔ مختلف فرقوں کے مابین شدید عداوت تک نوبت پہنچ چکی تھی۔ بعض علاقوں میں خاص خاص فرقوں کی اکثریت تھی۔ اس وجہ سے سلطنت روم کے اندر بعض صوبوں میں اور بعض علاقوں میں ایک دوسرے سے دشمنی کی سی کیفیت پیدا ہوچکی تھی۔ شاہِ روم نے بعض صوبوں میں، بالخصوص مصر میں، الوہیتِ مسیح والا مذہب نافذ کرنے کی کوشش کی جو قسطنطنیہ میں غالب مذہب تھا۔ اس کے نتیجے میں قبطیوں اور رومیوں کے مابین شدید نفرت نے جنم لیا۔ مذہبی معاملات میں حکومت کی اس مداخلت اور ایک مذہب کے خلاف دوسرے مذہب کی حمایت کی پالیسی کی وجہ سے ملک میں بہت سے لوگ خود کو ظلم و تشدد کا شکار محسوس کرنے لگے۔ ان علاقوں میں عوام پر کلیسا اور پادریوں کے تسلط اور حاکمیت کی وجہ سے، نیز کلیسا اور حکومت کی طرف سے روز افزوں ٹیکسوں کی وجہ سے وہ حالات پیدا ہوگئے جنھوں نے ان علاقوں میں اسلامی فتوحات کے لیے راہ ہموار کر دی۔

---

[1] ڈاکٹر اسد رستم کی الروم: 138/1.

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات

جس وقت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے منصب پر فائز ہوئے، اس وقت اسلامی سلطنت کے اکثر حصوں کے حالات ناسازگار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل جھوٹے مدعیان نبوت کے ہاتھوں ارتداد کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا جس کے نتیجے میں اسلامی سلطنت میں ٹوٹ پھوٹ کے آثار نظر آنے لگے۔ مسیلمہ کذاب نے یمامہ اور اس کے قریبی علاقے میں بنوحنیفہ کو گانٹھ کر ایسی قوت تیار کر لی تھی جو مدینہ کے مسلمانوں کے لیے خطرے کا باعث بن گئی تھی۔ یمن میں اسود عنسی کذاب بھی نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ خطرہ اور بڑھ گیا، کیونکہ کچھ اور افراد بھی اپنی اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ لے کر سامنے آ گئے تھے، مثلاً: نجد کے قبائل میں طلیحہ بن خویلد اسدی اور بنوتمیم کی ایک عورت سجاح بنت حارث وغیرہ۔ علاوہ ازیں بعض قبائل نے اسلامی سلطنت کو زکاۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، اس طرح اسلام کا ایک رکن معطل ہو رہا تھا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے شروع میں ان مرتدین کے مقابلے میں مشغول رہے، حتی کہ اس فتنے کا قلع قمع کرنے اور منکرینِ زکاۃ کو سزا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح انھوں نے تمام عرب کو ایک بار پھر اسلام کے جھنڈے تلے متحد کر دیا۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اس زمانے کی سب سے بڑی سلطنتوں، یعنی فارس اور روم کو فتح کرنے کے لیے لشکر روانہ کر دیے۔ اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے خلاف بیک وقت جہاد شروع کر دیا، حالانکہ اسلامی فوجیں مرتدین کی سرکوبی سے ابھی ابھی فارغ ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود ان کی فتوحات کا سلسلہ اتنا عظیم تھا کہ انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔



فتنۂ ارتداد کی جنگیں

لشکرِ اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر فتوحات حاصل کرنے والا یہ پہلا لشکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے ایک لشکر تیار کیا تھا اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس کا سپہ سالار مقرر فرمایا تھا۔ آپ ﷺ اسے رومیوں کے مقابلے میں شام کے علاقے کی طرف روانہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ بعض افراد نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کرنا مناسب خیال نہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَأَيْمُ

اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِّلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

''تم لوگ اس کی قیادت پر اعتراض کرتے ہو۔ اس سے پہلے تم اس کے والد کی قیادت پر بھی نکتہ چینی کرتے تھے۔ قسم ہے اللہ کی! وہ قیادت کی صلاحیت رکھتا تھا اور وہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارا تھا۔ اور یہ (اُسامہ رضی اللہ عنہ) بھی مجھے اس کے بعد سب سے زیادہ پیارا ہے۔'' [1]

اس لشکر کو روانہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوگئی تو لشکر مدینہ کے باہر رُک گیا، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر رومیوں سے مقابلے کے لیے بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کوشش کی کہ آپ رضی اللہ عنہ یہ فیصلہ واپس لے لیں یا کچھ عرصہ کے لیے مؤخر کر دیں کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے لیے متعدد خطرات موجود تھے اور بعض خطرات متوقع تھے۔ رومیوں کی طرف سے بھی خطرہ تھا، شام کے عرب عیسائی بھی خطرے کا باعث تھے اور مرتدین بھی اس وقت تک ایک طاقت رکھتے تھے لیکن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لشکر کی روانگی کے فیصلے پر مضبوطی سے قائم رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یقین ہو کہ مجھے درندے چیر پھاڑ دیں گے، تب بھی میں اسامہ (رضی اللہ عنہ) کا لشکر ضرور روانہ کروں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔'' ایک روایت کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تمام عربوں کا میرے خلاف ہو جانا مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں اس لشکر کو روک لوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا۔'' [2]

لشکر روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔ مجاہدین کو الوداع کہنے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کچھ دور تک ان کے ساتھ چلے۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو الوداع کہنے سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں کچھ نصیحتیں کیں۔ اسلام میں جنگ اور جہاد کے یہ اصول انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگو! خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا، مقتولین کا مثلہ نہ کرنا، کسی چھوٹے بچے کو، کسی معمر بوڑھے کو اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا (کیونکہ وہ لڑائی میں شریک نہیں ہوتے)، کھجور کے درختوں کا پھل ضائع نہ کرنا، انھیں جلانے سے

---

[1] فتح الباري: 16/287، و تاريخ الطبري: 3/188. [2] تاريخ الطبري: 3/212، و تاريخ الإسلام (عهد الراشدين)، ص: 20.



اجتناب کرنا، کوئی پھل دار درخت نہ کاٹنا، کھانے کی ضرورت کے بغیر کوئی بکری گائے یا اونٹ ذبح نہ کرنا۔ تمھارا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوگا جنھوں نے خود کو عبادت گاہوں کے لیے وقف کر رکھا ہے، ان (درویشوں) کو اسی کام میں مشغول رہنے دینا جس کام کے لیے انھوں نے خود کو وقف کیا ہے۔'' [1]

یہ ہدایات لے کر لشکر روانہ ہوگیا اور شام کے سرحدی علاقوں تک پہنچ گیا۔ اس لشکر نے عرب عیسائیوں کے ان قبائل پر حملہ کیا جنھوں نے غزوۂ موتہ میں رومیوں کی مدد کی تھی، اس طرح انھیں سزا دی۔ یہ لوگ دو مہینے بعد واپس مدینہ پہنچ گئے۔ اس لشکر کی روانگی سے انتہائی مفید نتائج حاصل ہوئے۔ اس دوران میں مدینہ پر حملہ کرنے والے مرتدین واپس لوٹ گئے۔ رومیوں اور ان کے حامی عرب عیسائیوں کے خلاف جہاد شروع ہوا، حتی کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے خود کہا: ''ان لوگوں نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کی بھی پروا نہیں کی اور ہمارے علاقوں پر حملہ آور ہوگئے ہیں۔'' [2]

---

[1] النظم الإسلامية: 309. [2] الطبقات لابن سعد: 68/4، و سير أعلام النبلاء: 503/2.



جنگ یمامہ

(11ھ)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب کے اطراف و اکناف میں مرتدین کے خلاف متعدد جنگیں لڑیں۔ اس اہم ترین مہم کے لیے جو لشکر روانہ ہوئے، ان کی تعداد گیارہ تک پہنچتی ہے۔ وہ عرب کے طول و عرض میں پھیل گئے۔ انھوں نے بڑی بہادری سے جنگیں کیں اور جو فرائض ان کے ذمے لگائے گئے تھے، انھوں نے پوری تن دہی سے ادا کیے۔

یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے پیروکار قبیلہ بنو حنیفہ کے لوگ مدینہ کے مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ تھے کیونکہ ان کے پاس بہت بڑا لشکر تھا جو چالیس ہزار سے زیادہ افراد پر مشتمل تھا۔[1] علاوہ ازیں ان لوگوں میں سخت قبائلی عصبیت پائی جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ اس کے گرد جمع ہو گئے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے تیاری کی، بلکہ مدینہ ہی پر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ (بن ابی جہل) کی قیادت میں ان سے لڑنے کے لیے پہلا لشکر بھیجا گیا تو مسیلمہ سے اس پہلے مقابلے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک اور علاقے کی طرف بھیج دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کی

[1] تاريخ الطبري: 244/3.



مدد کے لیے سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ وہ یمامہ کی طرف جا رہے تھے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں رُکنے کا حکم دیا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ادھر روانہ کر دیا اور سیدنا شرحبیل رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو جائیں۔ [1]

[1] تاريخ الطبري: 243/3.



یمامہ کا ایک خوبصورت منظر

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا لشکر یمامہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا اہم حصہ مہاجرین اور انصار پر مشتمل تھا۔ مہاجرین کی قیادت سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ سیدنا سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ ان کے علم بردار تھے۔ انصار کے قائد سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے۔ جب مسلمانوں کا لشکر قریب پہنچا تو مسیلمہ اپنا لشکر لے کر نکلا اور عقرباء کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان، مسیلمہ کی فوج کے ایک دستے کو جس کی تعداد چالیس اور ساٹھ افراد کے درمیان تھی، تباہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ [1] اس کے بعد مسیلمہ کی فوجوں سے سامنا ہوا۔ سب سے پہلے قتل ہونے والوں میں ایک شخص ''رجال بن عنفوہ'' تھا۔ یہ شخص بظاہر مسلمان ہوگیا تھا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی کی تھی۔ بعد میں مرتد ہوکر مسیلمہ سے جا ملا اور کہنے لگا کہ مسیلمہ کو منصب رسالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔ بنوحنیفہ کے لیے یہ شخص خود مسیلمہ سے بڑا فتنہ ثابت ہوا۔ [2]

بڑی سخت جنگ ہوئی۔ بنوحنیفہ نے اس میں بہت ہمت سے کام لیا حتی کہ وہ پہلی جنگ میں گرفتار ہونے والے بعض افراد کو چھڑانے میں کامیاب ہوگئے۔ مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پیدا ہوگیا، قریب تھا کہ شکست ہو جاتی لیکن مسلمانوں نے ایک دوسرے کی ہمت افزائی کی اور وہ بہت بہادری سے لڑے۔ ان بہادروں میں انصار کے علم بردار سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انھوں نے فرمایا: ''مسلمانو! تم ایک بری عادت میں مبتلا ہونے لگے ہو۔ یا اللہ! میں اس فریق (اہلِ یمامہ) کے عمل سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں اور اس فریق (مسلمانوں) کی طرف سے کوتاہی کی معذرت کرتا ہوں۔'' پھر جنگ کرتے کرتے شہید ہوگئے۔ سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے قرآن کا علم رکھنے والو! قرآن کو اپنے

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 106، و تاريخ الإسلام للذهبي، (عصر الخلفاء الراشدين): 40، و الكامل: 362/2.

[2] تاريخ خليفة بن خياط: 107، و تاريخ الطبري: 244/3.



عمل سے مزین کر دو۔‘‘[1]

جنگ بہت شدت سے جاری تھی۔ شروع میں بنوحنیفہ کا پلہ بھاری تھا، پھر معاملہ برابر برابر ہوگیا، پھر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ ہر قبیلہ دوسرے سے الگ ہو جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کمزوری کس طرف سے ظاہر ہوئی ہے۔ جنگ بہت سخت تھی۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہادری کے جوہر دکھانے والے وہ مہاجر اور انصار تھے جو قرآن کے عالم و حافظ تھے اور شہادت پانے والوں کی اکثریت کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ اس دوران میں مسلمانوں کا شعار (کوڈ ورڈ) ’’یا محمداہ‘‘ تھا کیونکہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا صدمہ اُٹھائے بہت عرصہ نہیں گزرا تھا۔ مسیلمہ نے شروع میں تو جم کر مقابلہ کیا، پھر اس کی قوم شکست کھا کر اسے چھوڑ گئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب کو بلایا اور اسے کئی امور کی پیشکش کی۔ اس نے ان سب کو رد کر دیا اور جنگ جاری رکھنے پر مصر

[1] تاريخ الطبري: 248/3، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين) و الكامل: 363/2.




بنو حنیفہ (یمامہ) میں گارے کے قدیم مکانات

رہا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے خود اس کا مقابلہ کیا حتی کہ وہ بھاگ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھی بھی بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور بہت سے افراد کو قتل کر دیا، تب مسلمانوں کو فتح نظر آنے لگی۔

مسیلمہ کے ساتھیوں نے اس سے کہا: ''تو نے ہم سے (فتح کے) جو وعدے کیے تھے، وہ کہاں گئے؟'' اس نے کہا: ''اپنے قبیلے کی عزت بچانے کے لیے لڑو۔'' وہ ایک دوسرے کو پکار پکار کر کہنے لگے: ''باغ میں چلو، باغ میں چلو۔'' وہ مسیلمہ کے باغ میں پناہ لینا چاہتے تھے جس کے گرد قلعہ کی طرح دیوار تھی۔ مسیلمہ اور اس کے سات ہزار فوجی باغ میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے دروازے بند کر لیے اور قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان مجاہدین نے ان کا تعاقب کیا۔ ان میں سیدنا براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے جو خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ براء رضی اللہ عنہ شیر کی طرح بہادر تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان فصیل کی وجہ سے پریشان ہو گئے ہیں، یعنی انھیں دشمن سے جنگ کرنے کے لیے راستہ نہیں مل رہا تو سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے انھیں قسم دے کر کہا: ''مجھے اٹھا کر فصیل کے اندر پھینک دو۔ میں مسلمانوں کے لیے قلعے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کروں گا۔'' قلعے میں ان کے اکیلے داخل ہونے سے مسلمان ان کے بارے میں خطرہ محسوس کرتے تھے، اس لیے انھوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جب سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا تو ساتھیوں نے انھیں قلعے میں پھینک دیا۔ وہ جنگ کرتے کرتے دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمان باغ میں داخل ہو گئے۔ فریقین میں گھمسان کا رن پڑا حتی کہ دو مسلمان مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کو قتل کرنے والے ایک صاحب تو سیدنا وحشی رضی اللہ عنہ

تھے، جنھوں نے (کفر کے ایام میں) سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اور دوسرے ایک انصاری مجاہد تھے۔ جب بنوحنیفہ کو اس کے قتل کا پتا چلا تو وہ شکست کھا کر بھاگے اور مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ گئے۔ [1] بنوحنیفہ کا ایک سردار جو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی قید میں تھا، اس نے درخواست کی کہ وہ بنو حنیفہ کی طرف سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے صلح کرنا چاہتا ہے۔ اس نے یہ جھوٹ بولا کہ قلعہ مردوں سے بھرا ہوا ہے اور وہ پلٹ کر مسلمانوں پر حملہ کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ بنوحنیفہ کی عورتوں نے ہتھیار سجائے اور قلعے کی دیواروں پر سے مسلمانوں کے سامنے آئیں۔ مسلمان سمجھے کہ بنوحنیفہ کی بچی کھچی فوج قلعے میں موجود ہے، چنانچہ اس سردار نے اپنی قوم کی طرف سے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ سے چند شرطوں پر جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا۔ مسلمانوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ قلعے میں تو صرف عورتیں اور بوڑھے کمزور افراد تھے لیکن انھوں نے وعدے کی پابندی کی۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان پہنچ گیا کہ تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے لیکن جب انھیں اس صلح کے بارے میں علم ہوا تو انھوں نے اسے قائم رکھا۔ اس طرح بنوحنیفہ کے مرتد ہونے کا فتنہ ختم ہوا اور ان کا کذاب قتل ہو گیا، پھر وہ لوگ دوبارہ مسلمان ہو گئے اور ان میں سے بعض افراد نے بعد میں اسلامی فتوحات میں نمایاں کارنامے انجام دیے۔

اس معرکے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد نے شہادت پائی۔ ان میں متعدد ایسے حضرات تھے جو بدر، اُحد اور دیگر غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اس جنگ میں انصار کے شہداء کی تعداد تین سو ساٹھ اور مہاجرین کے شہداء کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی۔ اس کے علاوہ متعدد اعرابی بھی شہید ہوئے۔ دوسری طرف بنوحنیفہ کے مقتولین کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ [2]

جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے اکثر مسلمان حافظ قرآن تھے۔ مسلمانوں نے خطرہ محسوس کیا کہ اگر حفاظِ قرآن اسی طرح کثرت سے شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید ضائع ہو سکتا ہے، چنانچہ اس کے بعد اس بارے میں مشورہ کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک کمیٹی قائم کی جنھوں نے پورا قرآن ایک مصحف کی شکل میں تحریر کیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن مجید کا کتابی صورت میں جمع ہونا ''قرآن مجید کا جمع اوّل'' کہلاتا ہے۔ [3]

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 109، و تاريخ الطبري: 248/3، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 39.

[2] تاريخ الطبري: 252/3، و الكامل: 364/2. [3] فتح الباري، باب جمع القرآن: 8/9، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 79، و الرياض النضرة للمحب الطبري: 162/1.

فارس اور عراق کی فتوحات

ایران کی سلطنت وسیع علاقوں پر مشتمل ایک مضبوط مملکت تھی۔ اس کی حدود مغرب میں شام کے مشرقی علاقوں سے لے کر مشرق میں افغانوں کے علاقے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ شمال میں اس کی حدود بحیرۂ خزر (بحیرۂ قزوین CASPIAN SEA) سے لے کر جنوب میں سندھ کے علاقے تک تھیں۔ اس میں عراق، فارس، خراسان، طبرستان اور آذر بائیجان وغیرہ کے علاقے شامل تھے۔

اس سلطنت کے پاس ایک عظیم اور منظم فوجی طاقت تھی۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا یا دشمنی رکھنا بہت مشکل تھا۔ اس نے اس فوج کے ذریعے سے رومی سلطنت کے خلاف بڑی بڑی جنگیں لڑی تھیں اور کئی بار فتح حاصل کی تھی، چنانچہ وہ بہت تجربہ رکھنے والی عسکری قوت بن چکی تھی۔ اس کے باوجود مسلمان اس سے مرعوب نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فتح یا شہادت کا وعدہ فرمایا تھا۔

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے بس ایک (فتح یا شہادت) کا انتظار کرتے ہو؟ اور ہم تمھارے حق میں یہ انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں (عذاب دلوائے)، لہٰذا تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں۔'' (التوبۃ 52:9)

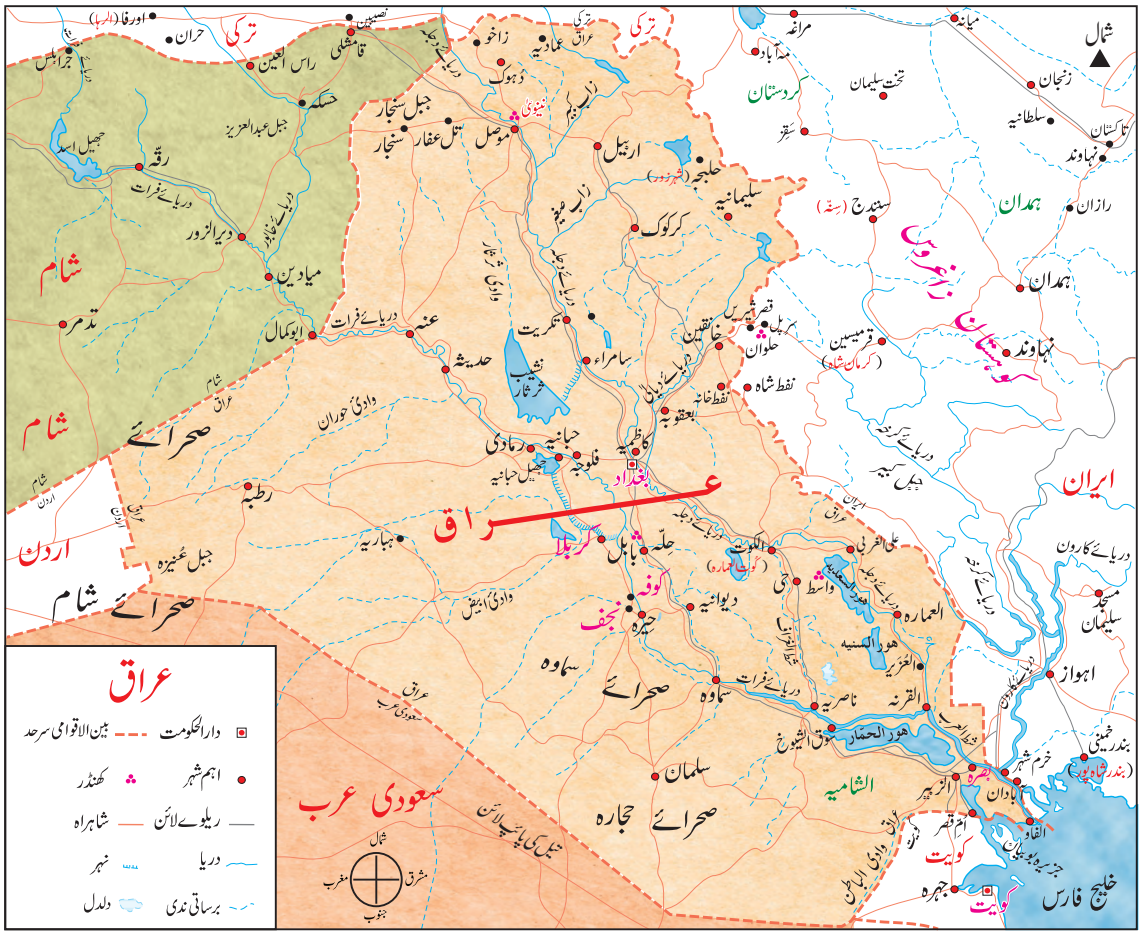
عراق
ترکی
شام
اردن
سعودی عرب
ایران
کویت
خلیج فارس
بغداد
کربلا
کوفہ
نجف
حیرہ
بابل
حلہ
انبار
فلوجہ
رمادی
سامراء
تکریت
موصل
نینوی
کرکوک
اربیل
سلیمانیہ
حلجہ (شہرزور)
خانقین
قصرشیریں
حلوان
قرمیسین (کرمانشاہ)
سنندج (سنہ)
سقز
مراغہ
میانہ
زنجان
سلطانیہ
قزوین
ہمدان
رازان
نہاوند
دینور
بصرہ
اہواز
عبادان
الفاو
ام قصر
جزیرہ بوبیان
خرم شہر
بندر خمینی
بندر شاہپور
العمارہ
العزیر
ھور الحمار
ھور الحویزہ
ناصریہ
سماوہ
صحرائے حجارہ
صحرائے شام
صحرائے عراق
الشامیہ
کوفہ
واسط
دیوانیہ
الکوت (کوت العمارہ)
علی الغربی
بدرہ
جبل سنجار
جبل عبدالعزیز
جبل عمنیزہ
وادی حوران
وادی عربیض
وادی الباطن
دریائے فرات
دریائے دجلہ
دریائے کارون
دریائے سیمرہ
دریائے گاماسیاب
دریائے زاب
دریائے خابور
دریائے عظیم
دریائے ڈیالہ
دریائے شط العرب
دریائے کرخہ
دریائے نہروان
دریائے تلوار
دریائے زرینہ رود
دریائے سیمینہ رود
دریائے گرگر
دریائے بیرہ
دریائے بیرہ
دریائے بیرہ

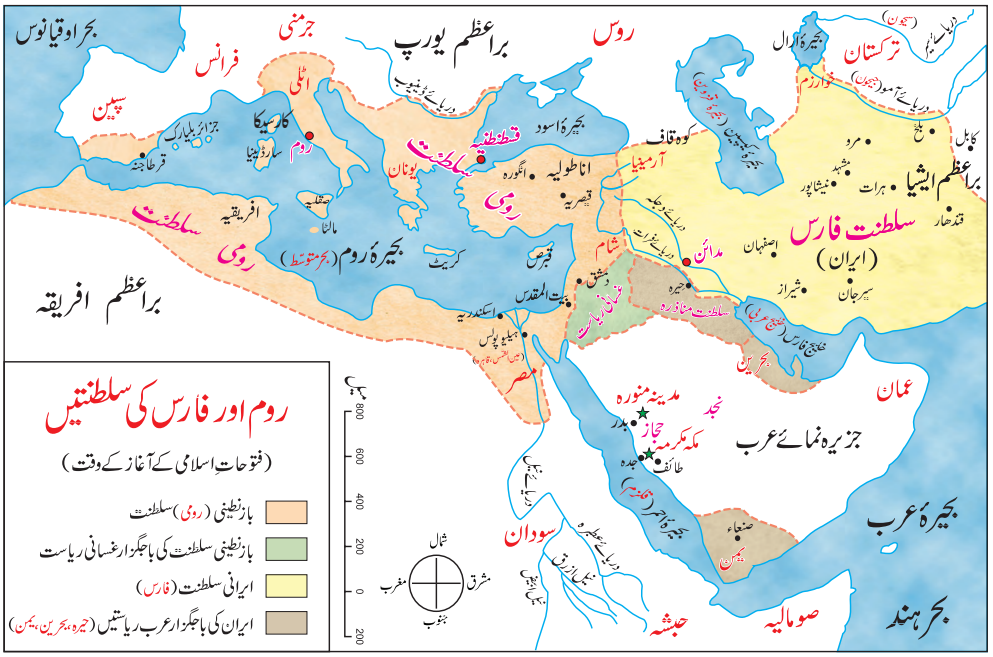
بحر اوقیانوس
براعظم یورپ
روس
جرمنی
فرانس
اٹلی
سپین
ترکستان
براعظم ایشیا
سلطنت فارس
(ایران)
براعظم افریقہ
بحیرۂ روم
(بحر متوسط)
بحیرۂ عرب
بحر ہند
جزیرہ نمائے عرب
حجاز
نجد
عمان
یمن
سوڈان
حبشہ
صومالیہ
مصر
شام
روم
یونان
قسطنطنیہ
دمشق
بیت المقدس
مدائن
بغداد
بصرہ
مکہ مکرمہ
مدینہ منورہ
طائف
جدہ
صنعاء
روم ستان
روم ستان
روم ستان

میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جنھیں موت سے اتنی ہی محبت ہے جتنی تمھیں جینے سے محبت ہے۔‘‘[1] مسلمانوں نے ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرلی اور ایرانیوں نے بھی تیاری کی، پھر وہ جنگ ہوئی جو ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے۔

جنگ ذاتُ السلاسل (زنجیروں والی جنگ) (12ھ)

ایران کی فتوحات کے شروع میں مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جو جنگیں ہوئیں، یہ جنگ ان میں سے اہم ترین جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ میدانِ جنگ ابلہ شہر کے قریب تھا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے کمانڈر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ ایرانیوں کا کمانڈر ابلہ کا گورنر ہُرمز تھا۔ اس جنگ کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ ایرانیوں نے خود کو زنجیروں کے ساتھ ایک دوسرے سے باندھ لیا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں[2] اور اپنے کمانڈر کو دکھا سکیں کہ وہ مر جائیں گے لیکن میدان نہیں چھوڑیں گے۔ معرکہ شروع ہوا تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ایرانی کمانڈر انفرادی طور پر آمنے سامنے آئے۔ اس دوران میں ایرانی فوج کے ایک دستے نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر دھوکے سے حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے صورتِ حال کو بھانپ لیا اور مل کر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا۔ دریں اثنا سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ایرانی کمانڈر کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے فارسی فوج پر حملہ کر دیا اور بالآخر انھیں شکست دے دی۔ ایرانی کثیر تعداد میں قتل ہوئے، پھر باقی لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔[3]

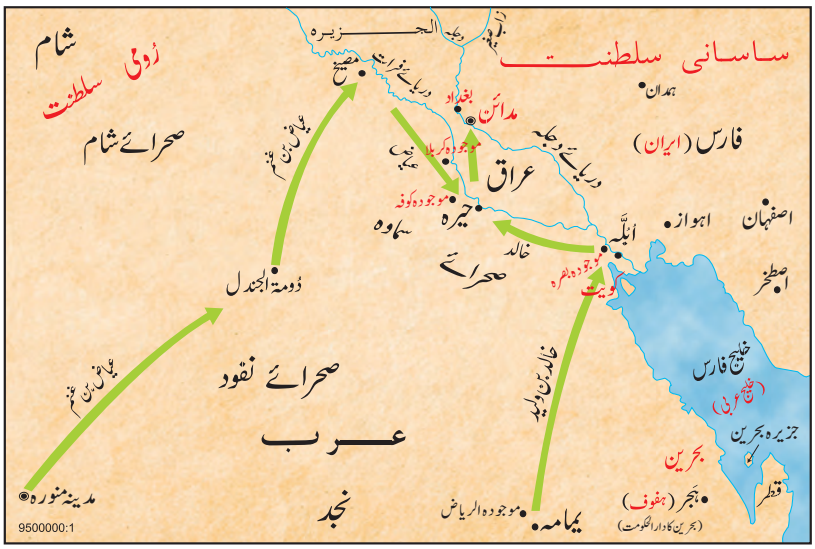

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے لشکروں کی عراق پر یلغار کا صدیقی منصوبہ

---

[1] تاريخ الطبري: 5/3. [2] فتوح الشام: 59، و فتوح البلدان: 242، و تاريخ الطبري: 5/3. [3] تاريخ الطبري: 6/3.

شاہِ ایران نے زنجیروں والے لشکر کی مدد کے لیے ایک اور لشکر روانہ کیا تھا لیکن وہ جنگ ختم ہونے کے بعد پہنچا، چنانچہ وہ مذار کے مقام پر ٹھہر گیا اور شکست خوردہ فوج کا باقی ماندہ حصہ اس سے جاملا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں وہ جنگ ہوئی جو ''جنگِ مذار'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ان کے بہت سے سپاہی قتل ہوئے۔ [1]

جنگ ولجہ اور جنگ الیس (12ھ)

ایران کے بادشاہ نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے منصوبہ بنانا شروع کیا، چنانچہ اس نے عراق میں موجود عرب عیسائیوں سے مدد مانگی۔ وہ اس کی مدد کے لیے رضا مند ہوگئے۔ اس طرح ایک بڑا لشکر تیار ہوگیا جو عرب کے عیسائیوں اور ایرانی افواج پر مشتمل تھا۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ان کے جمع ہونے کی خبر ملی تو آپ رضی اللہ عنہ نے پہل کرتے ہوئے ولجہ کے مقام پر ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمان فتح یاب ہوئے اور ان کی کثیر تعداد کو قتل کیا جن میں زیادہ تر عرب کے عیسائی تھے۔ مسلمانوں نے کاشت کاروں اور جنگ میں حصہ نہ لینے والے عوام کو امان دے دی اور ان سے نرمی اور حسنِ سلوک سے کام لیا۔ [2]

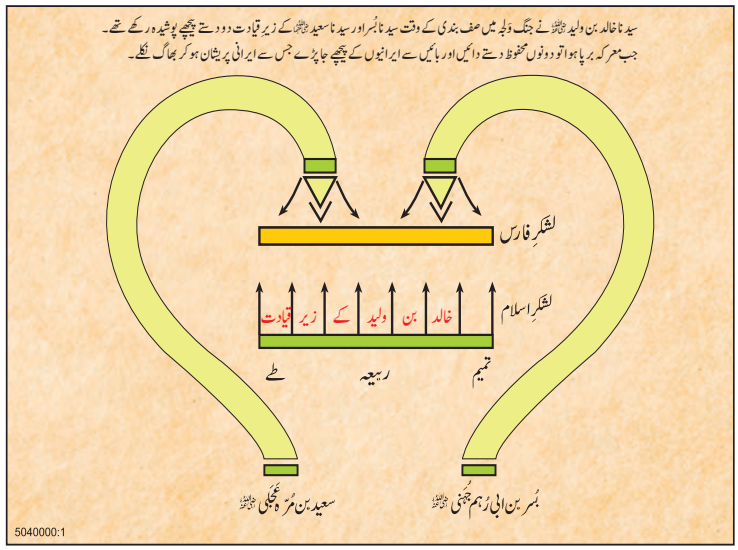

وَلَجہ (عراق) میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جنگی حکمت عملی

اس جنگ میں عرب کے عیسائی بہت زیادہ تعداد میں قتل ہوئے تھے، چنانچہ عیسائی جوش میں آ کر الیس کے مقام پر جمع ہوئے اور ایران کے بادشاہ کو مدد کے لیے لکھا۔ اس نے ان کی مدد کے لیے بہت سی فوج بھیج دی۔ اس فوج سے جس کے ساتھ عرب عیسائی بھی تھے، مسلمانوں کی سخت جنگ ہوئی۔ اس میں

---

[1] تاريخ الطبري: 7/3. [2] اس واقعے کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تاريخ الطبري: 9/3.

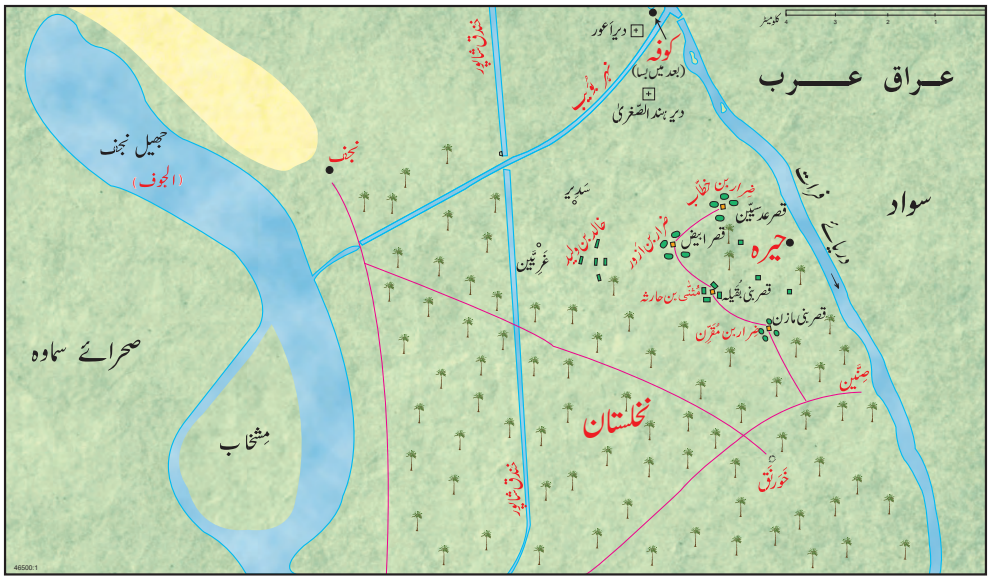

فتح حیرہ (ربیع الاول 12ھ/مئی/جون 633ء)

مسلمانوں کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ دشمن بہت دیر تک مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے لیکن آخر کار اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور دشمن کے بے شمار سپاہی قتل ہوئے حتی کہ ان کے خون سے قریبی دریا کا رنگ سرخ ہوگیا، چنانچہ اس جنگ کا نام **مَعْرَكَةُ نَهْرِ الدَّم** (خون کے دریا کا معرکہ) مشہور ہوگیا۔[1]

حیرہ اور اَنبار کی فتح

حیرہ کی سلطنت عربوں کی سب سے بڑی اور سب سے مشہور سلطنت تھی۔ اس میں عیسائیت قبول کرنے والے مختلف عربی قبائل رہتے تھے، تاہم یہ فارس کے ماتحت تھی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنوبی عراق میں جنگیں لڑنے کے بعد حیرہ کی طرف رخ کیا۔ حیرہ کی عربی اور ایرانی افواج نے اپنے شہر کی طرف سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی روکنے کی کوشش کی۔ مسلمان دریائے فرات میں اپنے ساز و سامان سمیت کشتیوں میں سوار ہو کر حیرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ حیرہ کی فوجوں نے کشتیوں کے سفر میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے دریا کا رخ پھیرنے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر ان افراد کو ختم کر دیا جو

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 118، و تاريخ الطبري: 9/3، و فتوح البلدان:244، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الراشدين):78.

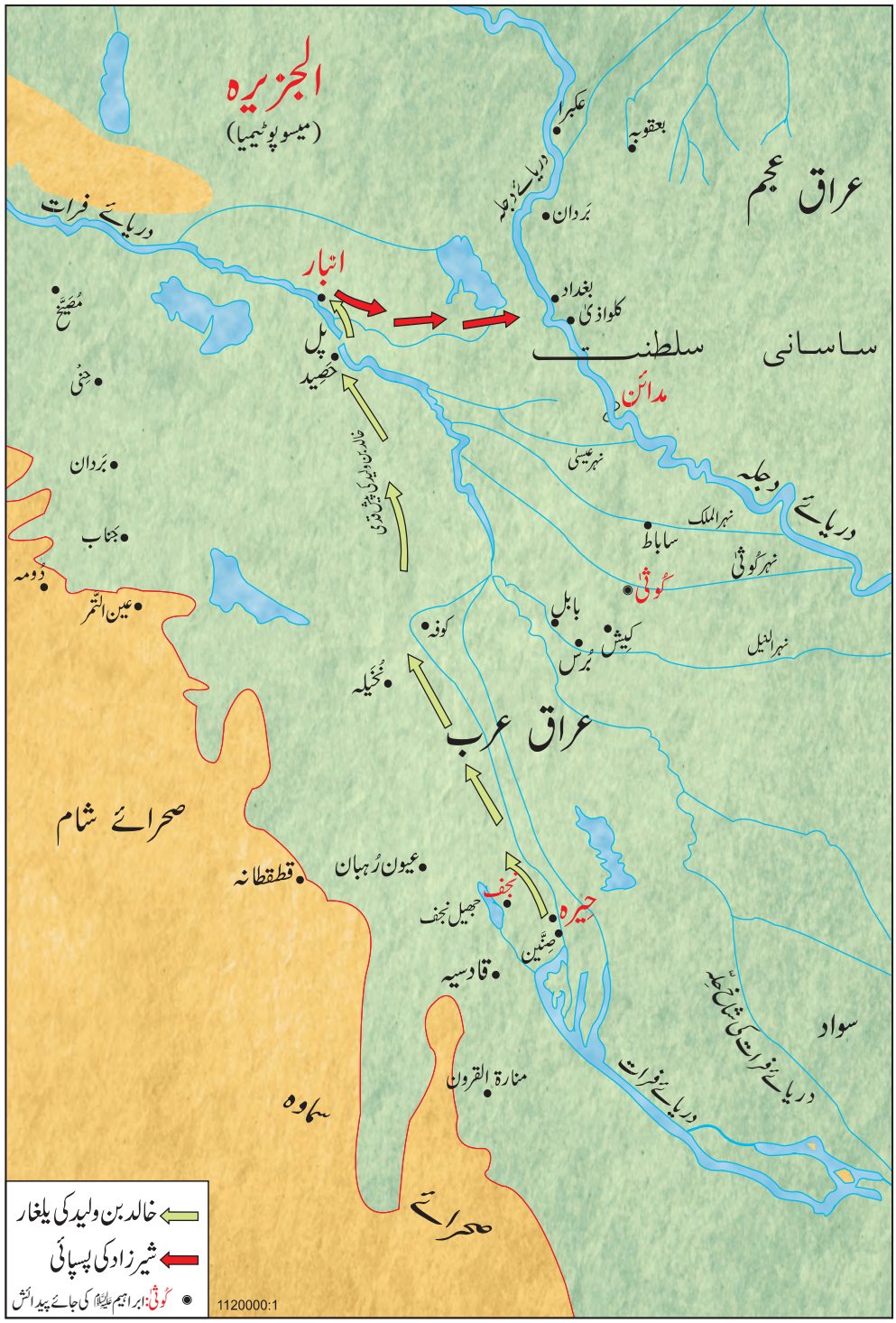

فتح انبار (4 رجب 12ھ / 14 ستمبر 633ء)

دریا کا رُخ پھیرنا چاہتے تھے اور دوبارہ حیرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب حیرہ والوں کو اپنے فوجی ہلاک ہونے کی خبر ملی تو ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد کسریٰ کے مرنے کی خبر آ گئی تو وہاں کا گورنر شہر چھوڑ گیا اور حیرہ کے دفاع کی ذمہ داری وہاں کے عرب عیسائیوں پر آ گئی۔ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ڈٹ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا، چنانچہ انھوں نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیے اور جزیہ دینے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ [1]

اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی انبار کی طرف بڑھے۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شہر کے باشندے قلعہ بند ہوگئے ہیں اور شہر کی حفاظت کے لیے خندق کھود لی ہے۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان کے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ مسلمانوں سے چند جھڑپوں کے بعد انھوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے عین التمر کا رخ کیا جو انبار کے قریب ایک شہر ہے۔ وہاں اہلِ فارس اور عربی عیسائیوں کی فوجیں جمع تھیں۔ مسلمانوں نے ان سے جنگ کی۔ اس جنگ میں عرب عیسائیوں نے ایرانیوں سے بڑھ کر جاں بازی سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ آخر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ ان کے سپہ سالار کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ شکست کھا گئے اور عین التمر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ [2]



فلوجہ شہر (ضلع انبار) کی ایک مسجد

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 118، و فتوح الشام: 65، و فتوح البلدان: 244، و تاريخ الطبري: 13/3، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 78. [2] الأخبار الطوال للدينوري: 112، و تاريخ الطبري: 21/3، و معجم البلدان: 241/1، و البداية والنهاية: 349/6.

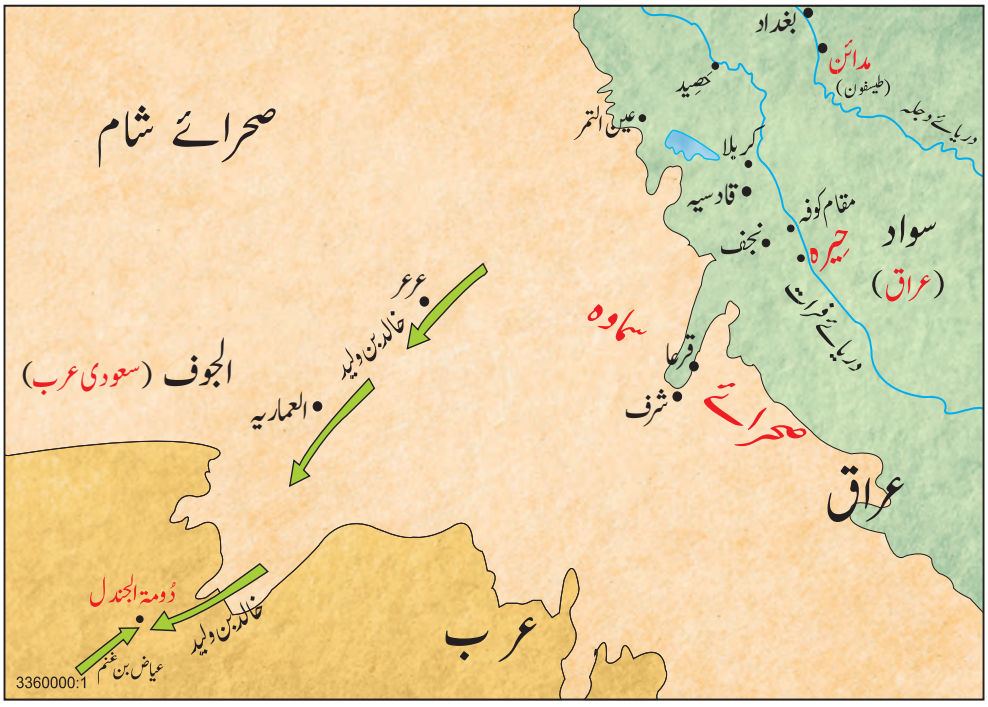

فتح دُومۃ الجندل (24 رجب 12ھ/ 5 اکتوبر 633ء)

دومۃ الجندل کی فتح (12ھ)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر عراق کی فتح میں شریک ہونے کے لیے روانہ کیا تھا اور ان کی کارروائی کے لیے ایک راستہ مقرر کر دیا تھا۔ اس منصوبے کے مطابق وہ دومۃ الجندل پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ حیرہ اور عین التمر سے فارغ ہوئے تو سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ کو ایک مختصر ترین خط لکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا: «مِنْ خَالِدٍ، إِلَى عِيَاضٍ: إِيَّاكَ أُرِيدُ» ''خالد کی طرف سے عیاض کے نام۔ مجھے آپ ہی کی ضرورت ہے۔'' پھر اپنا لشکر لے کر دومۃ الجندل


دومۃ الجندل کی مسجد عمر


قلعہ مارد (دومۃ الجندل)

کی طرف روانہ ہوگئے اور سیدنا عیاض رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ مسلمانوں اور شہر والوں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے مددگار شمالی عرب کے عیسائی بھی تھے۔ آخر کار سیدنا خالد رضی اللہ عنہ وہاں کے سردار اُکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، پھر مسلمان قلعہ میں داخل ہوگئے اور فاتحانہ طور پر اس پر قابض ہوگئے۔ [1]

دومۃ الجندل کی فتح کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ دوبارہ عراق پہنچے اور جو علاقے فتح ہوچکے تھے، ان میں مسلمانوں کے قدم مضبوط کرنے لگے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہونے کے بعد ان لوگوں نے بغاوت کی کوشش کی تھی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے کئی نئے مقام فتح کیے۔ انھوں نے مغربی عراق میں رومیوں اور ایرانیوں کی متحدہ فوج پر فتح پائی جنھوں نے مل کر مسلمانوں کا مقابلہ کیا تھا۔ یہ جنگ ''فُراض'' کے نام سے مشہور ہوئی جو شام اور عراق کی سرحد پر ایک شہر ہے۔ [2]

اس معرکے کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے باقی ایام میں اس علاقے میں مزید فتوحات نہیں ہوئیں کیونکہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے اکثر حصے کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حکم آ گیا تھا کہ وہ عراق سے شام چلے جائیں اور شام کی فتوحات میں حصہ لیں۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان: 74، و تاريخ الطبري: 22/3، و الكامل: 395/2، و البداية والنهاية: 350/6. [2] تاريخ الطبري: 26/3. [3] فتوح الشام: 68، و فتوح البلدان: 251، و تاريخ الطبري: 32/3.



روم کے زیرِ قبضہ شام کی فتوحات

رومیوں سے مسلمانوں کا پہلا ٹکراؤ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں 8ھ میں جنگ موتہ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے شروع میں سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا لشکر نکلا۔ ان فوجی کارروائیوں کا مقصد فتوحات حاصل کرنا نہ تھا بلکہ فتوحات کے لیے زمین ہموار کرنا تھا۔

12ھ میں جب مرتدین سے لڑائیوں کا سلسلہ آخری مرحلے میں تھا، تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یمن، حجاز اور نجد وغیرہ سے لشکر مدینہ میں جمع کرنا شروع کر دیے تاکہ انھیں شام میں فتوحات کے لیے روانہ کیا جائے۔ [1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف بھیجے جانے والے اولیں لشکر کا قائد بنا کر روانہ کیا۔ [2] انھوں نے شام کے جنوبی حصوں میں نقل و حرکت شروع کی۔ ان کا سامنا عرب عیسائیوں اور بعض رومیوں سے ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ کئی مقامات پر فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہے، پھر انھوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مزید فوج بھیجنے کی درخواست کی، چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کو ایک کمک دے کر بھیجا جو دشمن سے جھڑپوں میں سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ لیکن رومیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت زیادہ فوج جمع کر لی تھی۔ اس وجہ سے سیدنا خالد اور سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہما کو شام کے جنوبی حصے کی طرف ہٹنا پڑا۔ انھیں جناب صدیق رضی اللہ عنہ کی نئی ہدایات کا انتظار تھا جو اس دوران میں شام کی طرف بھیجنے کے لیے فوجیں مسلسل جمع کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مناسب سمجھا کہ شام بھیجی جانے والی افواج کی تنظیم نَو کی جائے تاکہ جہاد کا مضبوط اور سخت مرحلہ شروع ہو سکے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے چار لشکر ترتیب دیے اور ان کے الگ الگ امیر مقرر کیے جن کی تفصیل اس طرح ہے:

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 119، و فتوح الشام: 5-11، و فتوح البلدان: 115، و تاريخ الطبري: 28/3. [2] فتوح الشام: 21، و فتوح البلدان: 116، و تاريخ الطبري: 29/3.

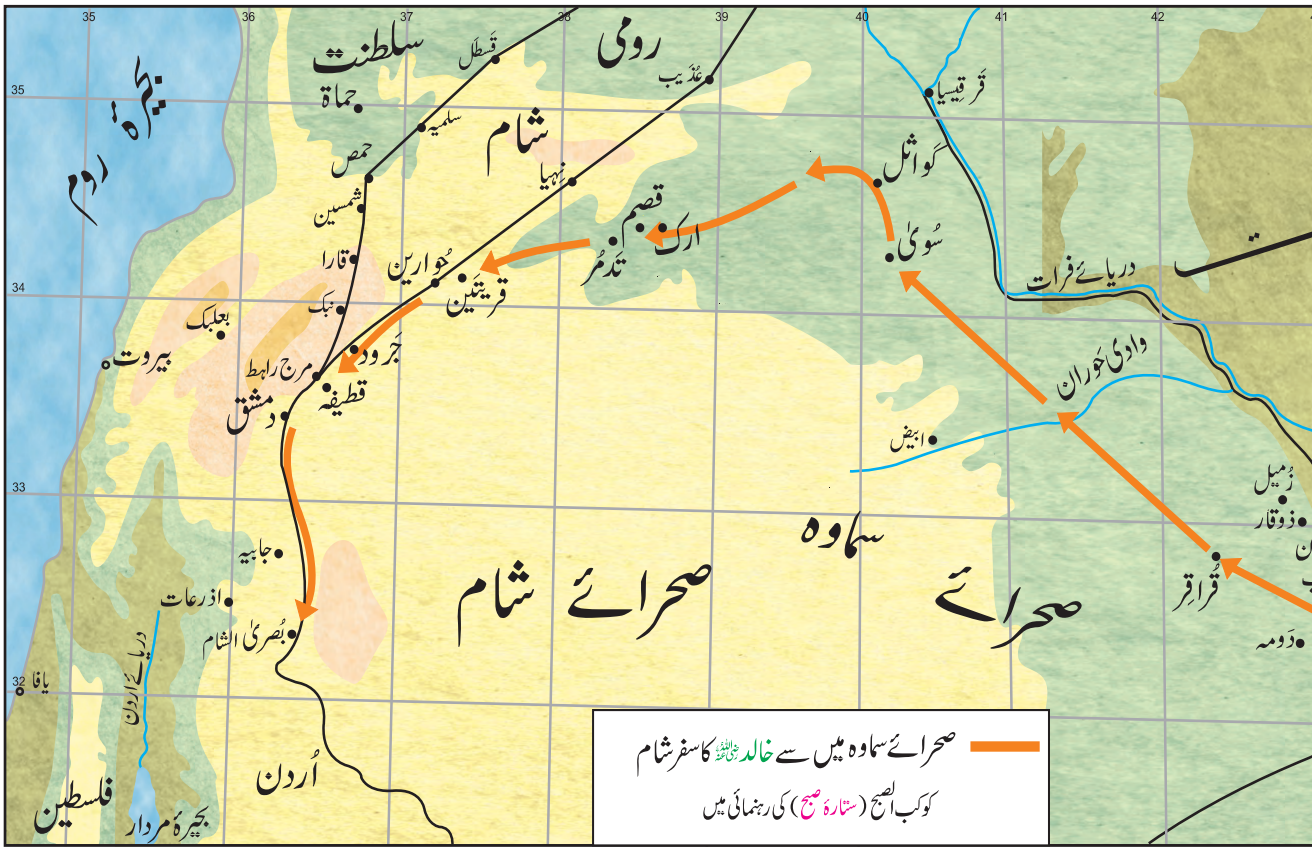

① سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ: ان کا رخ حمص کی طرف تھا۔ ان کے لیے تبوک سے جابیہ اور دمشق کا راستہ متعین کیا گیا۔

② سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما: ان کی منزل دمشق تھی۔ ان کے لیے تبوک سے بلقاء، اردن کا راستہ مقرر کیا گیا۔

③ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ: ان کی منزل فلسطین تھی۔ انھیں ایلہ کے راستے فلسطین پہنچنا تھا۔

④ سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ: آپ رضی اللہ عنہ کو اردن جانا تھا۔ ان کے لیے تبوک سے اردن کا راستہ مقرر ہوا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان اُمراء کو تھوڑے تھوڑے وقفے کے ساتھ جھنڈے دے کر روانہ فرمایا۔ انھیں متعدد نصائح سے نوازا۔ ہر امیر کو اس کی منزل کے لحاظ سے الگ الگ ہدایات دیں۔ ان نصائح کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ فوج سے مشورہ لینے، ان پر نرمی کرنے اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی تلقین کی۔ بوڑھوں، بچوں اور جانوروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

درختوں کو بلا ضرورت کاٹنے سے منع فرمایا۔ نماز قائم کرنے، سفیروں کی عزت کرنے اور سچ بولنے کی تلقین کی۔ احتیاط اور شجاعت اختیار کرنے کی نصیحت کی۔ اور جو صلح کرنا چاہیں، ان سے صلح کرنے کا حکم دیا۔ [1]

ہر امیر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگیا۔ رومیوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا تھا۔ انھوں نے اپنے لشکر کے چار حصے کیے اور ہر حصے کو مسلمانوں کے ایک لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے مقرر کیا۔ مسلمانوں کے لشکر نظم ونسق قائم رکھنے کے لیے خطوط کے ذریعے سے ایک دوسرے سے بھی اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی رابطے میں تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چاروں سپہ سالاروں کو حکم جاری کیا کہ رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے چاروں لشکر جمع ہو کر ایک متحدہ فوج کی صورت اختیار کرلیں۔ اسی وقت آپ رضی اللہ عنہ نے عراق میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عراق کا آدھا لشکر لے کر شام روانہ ہو جائیں اور وہاں پہنچ کر شامی لشکر کی قیادت سنبھالیں اور اس معاملے میں دوسرے سپہ سالاروں کے تعاون سے کام کریں۔ [2]



رُصافہ (شام) کے کھنڈر

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ روانہ ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلامی لشکر کے لیے وہ راستہ منتخب کیا جو اگرچہ سب سے خطرناک اور دشوار گزار تھا لیکن اس میں سب سے کم وقت صرف ہوتا تھا۔ دورانِ راہ آپ رضی اللہ عنہ کو اور لشکر کو بعض خطرات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ رضی اللہ عنہ ریکارڈ مدت میں شام پہنچ گئے جس کی دشمن کو توقع نہ تھی اور ایسی جگہ سے پہنچے جہاں سے دشمن سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ راستے میں آپ رضی اللہ عنہ نے تدمر، حوران، بصریٰ اور دوسرے مقامات فتح کیے اور پھر شام میں یرموک کے مقام پر مسلمانوں کے دوسرے لشکروں سے جا ملے۔ [3]

---

[1] فتوح الشام: 15، و تاريخ الطبري: 29/3. [2] فتوح الشام: 32-50، و تاريخ الطبري: 31/3. [3] تاريخ خليفة بن خياط: 119، و فتوح الشام: 73-81، و فتوح البلدان: 118، و تاريخ الطبري: 32/3.

جنگ یرموک (13ھ)

رومیوں نے شام میں اسلامی فاتح افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کر رکھا تھا اور اس کی امداد کے لیے باہان کی قیادت میں مزید فوجیں مسلسل آ رہی تھیں۔ اس وقت تک سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عراق سے شام پہنچ گئے۔ فریقین کی افواج جولان کے پہاڑوں کے قریب دریائے اُردن کے مشرق میں یرموک کی وادی میں جمع ہوگئیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے مسلمان افواج جنگ میں باہم تعاون کرتی تھیں، لیکن ہر فوج کی قیادت الگ الگ تھی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ چاروں افواج کا ایک متحدہ سالار ہونا ضروری ہے اور رومیوں سے ایک متحدہ فوج کی صورت میں ایک صف ہو کر جنگ کرنی چاہیے۔ سالاروں کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ انھوں نے پروگرام پیش کیا کہ چاروں سالار ہر روز باری باری متحدہ فوج کی قیادت کریں اور اس متحدہ لشکر کی قیادت پہلے دن سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کریں گے۔ [1]

رومیوں نے مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے جاسوسی کرنے کی کوشش کی، چنانچہ ان کے سالار نے ایک عرب عیسائی کو بھیجا جو مسلمانوں کی فوج میں داخل ہوگیا تاکہ رومیوں کو معلومات مہیا کر سکے۔ وہ ان میں خفیہ طور پر ایک دن رات ٹھہرا رہا، پھر رومی سالار کے پاس گیا۔ اس نے کہا: کیا خبر لائے ہو؟ اس نے مسلمانوں کی حالت ان الفاظ میں بیان کی: ''وہ لوگ ساری ساری رات نماز پڑھتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، بھلائی کی تلقین کرتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں۔ وہ رات کو راہب بن جاتے ہیں اور دن کو شیر۔ اگر ان کا بادشاہ بھی چوری کر لے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں گے اور اگر وہ بدکاری کرے تو اسے سنگسار کر دیں گے کیونکہ وہ حق کو مقدم رکھتے ہیں اور خواہش کے مقابلے میں حق کی پیروی کرتے ہیں۔'' ان کے سالار نے کہا: ''اگر ان (مسلمانوں) کی حالت واقعی وہی ہے جو تو نے بیان کی ہے، تو ان سے جنگ کرنے والوں کے لیے زمین کی پیٹھ سے زمین کا پیٹ بہتر ہے (یعنی زندہ رہنے سے مر کر قبر میں چلے جانا بہتر ہے)۔ میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے صرف یہ نصیب کر دے کہ مجھے ان کا مقابلہ کرنے دے۔ نہ ان کے خلاف میری مدد کرے، نہ میرے خلاف ان کی مدد کرے۔'' [2]

فریقین کے لشکروں نے جنگ کی تیاری کر لی۔ رومیوں نے ایک تنگ جگہ کا انتخاب کیا جس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں جمع کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ انھیں دائیں بائیں دونوں اطراف سے دو ندیوں اور پہاڑوں کی

---

[1] فتوح الشام: 188. [2] فتوح الشام: 211.

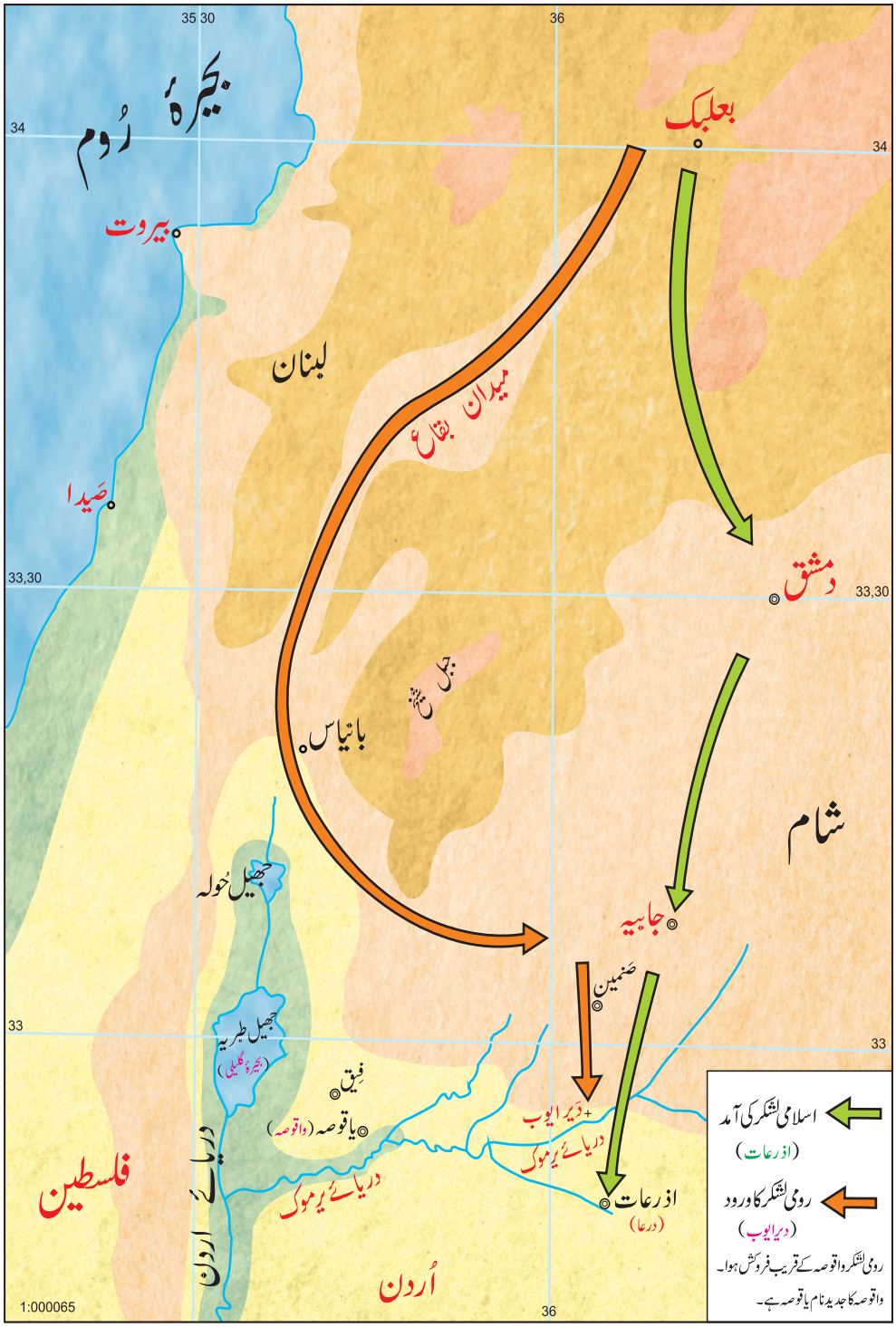

معرکۂ یرموک ..... مسلمانوں کو گھیرنے کی رومی کوشش

حفاظت حاصل ہے اور پیچھے بھی دریائے یرموک کا کنارہ ہے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کا سامنے سے اطمینان کے ساتھ مقابلہ کرسکیں گے۔ لیکن ان کے اس مقام کو منتخب کرنے سے مسلمانوں کے لیے آسانی ہوگئی۔ انھوں نے اس سے نیک فال لی اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''خوش ہو جاؤ، رومی محصور ہوگئے۔'' اس فال سے مسلمانوں کو محسوس ہوا کہ یہ ان کے لیے فتح کی ابتدا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے لیے رومیوں کے سامنے ایک کھلا میدان منتخب کیا جس میں ان کے لیے نقل وحرکت آسان تھی جبکہ رومی یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی اس مقام پر صف بندی ان (رومیوں) کے فائدے میں ہے۔

پہلے دن رومی بڑی تیاری کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے۔ مسلمان بھی پوری تیاری سے سامنے آئے۔ ان کی ترتیب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس طرح قائم کی تھی کہ انھیں چھتیس حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مسلمانوں کو اس نئی ترتیب سے دشمنوں کو خوف زدہ کرنے اور مسلمانوں کے عزم کو پختہ کرنے میں بہت مدد ملی۔

باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کی افواج میں قرائے کرام اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے اور سورۂ انفال کی تلاوت کرنے لگے۔ ان کے ساتھ ساتھ مجاہدین بھی یہ آیات دہرا رہے تھے۔ ان کے علاوہ واعظ اور خطیب بھی فوج میں پھیل گئے اور مسلمانوں کو دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کی تلقین کرنے لگے۔ [1] اس دوران میں رومیوں کے لشکر کے اگلے حصے میں موجود پادری اور راہب انھیں ثابت قدم رہنے اور نصرانیت کا دفاع کرنے کی تلقین کر رہے تھے۔ جنگ کی ابتدا مسلمانوں کی صفوں پر رومیوں کے دلیرانہ اور شدید حملے سے ہوئی۔ اگر مسلمان ثابت قدمی سے ڈٹے نہ رہتے تو ہوسکتا تھا کہ اس زبردست حملے کی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ جاتے۔ [2]

مسلمانوں کے ایک دستے نے وعدہ کر لیا کہ وہ شہید تو ہو جائیں گے لیکن پسپا نہیں ہوں گے۔ ان افراد کی تعداد چار سو تھی جن میں نمایاں شخصیات سیدنا عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور رضی اللہ عنہم تھے۔ انھوں نے زرہیں اتار دیں اور ایسی بہادری سے جنگ کی جس کی مثال نہیں ملتی حتی کہ یہ سب حضرات شہید یا زخمی ہوگئے اور مسلمان دوبارہ کارروائی کرتے ہوئے رومیوں پر جوابی حملہ کرنے میں کامیاب ہوگئے اور ان پر گھیرا تنگ کر دیا۔ رومی سواروں نے خوف زدہ ہو کر میدان سے فرار ہونے کی کوشش کی۔ مسلمانوں نے ان کے لیے ایک طرف سے راستہ چھوڑ دیا تاکہ وہ فرار ہوسکیں، چنانچہ رومی شہسوار شکست خوردہ ہو کر جانیں بچا کر بھاگے اور اپنی پیدل فوج کو قسمت کے حوالے کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا گھیرا مزید تنگ کر دیا اور ان پر تلواروں سے

---

[1] فتوح الشام: 218، و تاريخ الطبري: 34/3. [2] فتوح الشام: 223,222.



یرموک کی ایک موجودہ خوبصورت تصویر

حملہ کر دیا۔ وہ پیچھے ہٹے تو ان کے ہزاروں سپاہی ندی کے نشیبی کنارے سے گر کر مر گئے۔ انھوں نے خود کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا تاکہ وہ ثابت قدم رہیں اور کوئی شخص بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب کچھ افراد وادی کے کنارے سے نیچے گرے تو زنجیر میں بندھے ہوئے باقی افراد بھی ساتھ ہی کھنچ کر گرتے چلے گئے۔ اس طرح ان کے بہت سے افراد بغیر لڑے ہلاک ہو گئے۔ یہ معرکہ ایک پورا دن اور دوسرے دن کے کچھ حصے تک جاری رہا اور مسلمان فتح یاب ہو گئے۔ [1]

اس جنگ میں مسلمان خواتین نے بھی حصہ لیا، جو میدان میں اپنے اپنے محرم مردوں کے ساتھ موجود تھیں۔ انھوں نے اس معرکے میں اہم کردار ادا کیا۔ [2]

اس جنگ میں تین ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خاصی تعداد شامل تھی۔ رومیوں کے تقریباً ایک لاکھ سپاہی قتل ہوئے۔ جب ہرقل کو حمص (یا انطاکیہ) میں جنگ کے نتیجے کی خبر ملی، تو وہ شام کے علاقوں سے ناامید ہو کر شمال کی طرف کوچ کر گیا۔ اس وقت اس کی زبان سے وہ مشہور جملہ نکلا تھا: «سَلَامٌ عَلَيْكِ يَا سُورِيَةُ! سَلَامَ مُوَدِّعٍ لَّا يَرَى أَنَّهُ يَرْجِعُ إِلَيْكِ أَبَدًا» ''اے شام! تجھے الوداعی سلام! اس شخص کی طرف سے جسے تیری سرزمین میں کبھی واپس آنے کی امید نہیں۔'' [3]

---

[1] فتوح الشام: 231، و فتوح البلدان: 141، و تاريخ الطبري: 33/3، و تاريخ خليفة بن خياط: 130. [2] فتوح الشام: 220، و فتوح البلدان: 141، و تاريخ الطبري: 33/3. [3] فتوح الشام: 236، و تاريخ الطبري: 38/4.

جنگِ یرموک [1] جاری تھی کہ خبر آئی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پاگئے ہیں اور جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر فائز ہوگئے ہیں۔ [2] ساتھ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو جنگ کی قیادت سے معزول کر کے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے تقرر کا حکم بھی وصول ہوا۔ یہ خط سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے وصول کیا لیکن سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو ان کی معزولی کی اطلاع نہ دی۔ بعد میں جب سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو علم ہوا تو وہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئے کیونکہ دونوں حضرات میں سے کوئی بھی سرداری کی حرص نہیں رکھتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اس لیے معزول کیا تھا کہ لوگ فتوحات کا باعث ان کی ذات کو نہ سمجھ لیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ''میں نے خالد رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر یا ان کی کسی خیانت کی وجہ سے انھیں معزول نہیں کیا لیکن لوگ ان کی وجہ سے فتنے میں پڑ رہے تھے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ وہ (اللہ کے بجائے) ان پر اعتماد نہ کرنے لگیں۔ میں نے چاہا کہ انھیں معلوم ہو جائے کہ سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح وہ فتنے میں مبتلا ہونے کے خطرے سے بچ جائیں۔''



یرموک کی ایک قدیم تصویر

ایک روایت کے مطابق انھوں نے فرمایا تھا: ''میں چاہتا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرتا ہے، خالد یا مثنیٰ کی مدد نہیں کرتا۔'' [3]

---

[1] جنگ یرموک کے بارے میں عرب مؤرخین میں سن کا اختلاف ہے۔ بعض اسے 13ھ کا واقعہ قرار دیتے ہیں اور بعض 15ھ کا واقعہ بتاتے ہیں۔ دراصل میدانِ یرموک میں دو جنگیں لڑی گئی تھیں۔ پہلی جنگِ یرموک 13ھ میں اس وقت پیش آئی جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ معرکۂ اجنادین (جمادی الاولیٰ 13ھ/ جولائی 634ء) کے بعد محاصرۂ دمشق کے لیے جا رہے تھے تو یرموک کے مقام پر ایک رومی لشکر سے ٹکراؤ ہوا جس میں مسلمان فتح یاب رہے۔ یہ خلافتِ صدیقی کے آخری ایام تھے۔ پھر خلافتِ فاروقی میں جمادی الآخرہ 15ھ/ اگست 636ء میں اسی میدان میں عظیم جنگِ یرموک برپا ہوئی جس نے شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ اس دوسری جنگِ یرموک کے دوران میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا حکم نامہ آیا تھا۔ بعض یورپی مصادر میں پہلی جنگ یرموک کا ذکر ملتا ہے۔ (م ف)

[2] تاريخ خليفة بن خياط: 122، و تاريخ الطبري: 4/55-59، و تاريخ يعقوبي: 2/139.

[3] تاريخ الطبري: 4/206، و سير أعلام النبلاء: 1/378.

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات

① فارس (ایران) کی فتوحات

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شام چلے گئے، تو عراق میں جہاد کی قیادت سیدنا مثنیٰ بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ [1] اس دوران میں ایرانیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو عراق میں ان کے مفتوحہ علاقوں سے نکال دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے عراق میں فتنہ برپا کرنے اور مسلمانوں کے خلاف بغاوتیں کرانے کا منصوبہ بنایا۔ ایرانی باشندوں اور بہت سے عرب عیسائیوں نے اس معاملے میں ان کا ساتھ دیا، چنانچہ باقی ماندہ مسلمان سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اکثر مفتوحہ علاقوں سے واپس آنے اور حیرہ کے قریب جمع ہونے پر مجبور ہو گئے۔ [2] اس کے بعد سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لے گئے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ فتوحات جاری رکھنے کے لیے مزید افواج روانہ کی جائیں۔ اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار تھے اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہوئی لیکن انھوں نے اپنے بعد نظام خلافت سنبھالنے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ عراق میں فوراً کمک بھیجیں اور اُن کی وفات کی وجہ سے اس میں تاخیر نہ ہو۔

---

[1] فتوح الشام: 68. [2] تاريخ الطبري: 64/4، و الكامل: 415/2.



سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً لشکر روانہ کیا جس کے کمانڈر سیدنا ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ تھے۔ [1] سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ عراق پہنچے اور متعدد مقامات پر فارسیوں (ایرانیوں) اور عیسائیوں سے جھڑپیں ہوئیں جن کے نتائج مسلمانوں کے حق میں نکلے۔ [2]

---

[1] آپ رضی اللہ عنہ کے تعارف کے لیے دیکھیے: الإصابة: 131/4، و تاريخ الإسلام للذهبي: 9/2. [2] تاريخ الطبري: 61/4، و فتوح البلدان: 451، و الكامل: 416/2.

معرکۂ جسر (پُل) (شعبان 13ھ/ اکتوبر 634ء)

اہلِ فارس نے متعدد لڑائیوں میں سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور اس کے لیے اپنے بہترین کمانڈروں کا انتخاب کر کے انھیں قس الناطق [1] کے علاقے میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ دریائے فرات کے قریب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں۔ دونوں کے درمیان دریا تھا۔ اہلِ فارس نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا: ''یا تم دریا پار کر کے ہماری طرف آجاؤ یا ہم دریا پار کر کے تمھاری طرف آجاتے ہیں۔'' مسلمانوں نے سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اپنی جگہ ٹھہرے رہیں اور اہلِ فارس کو دریا پار کرنے دیں لیکن سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''وہ موت کا سامنا کرنے میں ہم سے زیادہ بہادر نہیں۔ ہم ان کی طرف جائیں گے۔'' [2] مسلمان پل پار کر گئے۔ ایرانیوں سے ان کی سخت جنگ ہوئی جس میں ایرانی فوج کے ہاتھیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت مشکل پیش آئی۔ ان کے سالار سیدنا ابوعبید رضی اللہ عنہ اور متعدد مسلمان ہاتھیوں کے پیروں تلے آ کر شہید ہو گئے۔ [3] مسلمانوں نے پل کے راستے واپس آنے کی کوشش کی اور پل کے قریب جمع ہو گئے۔ ایک مسلمان نے ان کی پسپائی روکنے کے لیے قیادت سے پوچھے بغیر پل کاٹ دیا جس کی وجہ سے بہت سے مسلمان ڈوب کر شہید ہو گئے، تاہم سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بہادر مسلمانوں کے ایک دستے کو پل کی حفاظت کا حکم دیا، حتی کہ اسے دوبارہ قابلِ استعمال بنا لیا گیا اور باقی ماندہ مسلمان دریا پار کر کے واپس آنے میں کامیاب ہو گئے۔ فریقین کی نظر میں فارسیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی یہ پہلی شکست تھی، حالانکہ ایرانی مقتولین کی تعداد مسلمان شہداء سے زیادہ تھی۔ مسلمانوں کے چار ہزار مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جبکہ اہلِ فارس کے پانچ ہزار سے زیادہ فوجی لقمۂ اجل ہوئے۔ [4]

جنگِ جسر میں مسلمانوں کے دبدبے کو جو نقصان پہنچا اور ان کا دشمن کی نظر میں جو مقام کم ہو گیا تھا، اس کی تلافی کے لیے سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے متعدد مقامات پر اہلِ فارس پر حملے کیے [5] اور ساتھ ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر مزید افواج عراق بھیجنے کی درخواست کی۔ [6]

---

[1] بلاذری نے اس کا نام قس الناطق کا معرکہ رکھا ہے۔ دیکھیے: فتوح البلدان: 252. [2] تاريخ الطبري: 67/4، و الكامل: 438/2. [3] فتوح البلدان: 152، و الكامل: 439/2. [4] تاريخ الطبري: 69,68/4، و الكامل: 439/2، و فتوح البلدان: 253. [5] سیدنا مثنیٰ رضی اللہ عنہ کی ان لڑائیوں میں سے معرکۂ بویب بہت اہم ہے۔ رمضان 13ھ/ نومبر 634ء میں دریائے فرات اور نہر بویب کے درمیان لڑی جانے والی اس جنگ میں ایرانی سپہ سالار مہران نے زبردست شکست کھائی اور ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔ (اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ، دارالسلام، ص: 95) [6] فتوح البلدان: 253، و تاريخ الطبري: 71,70/4، و الكامل: 441/2.

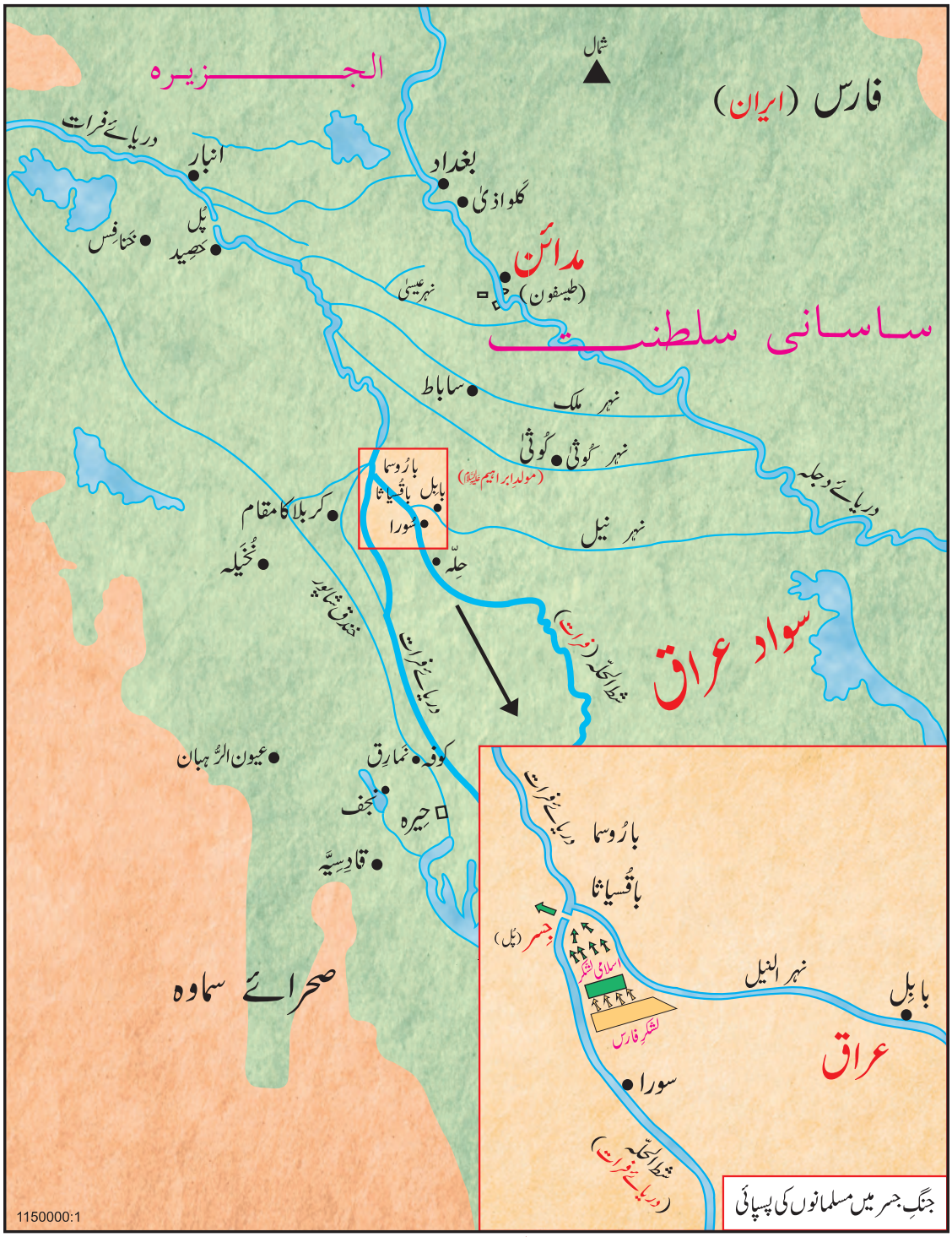

ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کا حملہ (جنگِ جسر)

جنگِ قادسیہ (شعبان 15ھ/ستمبر 636ء)

جب مدینہ منورہ میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جنگ جسر کی خبریں ملیں، تو انھوں نے مسلمانوں کو عراق اور فارس میں جہاد کے لیے نکلنے کی ترغیب دی اور بذاتِ خود مدینہ سے باہر لشکر میں تشریف فرما ہو گئے، حتی کہ جہاد میں حصہ لینے کے خواہش مند تمام افراد جمع ہو گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ اس لشکر کی قیادت خود کریں لیکن بعد میں آپ رضی اللہ عنہ نے بعض صحابہ کی اس رائے سے اتفاق کر لیا کہ آپ رضی اللہ عنہ خود مدینہ منورہ میں تشریف فرما رہیں اور فوج کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ فرما دیں تا کہ آپ رضی اللہ عنہ حسبِ ضرورت عراق وغیرہ کی طرف امدادی افواج روانہ فرما سکیں۔ [1]

آخر عراق جانے والے مجاہدین کی نئی فوج سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہو گئی۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عراق میں موجود پہلی افواج کو جن کی قیادت سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ کر رہے تھے، حکم جاری فرما دیا کہ وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کام کریں۔ [2]

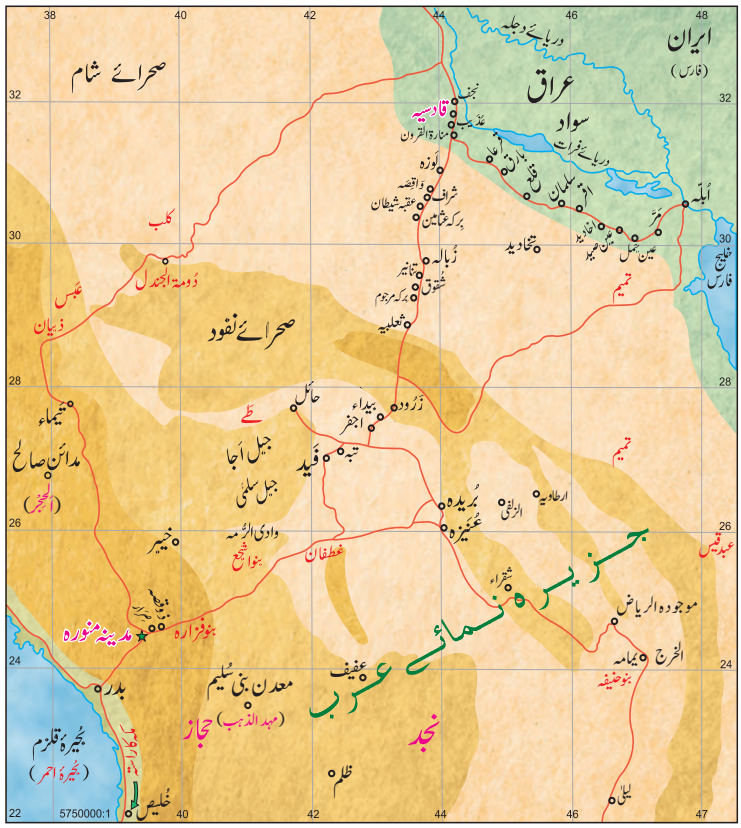

قادسیہ کو جانے والے راستے

---

[1] فتوح البلدان: 255، و تاريخ الطبري: 83/4، و الكامل: 450/2. [2] تاريخ خليفة بن خياط: 129، و فتوح البلدان: 255، و تاريخ الطبري: 83/4، و الفتوح لابن أعثم: 73/1، و الكامل: 451/2.

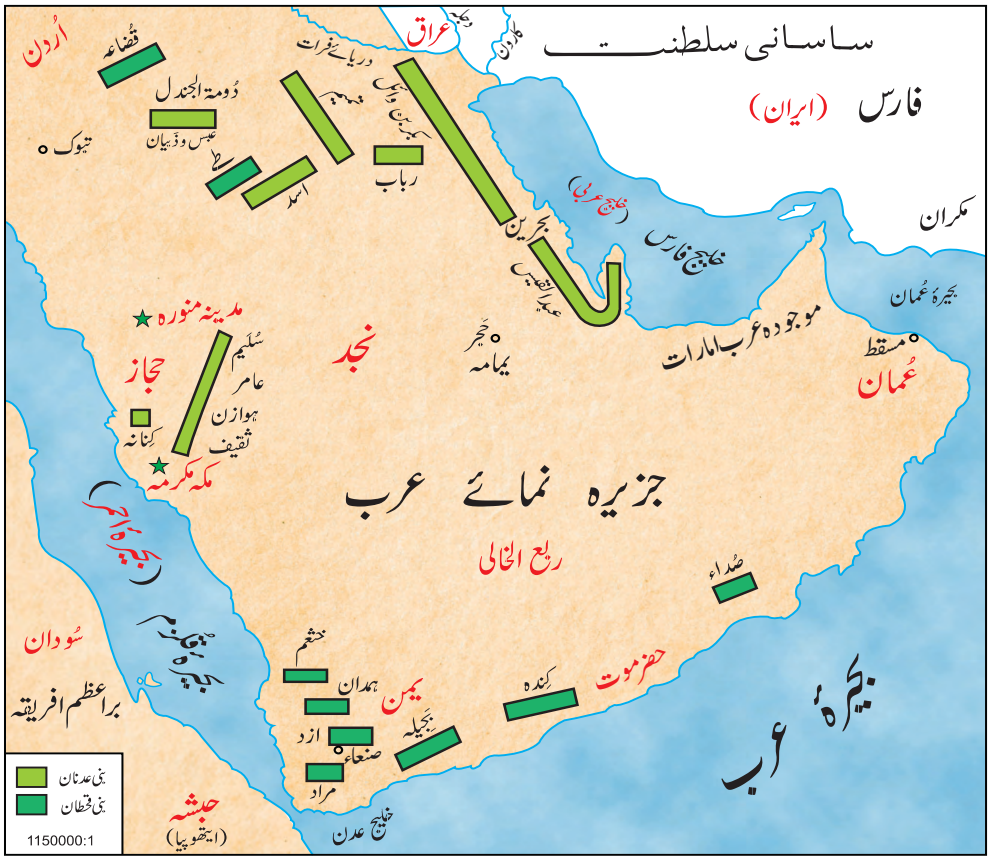

جزیرہ نمائے عرب کے قبائل جو قادسیہ روانہ ہوئے

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ چار ہزار مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے عراق پہنچے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اپنی افواج کے ساتھ ان سے آملے، جبکہ سیدنا مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے ہی جنگِ بویب میں لگنے والے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو چکے تھے لیکن وہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے لیے ایک بہترین وصیت چھوڑ گئے تھے جس میں انھوں نے اہلِ فارس سے جنگ کی حکمت عملی بیان کی تھی اور ان سے جنگ کے لیے بہترین طریق کار کی نشاندہی فرمائی تھی۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو لے کر تقریباً ایک مہینے تک قادسیہ کے قریب ٹھہرے رہے حتی کہ مسلمانوں کی فوج مکمل ہوگئی اور ان کی تعداد تقریباً تیس ہزار مجاہدین تک پہنچ گئی۔ اہلِ فارس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک بھاری لشکر تیار کر رکھا تھا جس میں تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو شامل تھے۔ فارس کے بادشاہ یزدگرد نے اپنے سب سے مشہور کمانڈر رستم کو مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ رستم نے کوشش کی کہ بادشاہ یہ مہم کسی اور کے سپرد کر دے لیکن یزدگرد

نے اصرار کیا کہ فوج کی قیادت وہی کرے، چنانچہ رستم اپنی افواج لے کر روانہ ہوا اور قادسیہ میں مسلمانوں کے قریب آ ٹھہرا۔ [1] جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں اور ایرانیوں میں رابطے اور مذاکرات ہوئے۔ رستم نے کہا کہ مسلمان اپنا وفد بھیجیں تا کہ وہ خود براہ راست ان کی بات سنے اور ان سے بات

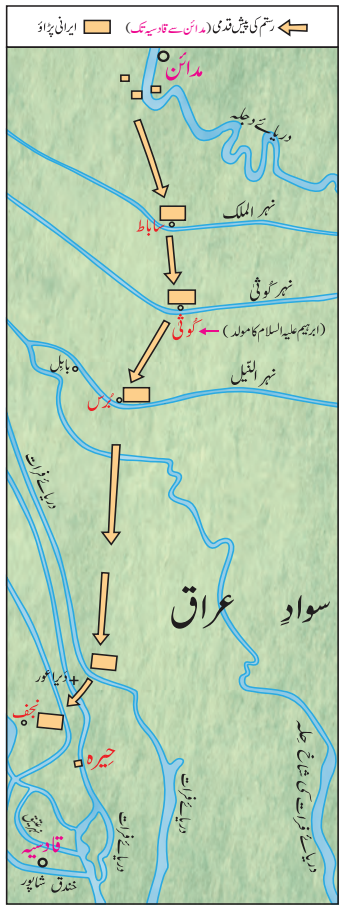

رستم کی پیش قدمی مدائن سے قادسیہ کی طرف



بکیر بن عبد اللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کی صنّین کی طرف مہم

چیت کرے۔ مسلمانوں کے وفد میں سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے جو پہلے بھی ایک ملاقات میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کی وجہ سے معروف تھے۔ رستم نے ان سے ملاقات کے لیے خوب تیاری کی اور پوری آن بان سے دربار سجایا۔ زمین پر ریشم سے بنے ہوئے اور سونے سے مزین غالیچے بچھائے گئے تھے، موتیوں اور جواہرات کی خوب نمائش کی گئی تھی، طرح طرح کی آرائشی اشیاء رکھی گئی تھیں اور سونے چاندی کی کڑھائی والے قالین بچھائے گئے تھے۔ ان کے درمیان میں رستم ملاقات کے لیے تیار ہو کر سونے کے تخت پر بیٹھا۔ سیدنا ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ رستم کے دربار میں تشریف لائے تو پیوند لگے ہوئے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ سادہ سی تلوار لیے ایک چھوٹے سے گھوڑے پر تشریف لائے۔ آپ رضی اللہ عنہ گھوڑے

[1] فتوح البلدان: 256، و تاريخ الطبري: 81/4.



سعد رضی اللہ عنہ کی فوج اور رستم کے لشکر جنگ سے پہلے

ہی پر اس کے دربار میں پہنچ گئے اور ریشمی قالین کو گھوڑے کے سموں سے روندتے ہوئے آگے بڑھے۔ پھر نیچے بچھے ہوئے ریشمی قالین کے ایک ٹکڑے کے ساتھ گھوڑا باندھ دیا، پھر ہتھیار پہنے ہوئے ہی رستم کی طرف بڑھے۔ ایرانیوں نے کہا: ''ہتھیار اتار دیجیے۔'' انھوں نے فرمایا: ''میں تمھارے پاس خود نہیں آیا، تم نے مجھے بلایا ہے۔ اگر تم مجھے ایسے ہی رہنے دو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں واپس چلا جاتا ہوں۔''

رستم نے درباریوں سے کہا: ''اسے آنے دو۔'' سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ قالینوں پر نیزہ ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے جس سے بعض قالین پھٹ گئے۔ رستم نے کہا: ''تم لوگ کس لیے آئے ہو؟'' سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ جن کی قسمت میں ہو، انھیں بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کر دیں اور دنیا کی تنگی سے فراخی کی طرف اور (انسانی) مذاہب کے ظلم وستم سے اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔ اللہ نے ہمیں اپنا دین دے کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے تاکہ انھیں اس کی دعوت دیں۔ جو اسے تسلیم کر

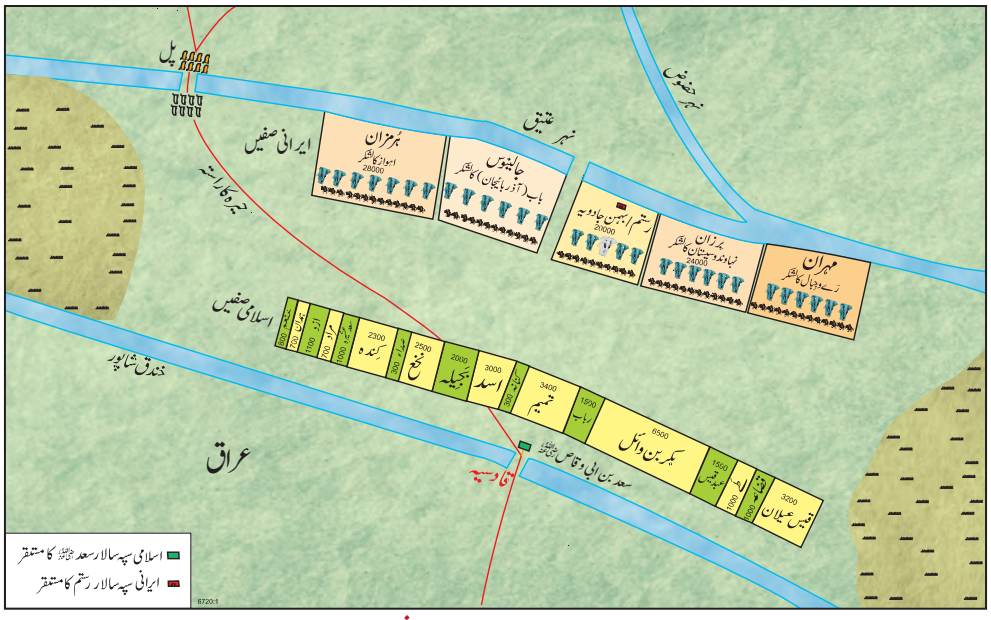

قادسیہ کے میدان میں مسلمان اور ایرانی آمنے سامنے

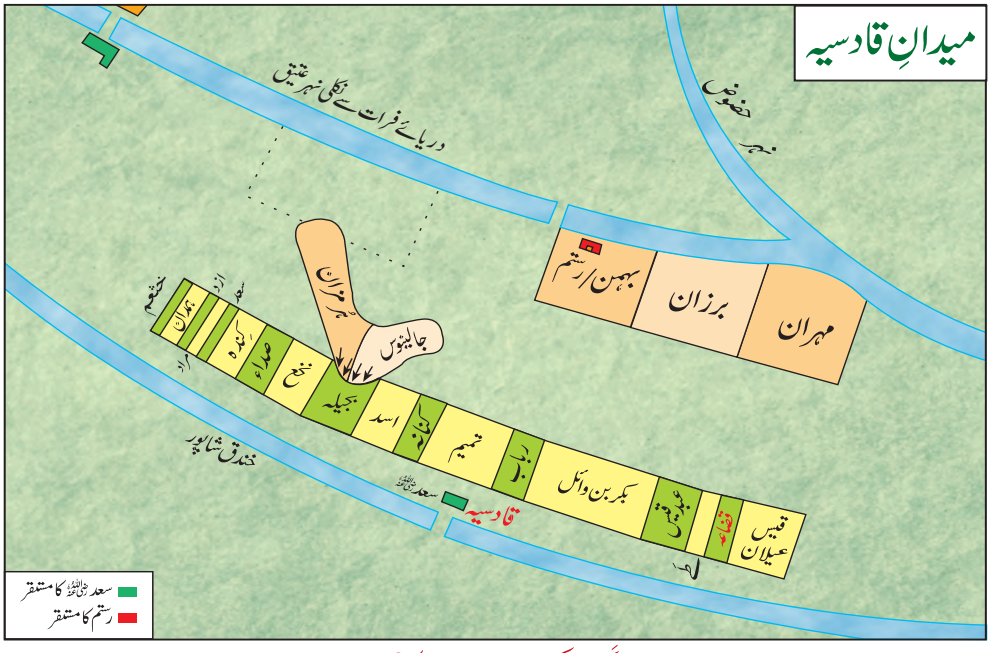

بجیلہ کے دستے پر ایرانیوں کا ہجوم

لے گا، ہم اس کا اسلام لانا تسلیم کر لیں گے اور واپس چلے جائیں گے اور جو انکار کرے گا، اس سے جزیہ لیں۔ اور جو اس سے بھی انکار کرے گا، اس سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے حتی کہ اللہ کے وعدے تک پہنچ جائیں۔''

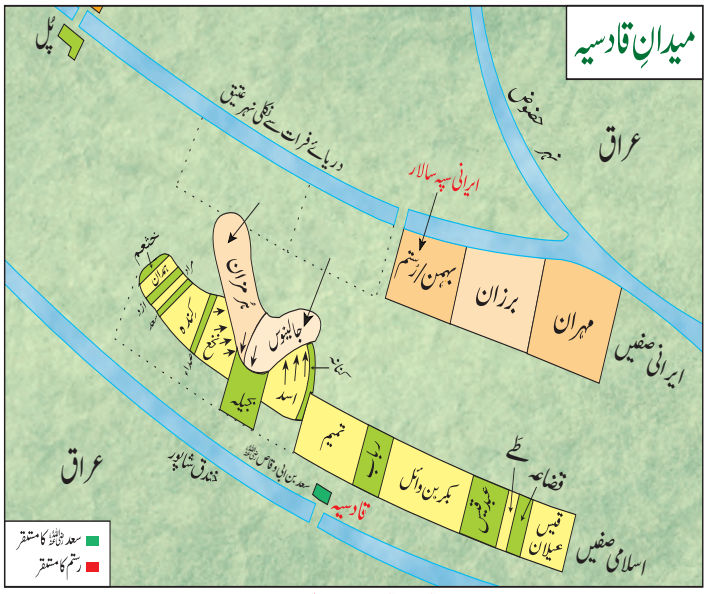

قبیلہ اسد قبیلہ بَجِیلہ کا دفاع کرتا ہے

رستم نے کہا: ''اللہ کا وعدہ کیا ہے؟''

سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو شخص منکروں سے جنگ کرتا ہوا مر جائے گا، اس کے لیے جنت اور جو زندہ رہا اس کے لیے فتح۔''

رستم نے کہا: ''کیا تم ہمیں غور و فکر کے لیے مہلت دے سکتے ہو؟''

سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں۔ ہم تمھیں تین دن کی مہلت دیتے ہیں۔'' رستم نے مدت میں کچھ اضافہ کرنے کو کہا تو سیدنا ربعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے یہ طریقہ جاری نہیں فرمایا کہ ہم جنگ کے موقع پر دشمنوں کو تین دن سے زیادہ مہلت دیں۔''

اس کے بعد رستم نے اپنے سپہ سالاروں کا اجلاس بلایا اور ان سے اس معاملے میں مشورہ کیا۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے کی پیشکش قبول نہ کرنے کا اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا، پھر فریقین جنگ کی تیاری کرنے لگے۔ [1]

مسلمانوں اور ایرانیوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پھوڑے نکلے ہوئے تھے، اس لیے وہ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے، چنانچہ وہ دورانِ جنگ ایک گھر کی چھت پر سے ہدایات جاری کرتے رہے۔ [2]

ایرانیوں نے اس جنگ میں ہاتھی تیار کر رکھے تھے، کیونکہ جنگِ جسر میں وہ انھیں کامیابی سے استعمال کر چکے تھے۔ مسلمانوں کی افواج پر اس کا اثر پڑا کیونکہ ان کے گھوڑے ہاتھیوں سے ڈرتے تھے اور آگے بڑھنے سے رک جاتے تھے۔

---

1 تاريخ الطبري: 4/106، و الكامل: 2/463. 2 تاريخ الطبري: 4/113.

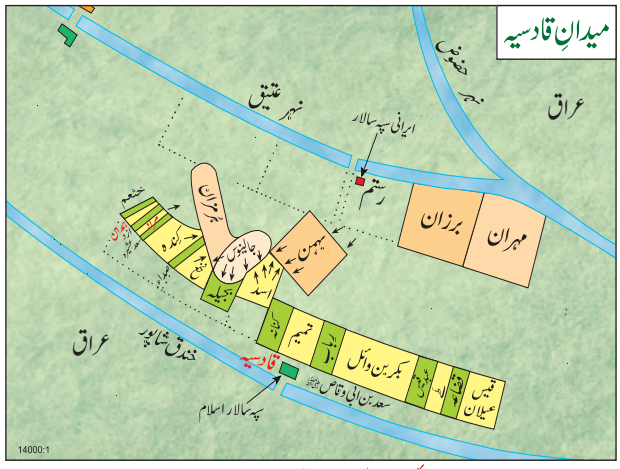

بہمن جادویہ کا بنو اسد پر حملہ.....قادسیہ

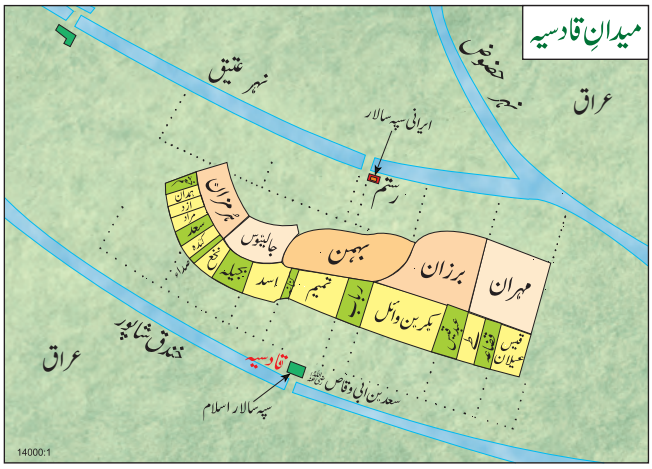

یوم الرماث.....قادسیہ

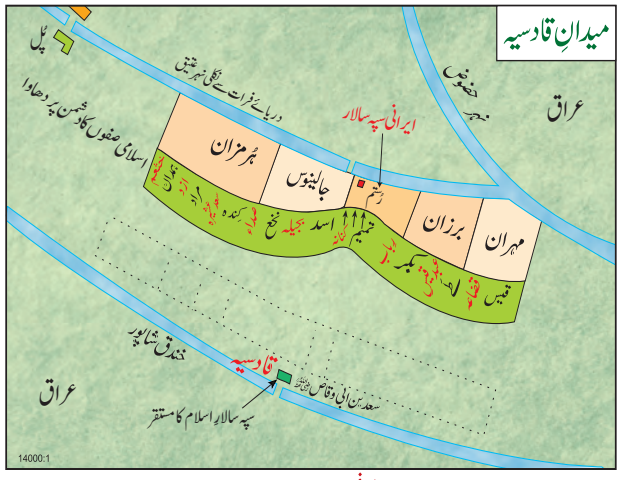

یومِ اغواث.....قادسیہ

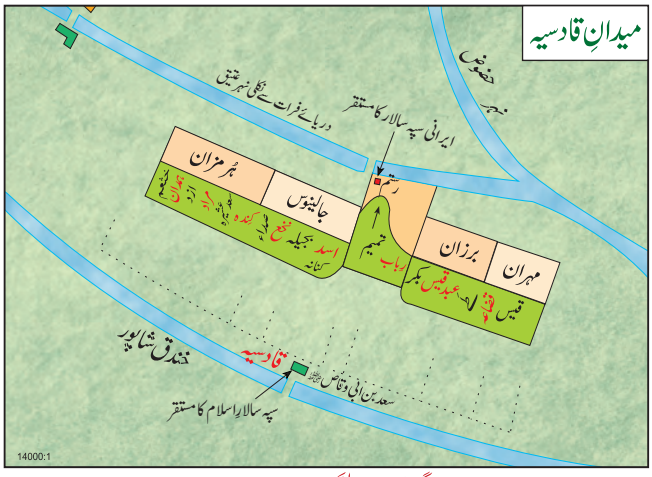

یومِ عماس..... جنگِ قادسیہ ..... لشکرِ اسلام کا ایرانیوں پر جارحانہ حملہ

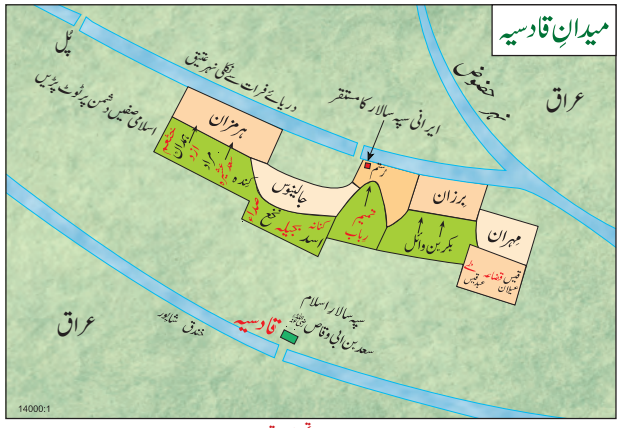

یومِ قادسیہ.....بنو تمیم کا رستم پر حملہ



یومِ قادسیہ.....جالینوس کی پسپائی

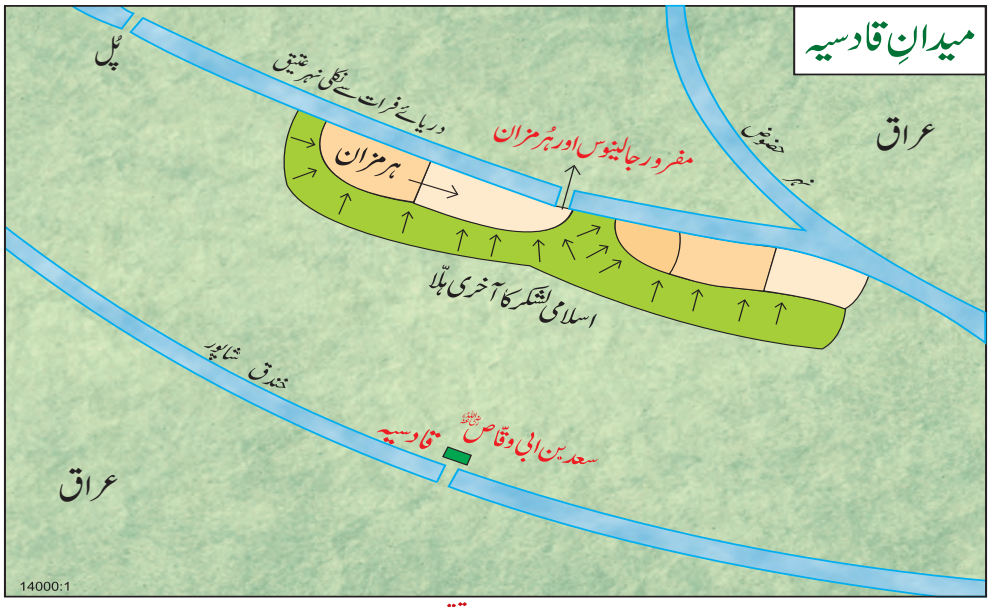

معرکۂ قادسیہ کا آخری مرحلہ..... رستم کا قتل اور جالینوس اور ہُرمزان کا فرار

چند بہادر مسلمان پیدل ہی آگے بڑھے اور خطرات کے باوجود ہاتھیوں کے سواروں اور مہاوتوں کو زخمی کرنے میں کامیاب ہوگئے، چنانچہ ہاتھی بے قابو ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے جس کی وجہ سے مسلمانوں کا ہونے والا نقصان کم ہوگیا۔ اس جنگ میں پہلے دن پانچ سو سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ دن ''یومِ ارماث'' کے نام سے معروف ہے۔ [1]

معرکے کے دوسرے دن مسلمانوں کو کمک پہنچنا شروع ہوگئی۔ یہ لوگ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے آ رہے تھے۔ ان کے سالار سیدنا ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ مقدمۃ الجیش کی قیادت سیدنا قعقاع بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ نے فوج کو دس دس مجاہدین کے دستوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مقررہ وقفے کے بعد دس افراد کا دستہ میدانِ جنگ میں پہنچتا۔ وہ خوب گرد و غبار اُڑاتے ہوئے آتے جس سے محسوس ہوتا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کمک کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا جس سے ایرانی مرعوب ہوگئے اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے۔ سیدنا قعقاع رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی میدانِ جنگ کے درمیان میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور ایرانیوں کے بڑے بڑے جرنیلوں کو قتل کر دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مشکیزوں میں ہوا بھر کر انھیں اونٹوں پر دونوں طرف باندھ دیا اور ان کو کپڑوں اور چادروں

[1] تاريخ الطبري: 119/4، و مروج الذهب: 321/2، و الكامل: 469/2.

سے ڈھانک دیا، پھر انھیں ایرانیوں کے گھوڑوں کے سامنے لے گئے۔ انھیں دیکھ کر گھوڑے بدک گئے اور میدانِ جنگ سے بھاگ اٹھے۔ اس دن مسلمانوں کی فتح کے آثار ظاہر ہونا شروع ہوگئے۔ یہ دن **يَوْمُ الْغَوْث** کہلاتا ہے کیونکہ اس دن مسلمانوں کو مدد پہنچی تھی اور ان کی فریاد سنی گئی تھی۔ [1]

جنگ کا تیسرا دن یوم عماس کے نام سے معروف ہے۔ اس دن صبح کے وقت مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے ایک بار پھر ہاتھی استعمال کیے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت نقصان برداشت کرنا پڑا لیکن بہادر مسلمان ڈٹے رہے اور بڑی پامردی سے ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ انھوں نے ہاتھیوں کی آنکھوں اور سونڈوں کو نشانہ بنایا، چنانچہ وہ میدان سے بھاگ گئے۔



معرکۂ قادسیہ کے بعد دشمن کا تعاقب

[1] تاريخ الطبري: 120/4، و الكامل: 473/2، و الفتوح لابن أعثم: 161/1.

ایک جاں نثارانہ جنگ کے بعد مسلمانوں کا پلہ بھاری ہونے لگا۔ شام ہوئی تو جنگ پورے زوروں پر تھی۔ رات کے اندھیرے میں بھی جنگ جاری رہی اور مسلمان بڑی بہادری سے ڈٹے رہے۔[1] اس تاریک رات کے اندھیرے میں تلواروں کی جھنکار کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، چنانچہ یہ رات لَيْلَةُ الْهَرِير کہلائی۔[2] مسلمانوں نے بہت بہادری کا مظاہرہ کیا۔ صبح ہوگئی لیکن جنگ جاری رہی، حتی کہ دوپہر ہوگئی۔ تب ایرانی میدان سے پسپا ہونے لگے۔ ایرانی سپہ سالار رستم نے جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن ایک بہادر مسلمان نے اس کا تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ایرانی شکست کھاتے چلے گئے اور معرکے کے آخر میں مسلمان کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔[3]

یہ معرکہ ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان انتہائی اہم اور فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں ایرانی لشکر کے اپنے دور کے بہترین دستے شریک ہوئے تھے۔ ایرانیوں کی کمر ہمت توڑنے میں اس جنگ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اس کے بعد مسلمان وہ بہت سے علاقے دوبارہ فتح کرنے کے قابل ہوگئے جو وہ پہلے فتح کر چکے تھے لیکن ایرانیوں نے ان پر پھر قبضہ کر لیا تھا۔ اس سے فتحِ مدائن کی راہ ہموار ہوئی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو بہت سی غنیمتیں اور ہتھیار ملے جن سے انھیں آیندہ فتوحات میں بہت مدد ملی۔

---

[1] تاريخ الطبري: 124/4، و الكامل: 477/2. [2] تاريخ الطبري: 132/4، و الكامل: 479/2. [3] تاريخ خليفة بن خياط: 132، و فتوح البلدان: 259.




طاقِ کسریٰ (مدائن)

مدائن کی فتح (صفر 16ھ/ مارچ 637ء)

مدائن مملکت فارس کا دارالحکومت تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس کی فتح کی خوشخبری دی تھی۔ مسلمانوں کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا جب یہ وعدہ پورا ہوگا۔ قادسیہ کی فتح کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ہمراہی دو مہینے قادسیہ میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں انھوں نے زخمی مجاہدین کا علاج کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آیندہ حکم کے منتظر رہے۔ اس کے بعد سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے میں اپنا اثر ونفوذ بڑھانا شروع کر دیا حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم آ گیا کہ مدائن کی طرف پیش قدمی کریں۔

مسلمان مدائن کے سامنے جا پہنچے لیکن ان کے اور شہر کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا۔ ایرانیوں نے اس کے تمام پل توڑ دیے تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے کئی مہینے اس کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس دوران میں وہ اس کے غربی علاقے فتح کرتے رہے۔[1] محاصرے کے ان ایام میں ایرانی اس شہر کے خزانوں کو دوسری جگہ منتقل کرتے رہے۔ محاصرے کے دوران ہی ایران کا بادشاہ یزدگرد فرار ہوگیا۔ اس کے باوجود مدائن کا دفاع منظم اور مضبوط تھا۔ مسلمانوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا پار کر لیا۔ یہ دیکھ کر ایرانی خوف زدہ ہوگئے اور بعض فرار ہوگئے۔ تب مسلمان سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مدائن میں داخل ہوگئے، پھر وہ قصر ابیض (سفید محل) میں داخل ہوئے۔ اس میں کسریٰ کا مشہور ایوان تھا (جہاں وہ دربار لگاتا تھا۔) سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اللہ کے سامنے سرنگوں

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 133، و فتوح البلدان: 262.

ہو کر بڑے عجز و نیاز کے ساتھ محل میں داخل ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ آیاتِ مقدسہ تھیں:

﴿ كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۙ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۙ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ وَ مَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ ﴾

''وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور شاندار محل۔ اور سامان عیش جن میں وہ مزے کر رہے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان (سب) کا وارث بنا دیا، پھر ان پر آسمان اور زمین نہ روئے اور نہ انھیں مہلت دی گئی۔'' (الدخان 44:25-29)

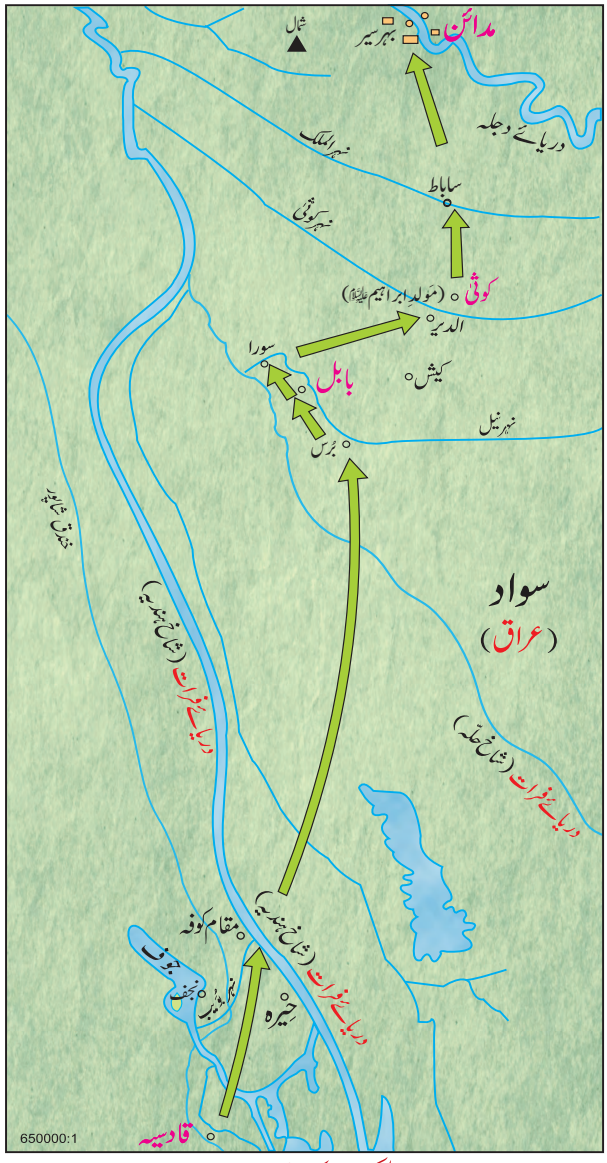

لشکر اسلام کی مدائن پر یلغار

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس محل میں کلمۂ توحید کا اعلان کرتے ہوئے اذان کہی اور مجوسی مذہب کے مطابق جلتی ہوئی آگ بجھا دی اور وہاں جمعہ کی نماز ادا کی۔ [1] مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت حاصل ہوا جس کا خمس (پانچواں حصہ) مدینہ شریف بھیج دیا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اتنا مال دیکھا تو فرمایا: ''جن لوگوں نے یہ سب

[1] فتوح البلدان: 263، و تاريخ الطبري: 4/174,173، و الفتوح لابن أعثم: 166، و الكامل: 2/514.

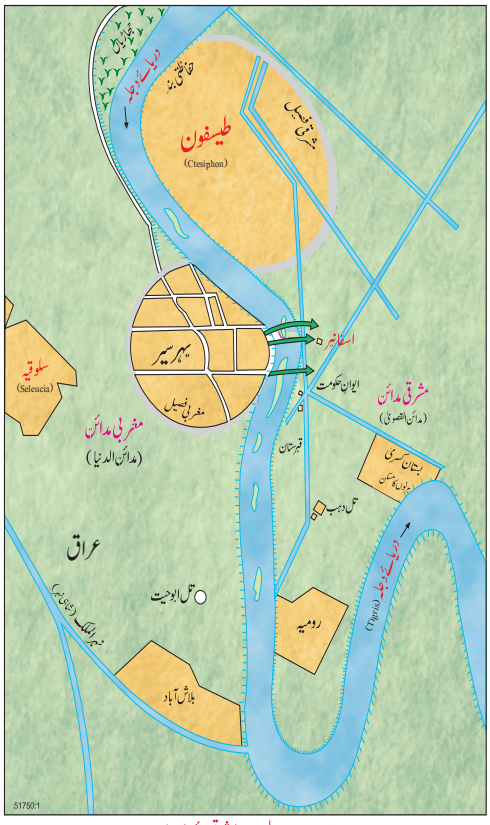

دجلہ پار اسفانبر اور طیسفون (مشرقی مدائن) پر یلغار

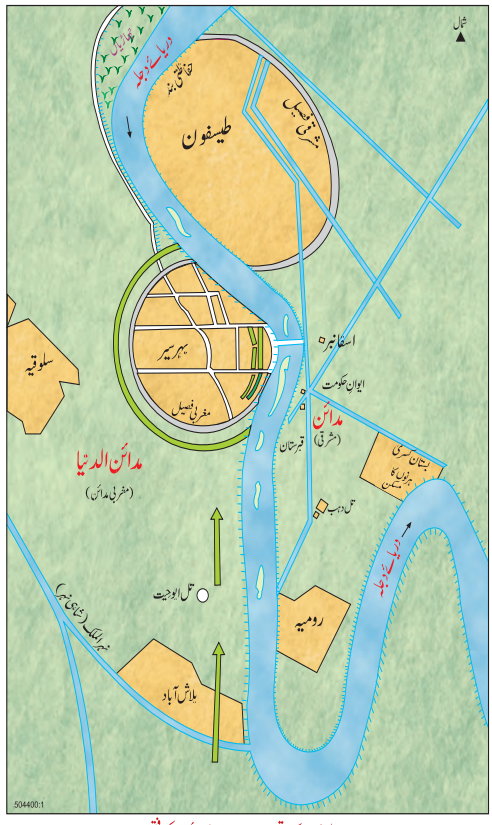

مسلمانوں کے ہاتھوں بہر سیر (مغربی مدائن) کی فتح

ادا کر دیا ہے، واقعی دیانت دار ہیں۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے پاک دامنی اختیار کی تو وہ بھی پاک دامن رہے، آپ خیانت کرتے تو وہ بھی خائن ہو جاتے۔'' [1]

مسلمانوں نے مدائن میں چند ماہ قیام کیا۔ وہاں سے انھوں نے چند مقامات فتح کیے اور پھر جلولاء، موصل، تکریت اور دوسرے شہر فتح کر لیے۔ [2]

مدائن فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے عراق میں اقامت پذیر ہونے کے لیے دو اہم مقام منتخب کیے اور کوفہ اور بصرہ کے نام سے شہر بسا لیے۔ ان شہروں سے اسلامی لشکر فتوحاتِ فارس کی تکمیل کے لیے روانہ ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کا گورنر مقرر کیا۔ اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کرنا بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ [3]

---

[1] تاريخ الطبري: 177/4، و الكامل: 518/2. [2] فتوح البلدان: 264، و تاريخ الطبري: 179. [3] تاريخ الطبري: 173/4، و سير أعلام النبلاء: 546/1.



قلعہ نہاوند کی ایک قدیم تصویر

فتح نہاوند ''فتح الفتوح'' (19ھ)

19ھ میں مسلمان بصرہ اور کوفہ میں پوری طرح آباد ہو چکے تھے اور فتوحات کی تکمیل کے لیے وہاں سے روانہ ہونے لگے تھے۔ دونوں شہر مختلف علاقوں سے آنے والے مسلمانوں سے بھر گئے۔ ان میں عربی بھی تھے اور نومسلم عجمی بھی۔ مدائن سے مفرور ایران کا بادشاہ یزدگرد سوم فارس کے مشرقی علاقوں کے دورے کر رہا تھا اور مسلمانوں کو ملک سے نکالنے کے لیے فوج تیار کر رہا تھا۔ [1] یزدگرد نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے ایک لاکھ سے زیادہ افراد پر مشتمل فوج تیار کر لی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ مسلمانوں کو اس معرکے کے لیے تیار کرنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس لشکر کی قیادت بنفس نفیس کرنا چاہتے تھے لیکن شوریٰ میں شامل صحابہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں رہنے پر آمادہ کر لیا کیونکہ یہ مسلمانوں کے لیے زیادہ باعثِ قوت تھا۔ تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کی قیادت کے لیے سیدنا نعمان بن مقرن مُزَنی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ [2]



یزدگرد، شاہِ ایران

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 147، و تاريخ الطبري: 231/4.

[2] تاريخ خليفة بن خياط: 128، و تاريخ الطبري: 232/4.



نہاوند اور ہمدان کی طرف اسلامی عساکر کی پیش قدمی

مسلمانوں نے ایرانیوں کے متوقع حملے کا انتظار نہیں کیا بلکہ ان کے حملہ کرنے سے پہلے خود فارسیوں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں نہاوند کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس


نہاوند (ایران) کا قدیم قلعہ

وجہ سے فارسی نہاوند کے قلعے میں ٹھہرے رہنے پر مجبور ہوگئے۔ مسلمانوں نے دو مہینے ان کا محاصرہ جاری رکھا لیکن فیصلہ کن جنگ کی نوبت نہ آئی۔ تب مسلمانوں نے اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا۔ وہ یہ تھا کہ پہلے ایرانیوں سے لڑائی شروع کی جائے، پھر یوں ظاہر کیا جائے گویا مسلمان ان سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ رہے ہیں تاکہ ایرانی اپنے قلعے سے باہر آ جائیں۔ اس منصوبہ پر عمل کیا گیا۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا۔ مسلمان پسپائی ظاہر کرتے رہے حتی کہ ساری ایرانی فوج اپنے قلعے اور خندقوں سے نکل آئی۔ تب مسلمانوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا اور بہت بڑی شدید جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کے کمانڈر سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے۔ اس کے باوجود مسلمان فتح یاب ہوئے اور قلعے والوں کو مجبوراً مسلمانوں سے صلح کرنا پڑی۔ ان کا بادشاہ یزدگرد وہاں سے بھاگ کر مشرق میں مَرْو چلا گیا۔

نہاوند کی جنگ سے فتوحاتِ فارس کے دوران میں ہونے والے بڑے بڑے فیصلہ کن معرکے ختم ہوگئے۔ اس لیے اسے فتح الفتوح (سب سے بڑی فتح) کہتے ہیں۔ اس کے بعد مسلمان مملکت فارس میں فاتحانہ آگے بڑھتے چلے گئے اور مختلف مقامات کو فتح کرتے کرتے سندھ کی حدود تک پہنچ گئے۔ فارس کا بادشاہ یزدگرد اگرچہ زندہ تھا اور بعض مقامات پر اس کی حکومت باقی تھی لیکن وہ بھاگتا ہی پھرا۔ مسلمان افواج نے اسے موقع نہیں دیا کہ کسی جگہ اطمینان سے بیٹھ کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے فوج تیار کر سکے۔ [1]

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 150، 151، و تاريخ الطبري: 4/247-262.

② شام کی فتوحات

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے شروع میں جنگِ یرموک مسلمانوں کی کامیابی پر ختم ہوئی تھی۔ [1] اس کے بعد مسلمان یہ مشورہ کرنے کے لیے ٹھہر گئے کہ انھیں دمشق کی طرف رخ کرنا چاہیے جو شام کے علاقے کا دارالحکومت ہے، یا وہ فحل کی طرف پیش قدمی کریں جہاں رومیوں نے بہت سی فوجیں جمع کر رکھی ہیں۔ مسلمانوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا تو انھوں نے جواب میں لکھا: ''ابتدا دمشق سے کرو کیونکہ وہ شام کا قلعہ اور ان کے بادشاہ کی رہائش گاہ ہے۔ فحل والوں کو کچھ سواروں کے ساتھ مشغول رکھو جو ان کے مقابل موجود رہیں۔'' [2] مسلمانوں کے سپہ سالار سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا

---

[1] یہ پہلی جنگِ یرموک (13ھ) تھی جو عہدِ صدیقی کے آخر اور ابتدائے خلافت فاروقی میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جیتی تھی۔ اکثر مؤرخین نے روایات کے ابہام کے باعث دوسری جنگِ یرموک (15ھ) اور پہلی جنگ یرموک میں فرق نہ کیا جس سے سنین کے فرق کے ساتھ ایک ہی جنگ یرموک کا تصور تاریخی کتب میں در آیا۔ (م ف) [2] تاریخ الطبري: 57/4.

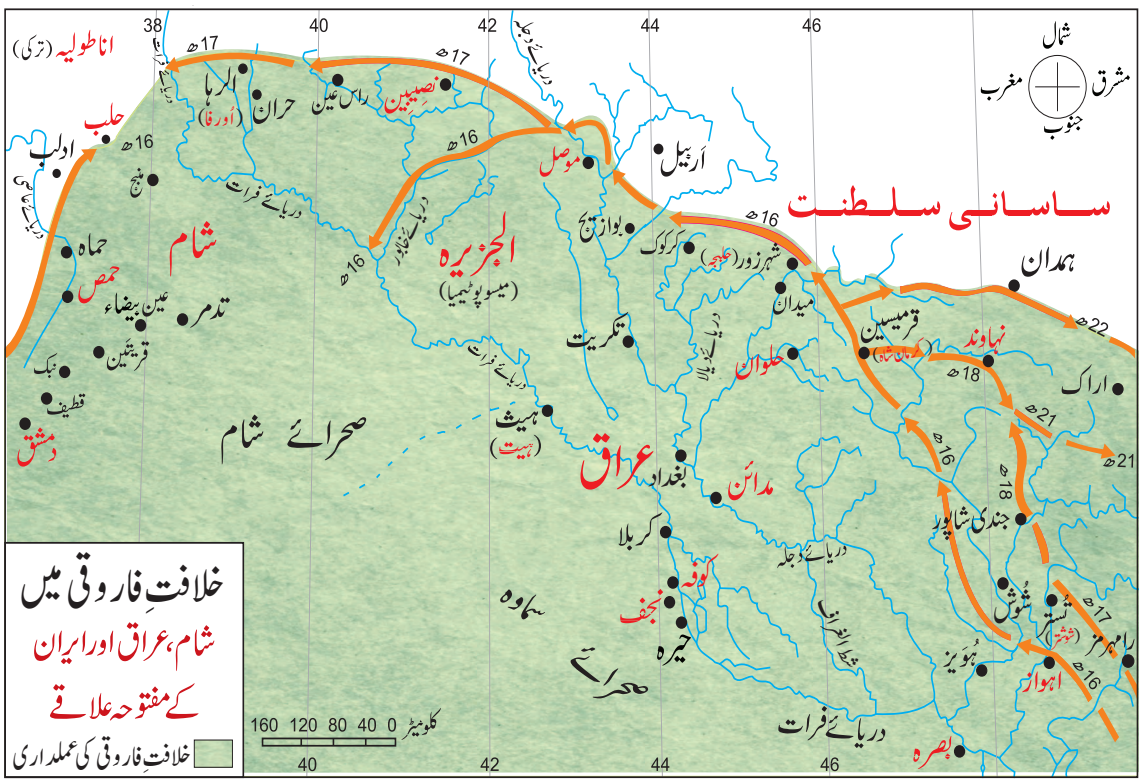

22ھ تک اسلامی فتوحات کی توسیع (فارس اور شام کے محاذوں پر)



مسلمانوں کی شام پر لشکر کشی کے لیے روانگی

مشورہ قبول کیا اور اپنی فوج کو لے کر دمشق کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ تھوڑی سی فوج یرموک میں رہنے دی۔ اس کے علاوہ لشکر کا ایک حصہ فحل بھیج دیا تاکہ وہ رومیوں کو مشغول رکھے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق پہنچتے ہی اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی فوج کا ایک حصہ دمشق کے شمال کی طرف بھیج دیا تاکہ شمالی شام میں موجود رومی فوجیں دمشق میں موجود اپنے ساتھیوں کی مدد نہ کر سکیں۔

دمشق چاروں طرف سے دیواروں اور دریا کی وجہ سے محفوظ تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان افواج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے دمشق کے اردگرد متعین کر دیا۔ انھوں نے ستر دن تک بہت استقامت سے محاصرہ جاری رکھا۔ اس دوران میں انھیں سخت سردی اور کھلے میدان میں ہونے کی وجہ سے انتہائی سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمانوں نے سیڑھیاں اور رسے تیار کر رکھے تھے تاکہ مناسب موقع پر فصیل پر چڑھ کر شہر پر حملہ کر دیا جائے۔ [1]

ایک رات دمشق کے باشندے اپنا کوئی تہوار منانے میں مشغول تھے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے موقع

---

[1] فتوح الشام للأزدي: 77. اس کے بیان کے مطابق دمشق کی فتح جنگ یرموک سے پہلے ہوئی تھی لیکن طبری کا موقف ہے کہ یہ شہر جنگ یرموک کے بعد فتح ہوا تھا۔ دیکھیے: تاریخ الطبري: 56/4، و الکامل: 427/2. ✳

✳ بظاہر اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ یرموک کی دو جنگوں کو اکثر مؤرخین نے ایک ہی جنگ سمجھ لیا تھا۔ دراصل دمشق پہلی جنگ یرموک کے ایک سال بعد 15 رجب 14 ھ/ 5 ستمبر 635ء کو فتح ہوا اور پھر اگلے سال 5 رجب 15ھ/ 13 اگست 636ء کو جنگ یرموک دوم میں مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 185، 210) [م ف]



اُموی مسجد (دمشق)

سے فائدہ اٹھایا اور چند بہادر مسلمانوں کے ساتھ دریائے بُردیٰ کو تیر کر پار کر لیا۔ انھوں نے ایسی جگہ معلوم کر لی جہاں حفاظتی انتظامات کم تھے، چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے فصیل کے ساتھ سیڑھیاں لگائیں اور اوپر چڑھ گئے۔ انھوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ باہر سے مسلمان افواج نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ دمشق والے گھبرا گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی فصیل کے اندر کی طرف اُترے اور تلواروں کے ساتھ جنگ کرتے کرتے مسلمانوں کے لیے شہر کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے۔ فوج شہر میں داخل ہوگئی اور اندرونِ شہر کی طرف بڑھی۔ شہر کے سردار فوراً دوسرے بالمقابل دروازے کی طرف لپکے اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے شہر ان کے حوالے کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ [1]

دمشق فتح ہو جانے کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے وہاں کا گورنر اس شخصیت کو مقرر کیا جس کا تعین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا اور وہ تھے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما۔ اس کے بعد آپ اپنے مسلمان ساتھیوں کے ہمراہ رومی افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے فحل کی طرف روانہ ہوگئے۔ [2] ان کی تعداد تقریباً اسی ہزار تھی۔ رومیوں نے فحل کے اردگرد پانی چھوڑ دیا کیونکہ وہاں کچھ تالاب موجود تھے جو مسلمانوں کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ مسلمانوں نے رومیوں کا محاصرہ کر لیا۔ وہ رات کے وقت مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے نکلے لیکن مسلمان ہوشیار تھے۔ انھوں نے اس اچانک حملے کا جواب دینے کی تیاری کر رکھی تھی۔ مسلمانوں اور رومیوں میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ رومی شکست کھا کر فحل کی طرف پلٹے لیکن راہ بھٹک گئے اور اس دلدل میں جا گرے جو انھوں نے مسلمانوں کے لیے تیار کی تھی۔ اس طرح وہی دلدل جو مسلمانوں کو ناگوار تھی، ان کی فتح میں معاون ثابت ہوئی، چنانچہ رومیوں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی بچ سکا اور یہ معرکہ شام کی فتوحات میں سے ایک اہم فتح شمار ہوا۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان: 128، 129، و فتوح الشام: 76، و تاريخ الطبري: 58/4، و الكامل: 428/2، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 125. [2] مصری محقق احمد عادل کمال کے مطابق جنگ فحل بیسان (ذی قعدہ 13ھ/ جنوری 635ء) فتحِ دمشق (رجب 14ھ/ستمبر 635ء) سے 9 ماہ پہلے لڑی گئی تھی، نیز اسلامی کیمپ دریائے اردن کے مشرق میں فحل (اردن) کے مقام پر تھا لیکن سکلاریوس کے رومی لشکر کی پیش قدمی کا سن کر مسلمان دریائے اردن پار کر کے عین جالوت کے پاس بیسان (فلسطین) پہنچ گئے جہاں رومی لشکر خیمہ زن تھا۔ ان کی آمد سے پہلے رومیوں نے جالوت ندی (موجودہ نہر جالود) کے کنارے توڑ دیے تھے۔ بیسان کے مقام پر لڑی جانے والی یہ جنگ اکثر ''جنگ فحل بیسان'' کہلاتی ہے۔ [اٹلس فتوحات اسلامیہ: 199-206] (م ف) [3] تاريخ خليفة بن خياط: 126، و تاريخ الطبري: 59/4، و الكامل: 429/2.

حمص اور قنسرین کی فتح (15ھ)

جب مسلمانوں نے دمشق فتح کر لیا، تو اس کا نظم ونسق درست کرنے کے بعد لشکر کا ایک حصہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حمص فتح کرنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے انھیں روکنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ مسلمانوں نے اس لشکر کو شکست دے کر حمص کی طرف پیش قدمی جاری رکھی اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ [1] موسم انتہائی سرد تھا، اس لیے رومی سمجھتے تھے کہ سردی کی وجہ سے مسلمان بہت جلد پیچھے ہٹ جائیں گے لیکن سردی کی شدت کے باوجود مسلمان ڈٹے رہے اور شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ رومی شہر کی فصیلوں اور قلعوں کی وجہ سے محفوظ تھے، چنانچہ مسلمانوں نے دشمن کو اس کی قلعہ بندیوں سے باہر نکالنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا۔ ایک جھڑپ میں مسلمانوں نے یوں ظاہر کیا کہ وہ رومیوں سے شکست کھا کر پسپا ہو رہے ہیں۔ وہ اپنے اونٹوں اور سامان کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ رومی ان کے تعاقب میں نکلے حتی کہ قلعے کی دیواروں سے دور آ گئے۔ تب مسلمان پیچھے مڑے اور رومیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان پر خوب زور دار حملہ کیا۔ حمص کے لشکر کا زیادہ حصہ مارا گیا۔ ان کا سپہ سالار بھی قتل ہوگیا اور باقی شکست کھا کر بھاگے، چنانچہ حمص کے پادریوں اور سرداروں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ انھوں نے طے پانے والی شرطوں پر ہتھیار ڈالنے کا اعلان کیا اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیا۔ [2]

حمص کے حالات معمول پر آنے کے بعد سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر قنسرین بھیجا۔ شہر والے اپنی حفاظت کے لیے قلعوں کی طرف بڑھے۔ مسلمانوں کے سالار سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اگر تم بادلوں میں بھی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں بلند کر کے تم تک پہنچا دیتا یا تمھیں اتار کر ہمارے پاس لے آتا۔''

قنسرین والوں نے محسوس کیا کہ مسلمان شہر فتح کر کے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انھوں نے ہتھیار ڈالنے اور جزیہ دینے کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ مسلمانوں کی ان سے صلح ہوگئی۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان: 137، و تاريخ الطبري: 153/4. [2] فتوح الشام: 146، و فتوح البلدان: 137، و الفتوح لابن أعثم: 170، و تاريخ الطبري: 154/4، و الكامل: 491/2. [3] فتوح البلدان: 150، و تاريخ الطبري: 155/4، و الكامل: 493/2.

اس کے بعد مسلمان ملک شام کے ساحلی اور شمالی علاقے ایک ایک کر کے فتح کرتے چلے گئے۔ [1]

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 130، و فتوح البلدان: 151، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 128.

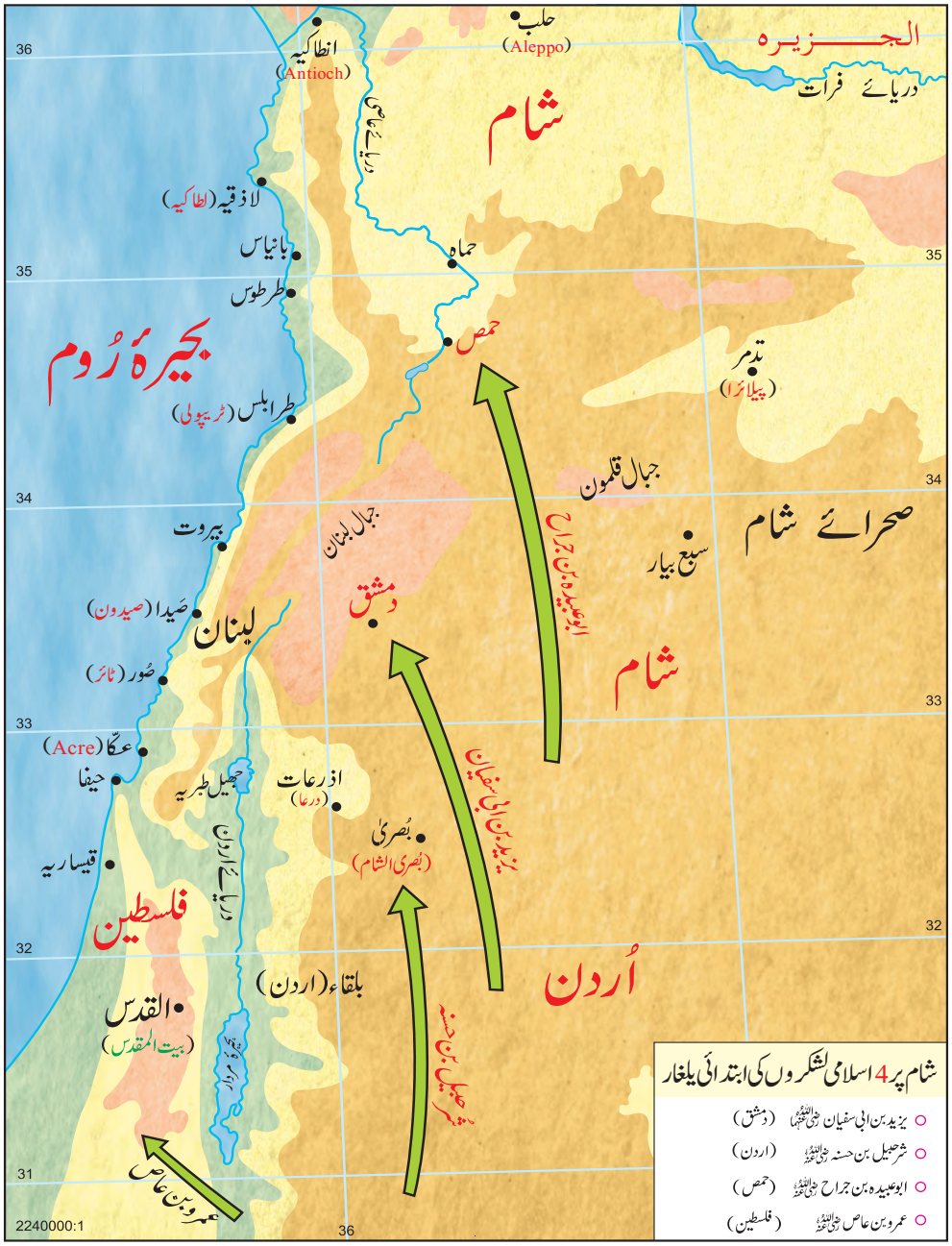

اسلامی عساکر شام کے علاقوں میں

فلسطین اور بیت المقدس کی فتح (16ھ)

دمشق کی فتح کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر الگ ہو گئے اور فلسطین کے نواحی علاقے فتح کرنے لگے۔ رومی فوج ''ارطبون'' کی قیادت میں ''اجنادین'' کے مقام پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آئی اور بڑی سخت جنگ ہوئی [1] جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فلسطین کے شمالی علاقے فتح کر لیے۔ [2] اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کا رُخ کیا جو تمام آسمانی مذاہب والوں، خصوصاً مسلمانوں کے ہاں ایک خاص مقام رکھتا ہے کیونکہ وہ پہلا قبلہ ہے اور حرمین شریفین کے بعد تیسرا مقدس مقام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا مقام ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور رومیوں نے ارطبون کی زیر قیادت جاں نثاری سے اس کا دفاع کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے مقابلے میں منجنیق بھی استعمال کی جس سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امداد طلب کرنے کے لیے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بیت المقدس کا محاصرہ کرنے میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی مدد کو پہنچیں، چنانچہ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے پہنچنے سے مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی اور رومیوں کا حوصلہ پست ہو گیا۔ وہ ہتھیار ڈالنے اور صلح کرنے کے بارے میں سوچنے لگے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انھوں نے دیکھا تھا کہ مسلمان وعدے کی پابندی کرتے ہیں اور مفتوحہ علاقے میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔

بیت المقدس کا پادری (صُفرونیوس) مسلمانوں سے صلح کے مذاکرات میں خود شریک ہوا۔ اس وجہ سے

---

[1] احمد عادل کمال کے مطابق جنگِ اجنادین فتح دمشق سے چودہ ماہ پہلے جمادی الاولیٰ 13ھ/ جولائی 634ء میں لڑی گئی تھی۔ [اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ: 185، 193] (م ف) [2] تاريخ خليفة بن خياط: 134، و فتوح البلدان: 144، و تاريخ الطبري: 157/4، و الكامل: 498/2).



رومی کمانڈر ارطبون ناراض ہوگیا اور بیت المقدس چھوڑ کر مصر چلا گیا۔ بیت المقدس کے پادری اور مسلمانوں میں مذاکرات ہوتے رہے۔ آخر کار وہاں کے شہریوں اور سرداروں نے اس شرط پر صلح کرنے اور شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے پر آمادگی ظاہر کی کہ صلح کا معاملہ طے کرنے کے لیے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خود تشریف لائیں اور وہ لوگ شہر کو صرف انھی کے حوالے کریں گے۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری طور پر اس کی اطلاع دی، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں ایک نائب مقرر کیا اور شام کی افواج کو لکھا کہ وہ جابیہ کے مقام پر جمع ہو جائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ ان سے وہاں ملیں گے۔ [1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام پہنچ گئے۔ سپہ سالاروں نے آپ رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا تو انھوں نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ ان کے سلام کرنے سے پہلے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کنکریاں لے کر انھیں مارنے لگے اور فرمایا: ''کتنی جلدی تمھارے پیٹ بڑے ہوگئے ہیں (یعنی عیش وعشرت کی زندگی اختیار کرنے کی وجہ سے تمھاری توندیں نکل آئی ہیں) اور تم مجھ سے یہ لباس پہن کر ملتے ہو؟ ابھی تو تمھیں پیٹ بھر کھانا ملتے دو سال ہوئے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم دو سو سال بعد بھی یہ حرکتیں کرتے تو میں تمھاری جگہ دوسرے افراد مقرر کر دیتا۔'' انھوں نے عرض کی: ''امیر المومنین! یہ تو روئی بھرے لباس ہیں۔ ہم نے ہتھیار پہن رکھے ہیں۔'' ان کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے ان کپڑوں کے نیچے ہتھیار چھپائے ہوئے تھے تاکہ دشمن انھیں دھوکے سے نقصان نہ پہنچا سکیں کیونکہ اس وقت ان سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا اور نظر آنے والی چیز موٹا پا تھا نہ فاخرانہ لباس۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تب ٹھیک ہے۔'' [2]

جابیہ کے مقام پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں سے ملاقات کی اور ان کے حالات معلوم کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انھوں نے اذان کہنا چھوڑ دی تھی۔ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد آئی تو سب اشک بار ہوگئے۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان: 144، و تاريخ الطبري: 128/4، و الكامل: 500/2. [2] تاريخ الطبري: 158/4. [3] سير أعلام النبلاء: 357/1.



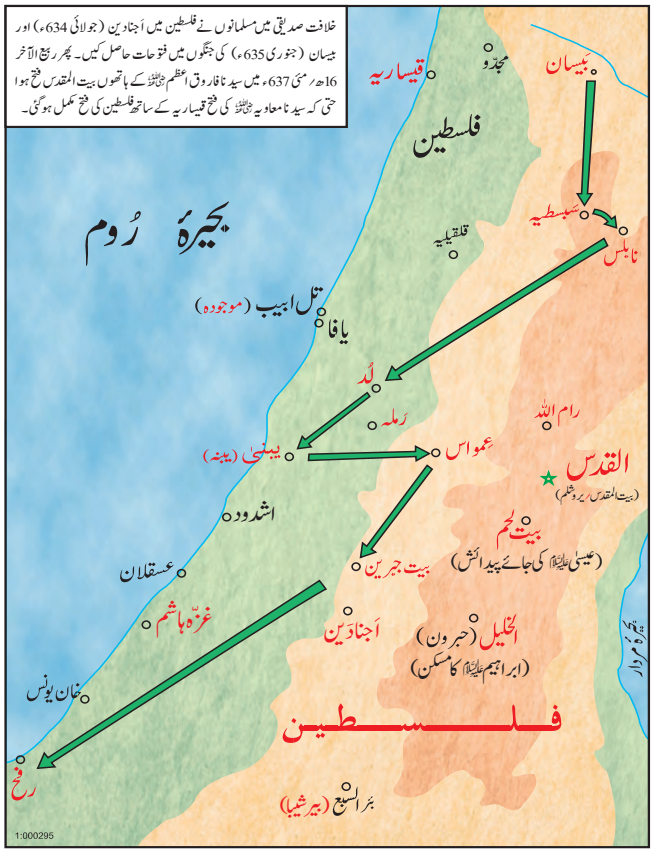

فلسطین سے رومیوں کا صفایا

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے نمائندوں سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ معاہدہ تحریر فرمایا کہ ان کی جانیں، ان کے مال اور ان کے گرجے محفوظ رہیں گے، انھیں اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ انھیں اختیار ہوگا کہ جو شخص چاہے، وہ مسلمانوں کی حفاظت میں اپنے گھر میں قیام پذیر رہے اور جو شخص چاہے، رومیوں سے جا ملے۔ جو شخص جانا چاہے گا، اسے جان و مال کی امان حاصل ہوگی حتی کہ وہ اپنے مقامِ امن تک پہنچ جائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کے باشندوں سے یہ شرط بھی طے کی کہ اس علاقے میں ان کے ساتھ کوئی یہودی رہائش نہیں رکھے گا۔ [1]

اس معاہدے سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب والوں سے بہت اچھا سلوک کیا اور ان کے حقوق کی حفاظت کی۔

اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر کے باشندوں اور پادریوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور وہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ [2] چند دن وہاں قیام فرمانے کے بعد آپ جابیہ تشریف لے آئے۔ وہاں آپ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں اور ان کے کمانڈروں کے ساتھ کچھ وقت

---

[1] فتوح البلدان: 145. ان کے ساتھ معاہدے کی عبارت کے لیے دیکھیے: تاريخ الطبري: 159/4. [2] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس میں صخرہ اور براق باندھنے کی جگہ کے قریب ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہی مسجد اقصیٰ کہلائی۔ [اٹلس فتوحات اسلامیہ: 190] قرآن کریم میں مسجد اقصیٰ کے احاطے کو ''المسجد الاقصیٰ'' کہا گیا جہاں صدیوں پہلے ہیکل سلیمانی تھا جسے 586 ق م میں شاہِ عراق بخت نصر نے اور 70ء میں رومی جرنیل ٹائٹس نے تباہ کر دیا تھا۔ (م ف)

گزارا۔ اس دوران میں ان کے ساتھ مختلف معاملات پر تبادلہ خیال ہوا۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ [1] بیت المقدس کی فتح سے شام کا اکثر علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوگیا۔ اس طرح بہت سی مشکلات برداشت کرنے اور جنگیں لڑنے کے بعد آخر کار وہ اس پر بلاشرکت غیرے قابض ہوگئے۔

طاعونِ عمواس

پھر 18ھ میں شام میں وبا پھیلی جو ''طاعون عمواس'' کے نام سے مشہور ہے۔ عمواس فلسطین میں ایک بستی کا نام ہے۔ اس وبا میں شام میں مسلمان مجاہدین میں سے تقریباً بیس ہزار افراد فوت ہوگئے جن میں سیدنا ابوعبیدہ بن جراح، سیدنا معاذ بن جبل، سیدنا شرحبیل بن حسنہ، سیدنا فضل بن عباس، سیدنا یزید بن ابی سفیان ایسے بہت سے کبار صحابہ شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس کے باوجود مسلمان شام پر اپنا قبضہ قائم رکھنے میں کامیاب رہے اور مزید فتوحات کے بارے میں سوچتے رہے۔ [2]

③ الجزیرہ کی فتوحات (18ھ تا 20ھ)

الجزیرہ ایک وسیع علاقے کا نام ہے جو موجودہ شام کے شمال مشرق میں، عراق کے شمال مغرب میں اور موجودہ ترکی کے جنوب میں واقع ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان واقع ہے۔ اس میں کئی بڑے شہر واقع ہیں جن میں رہا، رقہ، نصیبین، حران اور ماردین زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ شہر ایران کے تابع تھے اور کچھ روم (بازنطینی سلطنت) کے۔ ان کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے۔ [3] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے 18ھ میں سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کو الجزیرہ فتح کرنے کے لیے شام سے بھیجا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے اکثر شہر فتح کر لیے جو اسلامی سلطنت میں شامل ہوگئے، ان میں سے بعض شہر جنگ سے فتح ہوئے اور بعض صلح کے ساتھ۔ [4] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں الجزیرہ والوں نے اسلامی سلطنت کی اطاعت سے بغاوت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے متعدد لشکر بھیج کر ان کی شورش پر قابو پالیا۔ ان لشکروں کی قیادت سیدنا عمیر بن سعد انصاری، خالد بن ولید، ابوموسیٰ اشعری اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھی۔ [5]

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 135، و الفتوح لابن أعثم: 229/1، و تاريخ الطبري: 161/4، و الكامل: 501/2. [2] تاريخ خليفة بن خياط: 138، و تاريخ الطبري: 222/4، و الفتوح لابن أعثم: 238/1، و الكامل: 558/2، و تاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين): 171. [3] اس کی حدود معلوم کرنے کے لیے دیکھیے: معجم البلدان: 134/2، اور ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی معجم أماكن الفتوح: 32. [4] تاريخ خليفة بن خياط: 139، و فتوح البلدان: 176، و تاريخ الطبري: 225/4، و الاستيعاب جو الإصابة کے حاشیے پر چھپی ہے: 138/3، و الكامل: 534/2، 569. [5] فتوح البلدان: 181-186، و الأموال: 98.

④ مصر کی فتوحات (20ھ)

18ھ میں مسلمان طاعون عمواس کا شکار ہوئے اور شام میں ان کے لشکر کا اکثر حصہ اس کی زد میں آ گیا حتی کہ اس وبا کی وجہ سے تقریباً بیس ہزار آدمی شہید ہو گئے۔ یہ تعداد شام میں موجود اسلامی لشکر کا تقریباً دو تہائی بنتی ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کی فتوحات نہیں رُکیں۔ راجح قول کے مطابق 20ھ میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مصر فتح کرنے کی اجازت مانگی۔ انھوں نے واضح کیا کہ اس کا فتح ہونا مسلمانوں کے لیے کتنی اہمیت رکھتا ہے اور اس کا رومیوں کے قبضے میں رہنا تمام مسلمانوں کے لیے، بالخصوص شام کے مسلمانوں کے لیے کس قدر خطرناک ہے، چنانچہ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی کمان میں مصر فتح کرنے کے لیے روانہ ہو جائیں۔ لشکر کی روانگی کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ آپ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا: ''میرا یہ خط اگر آپ کو مصر کے علاقے میں داخل ہونے سے پہلے مل جائے تو لوٹ آئیں اور اگر آپ مصر میں داخل ہو چکے ہوں تو منزل کی طرف سفر جاری رکھیں۔'' یہ خط سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو اس وقت ملا جب وہ مصر کے علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ خط پڑھنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے پوچھا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ بستی مصر کے علاقے میں ہے؟'' انھوں نے کہا: ''معلوم ہے۔'' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بات یہ ہے کہ امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر ان کا خط مجھے مصر میں داخل ہونے سے پہلے مل جائے تو میں واپس پلٹ جاؤں جبکہ مجھے ان کا یہ خط مصر میں داخل ہونے کے بعد ملا ہے، اس لیے اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو۔'' [1]



العریش (مصر) کا کھجوروں کا باغ

---

[1] فتوح البلدان: 214، والمواعظ والاعتبار: 1/288.

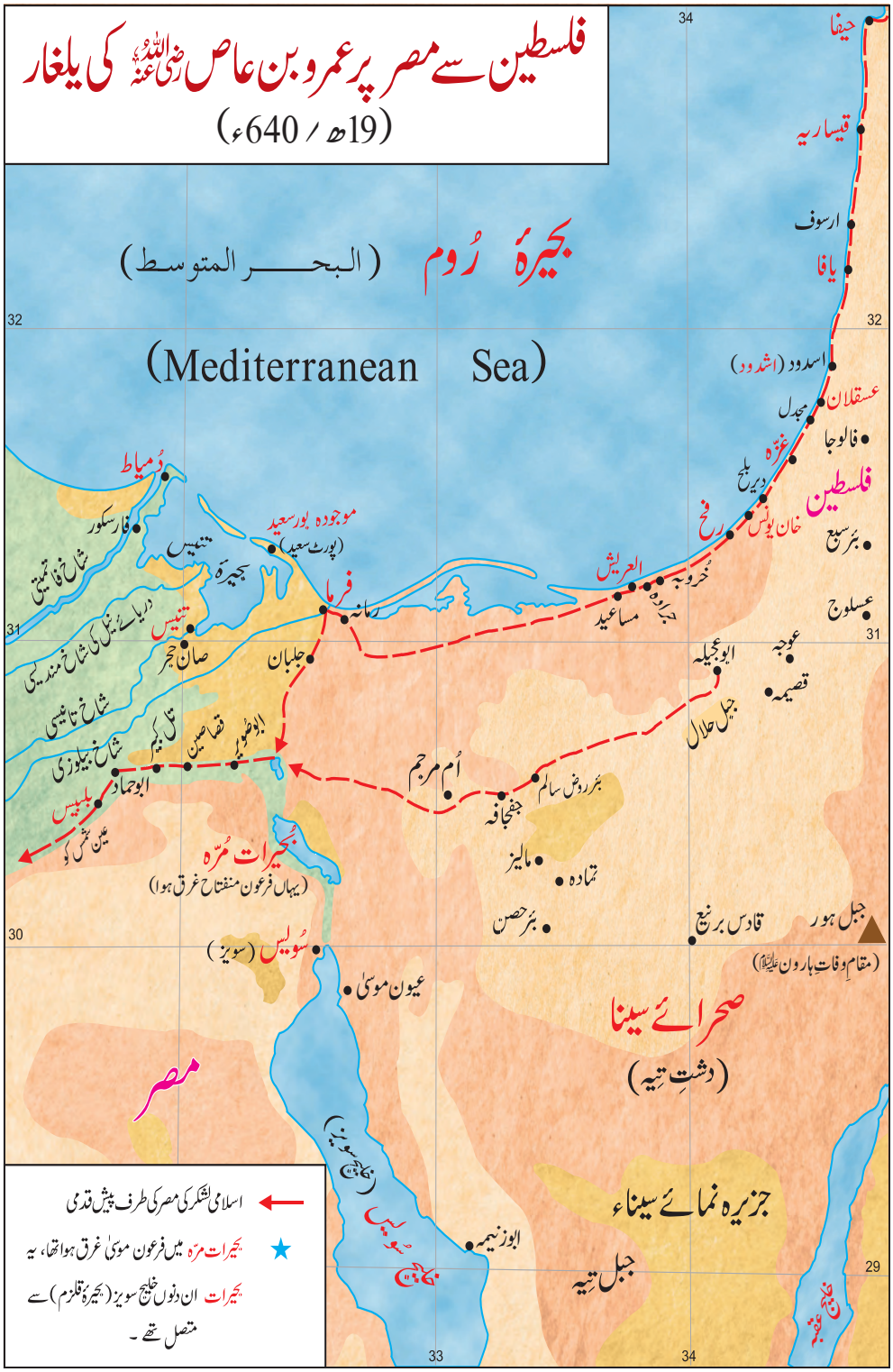
فلسطین سے مصر پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یلغار
(19ھ / 640ء)
بحیرۂ رُوم (البحر المتوسط)
(Mediterranean Sea)
34
32
31
30
29
33
حیفا
قیساریہ
ارسوف
یافا
اسدود (اشدود)
عسقلان
مجدل
فالوجا
غزّہ
دیر بلح
فلسطین
خان یونس
رفح
بئر سبع
عسلوج
العریش
خروبہ
جرۂ
مساعید
عوجہ
قصیمہ
ابو عجیلہ
جبل حلال
دُمیاط
فارسکور
شاخ فاقوسی
شاخ تمیمی
موجودہ پورسعید
(پورٹ سعید)
تنیس
بحیرۂ تنیس
فرما
رمانہ
جلبان
دریائے نیل کی شاخ منذیسی
تنیس
صان حجر
شاخ تانیسی
شاخ خبیلوزی
تل یم
قصاصین
ابوضویر
ابوحماد
بلبیس
عین شمس
اُم مرجم
بئر روض سالم
جفجافہ
مالیز
تمادہ
بئر حصن
بحیرات مُرّہ
(یہاں فرعون منفتاح غرق ہوا)
سُویس (سویز)
عیون موسیٰ
قادس برنیع
جبل ہور
(مقامِ وفاتِ ہارون علیہ السلام)
صحرائے سینا
(دشتِ تیہ)
مصر
جزیرہ نمائے سیناء
ابوزنیمہ
جبل تیہ
خلیج سویز
خلیج عقبہ
اسلامی لشکر کی مصر کی طرف پیش قدمی
بحیرات مرّہ میں فرعون موسیٰ غرق ہوا تھا، یہ بحیرات ان دنوں خلیج سویز (بحیرۂ قلزم) سے متصل تھے۔

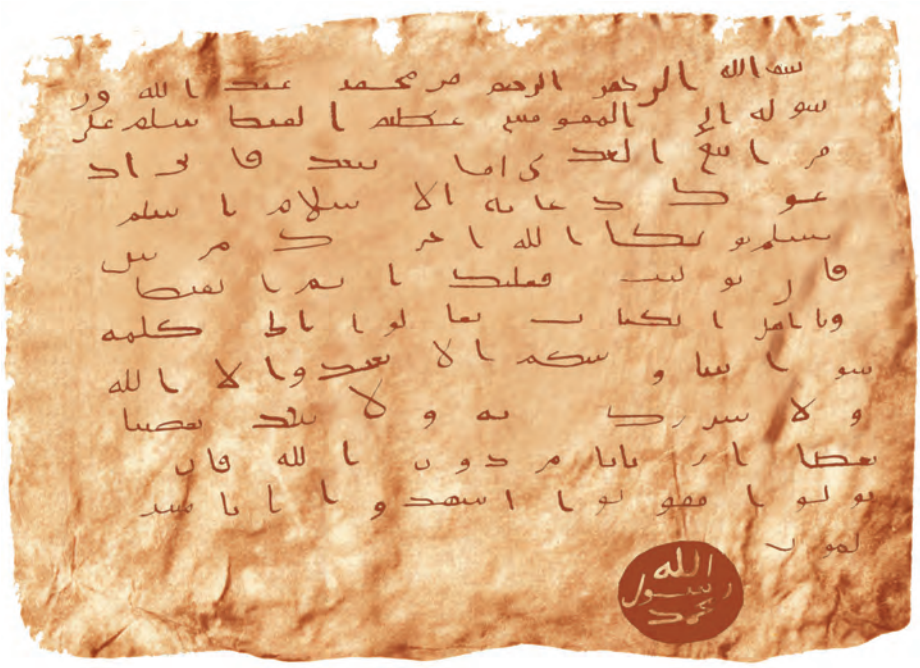

نبی ﷺ کا مقوقس کے نام خط

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد عبد الله و رسوله إلى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدى، أما بعد: فإني أدعوك دعاية الإسلام أسلم تسلم يؤتك الله أجرك مرتين فإن توليت فعليك إثم القبط و يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم ألا تعبدوا إلا الله ولا تشركوا به ولا يتخذ بعضنا بعضًا أربابًا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون.

مسلمان مصر میں ساحلی علاقے سے داخل ہوئے۔ وہ عریش سے گزر کر فرما پہنچے جو مشرقی مصر میں رومیوں کا ایک اہم فوجی مقام تھا۔ وہاں ایک مہینے تک رومیوں سے مسلمانوں کی جنگ ہوتی رہی۔ آخر کار مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا۔ اس کے بعد مسلمان بلبیس کی طرف بڑھے۔ اسے بھی تقریباً ایک ماہ کی جنگ کے بعد فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے متعدد رومی مقامات اور قلعے فتح کیے حتی کہ بابلیون کے قلعے تک پہنچ گئے۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے گرد پانی سے بھری ہوئی خندقیں تھیں۔ مسلمانوں نے کئی مہینے اس کا محاصرہ کیے رکھا لیکن وہ فتح نہ ہوسکا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کمک کے لیے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ آپ نے دس ہزار

افراد پر مشتمل امدادی فوج روانہ کی جس کی قیادت سیدنا زبیر بن عوام، مقداد بن عمرو، عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہم کے ہاتھ میں تھی۔ [1]

مسلمانوں نے قلعے کا محاصرہ جاری رکھا۔ ان کے اور رومیوں کے ایلچی آتے جاتے رہے۔ اس کے علاوہ مصر میں رومیوں کے مقرر کردہ بادشاہ مقوقس نے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ افراد بھیجے جو کئی دن مسلمانوں کے لشکر میں ٹھہرے رہے۔ جب وہ واپس گئے تو مقوقس نے ان سے پوچھا: ''تم نے مسلمانوں کو کیسا پایا؟'' انھوں نے کہا: ''ہم نے دیکھا ہے کہ انھیں زندگی سے زیادہ موت سے پیار ہے اور برتری کے اظہار کے بجائے وہ تواضع پسند ہیں۔ انھیں دنیا کی رغبت ہے نہ خواہش۔ وہ خاک پر بیٹھ جاتے ہیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا کھا لیتے ہیں۔ ان کا امیر ایک عام آدمی کی طرح رہتا ہے۔ ان کے اعلیٰ و ادنیٰ میں اور آقا اور غلام میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہتا۔ وہ پانی سے ہاتھ پاؤں دھوتے ہیں اور خشوع و خضوع سے نماز ادا کرتے ہیں۔'' مقوقس نے کہا: ''یہ لوگ پہاڑوں کی طرف جائیں تو انھیں بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے۔'' [2]

---

[1] تاريخ الطبري: 227/4، و الكامل: 564/2، و المواعظ والاعتبار: 290/1. [2] النجوم الزاهرة لابن تغري بردي، و المواعظ والاعتبار للمقريزي: 290/1.



مسجد سلطان حسن (قاہرہ)



قاہرہ میں رومی دور کے قبطی مسیحی گرجے کی باقیات

مقوقس نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ مذاکرات کے لیے اپنا وفد بھیجیں۔ مسلمانوں نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک وفد بھیج دیا۔ وفد نے مقوقس سے ملاقات کی اور ان میں بات چیت ہوتی رہی۔ مقوقس نے رومی افواج کی کثرت، مسلمانوں کی کمزوری اور ان کی تعداد اور اسلحے کی قلت کا ذکر کیا۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے شخص! خود کو اور اپنے ساتھیوں کو دھوکا نہ دے۔ تو ہمیں رومیوں کی کثرتِ تعداد سے ڈرانا چاہتا ہے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو ہمیں ان چیزوں سے نہیں ڈرا سکتا اور نہ اس طرح ہمارے عزم کو متزلزل کر سکتا ہے۔ اگر تمھاری بات درست ہے تو اس وجہ سے تم لوگوں سے جنگ کرنے کے ہمارے شوق میں اضافہ ہی ہوا ہے کیونکہ جب (شہید ہو کر) ہم رب کے پاس جائیں گے تو ہمارے پاس عذر موجود ہوگا (کہ ہم نے اپنی جدوجہد میں کوئی کسر نہیں چھوڑی)۔ اگر ہم سب کے سب شہید ہو جائیں تو اس کی وجہ سے ہمیں اللہ کی خوشنودی اور اس کی جنت کی زیادہ امید ہوگی۔ اس (شہادت) سے زیادہ کوئی چیز ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرنے والی اور محبوب نہیں۔ اور اس (جہاد) کی وجہ سے اگر ہم نے تم پر فتح حاصل کی تو ہمیں دنیا کی غنیمت ملے گی اور اگر تم نے ہم پر فتح پالی تو ہمیں آخرت کی غنیمت

ملے گی جو ہمیں ہماری اس جدوجہد کے بعد زیادہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب میں فرمایا:

﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

''کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرة 249:2)

ہم میں سے ہر شخص اپنے رب سے صبح وشام یہ دعا کرتا ہے کہ وہ اسے شہادت سے سرفراز فرمائے اور اسے اپنے وطن اور اہل وعیال میں واپس نہ لے جائے۔ ہم میں سے کسی کو بھی پیچھے (اہل وعیال) کی فکر نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنے بیوی بچوں کو اللہ کے سپرد کر چکا ہے۔ ہمیں تو آگے (قیامت اور جنت) کی فکر ہے۔''[1]

مقوقس کو سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی باتیں اچھی لگیں۔ اسے احساس ہوگیا کہ مسلمان قوی ہیں اور انھیں اللہ کی مدد حاصل ہے، چنانچہ اس نے ارادہ کیا کہ ان سے صلح کر لے اور جزیہ دینا قبول کر لے لیکن رومیوں نے انکار کر دیا۔ قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، پھر سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے بہادر مسلمان سیڑھیاں لگا کر قلعے کی فصیلوں پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے۔ اوپر پہنچ کر انھوں نے اللہ اکبر کہا۔ ان کے ساتھ قلعے کے باہر موجود مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس سے دشمنوں پر گھبراہٹ طاری ہوگئی، پھر سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ قلعے کے اندر اتر گئے اور مسلمانوں کے لیے قلعے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوگئے، چنانچہ اندر کے رومیوں نے فوراً مسلمانوں سے صلح کر لی اور ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرنے کا اعلان اور جزیہ دینے کا اقرار کر لیا۔ اس قلعے پر قبضہ ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصر کا اکثر حصہ مسلمانوں کے زیرنگیں ہوگیا اور وہ اس کے وسطی اور جنوبی حصے پر قابض ہوگئے۔[2]

---

[1] المواعظ والاعتبار: 291/1. [2] تاريخ خليفة بن خياط: 143، و فتوح البلدان: 216، و تاريخ الطبري: 230/4.



اسکندریہ (مصر) کا قلعہ

اسکندریہ کی فتح (21ھ)

اسکندریہ مصر کے سب سے بڑے شہروں میں سے ایک تھا۔ وہ جنوب کی طرف سے فصیلوں کی وجہ سے محفوظ تھا اور شمال کی طرف سے اسے سمندر نے محفوظ بنا دیا تھا۔ یہاں رومیوں کی اچھی بھلی تعداد مقیم تھی جن میں جنگجو افراد کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی۔ بابلیون کا قلعہ فتح ہونے کے بعد مسلمانوں کے لیے فتوحات کا دروازہ کھل گیا تھا، چنانچہ مسلمان شمال کی سمت میں اس شہر کی طرف بڑھنے لگے۔ اس پیش قدمی کے دوران میں انھیں رومیوں کے بڑے بڑے لشکروں کا مقابلہ کرنا پڑا جنھوں نے مسلمانوں کی راہ میں رکاوٹ ڈال کر انھیں اسکندریہ پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ ان سے مسلمانوں کی کئی لڑائیاں ہوئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انھوں نے پیش قدمی جاری رکھی حتی کہ اسکندریہ کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ انھوں

اسکندریہ کی بندرگاہ



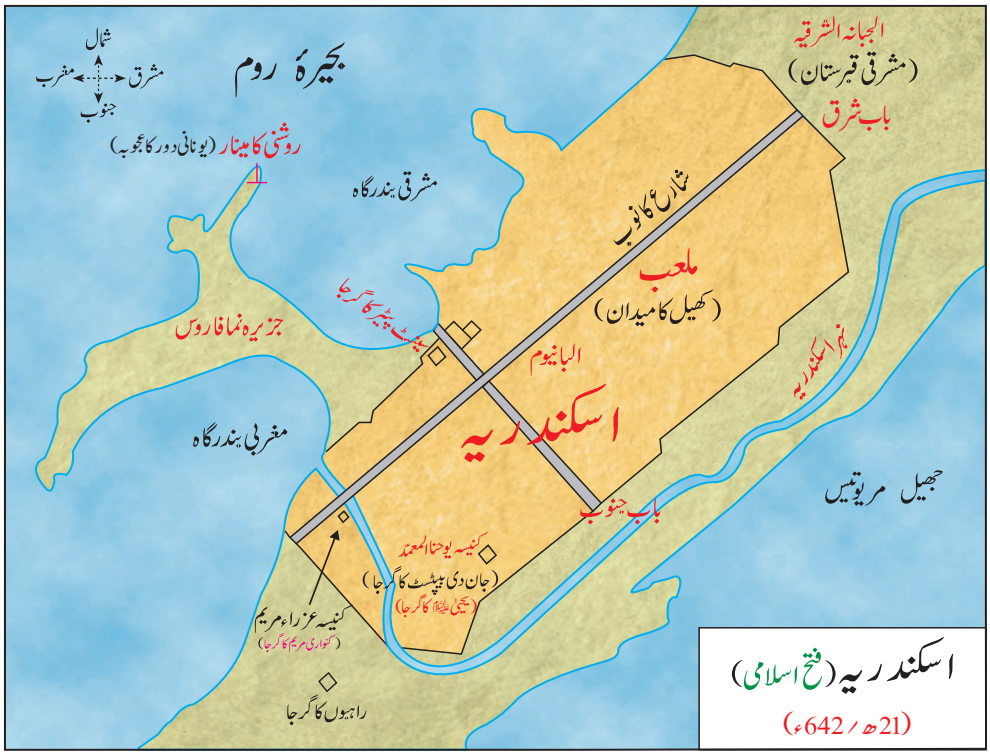

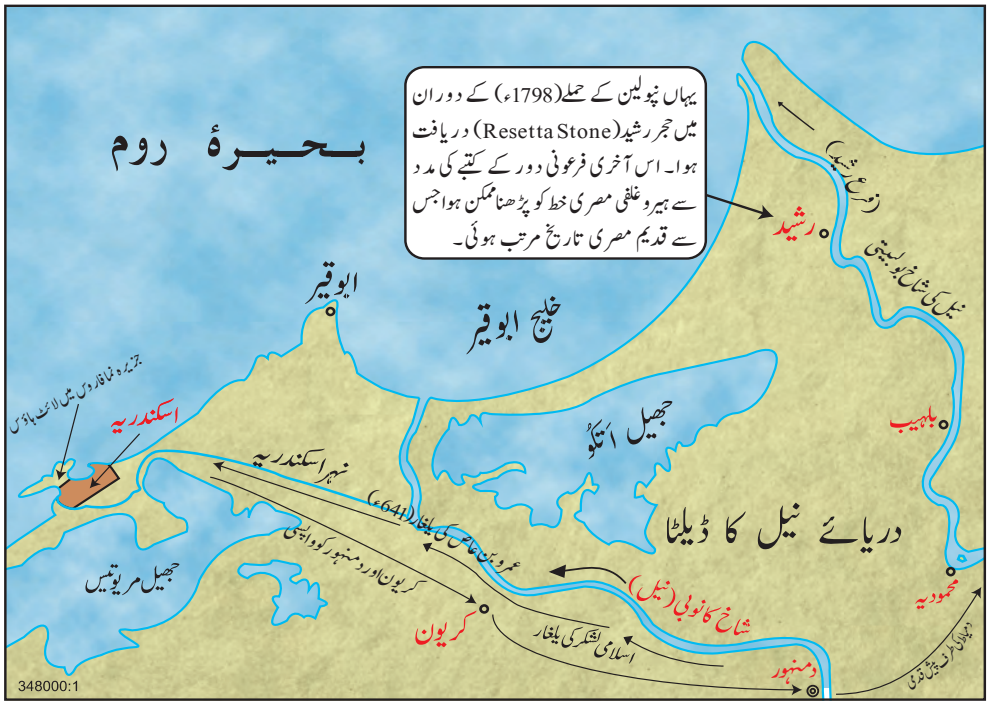

اسکندریہ (مصر) پر اسلامی یلغار (20ھ/641ء)

نے چار مہینے اس شہر کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس دوران میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ محاصرے کی پوری مدت کے دوران میں رومی بحری جہاز بحیرۂ روم کی طرف سے اسکندریہ والوں کو اسلحہ اور افرادی قوت مہیا کرتے رہے۔ [1]

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسکندریہ کی فتح میں معمول سے زیادہ تاخیر ہوتی محسوس ہوئی تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا۔ اس میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمھاری فتح کی تاخیر پر مجھے تعجب ہے۔ اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ تمھاری (قلبی) کیفیت بدل گی ہے۔ جس طرح تمھارے دشمن دنیا سے محبت کرتے ہیں، تم بھی اسی طرح کرنے لگے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کی مدد نہیں کرتا جب تک اس کی نیت درست نہ ہو۔ میں نے آپ کے پاس چار مرد بھیجے تھے اور آپ کو بتایا تھا کہ میرے علم کے مطابق ان میں سے ہر مرد ایک ہزار افراد کے برابر ہے، الّا یہ کہ ان میں بھی وہی تبدیلی آجائے جو دوسروں میں آگئی ہے (تب وہ ہزار ہزار کے برابر نہیں ہوں گے)۔ جب آپ کو میرا یہ خط ملے تو مجاہدین سے خطاب کیجیے۔ انھیں دشمن سے جنگ کا شوق دلایئے، ثابت قدمی اور حسنِ نیت کی ترغیب دیجیے۔ ان چار حضرات کو لوگوں کے سامنے کیجیے اور سب لوگوں کو حکم دیجیے کہ وہ متحد ہو کر دشمن سے ٹکرا جائیں۔ یہ کام جمعے کے دن سورج ڈھلنے کے وقت کیجیے کیونکہ اس وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دشمن کے خلاف مدد مانگیں۔''

جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو یہ خط ملا تو انھوں نے سب کو پڑھ کر سنایا، پھر ان چار حضرات کو بلا کر لوگوں کے آگے کھڑا کیا اور مجاہدین کو حکم دیا کہ وضو کر کے نماز پڑھیں اور دعائیں مانگیں، پھر آپ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ مسلمانوں نے رومی لشکر سے زبردست جنگ کی جس کے نتیجے میں وہ اسکندریہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چھ ماہ کے محاصرے کے بعد یہ پہلی فتح تھی۔ [2] انھوں نے وہاں کے باشندوں پر جزیہ عائد کیا اور اپنا قبضہ مضبوط کر لیا۔ [3]

---

[1] فتوح البلدان: 218-222، و المواعظ والاعتبار: 166/1، و الکامل: 567/2. [2] احمد عادل کمال کی تحقیق کے مطابق محاصرۂ بابلیون کے دنوں میں مقوقس نے صلح کی پیشکش کی تھی اور پھر ذی قعدہ 20ھ/ نومبر 641ء میں اس شرط پر صلح ہوگئی تھی کہ گیارہ ماہ کے اندر رومیوں کو جزیہ کی ادائیگی پر اسکندریہ سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ مقوقس نے اس صلح نامے کا اپنی قوم کے سامنے اعلان نہیں کیا تھا۔ پھر جب مسلمانوں نے اسکندریہ کا جا محاصرہ کیا تو رومی منجنیقوں نے مسلمانوں پر سنگباری شروع کر دی، چنانچہ اسلامی فوج پیچھے ہٹ آئی تھی۔ اور پھر ذی قعدہ 21ھ/ اکتوبر 642ء میں (صلح نامہ مقوقس کے مطابق) ایک روز اچانک اہلِ شہر نے دیکھا کہ مسلمان اسکندریہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور پھر مقوقس کی فہمائش پر رومی جزیہ ادا کر کے شہر چھوڑ گئے۔ [اٹلس فتوحات اسلامیہ: 239] (م ف)
[3] المواعظ والاعتبار: 165/1، و الکامل: 567/2.

اسکندریہ کی فتح کے بعد مسلمانوں نے مصر کا باقی ماندہ علاقہ بھی فتح کر لیا۔ بالخصوص صعید (بالائی مصر) اور ڈیلٹا وغیرہ کے بعض مقامات فتح ہو گئے تو پورا مصر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں آ گیا کیونکہ مصر کے ان شہروں نے اطاعت تسلیم کر کے جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ [1]

اس کے بعد مسلمان طرابلس اور برقہ کی طرف بڑھے اور انھیں جنگ کے بغیر فتح کر لیا کیونکہ ان کے باشندوں نے جزیہ دینے کا وعدہ کر کے اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم پہنچا کہ مصر کے مغرب میں فتوحات جاری نہ رکھی جائیں کیونکہ آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مصر کے پہلے سے فتح کیے ہوئے علاقوں میں قدم اچھی طرح مضبوط ہو جائیں۔ [2]

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 150، و فتوح البلدان: 222، و المواعظ والاعتبار: 165/1، و الكامل: 567/2. [2] فتوح البلدان: 219، و تاريخ الطبري: 230/4-232، و الكامل: 567/2، و تاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين): 224.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے مسلمان عراق، ایران، الجزیرہ، بلادِ شام اور مصر فتح کرنے کے علاوہ شمالی افریقہ کا ایک حصہ فتح کر چکے تھے۔ فارس اور روم کی حکومتیں ابھی قائم تھیں اور ان کی کوشش تھی کہ مسلمان جو علاقے فتح کر چکے ہیں، ان سے واپس لے لیے جائیں، اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری تھا کہ ان فتوحات کی حفاظت کے لیے زبردست جدوجہد کریں اور ساتھ ہی نئے علاقے فتح کرنے کی کوشش کریں۔

① افریقہ کی فتوحات (27ھ)

مصر اور شمالی افریقہ رومی سلطنت کے قبضے میں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے مصر فتح کر لیا تھا اور شمالی افریقہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔

اسکندریہ کی بغاوت

خلافتِ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں رومیوں نے مسلمانوں کو مصر سے نکالنے کی کوشش کی۔ انھوں نے 25ھ میں اسکندریہ پر سمندر کی طرف سے حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ عیسائیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو شہید کر دیا اور اسے دوبارہ محفوظ بنانے کے لیے وہاں اپنی فوجیں متعین کرنے لگے تاکہ جنوب کی طرف مسلمانوں پر حملہ کریں لیکن مسلمانوں نے انھیں اس کا موقع نہ دیا بلکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان

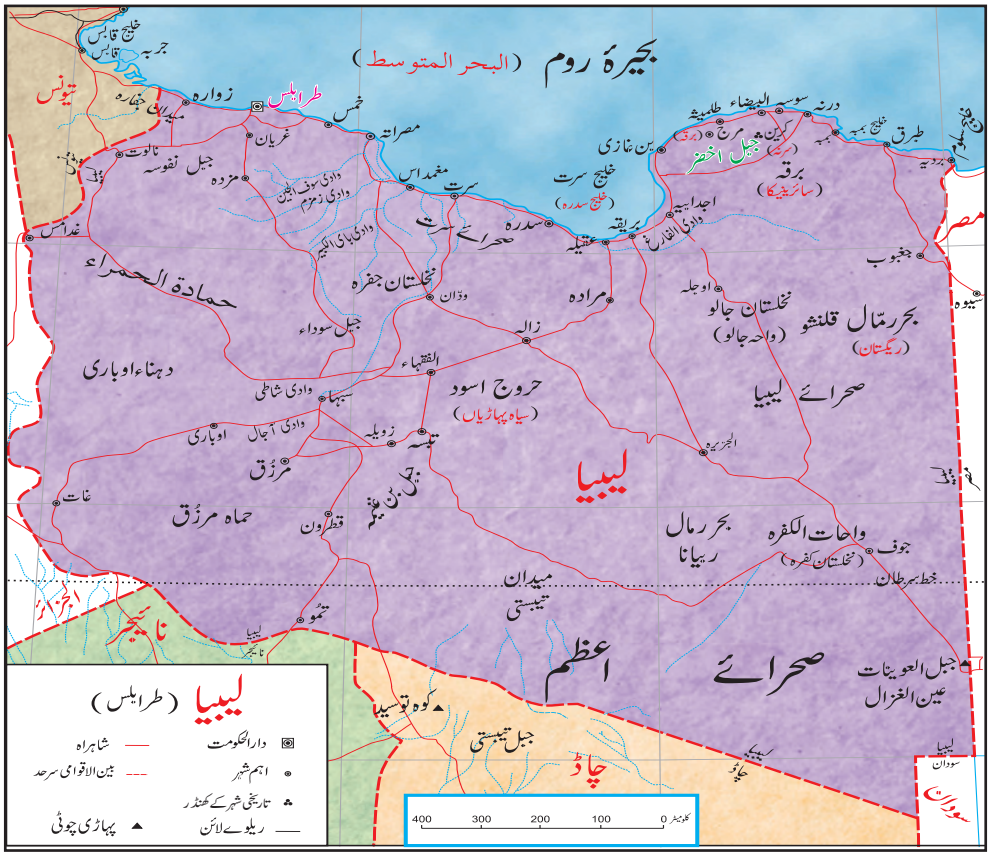

کے تیار ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کی فوج لے کر اسکندریہ کی طرف بڑھے اور راستے میں کئی لڑائیاں لڑنے کے بعد اسکندریہ پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان پوری قوت کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے اس کے انتظامات کو دوبارہ درست کیا اور اس پر قبضہ مستحکم کر لیا۔ یہ شہر ان کا مرکز بن گیا جہاں سے شمالی افریقہ کی فتوحات کے لیے لشکر روانہ ہونے لگے۔ [1]

27ھ میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افریقہ کے علاقے فتح کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور امدادی لشکر روانہ فرمایا جس میں سیدنا حسن بن علی، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اسلامی افواج لے کر روانہ ہوئے حتی کہ برقہ پہنچ گئے، پھر وہاں سے طرابلس پہنچے۔ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان انھیں چھوڑ کر اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑھے جو رومیوں نے تیار کر رکھا تھا۔ اس کا کمانڈر

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 158، و فتوح مصر و أخبارها: 175، و المواعظ والاعتبار: 299.



''گریگوری'' تھا اور اس کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچی ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے ان سے کئی جنگیں لڑیں جن میں کسی فریق کو فیصلہ کن فتح حاصل نہ ہوسکی۔ تب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ دن بھر جنگ کرتا رہے۔ جب رومی تھک جائیں اور مسلمانوں کی وہ آدھی فوج بھی تھک جائے جو جنگ میں مشغول رہی ہے، تو وہ آرام کے لیے پیچھے ہٹ جائے اور مسلمانوں کی فوج کا دوسرا نصف حصہ رومیوں پر اچانک حملہ کر دے۔ وہ اس وقت تھکے ہوئے ہوں گے اور جنگ کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ تازہ دم فوج ان سے جنگ جاری رکھے۔ یہ منصوبہ کامیاب رہا اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے رومی کمانڈر گریگوری کو قتل کر دیا، چنانچہ وہ شکست کھا گئے۔ [1] جب قریبی شہروں کے سرداروں نے مسلمانوں کو فتح یاب ہوتے دیکھا تو وہ اس بات پر رضا مند ہوگئے کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں گے اور اس کے عوض مسلمان ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ اس طرح شمالی افریقہ کے ایک بڑے حصے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ خاص طور پر وہ علاقہ بھی مسلمانوں کو مل گیا جسے آج کل لیبیا کہا جاتا ہے۔ [2] [3]

---

[1] جنگِ سبعہ عبادلہ: گریگوری (جرجیر) سے سبیطلہ (تیونس) کے مقام پر جو جنگ ہوئی تھی، اس جنگ میں عبداللہ نامی سات صحابی شریک ہوئے تھے، لہٰذا اسے جنگ سبعہ عبادلہ کہا جاتا ہے۔ ان صحابہ کے نام یہ ہیں: عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہم۔ (م ف) [2] مصری مؤرخ احمد عادل کمال ''اطلس الفتوحات الاسلامیہ'' میں لکھتے ہیں کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے 23ھ/ 644ء میں اسکندریہ سے پیش قدمی کرکے لیبیا کے علاقے برقہ، فزان، زویلہ، سرت، طرابلس، صبراتہ اور ودان فتح کر لیے تھے اور اس کے بعد اپنے صدر مقام فسطاط (مصر) لوٹ آئے تھے۔ پھر خلافتِ عثمانی میں سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے مصر اور طرابلس سے پیش قدمی کرکے سبخہ (تیونس) فتح کر لیا (جس کے قریب بعد میں قیروان آباد ہوا) اور پھر سُبیطلہ کے مقام پر جرجیر (گریگوری) کو شکست دے کر تیونس اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 244-248) [3] تاريخ خليفة بن خياط: 159، و تاريخ يعقوبي: 165/2، و تاريخ الطبري: 48/5، و الفتوح: 359/1، و تاريخ الإسلام للذهبي (عهد الخلفاء الراشدين): 312.



بنزرت (تیونس) کا لائٹ ہاؤس



قرطاجہ (تیونس) کے کھنڈر



جربہ (تیونس) کا ساحلی شہر

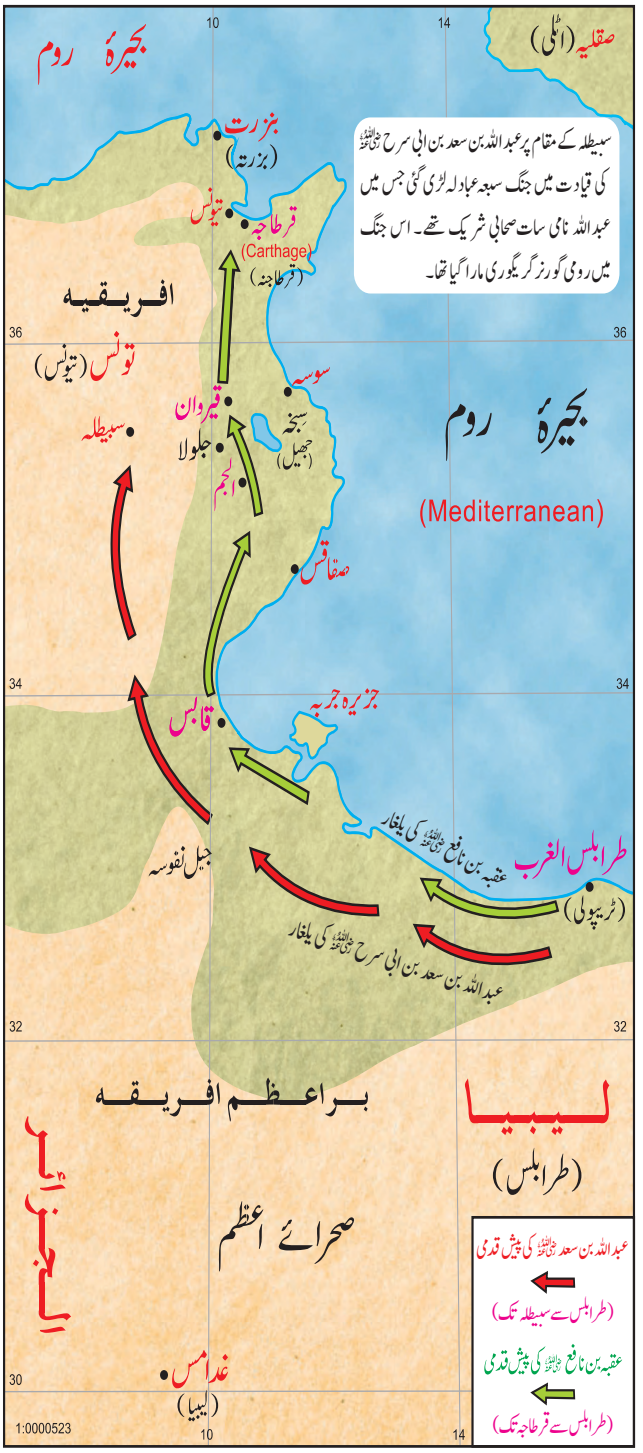

المغرب (تیونس) کی فتح (29ھ - 47ھ)



نوبیا (سودان) میں مصری فرعون توتن خامن سے منسوب مندر کے آثار

نوبہ کا علاقہ (33ھ)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جنوب کی طرف نوبہ (سودان) کے علاقے میں آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہوئے، چنانچہ انھوں نے اسے فتح کرنے کا منصوبہ ترک کر دیا۔ جب سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انھوں نے 33ھ میں نوبہ کے علاقے میں پیش قدمی کی اور وہاں کے باشندوں سے کئی لڑائیاں لڑیں جن کے نتیجے میں وہ مسلمانوں سے ایک معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے جو معاہدہ ''بقط'' کے نام سے معروف ہے۔ اس کے مطابق وہ لوگ مسلمانوں کو سالانہ جزیہ دینے کے پابند تھے۔[1] اس معاہدے کے مطابق اسلامی سلطنت اور نوبہ کی مملکت کے تعلقات تقریباً چھ صدیوں تک اسی طرح قائم رہے حتی کہ اس ملک کے لوگ مسلمان ہو گئے، تو جزیہ ختم کر دیا گیا۔[2]

② فتح آرمینیا (29ھ)

امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو حکم جاری فرمایا کہ سیدنا حبیب بن مسلمہ فہری رضی اللہ عنہ کی کمان میں مسلمانوں کا ایک لشکر آرمینیا کی فتح کے لیے روانہ کریں۔

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 168، و فتوح البلدان: 238، و معجم البلدان: 309/5. [2] دیکھیے: ڈاکٹر مصطفی مسعد کی الإسلام والنوبة في العصور الوسطى. طبع قاهره، مكتبة انجلو مصرية 1960ء.

سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ آٹھ ہزار شامی مسلمانوں کو لے کر روانہ ہوئے اور آرمینیا کے بعض مقامات فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے بعد ارمن قوم اور ان کے پادریوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے نئے سرے سے تیاری کی اور ان کی مدد کے لیے روم اور خزر کے علاقے سے فوجیں پہنچ گئیں، چنانچہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کو شام سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کمک طلب کرنا پڑی۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی مدد کے لیے شام سے دو ہزار افراد پر مشتمل فوج روانہ کر دی۔ اس کے علاوہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم جاری فرمایا کہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے سیدنا سلمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فوج روانہ کریں۔ آپ مسلمانوں کے ایک تجربہ کار کمانڈر تھے جو اس علاقے اور وہاں کے لوگوں کے طریقِ جنگ کے بارے میں بہت معلومات رکھتے تھے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوگئے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے ہی سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ نے ارمنی اور رومی افواج پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے کمانڈر کو قتل کر کے ان پر فتح پالی۔ جب سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان وہاں پہنچے تو انھوں نے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ محاذ تقسیم کر لیے، چنانچہ کوفہ والے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مشرقی آرمینیا فتح کرنے لگے اور شامی لشکر نے سیدنا حبیب رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت مغربی آرمینیا فتح کرنا شروع کر دیا حتی کہ مسلمانوں نے پورا آرمینیا فتح کر لیا اور بحیرۂ اسود تک پہنچ گئے۔ انھوں نے قفقاز (اسے کوہ قاف اور کاکیشیا (CAUCASIA) بھی کہتے ہیں) کا علاقہ فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر لیا۔ [1]

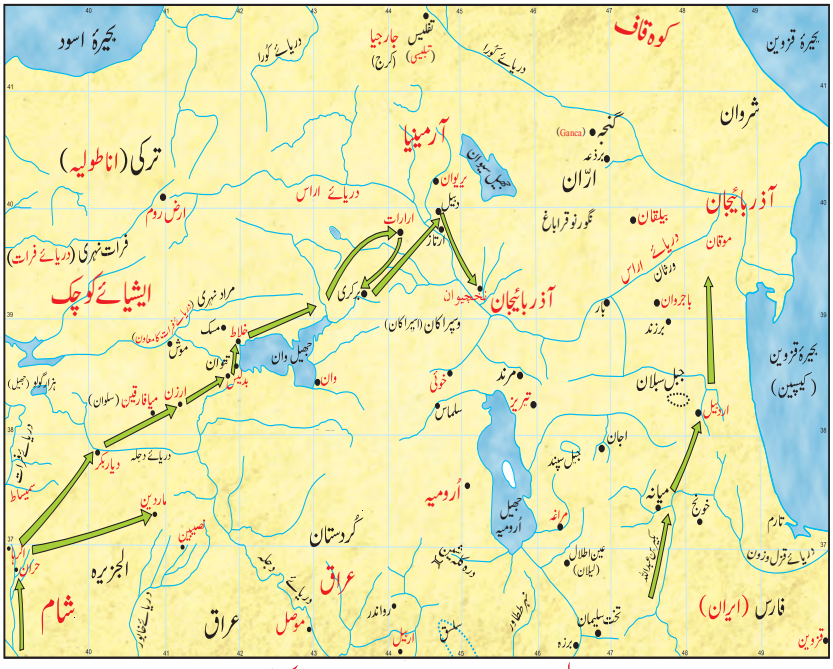

الجزیرہ سے آرمینیا اور فارس سے آذربائیجان کی فتوحات

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 163، و فتوح البلدان: 201، و الطبقات لابن سعد: 131/6، و الفتوح: 111/2.



③ سمندری فتوحات

اسلام کی ابتدائی فتوحات میں عربوں کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، لیکن سمندری سفر کے بارے میں وہ اپنی ہمسایہ اقوام ..... مثلاً ایرانیوں اور رومیوں ..... جیسا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی تھی کہ مسلمان سمندر پار کر کے رومیوں پر حملہ کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے سمندر اور اس کے سفر کی کیفیت دریافت فرمائی۔ انھوں نے کچھ اس انداز سے تفصیلی جواب دیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے خوف محسوس ہوا (کہ اس سے اسلامی لشکر خطرے میں پڑ سکتا ہے)، چنانچہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور کو سمندر کے راستے حملہ کرنے کی اجازت نہ دی۔

رومیوں نے سمندر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شام اور مصر میں اور بالخصوص ان کے ساحلی علاقوں میں مسلمانوں پر بار بار وار کرنے کی کوشش کی۔ وہ بحری جہازوں سے مسلمانوں پر حملہ کرتے اور پھر ساحل سے دور سمندر میں چلے جاتے تھے، چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے ضرورت محسوس کی کہ ان کا بھی ایک مضبوط بحری بیڑا ہونا چاہیے جو نہ صرف رومیوں کے حملوں سے مسلمانوں کی بحری سرحدوں کا دفاع کر سکے بلکہ بحیرۂ روم کے جزیروں میں نئی فتوحات بھی حاصل کر سکے۔ [1]

---

[1] فتوح البلدان: 158,157، و الکامل: 95/3، و البدایة والنهایة: 164/7.



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے شام اور مصر کے گورنروں نے اس مسئلے کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور دونوں علاقوں میں جہاز سازی کا کام شروع کر دیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے شام کے رومی اور مصر کے قبطی ماہر کاریگروں سے مدد لی اور اس کے عوض انھیں مال دینے کا وعدہ کیا۔ رومیوں نے مسلمانوں کا بحری بیڑا تیار کرنے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ انھوں نے کچھ تخریب کار بھیجے جو طرابلس (لبنان) اور اسکندریہ میں جہاز سازی کے کارخانوں میں گھس گئے۔ انھوں نے کارخانوں کے علاوہ ان میں موجود جہازوں کو بھی جلا دیا لیکن اس سے مسلمانوں کے اس عزم میں کوئی کمزوری نہیں آئی کہ وہ اپنا منصوبہ ضرور پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ آخر کار شام کے ساحل پر اور اسکندریہ میں مسلمانوں کے بحری جہاز تیار ہو گئے۔ اور ان سے اسلامی بحری بیڑے کی تشکیل ہوئی جو رومیوں کے بحری بیڑے جتنا بڑا تو نہیں تھا، تاہم وہ رومیوں کے جہازوں کے مقابلے میں اسلامی ساحلوں کے دفاع کا فریضہ بخوبی انجام دے سکتا تھا بلکہ سمندر میں نئی فتوحات بھی حاصل کر سکتا تھا۔[1]

---

[1] دیکھیے سید عبدالعزیز السالم اور ڈاکٹر احمد مختار عبادی کی تاریخ البحریة الإسلامیة في حوض البحر الأبیض المتوسط (بحیرۂ روم میں اسلامی بحری فوج کی تاریخ) جزء اول، (شام اور مصر میں اسلامی بحریہ)۔



شمالی قبرص میں قلعہ کرینیا

فتح قبرص (27ھ)

جب شام میں اسلامی بحری بیڑے نے اپنی تیاری مکمل کر لی تو شام کے گورنر سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے سے اتفاق کیا لیکن یہ شرط لگا دی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود بھی جہاد میں اہل وعیال سمیت شریک ہوں گے اور کسی مسلمان کو سمندر کے سفر پر مجبور نہیں کریں گے۔ اس جنگ میں جو مسلمان شریک ہوں گے، وہ اپنی مرضی اور اپنی خوشی سے شریک ہوں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ان احتیاطی اقدامات کی وجہ یہ تھی کہ سمندری سفر مسلمانوں کے لیے ایک نیا کام تھا۔ اکثر مسلمان اس نئے تجربے سے خائف تھے۔ خاص طور پر امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کو اس خطرے میں ڈالنے سے ڈرتے تھے۔ اس غزوے میں بہت سے مسلمان رضا کارانہ طور پر شریک ہوئے جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاصی تعداد میں شامل تھے جن میں نمایاں شخصیات یہ ہیں: سیدنا ابوذر غفاری، ابودرداء، شداد بن اوس، عبادہ بن صامت اور ان کی اہلیہ ام حرام بنت ملحان اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم۔ [1]

---

[1] فتوح البلدان: 159، و تاريخ خليفة بن خياط: 160، و تاريخ الطبري: 51/5.

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یہ بیڑا لے کر 27ھ میں شام کے ساحل سے روانہ ہوئے اور مسلمانوں کو لے کر قبرص پہنچ گئے۔ وہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ مسلمانوں نے اس سے اتفاق کیا اور یہ شرط لگا دی کہ وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف رومیوں کی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن انھوں نے رومیوں کی مدد کی اور انھیں مسلمانوں کے کمزور مقامات سے آگاہ کیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 33ھ میں ایک زیادہ بڑا بحری بیڑا لے کر ان پر دوبارہ حملہ کیا اور جنگ کر کے قبرص کو دوبارہ فتح کر لیا۔ [1]

---

[1] فتوح البلدان: 158، و تاريخ الطبري: 53/5، و تاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين): 415.



عکا اور اسکندریہ سے فتح قبرص (33ھ / 653ء)

معرکہ ذات الصواری (31ھ)[1]

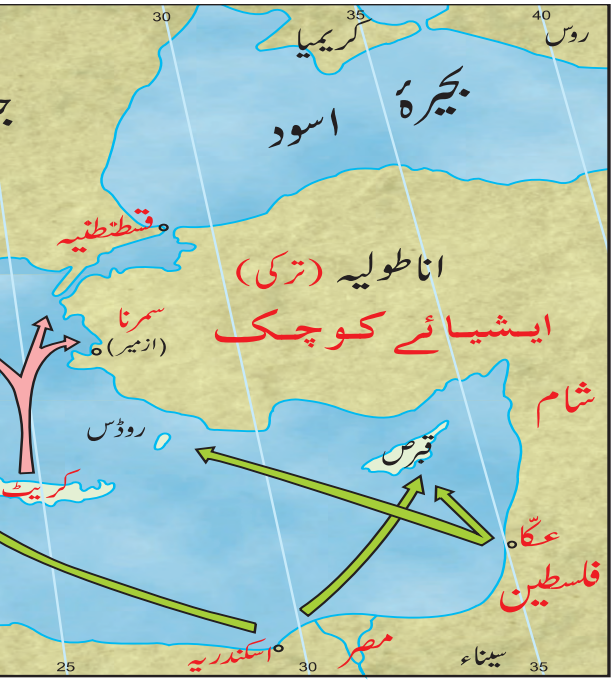

رومیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مسلسل شکست ہو رہی تھی اور ان کا بہت نقصان ہو رہا تھا، اس لیے انھوں نے اس کا بدلہ لینے کی کوشش کی۔ انھوں نے ایک بہت بڑی بحری فوج تیار کی جو پانچ سو سے زیادہ جہازوں پر مشتمل تھی اور اسکندریہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا، پھر وہ اپنا عظیم بحری بیڑا لے کر روانہ ہوئے۔ اس کی قیادت ہرقل کا جانشین بیٹا قسطنطین کر رہا تھا۔ وہ اب رومیوں کا بادشاہ تھا۔ اس بحری بیڑے کی روانگی کی خبر مسلمانوں کو مل گئی تھی۔ ادھر مسلمانوں کا بحری بیڑا اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ شامی بیڑا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی قیادت میں اور مصری بیڑا سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ دونوں بحری فوجوں کا مقابلہ بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) کے اس علاقے میں ہوا جو اسکندریہ کے شمال میں اور شام کے مغرب میں ہے۔ مسلمانوں کے جہازوں کی تعداد دو سو کے قریب تھی۔ یہ تعداد رومی بیڑے کے مقابلے میں بہت کم تھی کیونکہ ان کے بیڑے میں پانچ سو سے زیادہ جہاز شامل تھے۔ متحدہ اسلامی بیڑے کی قیادت مصر کے گورنر سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ جنگ کی ابتدا فریقین کے درمیان تیراندازی سے ہوئی۔ دریں اثنا پتھر پھینکے گئے۔ اس کے بعد مسلمان اپنے جہاز دشمن کے جہازوں سے باندھنے میں کامیاب ہوگئے اور رومیوں سے تلواروں اور خنجروں کے ساتھ دست بدست جنگ شروع ہوگئی۔ جنگ انتہائی شدید تھی۔ دونوں طرف سے ہزاروں لاشیں گریں۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس

---

[1] المنجد فی الاعلام (عنوان ''لیقیا'') کے مطابق ذات الصواری کی بحری جنگ 655ء (35ھ) میں لڑی گئی جبکہ اطلس الفتوحات الاسلامیہ میں لکھا ہے: ''34ھ/ 654ء میں ساحلِ لیکیا (جنوبی ترکی) کے پاس ذات الصواری نامی بحری جنگ ہوئی۔'' (''قسطنطنیہ کی بحری مہم''، اٹلس فتوحات اسلامیہ: 275) (م ف)

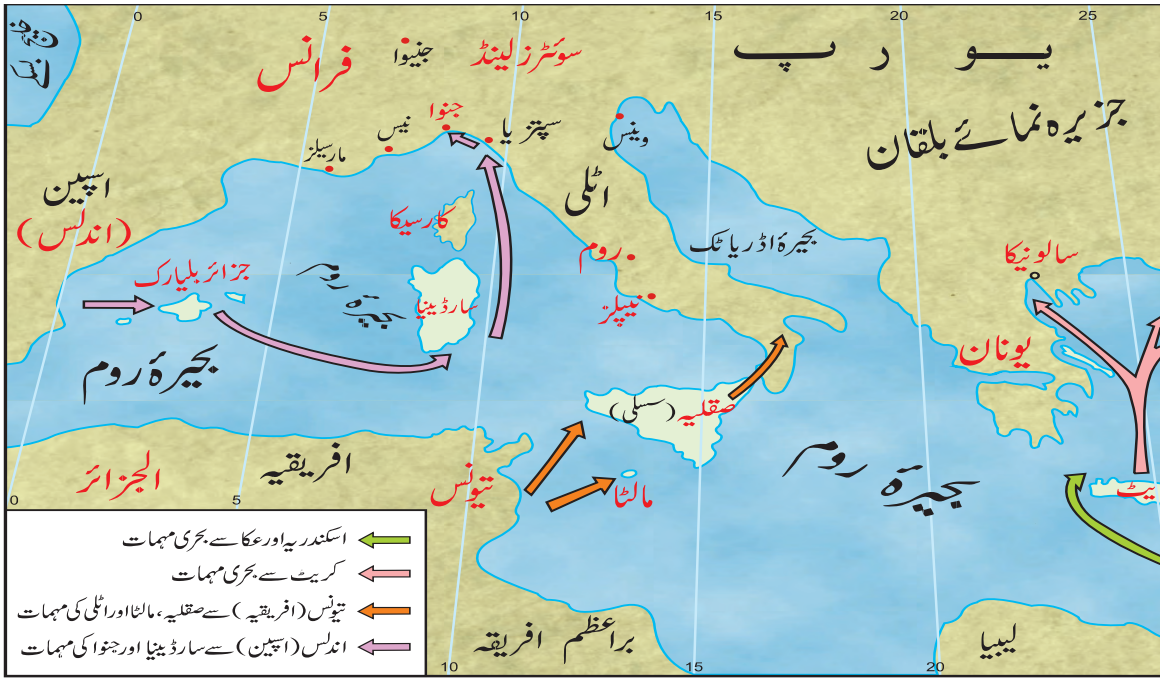

بحیرۂ روم کی جہادی مہمّات

دوران میں رومیوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں کے سالار سیدنا عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے جہاز کو آنکڑوں اور زنجیروں کے ذریعے سے قابو کر کے اس پر قبضہ کر لیں۔ لیکن ایک بہادر مسلمان نے زنجیر کاٹ دی اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ دشمن کے قابو میں آنے سے بچ گئے۔ جنگ زوروں سے ہوتی رہی۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ [1] رومیوں کا بادشاہ جو اس جنگ میں ان کا سپہ سالار تھا، زخمی ہو گیا۔ اس نے اپنے لشکر کے دوسرے بھگوڑوں کے ہمراہ جزیرہ صقلیہ (سسلی) میں پناہ لے لی۔ وہاں اس کے اپنے رومی فوجیوں نے اسے قتل کر دیا کیونکہ وہ اسے شکست کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ [2]

اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح خشکی پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، اسی طرح سمندروں پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا اور بحیرۂ روم مسلمانوں کا سمندر بن گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو غنیمت میں جو بحری جہاز ملے، ان سے اسلامی بیڑے کو مزید قوت حاصل ہو گئی۔ اس کے بعد رومیوں کے وہ سمندری حملے کم ہو گئے جو مصر اور شام کے اسلامی ساحلوں کے لیے خطرہ بنے رہتے تھے۔

---

[1] تاريخ الطبري: 70/5، و الكامل: 153/3-157، و البداية والنهاية: 258/7. [2] الكامل: 119/3.

③ مشرقی فتوحات اور سلطنت فارس کا خاتمہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مشرق کی طرف فتوحات کے لیے اسلامی افواج کوفہ اور بصرہ سے روانہ ہوتی تھیں۔ ان دونوں صوبوں کی الگ الگ فوج تھی جن کا اپنا اپنا سالار تھا۔ کوفہ سے فوجیں شمال اور مشرق کی طرف گئیں۔ ان کا مقصد گزشتہ فتوحات کو مستحکم کرنا، مفتوحہ علاقوں کے باغیوں، معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والوں اور صلح کے معاہدے توڑنے والوں کو سزا دینا یا نئے علاقے فتح کرنا تھا، چنانچہ سیدنا ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان، آرمینیا اور دیلم سے جنگ کی حتی کہ بحیرۂ قزوین (Caspian Sea) تک پہنچ گئے۔ [1]

جب سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا گیا تو کوفہ والوں نے سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں خراسان پر حملہ کیا۔ اس جنگ میں ان کے ساتھ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے جن میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے علاوہ سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔ کوفہ کا لشکر خراسان سے جرجان کی طرف گیا اور وہاں کے باشندوں پر جزیہ نافذ کیا۔ اس کے علاوہ لشکر کا ایک حصہ طبرستان پہنچا اور انھیں بغاوت کی سزا دی۔ بصرہ سے اسلامی لشکر مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے کمانڈر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے ہمدان اور رَے کے علاقے فتح کیے جنھوں نے عہد شکنی کی تھی۔ وہ باغی علاقوں کو دوبارہ مطیع کرتے ہوئے سابور تک جا پہنچے۔ [2]

29ھ میں امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان شخصیت سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا۔ شاہ یزدگرد کے بہکانے سے ایران کے اکثر علاقے مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدے توڑ کر بغاوت پر اُتر آئے تھے۔ وہ فارس کے مشرقی علاقوں میں دورے کرتا پھرتا تھا اور انھیں بغاوت پر اکساتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بصرہ سے متعدد لشکر روانہ کیے جن میں سے بعض کی قیادت انھوں نے خود کی۔ اس طرح جن علاقوں میں لوگوں نے عہد شکنی کی تھی، وہ دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگے۔ وہ ان کے بادشاہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگنے پر مجبور کرتے رہے۔ مسلمانوں

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 158-160، و فتوح البلدان: 318، و تاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين): 324.

[2] تاريخ خليفة بن خياط: 161-165، و تاريخ الإسلام (عهد الخلفاء الراشدين): 326.

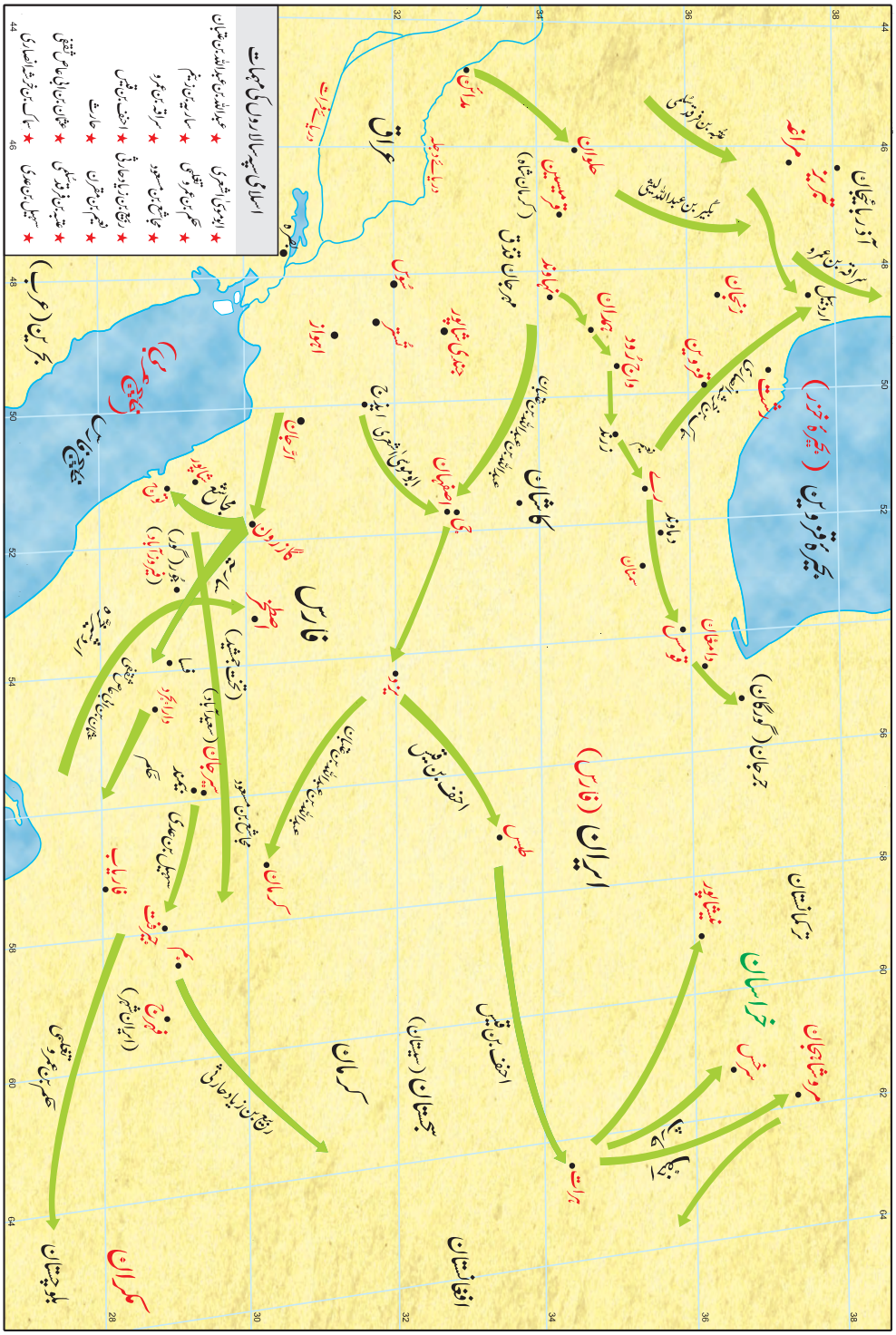

فارس، کرمان، سجستان ومکران اور خراسان کی فتوحات

نے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں 31ھ میں مرو، سرخس اور کابل پر قبضہ کرلیا، نیز کرمان اور سجستان کو دوبارہ فتح کرلیا۔ خود سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے خراسان فتح کرلیا اور ان علاقوں پر اپنے گورنر مقرر کر دیے، پھر ایک شدید جنگ کے بعد نیشاپور فتح ہوگیا اور وہاں کے باشندوں نے جزیہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس دوران میں آپ رضی اللہ عنہ نے نافرمانوں کی سرکوبی کی اور انھیں دوبارہ اسلامی سلطنت کے تابع کر دیا۔ [1]

31ھ میں سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ کو بلخ کی طرف روانہ کیا۔ وہ متعدد معرکوں کے بعد اسے فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے اور اپنا لشکر لے کر مشرق کی طرف بڑھے حتی کہ دریائے جیحون پر واقع شہر خوارزم تک پہنچ گئے، البتہ اسے فتح نہ کر سکے۔ [2]

ان فتوحات کی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے بغاوتیں فرو کر دینے کے نتیجے میں ایران کا آخری بادشاہ یزدگرد [3] پریشان حالی میں کبھی کہیں، کبھی کہیں بھاگتا پھرا۔ آخر کسی ایرانی نے اس سے جان چھڑانے کے لیے اسے قتل کر دیا۔ [4]

آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم کی موت سے فارسی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا جو ایک طویل عرصے تک اسلام کے پھیلاؤ میں رکاوٹ بنی رہی تھی۔ اہلِ فارس مفتوحہ علاقے مسلمانوں سے واپس لینے سے مایوس ہوگئے۔ ان کا کوئی نظامِ حکومت قائم نہ رہا جو اس مقصد کے لیے کارروائی کر سکتا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سب سے زیادہ توجہ پہلے سے فتح کیے ہوئے علاقوں کی حفاظت پر مبذول رہی۔ یہ ایک مشکل مہم تھی کیونکہ مسلمانوں کو اپنے مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے بہت سی جنگیں لڑنا پڑیں، خاص طور پر فارس کے علاقوں میں۔ اس کے علاوہ انھوں نے مصر میں، شام کے ساحلوں پر اور سمندر میں مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے رومیوں سے جنگیں کیں۔ علاوہ ازیں انھوں نے متعدد نئے علاقے فتح کیے، بالخصوص خراسان، افغانستان، آرمینیا، قبرص اور شمالی افریقہ اور نوبہ کے علاقوں میں فتوحات حاصل ہوئیں۔

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 163، و فتوح البلدان: 395. [2] تاريخ خليفة بن خياط: 166، و تاريخ يعقوبي: 167,166.

[3] شاہ یزدگرد پہلے ترکوں سے مدد لے کر مرورُود کے پاس ایک معرکے میں مسلمانوں سے شکست کھا چکا تھا، پھر مرو شاہجان (موجودہ ماری، ترکمانستان) میں سیدنا احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے شکست کھا کر وہ ترکوں کے پاس فرغانہ (ازبکستان) چلا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد یزدگرد دوبارہ مرورُود (مغربی افغانستان) کے قریب پہنچا مگر ایک پن چکی والے (ایرانی) کے ہاتھوں مارا گیا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 150)

[4] فتوح البلدان: 311-313، و تاريخ الطبري: 71/5، و البداية والنهاية: 158/7.

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتوحات

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت پر فائز ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا عرصہ چار سال سے چند مہینے زیادہ ہے، البتہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی سلطنت کے مختلف حصوں میں برپا ہونے والے فتنوں کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ تقریباً منقطع رہا۔ اس کے باوجود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے لیے بہت جدوجہد کی، بالخصوص فارس کے علاقے میں جہاں کے باشندوں نے کئی دفعہ بغاوت کی کوشش کی لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے کمانڈروں نے باغیوں کی سرکوبی کر دی اور ان علاقوں کو اسلامی سلطنت سے نکلنے نہ دیا۔ علاوہ ازیں ان کے دور میں مجاہدین کے رضا کار لشکر سندھ کے قریب پہنچے اور بعض علاقے فتح بھی کیے، البتہ دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے مفتوحہ علاقے اسلامی سلطنت میں پوری طرح شامل نہ ہو سکے۔



باب 3

بنوامیہ کا دورِ حکومت



بنوامیہ کا دورِ حکومت

(41ھ تا 132ھ)

بنوامیہ کے دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات

بنوامیہ کی حکومت کا تبِ وحی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے منصب خلافت پر متمکن ہونے سے شروع ہوئی اور 132ھ میں ختم ہوگئی۔ اس دوران میں وہ قوت اور کمزوری کے مختلف مراحل سے گزری۔ اس حکومت کے دورِ عروج میں عظیم فتوحات ہوئیں اور وسیع علاقے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے۔ انھیں اسلامی تاریخ کی اہم فتوحات شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں بہت سے علاقے ایسے تھے جہاں اسلام پہلی بار پہنچا۔ ان میں سے چند اہم فتوحات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

① رومی سلطنت میں اموی فتوحات

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کی ابتدائی فتوحات میں شریک تھے، لہٰذا انھیں رومیوں سے جنگ کا تجربہ حاصل تھا، چنانچہ جب انھیں خلافت ملی تو انھوں نے رومی سرحدوں پر حملے جاری رکھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے گرمائی لشکر اور سرمائی لشکر تیار کر رکھے تھے جو موسم گرما اور موسم سرما میں رومیوں پر حملے کرتے اور ان کے علاقوں میں جہادی کارروائیاں کرتے تھے۔[1] یہ حملے اس لحاظ

---

[1] تاریخ خلیفة بن خیاط: 208، و فتوح البلدان: 189، و تاریخ الطبري: 130/5، و سیر أعلام النبلاء: 151/3، اس کے متعلق مزید دیکھیے: کورکیس عواد کی مصادر اتراث العسکری عندالعرب. اس نے بیان کیا ہے کہ ہیثم بن عدی (متوفی 207ھ) نے گرمائی لشکروں کے بارے میں ایک کتاب لکھی تھی۔



سے کامیاب رہے کہ ان کی وجہ سے رومی اطمینان سے نہ بیٹھ سکے اور مسلسل کمزور ہوتے چلے گئے۔ مسلمانوں کی قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کی متعدد کوششوں کے بعد آخر کار 857ھ/1453ء میں رومی سلطنت عثمانی سلطان محمد ثانی کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے 48ھ میں ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں بری فوج کے علاوہ بحری فوج بھی شامل تھی۔ اس لشکر میں متعدد صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) بھی شامل ہوئے جن میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اس لشکر کے کمانڈر حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ لشکر ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) میں طوروس کا پہاڑی سلسلہ عبور کرنے میں کامیاب رہا اور بہت سی مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے قسطنطنیہ کی فصیلوں تک پہنچ گیا۔ وہاں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے جن میں رومیوں نے اپنے دارالحکومت کے دفاع کے لیے سردھڑ کی بازی لگا دی۔ کئی وجوہات کی بنا پر مسلمان شہر میں داخل نہ ہو سکے، مثلاً یہ کہ سردی شدید تھی، محاصرہ طویل ہوگیا تھا، علاوہ ازیں قسطنطنیہ کی دیواریں اور قلعے بہت مضبوط تھے، اس کے علاوہ رومیوں نے ''گریک فائر'' (بعض جگہ زمین سے رسنے والا نفت یا پٹرولیم تیروں پر لگا کر پھینکتے تھے۔ یہ جلتے ہوئے تیر جس چیز کو لگتے، اس میں آگ بھڑک اٹھتی تھی) کا ہتھیار استعمال کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے جہاز جل گئے، چنانچہ مجبوراً مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ محاصرے کے دوران میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وفات پا گئے،



عہد بنی امیہ میں فتوحات اسلامیہ کی وسعت (ماوراء النہر سے فرانس تک)

انھیں قسطنطنیہ کے قریب دفن کیا گیا۔[1] یہ حملہ مسلمانوں کی طرف سے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی پہلی کوشش تھی۔[2] اس کے بعد دوسری کوشش سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 54ھ میں ہوئی۔ اس وقت شام سے

---

[1] تاریخ الطبري: 130/5، و الکامل: 458/3، و البدایة والنهایة: 32/8، (بعض مصنّفین نے اسے 49ھ کا واقعہ بیان کیا۔) [2] 43ھ/ 663ء کی سردیوں میں بسر بن ارطاۃ کی قیادت میں (پہلا) غزوۂ قسطنطنیہ لڑا گیا، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 49ھ/ 669ء میں سفیان بن عوف کی قیادت میں ایک بحری مہم بھیجی۔ مسلمان قسطنطنیہ کی بندرگاہ تک جا پہنچے۔ اسی جنگ میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فصیلِ قسطنطنیہ کے نیچے جامِ شہادت نوش کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ (اٹلس فتوحاتِ اسلامیہ: 275)



قدیم قسطنطنیہ کا ایک منظر

بری اور بحری فوجیں روانہ ہوئیں اور قسطنطنیہ کے قریب کچھ شہروں اور جزیروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئیں، پھر انھیں جنگی مراکز بنا کر وہاں سے قسطنطنیہ پر حملوں کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ انھوں نے شہر کا محاصرہ کیا، لیکن یہ محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قسطنطنیہ کا جغرافیائی محل وقوع اسے ایک فطری حفاظت مہیا کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کا مکمل محاصرہ ممکن نہیں تھا، کیونکہ شہر کئی سمتوں سے سمندر کی وجہ سے محفوظ تھا۔ اسلامی لشکر 53ھ سے 60ھ تک اس کے قریب جنگی پوزیشن میں ٹھہرا رہا لیکن وہ اسے فتح نہ کر سکا۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید کے حکم سے یہ لشکر واپس آ گیا۔

مسلمانوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں 52ھ میں جزیرہ ''روڈس'' فتح کر لیا تھا اور وہاں کچھ مسلمانوں نے رہائش اختیار کر لی تھی۔ وہ رومیوں کے جہازوں کی نقل و حرکت میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔ انھیں مسلمانوں کے علاقوں اور باشندوں پر حملہ کرنے سے باز رکھتے تھے۔ [1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بنوامیہ کی سلطنت میں حالات خراب ہوگئے۔ اس طرح مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان تعلقات بھی متاثر ہوئے اور ان پر مسلمانوں کے حملوں میں کمی آ گئی۔ جب 73ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں حالات پرسکون ہوئے تو اس نے ایشیائے کوچک میں گرمائی اور سرمائی لشکر بھیجنے شروع کر دیے۔ اس نے رومیوں پر اس کثرت سے حملے کیے کہ ان کی قوت کمزور ہوگئی۔ مسلمانوں نے محمد بن مروان اور مسلمہ بن عبدالملک کی قیادت میں کارروائیاں کر کے رومیوں کے قلعے تباہ کر دیے اور ان کی حفاظتی تعمیرات ملیامیٹ کر دیں جو شام کے قریب تھیں تاکہ مسلمانوں کے لیے

---

[1] مسلمان سات آٹھ سال جزیرہ روڈس (Rhodes) کے ایک قلعے میں مقیم رہے۔ یزید خلیفہ بنا تو اُس نے سیدنا جنادہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قلعہ مسمار کر کے واپس چلے آئیں جیسے انھوں نے قبرص میں کیا تھا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، دارالسلام: 280)

ایشیائے کوچک پر حملہ کرنا آسان ہو جائے۔

عبدالملک بن مروان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک نے رومیوں پر حملے جاری رکھے۔ اور مسلمانوں نے طرسوس، ہرقلہ اور عموریہ پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح قسطنطنیہ کی فتح کی راہ ہموار ہوگئی۔

اس دوران میں ولید بن عبدالملک، رومیوں کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لیے بری اور بحری فوجیں تیار کرتا رہا لیکن یہ منصوبہ مکمل ہونے سے پہلے وہ فوت ہوگیا۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے اس منصوبے پر کام جاری رکھا۔ اس نے 98ھ میں قسطنطنیہ کی طرف بحری اور بری افواج روانہ کیں۔ ان افواج کی قیادت مسلمہ بن عبدالملک کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لشکر قسطنطنیہ کی دیواروں تک جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ لشکر کو بہت صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اس سال سردی بہت شدید تھی جس کی وجہ سے غذائی اشیاء کی قلت ہوگئی تھی۔ یہ محاصرہ جاری تھا کہ سلیمان بن عبدالملک کی وفات ہوگئی اور جناب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بن گئے۔ انھوں نے ملکی پالیسی تبدیل کر دی اور قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے والی افواج کو واپس آنے کا حکم دے دیا۔ انھوں نے نئے علاقے فتح کرنے کے بجائے مفتوحہ علاقوں اور اسلامی سلطنت کی اطاعت قبول کرنے والے علاقوں میں اسلام کی نشر و اشاعت پر زیادہ محنت کی۔[1] اس میں شک نہیں کہ قسطنطنیہ پر بنوامیہ کے حملوں کے نتیجے میں وہ شہر فتح نہیں ہوسکا، تاہم اس سے مسلمانوں کی قوت ظاہر ہوگئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ وہ ایشیائے کوچک اور دیگر علاقوں میں رومیوں کے دفاع کو زیر و زبر کر سکتے ہیں۔

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 320، و تاريخ الطبري: 130/8، و الكامل: 43/5، و البداية والنهاية: 184/9.



جزیرہ روڈس میں ایکروپولس آف لنڈوس کے آثار

② مشرقی علاقوں میں اموی فتوحات

امویوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں اور بعد کے ادوار میں مشرقی علاقوں میں عظیم فتوحات حاصل کیں۔ پہلے سے فتح شدہ جن علاقوں میں بغاوت کی کوششیں ہوئی تھی، وہاں اسلام کے قدم مضبوط کرنے کے لیے انھوں نے بہت محنت کی۔ ان میں اہم ترین فتوحات وہ ہیں جو عراق کے گورنروں نے فارس، خراسان اور سجستان میں حاصل کیں۔ یہاں کے لوگوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان میں پہلی مہم وہ تھی جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ، بصرہ کے گورنر سیدنا عبداللہ بن عامر بن کریز رضی اللہ عنہ نے 41ھ میں روانہ کی۔ اس کے نتیجے میں متعدد علاقے فتح ہوئے یا ان پر مسلمانوں کی عملداری بحال ہوئی۔ ان میں مشہور شہر ہرات، کابل، غزنی، بلخ اور قندھار تھے جو موجودہ افغانستان میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے عراق سے ہزاروں مسلمان خاندان ان شہروں میں منتقل کر دیے تاکہ ماوراء النہر کے علاقے فتح کرنے کی تیاری ہو سکے۔ [1]

اس کے علاوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ربیع بن زیاد حارثی کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ انھیں ماوراء النہر، یعنی دریائے جیحون کے پار کے علاقوں پر حملہ کرنے کی ہدایت کی۔ یہ علاقہ کئی صوبوں اور بہت سے شہروں پر مشتمل تھا اور وہاں اسلحہ بھی بہت تھا۔ مسلمانوں نے دریائے جیحون (آمودریا) کو پار کیا اور اس کے کئی شہر

---

[1] فتوح البلدان: 388-398.



جنوبی خراسان (ایران) میں قلعہ فرج کی باقیات

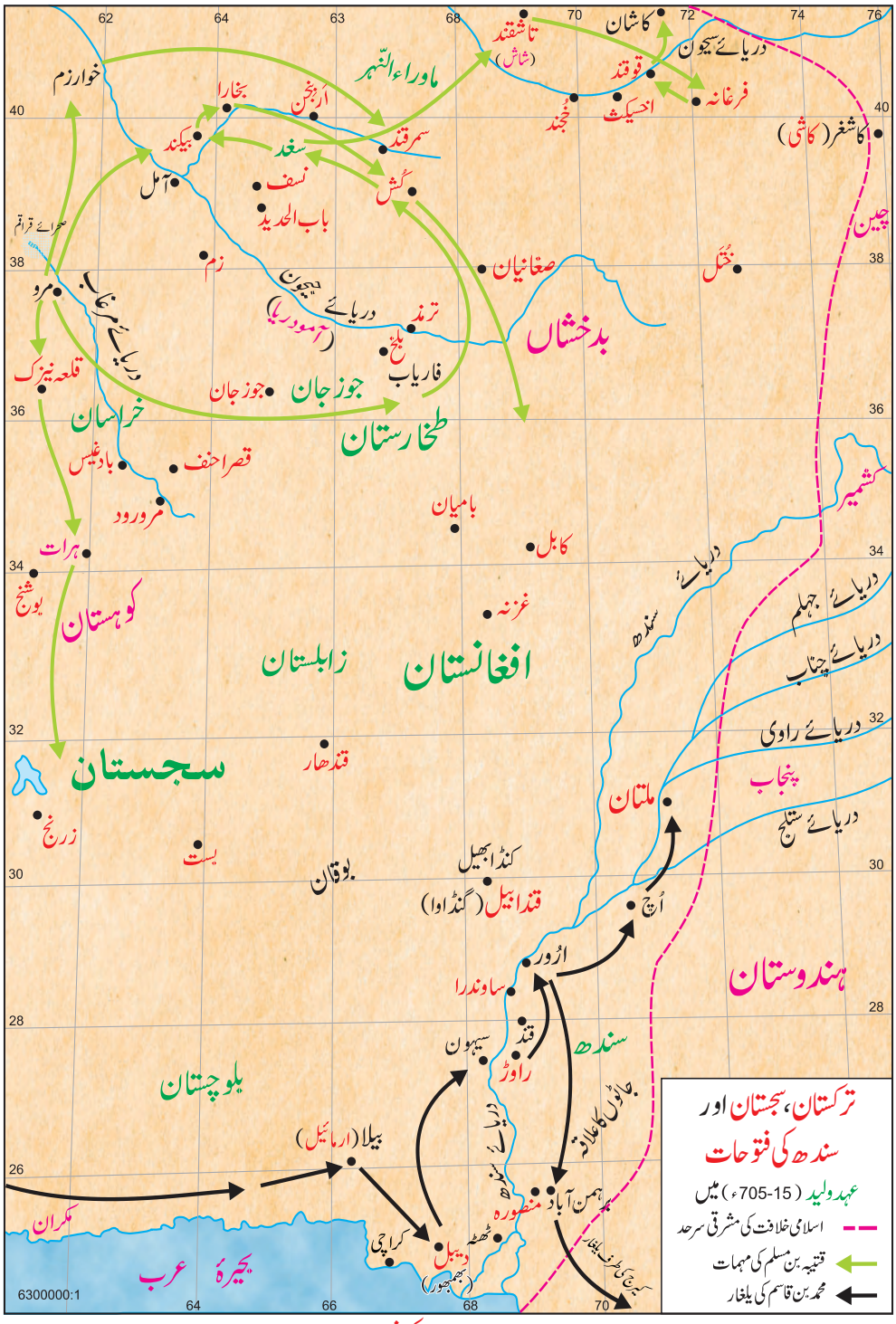

سندھ اور وسط ایشیا کی فتوحات


قدیم قلعہ ہرات (افغانستان)

فتح کر لیے جن میں ترمذ، بخارا اور بیکند بھی شامل تھے۔[1] یہ فتوحات 54ھ میں ہوئیں۔[2]

اس کے بعد خراسان کی حکومت سیدنا سعید بن عثمان رضی اللہ عنہما بن عفان کو ملی۔ انھوں نے سمرقند فتح کیا۔ اس کے علاوہ بخارا اور ترمذ کی بغاوتوں کو ختم کر کے انھیں دوبارہ فتح کر لیا اور وہاں کے باشندوں پر جزیہ عائد کیا۔

مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے جنوب کے علاقے فتح کیے حتی کہ مسلمان ہندوستان تک پہنچ گئے۔ انھوں نے (ہندو) مشرکین سے جنگیں کیں اور بہت سی غنیمت حاصل کی۔[3]

عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں ماوراء النہر میں جو فتوحات ہوئیں، ان کی قیادت ''مہلب بن ابی صفرہ'' کے ہاتھ میں تھی۔[4] انھوں نے ان علاقوں میں مسلمانوں کے قدم مضبوط کرنے کے لیے اور خوارج کی سرکوبی کے لیے اقدامات کیے۔[5]

ولید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی نے 86ھ میں قتیبہ بن مسلم باہلی

---

[1] سیدنا سعید بن عثمان رضی اللہ عنہ کی قیادت میں باب الحدید اور ترمذ فتح ہوئے جبکہ سالم بن زیاد نے بخارا اور سمرقند فتح کیے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، احمد عادل کمال (دارالسلام): 161) [2] فتوح البلدان: 401، و تاريخ الطبري: 167/5، و الكامل: 499/3.
[3] تاريخ خليفة بن خياط: 206. [4] مہلب بن ابی صفرہ کو 78ھ میں والیٔ عراق حجاج بن یوسف ثقفی نے گورنر خراسان مقرر کیا۔ مہلب نے ماوراء النہر میں صغد (جنوبی ازبکستان) کے شہر کش (موجودہ شہر سبز) پر قبضہ کر لیا۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 161، 162)
[5] تاريخ خليفة بن خياط: 279، 288، 295، و الكامل: 453/4۔

کو خراسان کا گورنر مقرر کیا، چنانچہ ماوراء النہر میں اسلامی فتوحات میں ایک نیا رنگ جھلکنے لگا جس میں قتیبہ اور اس کی فوجوں کا تبلیغ اسلام کا جذبہ اور ان علاقوں میں اسلامی سلطنت کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے مخلصانہ جہاد ایک محرک کا کام کر رہا تھا۔ قتیبہ اور اس کی فوجوں نے سب سے پہلے بلخ کا شہر فتح کیا جو صغد اور چین جانے والے راستوں کے سنگم پر واقع تھا۔ وہ اس سے آگے بڑھے اور دریائے جیحون پار کر لیا۔ علاقے کے اکثر قبائل نے اس کی اطاعت قبول کر لی۔ اسی طرح وہ 87ھ میں بیکند پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بخارا کے راستے میں یہ ایک اہم شہر تھا۔ انھوں نے کچھ اور شہر بھی فتح کیے۔ اگرچہ ترکمان قبائل نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، تاہم قتیبہ نے 90ھ میں بخارا کا شہر فتح کر لیا۔ وہاں کا بادشاہ شہر سے بھاگ گیا۔ [1]

93ھ میں قتیبہ نے خوارزم کے علاقے پر حملہ کیا۔ یہ شہر اس جگہ کے قریب ہے جہاں دریائے جیحون بحیرۂ خوارزم میں گرتا ہے۔ انھوں نے یہ علاقہ بنوامیہ کی عملداری میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد قتیبہ نے سمرقند پر حملہ کیا۔ ان لوگوں نے بغاوت کر دی تھی۔ اب انھوں نے صلح کرنے اور جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کی لیکن قتیبہ نے یہ پیشکش قبول کرنے کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ اپنے شہر میں ایک مسجد تعمیر ہونے دیں، پھر اس کی

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 303,302، و تاريخ الطبري: 68/8، و الكامل: 542/4.



کلاں مینار (بخارا) میں مدرسہ پوئی کلاں

حفاظت کا وعدہ کریں اور جو لوگ اسلام قبول کریں، انھیں پریشان نہ کریں۔ قتیبہ سمرقند میں داخل ہو گئے اور بہت سے مسلمان خاندان وہاں آباد کیے جو اس علاقے میں اسلام پھیلانے میں بہت مددگار ثابت ہوئے۔ [1]

94ھ میں قتیبہ رحمہ اللہ نے شاش اور فرغانہ پر حملہ کیا اور کئی شہر فتح کر لیے حتی کہ 96ھ میں وہ چین کی سرحد پر پہنچ گئے۔ انھوں نے شاہِ چین سے سفیروں کے ذریعے سے مذاکرات کیے۔ شاہِ چین نے قتیبہ کے سفیروں سے کہا: ''اپنے کمانڈر سے جا کر کہو کہ وہ واپس چلا جائے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے ساتھ بہت کم افراد ہیں۔ ورنہ میں تمھاری طرف وہ لوگ بھیجوں گا جو تمھیں بھی تباہ کر دیں گے اور تمھارے کمانڈر کو بھی۔'' قتیبہ کے سفیروں نے کہا: ''وہ لوگ تعداد میں کم کس طرح سمجھے جا سکتے ہیں جن کے لشکر کے اگلے گھوڑے تمھارے پاس پہنچ جائیں اور پچھلے ابھی اس علاقے میں ہوں جہاں زیتون کے درخت اگتے ہیں؟ اس کے علاوہ ہماری موت کا وقت مقرر ہے، پھر جب وہ وقت آجائے اور ہمیں شہادت کا شرف حاصل ہو جائے تو ہم ایسی موت کو ناپسند نہیں کرتے، نہ اس سے ڈرتے ہیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''اب تم کس طرح خوش ہو سکتے ہو؟'' قتیبہ کے سفیر نے کہا: ''ہمارے کمانڈر نے قسم کھائی ہے کہ وہ واپس نہیں جائے گا حتی کہ تمھاری زمین کو روندے، تمھارے بادشاہوں پر (غلامی کی) مہر لگائے اور تم سے جزیہ وصول کرے۔'' اس نے کہا: ''ہم اس کی قسم پوری کر دیتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ہم اپنے ملک کی مٹی بھیج دیتے ہیں، وہ اسے روند لے اور ہم اپنے کچھ بیٹے بھیج دیتے ہیں، وہ ان پر مہر لگا لے اور جتنا جزیہ وہ چاہتا ہے، ہم بھیج دیتے ہیں۔'' پھر شاہِ چین نے قتیبہ کو کچھ تحفے اور جزیہ کی رقم بھیج دی، نیز سونے کے برتن بھیجے جن میں چین کی مٹی تھی اور شہزادوں میں سے چار لڑکے بھیج دیے۔ قتیبہ نے تحفے قبول کیے، جزیہ وصول کیا، مٹی پر قدم رکھے اور شہزادوں پر مہر لگائی، پھر خراسان واپس چلے گئے۔ [2]

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماوراء النہر کے اصل فاتح قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ تھے۔ انھوں نے اموی سلطنت کے اقتدار کو چین کی سرحدوں تک وسعت دے دی۔ ان علاقوں میں اسلام کی ترویج میں آپ رحمہ اللہ کا بہت بڑا کردار ہے۔ انھوں نے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اسلام قبول کریں۔ انھوں نے مشرق میں مساجد کی کثرت سے تعمیر کی اور علماء کو وہاں بھیجنے پر خصوصی توجہ دی حتی کہ اس علاقے کے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے اور ان میں بڑے عظیم علماء پیدا ہوئے۔

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 305، و تاريخ الطبري: 83/8، و الكامل: 570/4-575. [2] فتوح البلدان: 392,391، و تاريخ الطبري: 100/8، و الكامل: 5/5، و البداية والنهاية: 140/9.



③ سندھ کی فتوحات

سندھ کے ملک میں فتوحات کی ابتدا سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں ہوئی، جب 44ھ میں مہلب بن ابی صفرہ کی قیادت میں بصرہ کی بعض افواج نے سندھ کے سرحدی علاقوں میں کارروائی کی اور مکران فتح کر لیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے سجستان کی طرف سے دریائے سندھ کے طاس کے بعض علاقوں پر حملہ کیا اور کش اور قصدار [1] وغیرہ بعض مقامات فتح کیے۔ [2] لیکن یہ علاقے اس وقت انتظامی طور پر باقاعدہ اموی سلطنت میں شامل نہیں کیے گئے۔

محمد بن قاسم رحمہ اللہ کا نام سندھ کی فتح کے ساتھ لازم وملزوم ہوگیا کیونکہ اس علاقے کے پہلے حقیقی فاتح وہی ہیں۔ اس وقت یہ علاقہ اسلامی سلطنت کے باغیوں کا گڑھ بن چکا تھا اور یہ لوگ سمندر میں آنے جانے والے مسلمانوں کے جہازوں پر اکثر اوقات حملہ کر دیتے تھے۔ اس وجہ سے حجاج بن یوسف کو جو خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا، دربارِ خلافت سے اس علاقے کو فتح کرنے کی اجازت اصرار

---

[1] کش اور قصدار بلوچستان میں ہے۔ علاقہ کش دراصل ''کچھی'' ہے اور قصدار اصل میں شہر ''خضدار'' ہے۔ (م ف) [2] تاریخ خلیفة بن خیاط: 206، و فتوح البلدان: 421، و الکامل: 446/4.



مکران کوسٹل ہائی وے پر پہاڑی منظر

کے ساتھ طلب کرنا پڑی۔ اجازت ملنے پر حجاج نے ایک بڑا لشکر تیار کیا جو بیس ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا۔ اس لشکر کی قیادت کے لیے اس نے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا جس کی عمر اس وقت سترہ برس تھی۔ [1]

91ھ میں لشکر فارس (شیراز) کے علاقے سے ساحل کے راستے روانہ ہوا۔ اسی وقت بصرہ سے بحری جہازوں نے فوج اور سامان لے کر سفر شروع کر دیا۔ جب بری اور بحری افواج دیبل میں جمع ہوچکیں تو محمد بن قاسم نے اس کی فصیلوں کے اردگرد فوج متعین کر کے اس کا محاصرہ کر لیا، پھر اس پر منجنیقوں سے سنگ باری کی جس سے اس کی فصیل بے کار ہوگئی۔ اس میں موجود بدھ مت کی عبادت گاہ منہدم ہوگئی، چنانچہ وہ

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 304، و فتوح البلدان: 424، و تاريخ الطبري: 68/8، و الكامل: 536/4.



مسجد محمد بن قاسم (سندھ) کے آثار

فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہوگئے۔ وہاں کا حاکم فرار ہوگیا۔ مسلمانوں نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم سندھ میں شمال کی طرف بڑھے اور متعدد مقامات فتح کر لیے، پھر دریائے سندھ کے قریب سندھ کے حکمران راجہ داہر اور محمد بن قاسم کی افواج کے درمیان ایک سخت معرکہ برپا ہوا جس میں راجہ داہر مارا گیا اور اس کا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ [1]

مسلمان سندھ کے علاقے فتح کرتے کرتے ملتان تک پہنچ گئے اور اسے بھی جنگ کر کے فتح کر لیا۔ وہاں بدھ مذہب کا عبادت خانہ تھا، سندھ کے عوام اس کی زیارت کے لیے آتے تھے۔ مسلمانوں نے اسے منہدم کر دیا اور اس کے بت توڑ پھوڑ دیے۔ محمد بن قاسم ملتان میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شہر مسلمانوں کی مرکزی چھاؤنی



راجہ داہر کے قلعے کے گیٹ کے آثار (سندھ)

بن گیا۔ آپ نے جگہ جگہ مساجد تعمیر کروائیں۔ انتظامی، مالی اور دفاعی معاملات کو منظم کیا۔ اس طرح آپ مسلمانوں کے لیے سمندری سفر کو محفوظ بنانے میں کامیاب ہوگئے اور ان علاقوں میں اسلام پھیلنے لگا۔ [2]

96ھ میں جب سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے محمد بن قاسم کو سندھ کی گورنری سے معزول کر دیا، چنانچہ یہاں کے حالات بگڑنے لگے۔ آخر جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں یہاں کے اکثر باشندے اور ان کے سردار مسلمان ہوگئے۔ سندھ میں بعض مشکلات پیدا ہوتی رہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں نے بنوامیہ کے دورِ حکومت میں ہندوستان کا علاقہ فتح کرنے کے لیے کئی بار حملے کیے۔ [3]

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 305، و فتوح البلدان: 426، و الكامل: 536/4. [2] تاريخ خليفة بن خياط: 307، و فتوح البلدان: 227، و الكامل: 539/4، 588. [3] فتوح البلدان: 429-433.

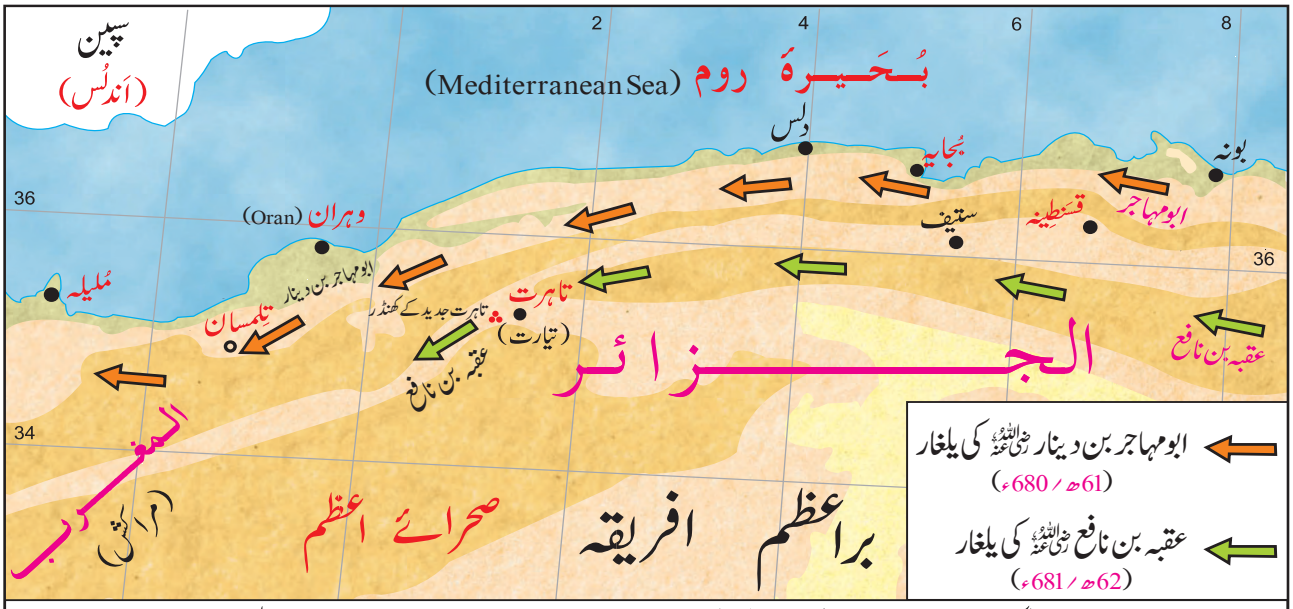

① اباضی خارجی ریاست کا دارالحکومت ''تاہرت جدید'' اب کھنڈروں کی شکل میں ہے۔ اسے 144ھ / 761ء میں اباضی خارجی امام عبدالرحمٰن بن رستم نے آباد کیا تھا اور جلد ہی یہ خارجیوں کا ایک مضبوط مرکز بن گیا۔ عبدالرحمٰن کا جانشین امام عبدالوہاب بنا جس سے قرونِ وسطیٰ میں ''وہابیت'' کی اصطلاح موسوم ہوئی جو اباضی خارجی عقائد کی نشان دہی کرتی تھی لیکن عہدِ جدید میں برطانوی سامراج نے شرارت سے اسے عرب کے امامِ عقیدۂ توحید محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سے منسوب کر دیا تا کہ ہندوستان میں شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی تحریکِ جہاد کو ہندوستانی مسلمانوں میں غیر معتبر ٹھہرایا جا سکے۔ تاہرت (Tihert) اب تیارت کہلاتا ہے جبکہ تاہرت جدید کے کھنڈر اس سے چھ میل جنوب مغرب میں واقع ہیں۔ ② مراکش کا شہر مُلیلہ (Melilla) 1497ء سے مسیحی سپین کے قبضے میں ہے۔ سقوطِ غرناطہ (1492ء) کے بعد اس پر ہسپانوی قابض ہو گئے تھے۔

المغرب (الجزائر اور مراکش) کی فتح (62ھ)

④ شمالی افریقہ کی فتوحات

جب سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خلافت مستحکم ہوگئی تو انھوں نے مصر کے گورنر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تحریری حکم جاری فرمایا کہ افریقیہ، یعنی شمالی افریقہ کی فتوحات مکمل کرنے کے لیے لشکر روانہ کریں، چنانچہ پہلا لشکر 41ھ میں سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔[1] انھوں نے کئی مقامات فتح کر لیے۔ سیدنا عقبہ بن نافع کے حملے 45ھ تک جاری رہے۔ اس کے بعد ان علاقوں میں فتوحات کی قیادت ''معاویہ بن خدیج سکونی''[2] نے کی جنھوں نے اسلامی افواج کی پیش قدمی کے لیے ''برقہ'' کو مرکز بنایا۔ انھوں نے ''قرن'' کا علاقہ فتح کیا جو قیروان کے قریب ہے۔ اور ''بنزرت'' بھی فتح کیا۔ ان فتوحات میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک بن مروان رحمہ اللہ بھی شریک ہوئے۔ افریقہ کے ساحلی علاقوں کی فتوحات میں مصر سے روانہ ہونے والا اسلامی بحری بیڑا بھی شریک رہا۔

---

[1] اس سالار کے کارناموں کی مزید تفصیل کے لیے پڑھیے: محمود شیت خطاب کی کتاب ''قادة الفتح الإسلامي'' میں ''عقبة بن نافع الفهري'' کا باب۔ طبع دارالفکر، بیروت 1397ھ۔ [2] معاویہ سکونی کے والد حدیج تھے (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 243)۔ ان کا تعلق یمنی قبیلے ''سکون'' سے تھا۔ (م ف)

50ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو پہلی بار شمالی افریقہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ مسلمانوں نے جب سے شمالی افریقہ میں فتوحات شروع کی تھیں، سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ اس جہاد میں مسلسل شریک رہے تھے۔ سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک نئے اسلامی شہر کی بنیاد رکھی تاکہ وہ مسلمان افواج کی مستقل چھاؤنی بنے۔ آپ نے قیروان کا شہر سمندر سے دور تعمیر کیا تاکہ وہ روم کے بحری بیڑے کے حملوں سے محفوظ رہے۔ یہ شہر مسلمانوں اور بربر قوم کے لوگوں کے درمیان نقطۂ اتصال بن گیا جو اس شہر میں آئے اور مسلمانوں سے میل جول کے نتیجے میں ان کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا۔


جامع مسجد قیروان کا مینار

55ھ میں سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو افریقہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ ''ابو المہاجر بن دینار'' کا تقرر کیا گیا۔ انھوں نے بربر قوم سے جنگ شروع کی۔ ان کے سردار کا نام کسیلہ تھا۔ مسلمانوں نے کسیلہ کو گرفتار کر لیا لیکن ابوالمہاجر نے اسے امان دے دی۔ کچھ عرصے بعد اس نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور ابوالمہاجر کے ساتھ مل کر قرطاجہ (Carthage) اور اس کے قرب و جوار میں بازنطینی قوم سے جنگ میں شریک ہوا۔ یہ علاقہ اس وقت تیونس میں شامل ہے۔[1] ابوالمہاجر 62ھ تک شمالی افریقہ کا گورنر رہا، پھر یزید بن معاویہ نے اسے معزول کر دیا اور سیدنا عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کو دوبارہ شمالی افریقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔[2]

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ قیروان پہنچے اور وہاں کا نظام نئے سرے سے ترتیب دیا، پھر وہاں اپنی جگہ ایک اور شخص کو مقرر کر دیا اور فرمایا: ''میں نے اپنی جان اللہ کے ہاتھ بیچ دی ہے (اور اللہ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ) میں ہمیشہ جہاد کرتا رہوں گا حتی کہ افریقہ کو کفر کے پنجے سے چھڑا لوں اور اسلام میں داخل کر دوں یا اسی راہ میں جان دے دوں۔''[3]

---

[1] فتوح البلدان: 230. [2] الرقيق القيرواني كي تاريخ أفريقية والمغرب: 40، والكامل: 105/4. [3] تاريخ أفريقية والمغرب: 41، والكامل: 105/4.

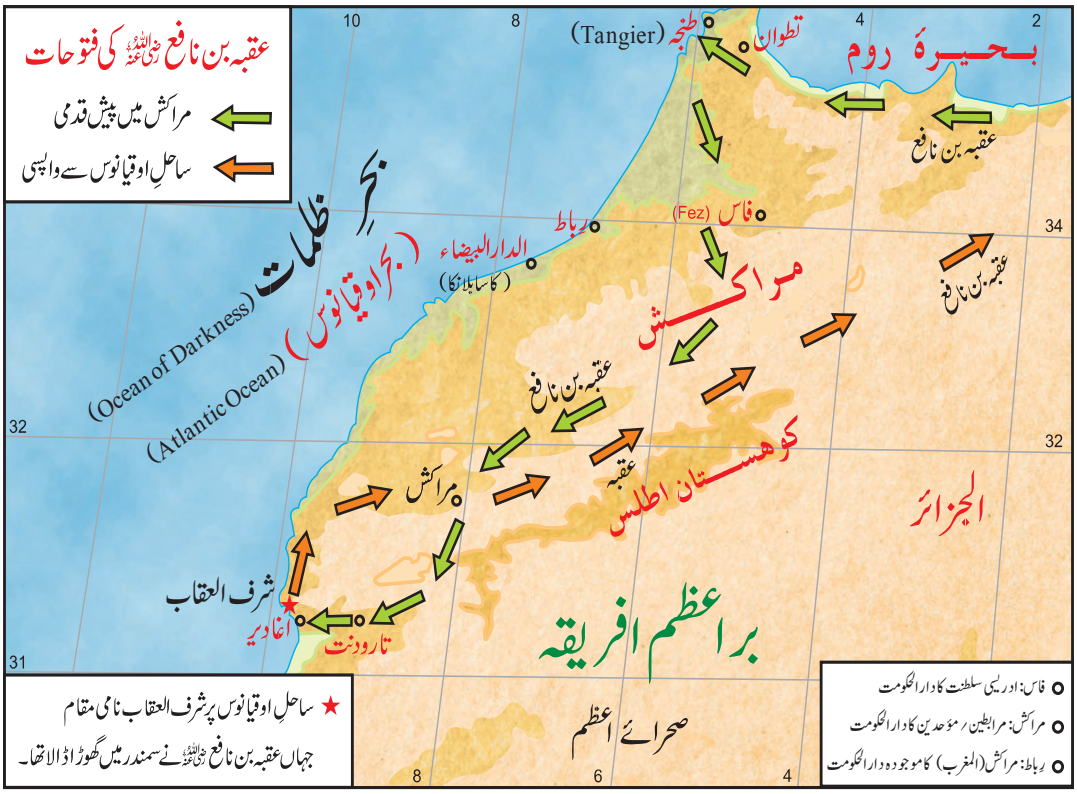

المغرب (مراکش) کی فتح (62ھ)

آپ مسلمانوں کا لشکر لے کر جہاد کے لیے نکلے اور الجزائر کے شہر بجایہ، قسنطینہ، تلمسان اور تاہرت فتح کر لیے، پھر مغرب اقصیٰ (مراکش) کی طرف رخ کیا اور اس کے شہر ایک ایک کر کے فتح کر لیے، حالانکہ بربروں اور رومیوں کی متحدہ افواج نے سخت مقابلہ کیا تھا یہاں تک کہ سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے بڑھتے مراکش کے علاقے میں بحر ظلمات، یعنی بحر اوقیانوس کے ساحل تک جا پہنچے اور اپنا گھوڑا سمندر میں داخل کر دیا۔[1] آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہہ رہے تھے: ”یااللہ! میری یہ تمنا ہے کہ پوری دنیا میں تیرے سوا کسی کی عبادت نہ ہو۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس سمندر کے پار بھی کوئی خشک زمین ہے تو میں وہاں بھی پہنچ کر تیرا عظیم نام بلند کرتا۔ یااللہ! گواہ رہ کہ اب میں معذور ہوں (میرے لیے مزید آگے جانا ممکن نہیں)۔“[2]

---

[1] علامہ اقبال نے نظم ”شکوہ“ کے ایک شعر میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

[2] الکامل: 4/106.

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ نے المغرب (مراکش) کے دیہاتی علاقے سوس میں جہادی دستے بھیجے اور شمال میں سمندر پار اندلس پر فوج کشی کے بارے میں غور کیا لیکن انھوں نے وقتی طور پر دوبارہ قیروان آنے کا فیصلہ کیا۔ راستے میں بربر کمانڈر کسیلہ بھی ساتھ تھا جو خود کو مسلمان ظاہر کرتا تھا لیکن اس کا سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہو گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ عقبہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر اکیلے رہ گئے ہیں، تو موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آپ 63ھ میں شہید ہوئے۔ [1]

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے بربر اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے اور انھوں نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی حتی کہ حالات اتنے خراب ہوئے کہ مسلمان شمالی افریقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ قیروان چھوڑ کر مشرق میں برقہ چلے گئے اور قیروان وغیرہ پر کسیلہ کا قبضہ ہو گیا۔

جب عبدالملک بن مروان نے مسندِ خلافت سنبھالی تو انھوں نے ''زہیر بن قیس بلوی'' کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا۔ وہ 66ھ میں مسلمانوں کی ایک بڑی فوج لے کر قیروان کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا مقابلہ کسیلہ کے علاوہ رومی اور بربر فوجوں سے بھی تھا۔ ایک شدید جنگ کے بعد کسیلہ قتل ہو گیا اور اس کی افواج ختم ہو گئیں۔ زہیر شمالی افریقہ کے اکثر علاقوں میں امن قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن مشرق میں رومیوں نے برقہ پر بحری حملہ کر دیا اور بہت سے مسلمانوں کو قید کر لیا۔ زہیر تھوڑے سے ساتھی لے کر ان کے مقابلے میں نکلے تو رومیوں نے انھیں شہید کر دیا۔ یہ 69ھ کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے۔ [2]

اس کے بعد بربر ایک عورت کے گرد جمع ہو گئے جو کاہنہ کے نام سے مشہور تھی۔ اس نے شمالی افریقہ کے اکثر حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت مسلمان ان فتنوں کو ختم کرنے میں مشغول تھے جو عبدالملک کے دورِ خلافت میں رونما ہوئے۔ جب مشرق میں حالات پرسکون ہو گئے تو خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حسان بن نعمان کو فوج کا کمانڈر بنا کر شمالی افریقہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ کیا۔ آپ 74ھ میں تقریباً چالیس ہزار مجاہدین پر مشتمل فوج لے کر روانہ ہوئے۔ حسان نے اپنی تمام کوشش کو قرطاجنہ (قرطاجہ) کی فتح پر مرکوز کر دیا جو شمالی افریقہ میں رومیوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔ طویل جنگوں کے بعد آخر 74ھ میں وہ اسے فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ [3] وہاں کے لوگوں نے چند ماہ بعد بغاوت کی کوشش کی لیکن حسان نے ان کی

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 251، و أُسد الغابة: 421/3، و سير أعلام النبلاء: 534/3. [2] فتوح البلدان: 231، و تاريخ أفريقيه والمغرب: 53. [3] الكامل: 369/4.


مراکش کی مسجد حسن ثانی

شورش ختم کر کے انھیں مناسب سزا دی۔ اس کے علاوہ آپ نے تیونس میں اور شمالی افریقہ کے دوسرے علاقوں میں رومیوں کے اہم مقامات فتح کر لیے اور ان علاقوں میں مساجد تعمیر کیں۔ [1]

اسی دوران میں حسان کے لشکر اور بربر قوم کے لشکر کے درمیان ''اُوراس'' کے پہاڑوں کے قریب ایک بہت بڑا معرکہ بپا ہوا جس میں غیر مسلموں کی قیادت کاہنہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور بربروں نے کچھ مسلمان قید بھی کر لیے، اس لیے مسلمان مشرق کی طرف پلٹ آئے اور علاقے پر دوبارہ کاہنہ کا قبضہ ہو گیا۔ کاہنہ نے شمالی افریقہ پر چار سال حکومت کی۔ اس دوران میں مسلمان شمالی افریقہ کو دوبارہ فتح کرنے کی تیاری کرتے رہے۔ کاہنہ کو اس کی اطلاع مل گئی تھی لیکن وہ سمجھتی تھی کہ مسلمانوں کا ان علاقوں کی فتح سے مقصد محض لوٹ مار (اور دولت کا حصول) ہے، چنانچہ اس نے اپنی افواج کو حکم دیا کہ ملک کو مکمل طور پر برباد کر دیا جائے تاکہ مسلمان اس پر قبضہ کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ انھوں نے شہروں کو ویران کر دیا، قلعے گرا دیے، درخت کاٹ دیے اور فصلیں اجاڑ دیں حتی کہ پورا ملک ویران

---

[1] تاريخ أفريقية والمغرب: 56، والكامل: 370/4.

ہوگیا۔ اکثر افریقی باشندے اندلس وغیرہ کی طرف کوچ کر گئے۔ جو باقی بچے، وہ اس انتظار میں تھے کہ مسلمان آئیں اور وہ انھیں اس ظالمانہ تخریب کاری سے نجات دلائیں۔ [1]

حسان بن نعمان دوسرے حملے کے لیے 80ھ میں روانہ ہوئے۔علاقے کے افریقیوں اور رومیوں نے بہت خوشی اور مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ وہ کاہنہ کے تسلط سے آزادی چاہتے تھے۔حسان اس ملک میں آگے بڑھتے گئے حتی کہ کاہنہ اور اس کے لشکر کو جالیا۔فریقین کے درمیان برقہ کے مقام پر شدید جنگ ہوئی جس میں کاہنہ قتل ہوگئی اور اس کا لشکر منتشر ہوگیا۔ یہ 82ھ کا واقعہ ہے۔ [2] اس طرح حسان کی قیادت میں شمالی افریقہ نے آزادی حاصل کر لی۔ بربروں کی بڑی بڑی جماعتیں مسلمان ہوگئیں۔کاہنہ کے دونوں بیٹے بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے۔انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کیا،حتی کہ اس علاقے کے قریب پہنچ گئے جسے آج کل موریتانیا کہتے ہیں۔مسلمانوں نے بربر عوام کو اسلام کی تعلیم دی اور ان کے لیے مسجدیں بنوائیں، چنانچہ وہ سچے دل اور جوش و جذبے سے اسلام میں داخل ہوگئے، پھر حسان نے شمالی افریقہ کا نظم ونسق مرتب کرنا شروع کر دیا۔اس نے دیوان (رجسٹر) تیار کروائے،خراج کا نظام مرتب کیا،سڑکیں بنوائیں اور ایک بحری بیڑا تیار کرنا شروع کیا جو رومیوں کے سمندری حملوں کی روک تھام کر سکے۔ جب افریقیہ میں حالات پرامن ہوگئے تو 89ھ میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے حسان بن نعمان کو معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ موسیٰ بن نصیر کو مقرر کیا گیا۔ [3]

موسیٰ کے دورِ حکومت میں کچھ بربر جماعتوں نے بغاوت کی کوشش کی لیکن موسیٰ نے ان کی سرکوبی کر کے ملک میں نظم ونسق بحال کر دیا۔ اب پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں بربر مسلمان ہوئے۔انھوں نے ملکی انتظام میں ان سے مدد لی اور ان میں سے بعض افراد کو انھی کی قوم کے امیر مقرر کر دیا۔انھوں نے عربوں کی ایک جماعت کو مغرب اقصیٰ (مراکش) میں بسایا اور اپنے آزاد کردہ ''طارق بن زیاد'' کو طنجہ کا گورنر مقرر کر دیا اور قریبی علاقوں کا نظم ونسق اس کے سپرد کر دیا، [4] چنانچہ موسیٰ بن نصیر رحمہ اللہ کے دور میں حالات پرامن رہے اور علاقے کے عرب مسلمان اور بربر مسلمان نئی فتوحات کی امید کرنے لگے۔

---

[1] تاريخ أفريقية والمغرب: 57-61، و الكامل: 4/370,371. [2] تاريخ أفريقيه والمغرب: 64، مصنف کے نزدیک کاہنہ کی موت غالباً 74ھ میں ہوئی جو بظاہر غلط ہے۔ الکامل: 4/371 میں ابن اثیر نے اشارہ کیا ہے کہ وہ 74ھ میں مسلمانوں کی شکست سے چار سال بعد قتل ہوئی تھی۔ [3] تاريخ خليفة بن خياط: 302، و تاريخ أفريقية والمغرب: 65، و الكامل: 4/539. [4] فتوح البلدان: 232، و تاريخ أفريقية والمغرب: 69.

⑤ اندلس کی فتح (92ھ)

اندلس کی فتح کو فتوحات کی عمومی تحریک کی توسیع سمجھا جاسکتا ہے جس کا اولین مقصد اسلام کو تمام انسانوں تک پہنچانا تھا۔ ولید بن عبدالملک کے پُرامن دورِ حکومت میں حالات فتوحات کے لیے سازگار تھے۔ اس وجہ سے سرکاری اور عوامی سطح پر توجہ جہاد کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس کے علاوہ افریقہ کے حالات بھی پرسکون تھے اور وہاں کے مسلمان جہاد کے خواہش مند تھے۔ اس وقت اندلس پر قوط (Goth) قوم کی حکومت تھی۔ ان کے بادشاہ کا نام راڈرک تھا۔ اندلس کے عوام اپنے حکمرانوں کے سخت ظلم وستم کا شکار تھے۔ جب وہاں کے لوگوں کو خبریں ملیں کہ مسلمانوں نے افریقیہ میں انتظامی معاملات درست کر دیے ہیں اور وہ لوگوں سے حسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں، تو ان میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی اسلام کے سایۂ عاطفت میں آ جائیں۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ جس قسم کی مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اس سے نجات کی صرف یہی صورت ہے۔[1]

دوسری طرف مسلمان بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے اندلس کو فتح کرنے کی سوچ رکھتے تھے کیونکہ اس وقت مسلمانوں کا بحری بیڑا وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ مزید برآں بہت سے بربر اپنی خوشی سے مسلمان ہو چکے تھے اور ان میں سے بعض کو شمالی افریقہ میں انتظامی اور فوجی عہدوں پر فائز کیا گیا تھا، اس لیے وہ اسلام کو پھیلانے اور نئے علاقے فتح کرنے کا شدید جذبہ رکھتے تھے۔ ان کے لیے اندلس ہی وہ قریب ترین علاقہ تھا جسے وہ فتح کر سکتے تھے۔



فتح اندلس (سپین)

- طارق بن زیاد کی پیش قدمی
- موسیٰ بن نصیر کی پیش قدمی
- طارق اور موسیٰ کی مشترکہ پیش قد
- مغیث رومی کی پیش قدمی
- جولین کے لشکر کی پیش قدمی
- جنوبی فرانس کی مہم

---

[1] تاریخ أفریقیة والمغرب: 73، والکامل: 4/560، 561، ساحلِ افریقہ پر سبتہ کے ہسپانوی گورنر کاؤنٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا کا واقعہ بھی تاریخوں میں مذکور ہے جو طلیطلہ کے شاہی محل میں پرورش پا رہی تھی اور عیاش راڈرک نے اس کی عزت لوٹ لی تھی۔ کاؤنٹ جولین کو شدید صدمہ ہوا اور جب طلیطلہ میں ملاقات کے دوران راڈرک نے اس سے چند افریقی باز بھیجنے کو کہا تو جولین نے جواب دیا کہ میں ایسے باز بھیجوں گا جن کی مثال نہیں۔ اس کا اشارہ مسلم مجاہدین کی طرف تھا، چنانچہ اس نے موسیٰ بن نصیر کو سپین پر حملے کی ترغیب دی اور اس کے لیے کشتیاں بھی فراہم کر دیں۔ (م ف)



افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا، چنانچہ 91ھ میں انھوں نے طریف بن مالک کی قیادت میں پانچ سو افراد پر مشتمل چھوٹا سا دستہ بھیجا۔ وہ سمندر پار کر کے اندلس پہنچے اور اس کے جنوبی علاقے میں کامیاب کارروائیاں کیں اور مالِ غنیمت سے لدے

پھندے بخیریت واپس آ گئے۔ اس سے موسیٰ کو حوصلہ ہوا کہ فتح حاصل کرنے کے لیے بڑا حملہ کریں۔ [1]

[1] الکامل: 561/4، و نفح الطیب: 230,229/1.

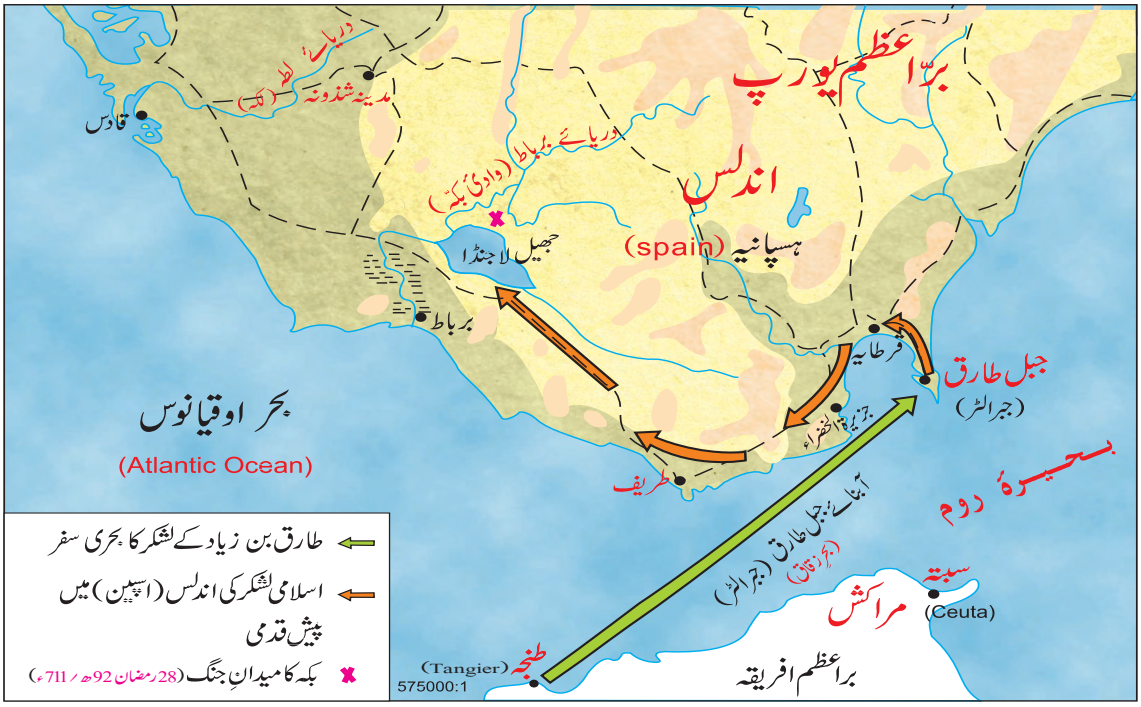

وادیٔ بکہ کی جنگ (92ھ) اور فتح (مدینہ) شذونہ



بائیں: جبل الطارق (جبرالٹر)، قصبہ جبرالٹر اور خلیج جبرالٹر
دائیں: قصبہ لالینیا (سپین)

طارق بن زیاد کا حملہ

طارق بن زیاد ایک بربر کمانڈر تھے۔ شمالی افریقہ کے انتظامی معاملات میں موسیٰ بن نصیر اس پر اعتماد کرتے تھے۔ وہ بہادر، دیانت دار اور مخلص مسلمان ہونے کی شہرت رکھتے تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے اندلس فتح کرنے کے لیے انھیں بارہ ہزار سپاہیوں کی فوج کا کمانڈر مقرر کیا۔ طارق اپنی افواج کے ساتھ سمندر پار کر کے اندلس کے ساحل پر جا اُترے۔ اس مہم میں سبتہ کے حاکم جولین نے ان کی مدد کی۔ بحری جہاز واپس آ گئے۔ [1]

طارق نے اپنی افواج کے سامنے ایک تقریر کی جس میں انھیں جہاد کی ترغیب دی اور اللہ سے ثواب اور اخروی انعامات حاصل کرنے کا شوق بیدار کیا۔ [2] اس کے بعد انھوں نے کئی مقامات فتح کر لیے۔ کئی معرکوں میں ''قوط'' قوم کا مقابلہ کیا۔ اس وقت سپین کا بادشاہ راڈرک ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج لے کر جنوب کی طرف بڑھا اور مسلمانوں کے مقابل آ گیا جن کی قیادت طارق بن زیاد کر رہے تھے۔

---

1 تاريخ خليفة بن خياط: 304، و تاريخ أفريقية والمغرب: 74، و الكامل: 562/4، و نفح الطيب: 231/1.

2 بہت سے مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا دی تھیں۔ یہ قصہ ثابت نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کی کتاب قضية إحراق طارق بن زياد السفن بين الأسطورة والتاريخ، طبع دارالصحوة، قاهره 1407ھ۔



جبل الطارق (جبرالٹر، برطانیہ)



جبل الطارق اور مسجد جبل الطارق (یورپا پوائنٹ، جبرالٹر)

وادی لکّہ [1] (شذونہ) کی جنگ (28 رمضان 92ھ)

طارق بن زیاد کی فوج کے اکثر سپاہی بربر تھے۔ اس میں عربوں کی تعداد صرف تین سو تھی۔ ہسپانویوں کے بادشاہ راڈرک نے ایک جاسوس بھیجا کہ وہ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو جائے اور ان کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ اس نے کچھ عرصہ مسلمانوں میں گزارنے کے بعد واپس جا کر رپورٹ پیش کی جس میں اس نے یہ بھی کہا تھا: ''تیرے پاس وہ لوگ آئے ہیں جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ تیرے ملک پر قبضہ کر لیں یا موت قبول کر لیں۔ وہ میدانوں میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور انھوں نے ثابت قدمی کا پورا عزم کر رکھا ہے۔ ہمارے علاقے میں ان کے پاس بھاگ کر پناہ لے لینے کی کوئی جگہ نہیں، نہ ان کے پاس جہاز ہیں جن کا انھیں سہارا ہو۔'' راڈرک اس رپورٹ سے پریشان ہوگیا۔ اس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے فوجیں تیار کرنا شروع کر دیں۔ اس کی فوج چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ [2] اس لیے طارق بن زیاد کو افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر سے مدد طلب کرنا پڑی۔ انھوں نے پانچ ہزار سپاہیوں پر مشتمل امدادی لشکر

---

[1] معروف محقق مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ہسپانیہ کے جنوب مغربی گوشے میں دو دریا بہتے ہیں: ایک دریائے لطہ یا لکّہ (Guadalete)، دوسرا دریائے برباط یا بکّہ۔ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ طارق اور راڈرک میں فیصلہ کن جنگ البیرہ (جھیل لاجنڈا) کے قریب وادیٔ بکّہ کے کنارے ہوئی تھی۔ (انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 18/1) [2] راڈرک کی فوج کے ''ایک لاکھ'' یا ''40 ہزار'' ہونے کے مؤرخین کے مختلف اندازے ہی ہیں۔ اصل تعداد ان دونوں کے درمیان تھی۔ (م ف)

بھیج دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار ہوگئی۔[1] جبکہ راڈرک کے ساتھ کئی گاڑیاں جنگی ساز و سامان سے لدی ہوئی تھیں۔ تین خچر ایک دوسرے سے ملا کر ان پر تخت رکھا گیا تھا جس پر راڈرک بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر موتیوں اور یاقوت سے مزین ایک چھتر تھا اور اس نے موتیوں والا جوڑا پہن رکھا تھا۔[2]

ان کے ساتھ کئی جانوروں پر صرف رسیاں لدی ہوئی تھیں تاکہ مسلمان قیدیوں کو باندھنے کے کام آئیں کیونکہ انھیں مسلمانوں پر فتح پانے، پھر انھیں قید یا قتل کرنے میں کوئی شک نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سپین والوں کے پاس سامانِ حرب زیادہ تھا۔ انھیں علاقے کی زمینی صورتِ حال اور وہاں کے راستوں کا زیادہ علم تھا۔ ان کی غذائی ضروریات بھی قریب ہی سے پوری ہوسکتی تھیں۔ گویا تمام ظاہری اسباب ان کے حق میں تھے۔

دونوں لشکر اندلس کے جنوب مغربی حصے میں شذونہ کے قریب وادی بکّہ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ جنگ 28 رمضان 92ھ اتوار کو شروع ہوئی اور آٹھ دن جاری رہی۔ مسلمانوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ اس دوران میں تین ہزار مجاہدین شہید ہوئے جو لشکر کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ تھے، باقی ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔

طارق بن زیاد کے کیا کہنے! وہ تو مجاہدین کی ان جماعتوں کی ترجمانی کرتے ہوئے گویا یوں کہہ رہے تھے:

وَلَسْنَا نُبَالِي كَيْفَ سَالَتْ نُفُوسُنَا إِذَا نَحْنُ أَدْرَكْنَا الَّذِي كَانَ أَجْدَارَا

---

[1] الکامل: 4/562. [2] تاریخ أفریقیة والمغرب: 75، و نفح الطیب: 1/223، 240.



قادس (اندلوسیہ، سپین) غروبِ آفتاب کے وقت



مسجد قرطبہ کا لاجواب اندلسی فنِ تعمیر

''ہمیں پروا نہیں کہ ہماری روحوں نے کس طرح پرواز کی۔ جب ہم نے وہ (فتح) حاصل کر لی جو ہمارے لائق تھی۔'' [1]

اس معرکے میں اسلامی لشکر کو ایمان کی پختگی، موت سے محبت، شہادت کی تمنا، اتحاد و اتفاق، ثابت قدمی اور حسب استطاعت مادی طاقت کی دستیابی ایسی خوبیوں کے باعث دشمن پر برتری حاصل تھی۔ یہ خوبیاں تمام مادی طاقتوں پر غالب آجایا کرتی ہیں جو بظاہر ہسپانویوں کے حق میں تھیں۔ جنگ ختم ہوئی تو مسلمان فتح یاب ہو چکے تھے اور ہسپانیہ کا بادشاہ راڈرک قتل ہو چکا تھا اور ہزاروں ہسپانوی انھی رسیوں میں جکڑے جا چکے تھے جو انھوں نے مسلمانوں کے لیے تیار کی تھیں۔

اس جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے لیے باقی اندلس فتح کرنے اور اس میں اسلام پھیلانے کی راہ ہموار ہوگئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سپین کے اصلی باشندے اپنے حکمرانوں کے خلاف مسلمانوں سے تعاون اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے کیونکہ وہ اسلام کے عدل اور مسلمانوں کی کشادہ ظرفی سے واقف ہو چکے تھے۔

طارق نے اس فتح پر اکتفا نہ کی بلکہ ہسپانیہ کے دوسرے شہروں کی فتح کے لیے اقدامات شروع کر دیے۔

---

[1] نفح الطیب: 1/365.

انھوں نے مسلمانوں کے خلاف شدید مزاحمت کی، تاہم طارق نے اشبیلیہ اور قرطبہ کے شہر فتح کر لیے۔ اس کے بعد طارق کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ لشکر کے ہر حصے نے الگ الگ علاقے فتح کیے اور آخر میں دونوں لشکر طلیطلہ کے مقام پر آ ملے اور مسلمان اسے بھی فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ [1]

اس دوران میں طارق بن زیاد ان تمام فتوحات کے بارے میں موسیٰ بن نصیر کو خط لکھ لکھ کر اطلاع دے رہے تھے، چنانچہ موسیٰ نے سوچا کہ وہ خود بھی اس فتح میں شریک ہو کر ثواب حاصل کرے اور طارق کی مہم میں اس کی مدد کرے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اندلس کا علاقہ بہت وسیع تھا۔ ملک میں دور دراز بکھرے ہوئے متعدد مقامات کو فتح کرنے کے لیے زیادہ افواج کی ضرورت تھی۔ ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ طارق کے مفتوحہ جن علاقوں نے بغاوت کی کوشش کی تھی، وہاں ان کے قدم مضبوط کیے جائیں۔

موسیٰ بن نصیر کا حملہ

موسیٰ بن نصیر نے ایک امیر کو افریقہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود دس ہزار فوج لے کر اندلس پہنچ گئے۔ یہ رجب 93ھ کا واقعہ ہے۔ انھوں نے ایلچی کو طارق کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ فتوحات میں جلد بازی

---

[1] تاریخ أفریقیة والأندلس:76، والکامل:4/564,563، وتاریخ الأندلس:135، ونفح الطیب:1/260.



قصر اشبیلیہ (اندلس) میں خوبصورت باغیچہ



ماردہ (اندلس) میں قدیم رومی آب گزار کے آثار

سے کام نہ لے، بلکہ کچھ توقف کرے کیونکہ بعض مفتوحہ علاقے بغاوت کر چکے تھے۔ موسیٰ نے وہ راستے اختیار کیے جن پر طارق نے سفر نہیں کیا تھا تاکہ وہ نئے مقامات فتح کرنے کی سعادت حاصل کرے۔ موسیٰ نے اشبیلیہ میں بغاوت ہو جانے کے بعد اسے دوبارہ فتح کیا، پھر ماردہ کی طرف پیش قدمی کی اور کئی ماہ کے محاصرے کے بعد اسے فتح کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے، پھر اشبیلیہ والوں نے معاہدہ توڑ دیا، تو موسیٰ کو اسے تیسری بار فتح کرنا پڑا، پھر وہ طلیطلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ [1]

طلیطلہ کے قریب موسیٰ طارق بن زیاد سے جا ملے۔ دونوں فاتحین نے آئندہ فتوحات کے بارے میں

---

[1] تاريخ أفريقية والأندلس: 78، و تاريخ الأندلس: 147، 148، 155.



طلیطلہ (اندلس) کے قدیم شہر کا ایک منظر

تبادلۂ خیال کیا اور آخر کار ایک خاص منصوبے پر اتفاق کر لیا، پھر دونوں کمانڈروں نے شمالی سپین میں پے در پے فتوحات حاصل کیں۔ یکے بعد دیگرے شہر فتح ہونے لگے، مثلاً: شمال میں سرقسطہ، وشقہ اور لاردہ حتیٰ کہ مسلمان اندلس کے شمال میں برانس (Pyrenees) کے پہاڑوں تک جا پہنچے جو فرانس کی جنوب مغربی سرحد پر ہیں۔ [1] اس طرح مسلمانوں نے سپین کا اکثر حصہ فتح کر لیا۔

95ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم پر طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کو اندلس چھوڑ کر شام جانا پڑا۔ موسیٰ بن نصیر نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو اندلس کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے اندلس کے مشرق میں بعض علاقوں کی فتح مکمل کی۔ اب اندلس کے شمال مغربی کونے میں کچھ پہاڑی مقامات رہ گئے تھے جو مسلمانوں نے فتح نہیں کیے تھے۔ اس وجہ سے ہسپانوی عیسائی وہاں جمع ہونے لگے اور آہستہ آہستہ وہاں ایک عیسائی قوت بن گئی جنھوں نے مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی اور اُن کو اندلس سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ [2]

مسلمانوں نے سپین فتح کرنے کے بعد اندلس سے فرانس اور مغربی یورپ میں بھی پیش قدمی کی کوششیں کیں۔ [3]

---

[1] نفح الطيب: 269/1، 273. [2] تاريخ الأندلسي: 125. [3] اس موضوع پر تفصیلات کے لیے دیکھیے: امیر شکیب ارسلان کی «تاريخ غزوات العرب في فرنسا وسويسرا وايطاليا وجزائر البحر المتوسط» (فرانس، سوئٹزرلینڈ، اٹلی اور بحیرۂ روم میں عربوں کے حملوں کی تاریخ)





فرانس میں قدیم قلعہ کولیور کا ایک منظر

بلاط الشہداء (میدانِ شہیداں) 114ھ

مسلمان اندلس کے مختلف معاملات کو منظم کرتے رہے اور ایک کے بعد دوسرا گورنر مقرر ہوتا رہا۔ ان میں سے زیادہ حضرات کی توجہ جہاد کو جاری رکھنے اور نئے علاقے فتح کرنے پر مرکوز رہی۔ ان میں سے جو حضرات زیادہ مشہور ہوئے، ان میں ''سمح بن مالک خولانی'' بھی تھے۔ انھوں نے بڑی تعداد میں مجاہدین کا لشکر تیار کیا اور 102ھ میں جبل برتات، یعنی برانس کے پہاڑ عبور کر کے جنوب مغربی فرانس میں جسے بلاد الافرنجہ (فرنگیوں کا ملک) یا غال (Gaul) بھی کہتے ہیں، فاتحانہ داخل ہو گئے۔ انھوں نے علاقے کے کئی شہر اور اہم مقامات فتح کر لیے اور ''تولوز'' کے شہر تک پہنچ گئے۔ اس جنگ میں ''عبدالرحمٰن غافقی'' بھی ان کے ساتھ تھے۔ اکتانیہ کے حاکم ''ڈیوک ڈیو'' اور مسلمان افواج کے درمیان شدید جنگ ہوئی، جس میں مسلمانوں کی بڑی بڑی جماعتوں نے شہادت پائی جن میں ان کے سالار ''سمح بن مالک خولانی'' سرفہرست تھے۔ کثیر تعداد کی شہادت کے بعد عبدالرحمٰن غافقی باقی ماندہ افواج کو منظم کر کے برانس کے پہاڑوں کی جنوبی طرف نکال لائے۔ [1]

ان کے بعد عنبسہ بن سحیم کلبی اندلس کے گورنر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنے پیش رَو حضرات کی طرح اس علاقے میں جہاد جاری رکھا حتی کہ 107ھ میں وہ بھی جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ [2]

112ھ تک اندلس کا کوئی خاص گورنر نہیں رہا۔ البتہ عبدالرحمٰن غافقی ہی اندلس کی انتظامی ذمہ داریاں

---

[1] نفح الطیب: 15/3، و تاریخ غزوات العرب: 71، و التاریخ الأندلسی: 185. [2] نفح الطیب: 16/3.

سنبھالے رہے۔ ان کا عزم تھا کہ فرنگیوں کے ملک میں، یعنی فرانس کے جنوبی حصے میں دوبارہ فتح حاصل کی جائے۔ بالخصوص اس لیے بھی وہ پرعزم تھے کہ انھوں نے سمح بن مالک خولانی کے دور میں جہاد کیا تھا۔ اس طرح آپ وہاں کے لوگوں سے جہاد کا عملی تجربہ اور معلومات رکھتے تھے۔

عبدالرحمٰن غافقی اپنے زُہد وتقویٰ، نیکی اور قوتِ ایمانی میں مشہور تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''اگر آسمان اور زمین آپس میں مل جائیں، اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے لیے ان میں سے بھی نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔'' [1]

امیر غافقی نے جنوبی فرانس میں برانس کے پہاڑوں سے آگے جہاد کے لیے ایک عظیم لشکر تیار کیا۔ اس کے لیے ضروری سامان اور اسلحہ مہیا کیا اور 112ھ میں جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اس علاقے میں ایک سال سے زیادہ عرصے میں متعدد جنگیں کیں جن میں سے کئی جنگوں میں فتح یاب ہوئے۔ اس عرصے میں فرنگی چارلس مارٹل کی قیادت میں ایک مضبوط لشکر کی تیاری میں مصروف رہے تاکہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔ جب موسم سرما شروع ہوا تو وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے گئے۔ جنگ کا مقام مسلمانوں کے ہاں بَلَاطُ الشُّهَدَاءِ (میدانِ شہیداں) کے نام سے مشہور ہوا، جبکہ فرانسیسی اسے ''تیر بوانتے'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ نام فرانس کے دو شہروں کی مناسبت سے مشہور ہوا جن میں سے ایک کا نام ''تیر'' (Tours) اور دوسرا ''بوانتے'' (Poitiers) تھا۔ یہ جنگ ان دو شہروں کے درمیان ہوئی تھی۔

فرنگی لشکر کی تعداد مسلمانوں سے زیادہ تھی۔ ان کے پاس سامانِ حرب بھی زیادہ تھا۔ اس کے علاوہ وہ علاقے کی زمین سے اور اس کی جغرافیائی کیفیات سے خوب واقف تھے اور سرد آب و ہوا کو برداشت کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کے باوجود مسلمان کئی دنوں تک بے نظیر شجاعت سے جنگ کرتے رہے۔ آخر مسلمانوں پر فرنگیوں کے غلبے کے آثار نظر آنے لگے۔ مسلمانوں نے اپنی بکھری ہوئی فوجوں کو جمع کرنے کی

---

[1] الکامل: 5/174.



پواتیہ (وسطی فرانس) کا ایک منظر



جنگ تورز میں چارلس مارٹل نے یورپ میں اسلامی فتوحات روک دیں

کوشش کی۔ ابھی مسلمانوں کی افواج پوری طرح یکجا نہیں ہو پائی تھیں کہ ان کے سالار عبدالرحمٰن غافقی شہید ہو گئے جس سے مسلمانوں کے لشکر کی ثابت قدمی متاثر ہوئی۔ انھوں نے فرنگیوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن انھیں شکست کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ [1] بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ مسلمان فوج کا کوئی فرد زندہ نہیں بچا تھا۔ [2]

فرانسیسی مصنّفین نے اس معرکے کو بہت اہمیت دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں پر عیسائیوں کی اس فتح نے مغربی یورپ میں مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ غافقی کے بعد بھی مسلمانوں نے جنوبی فرانس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی کوشش کی بلکہ وہ جنوبی فرانس میں بعض چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرنے میں بھی کامیاب ہوئے۔ [4]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ بنوامیہ کے دورِ حکومت میں جب بھی اسلامی سلطنت کی اندرونی مشکلات کم ہوتی تھیں تو فتوحات کا سلسلہ تیز ہو جاتا تھا۔ اسے دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تب بھی درست ہے، یعنی جب بھی مسلمان جہاد اور فتوحات میں مشغول ہوتے تھے، ان کی داخلی مشکلات کم ہو جاتی تھیں اور جب وہ جہاد سے رُکتے تھے تو فتنے سر اٹھا لیتے تھے اور شورشیں شروع ہو جاتی تھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور فتوحات کا روشن دور تھا۔ اسی طرح اموی دور میں ولید بن عبدالملک کا دورِ حکومت فتوحات کا سنہری دور ہے جب سندھ، اندلس اور ماوراء النہر میں نئے نئے علاقے فتح ہوئے۔ جب ہم اموی دور کا تقابل اس سے پہلے یا پچھلے ادوار سے کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ فتوحات کی وسعت کے لحاظ سے اس سے پہلے خلافت راشدہ کے دور کے سوا اور بعد کے زمانوں میں عثمانی دور کے سوا، اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ الغرض یہ تین دور اسلامی توسیع اور فتوحات کے اہم ترین دور ہیں۔

---

[1] التاريخ الأندلسي: 198. [2] نفح الطيب: 15/3. [3] تفصیل کے لیے دیکھیے: تاريخ غزوات العرب: 98-102، و التاريخ الأندلسي: 199. [4] الكامل: 181/4.





باب 4

عباسی خاندان کا دورِ حکومت

(132ھ تا 656ھ)



عباسی خاندان کا دورِ حکومت

(132ھ تا 656ھ)

بنوعباس کے دورِ حکومت میں اسلامی فتوحات

عباسی دور حکومت 132ھ سے 656ھ تک محیط ہے۔ اس عرصے میں قوت اور ضعف کے مختلف مرحلے آتے رہے۔ علاوہ ازیں عباسی حکومت میں ایک نمایاں مظہر عالم اسلامی کے مختلف علاقوں میں مختلف اسلامی ممالک کی موجودگی ہے جن میں سے بعض خلافتِ اسلامی سے وفاداری کا اظہار کرتے تھے اور بعض اس سے مکمل طور پر آزاد تھے بلکہ بعض اوقات مخالف بھی رہے۔ ان میں سے بہت سے ممالک کی اپنی اپنی فتوحات اور جہادی تحریکیں ہیں۔ عباسی خلفاء یا امراء نے جن فتوحات میں براہِ راست کردار ادا کیا، ان کی تعداد گزشتہ یا آیندہ زمانوں کے مقابلے میں انتہائی محدود ہے۔ البتہ عباسی خلفاء اسلامی سلطنت اور اس کی سرحدوں کی حفاظت میں تقریباً کامیاب رہے۔ انھیں سب سے زیادہ رومی سلطنت سے، پھر دوسری ہمسایہ سلطنتوں سے دفاعی جنگیں لڑنا پڑیں۔

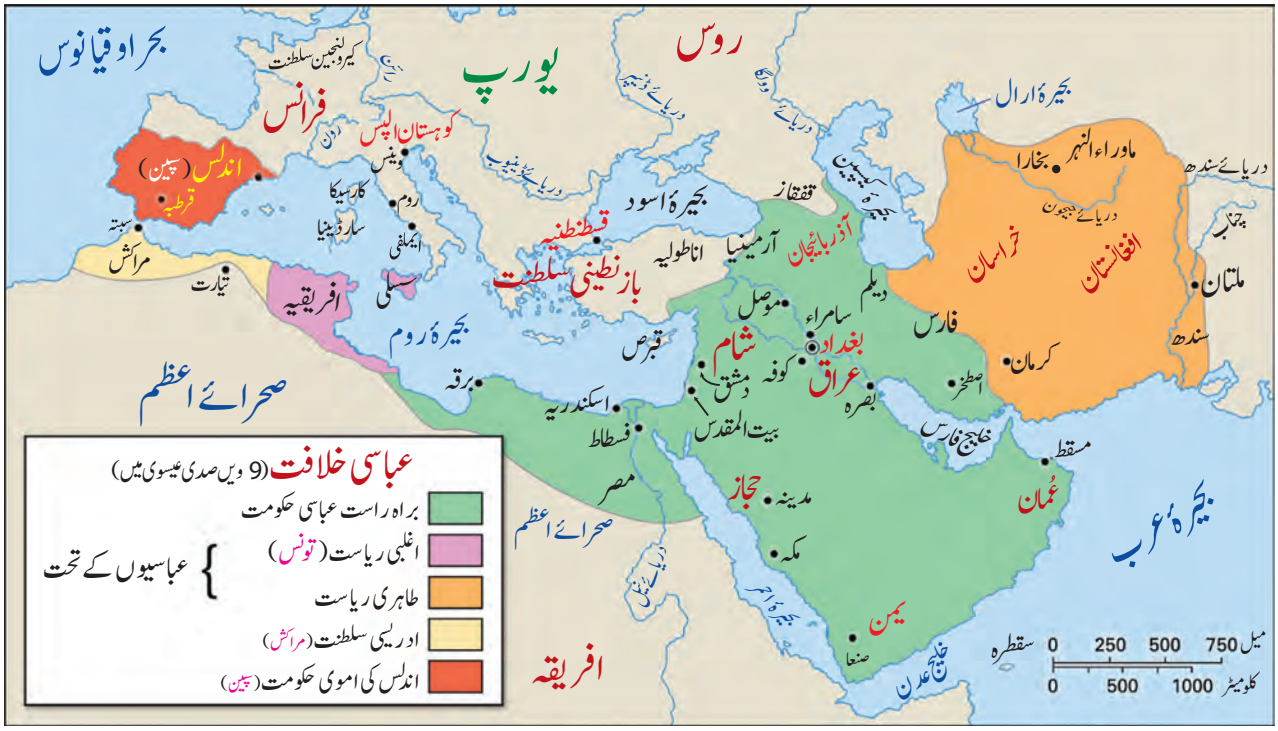

① رومیوں سے جنگیں

عباسیوں نے اپنے دورِ حکومت میں، خاص طور پر پہلے عباسی دور میں بازنطینی رومیوں سے کئی جنگیں کیں۔ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں دو جنگیں زیادہ اہم ہیں جو ہارون الرشید کے دورِ حکومت (170ھ تا 193ھ) میں ہوئیں۔ اس نے رومی سرحدوں پر اسلامی محاذوں کو مضبوط کرنے کے لیے یہاں فوجیں رکھیں۔ اسے دوسرے صوبوں سے الگ کر کے ایک صوبہ بنا دیا جو رومی سرحد کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔ اس صوبے کا نام ''العواصم'' رکھا گیا۔ انھوں نے یہاں کثرت سے قلعے تعمیر کیے۔ مسلمان بنوامیہ کے دور ہی سے موسم گرما اور موسم سرما میں جنگیں کرتے آئے تھے جو صوائف (گرمائی لشکر) اور شواتی (سرمائی لشکر) کے نام سے معروف تھے۔[1] عباسیوں نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں یہ سلسلہ جاری رکھا۔ 181ھ میں رومیوں سے جنگ میں خلیفہ ہارون الرشید بذاتِ خود شریک ہوئے۔ جس کے نتیجے میں ملکہ ایرین کو مسلمانوں سے صلح کرنے کے لیے جزیہ ادا کرنا پڑا اور ہارون نے اس کی یہ پیشکش تسلیم کر لی۔

---

[1] فتوح البلدان: 167.

187ھ میں ملکہ ایرین کو حکومت سے الگ کر دیا گیا، اس کی جگہ نقفور (Nicephorus) رومیوں کا نیا بادشاہ بن گیا۔ اس نے مسلمانوں سے کی ہوئی صلح توڑ دی۔ ہارون الرشید کے نام ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ اس نے لکھا: ''نقفور، شاہِ روم کی طرف سے، عربوں کے بادشاہ ہارون کے نام۔ بات یہ ہے کہ مجھ سے پہلے جو ملکہ تھی، اس نے تجھے (شطرنج کے مہرے) شاہ رُخ [1] کا مقام دیا تھا اور خود (شطرنج کے مہرے) پیادے کی جگہ آ گئی تھی۔ اور اس نے تجھے اتنی رقم (خراج کے طور پر) ادا کر دی، جس قدر تجھے چاہیے تھی کہ تو اسے ادا کرتا۔ لیکن یہ نسوانی حماقت اور کمزوری کا اظہار تھا۔ جب تجھے میرا خط ملے تو اس سے حاصل کیا ہوا مال واپس کر دے اور اپنی جان کے فدیے کے طور پر اتنی رقم مزید ادا کرو۔ ورنہ ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔''

جب ہارون نے یہ خط پڑھا تو غصے سے ان کی ایسی حالت ہوگئی کہ اس سے درباری گھبرا گئے، پھر انھوں نے قلم دوات منگوا کر نقفور کے خط کی پشت پر لکھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مومنوں کے امیر ہارون کی طرف سے رومیوں کے کتے نقفور کے نام۔ اے بدکار عورت کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھ لیا ہے۔ جواب وہ نہیں جو تو سنے گا، جواب وہ ہے جو تو دیکھے گا۔'' [2]

ہارون الرشید کو جس دن خط ملا تھا، وہ اسی دن فوجیں لے کر رومیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہو گئے۔

---

[1] مصنف نے رخ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ ایک شکاری پرندہ ہے جو دوسرے پرندوں کو شکار کرتا ہے۔ [2] تاريخ الطبري: 92/10، والكامل: 184/6.



توپ کاپی محل (استنبول) کے صحن اوّل میں سینٹ آئرین کا گرجا



بتولا اور ہرقلہ (ہرقلیہ) کا قدیم شہر

وہ ہرقلہ کی طرف بڑھے، جو رومیوں کا ایک بڑا شہر تھا اور اسے فتح کر لیا۔ وہاں سے انھیں بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا، پھر وہ رومیوں کے علاقے میں اِدھر اُدھر حملے کرتے رہے حتی کہ نقفور مجبور ہوگیا کہ ذلیل ہو کر ہارون سے صلح کرے اور نیا معاہدہ کرے، چنانچہ ہارون واپس ہوگیا۔ لیکن ہارون ابھی راستے ہی میں تھا کہ نقفور نے معاہدہ ختم کر دیا۔ سردی کا موسم تھا۔ ہارون کے درباریوں کو اسے نقفور کی عہد شکنی کی اطلاع دیتے ہوئے خوف محسوس ہوا، چنانچہ انھوں نے ایک شاعر سے کہا کہ وہ ایک قصیدہ کہے، اس کے ضمن میں ہارون کو یہ اطلاع دے، شاید اس طرح بادشاہ کو غصہ کم آئے۔ اس قصیدے میں شاعر نے کہا:

نَقَضَ الَّذِي أَعْطَيْتَهُ نَقْفُورُ وَعَلَيْهِ دَائِرَةُ الْبَوَارِ تَدُورُ

اَبْشِرْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ فَتْحٌ أَتَاكَ بِهِ الْإِلٰهُ كَبِيرُ

فَتْحٌ يَّزِيدُ عَلَى الْفُتُوحِ، يَؤُمُّنَا بِالنَّصْرِ فِيهِ لِوَاؤُكَ الْمَنْصُورُ

''نقفور نے آپ کا معاہدہ توڑ دیا۔ اس پر تباہی آنے والی ہے۔ امیر المومنین! آپ کو خوشخبری ہو۔ یہ ایک بڑی فتح ہے جو آپ کو اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ یہ فتح سب فتوحات سے بڑھ کر ہے جس میں آپ کا فاتح جھنڈا ہماری قیادت کر رہا ہے۔''

اس کے بعد قصیدے کے مزید اشعار ہیں۔ ہارون نے جونہی یہ قصیدہ سنا، وہ نقفور اور اس کی فوج کو سزا دینے کے لیے ایک بار پھر پلٹ گئے۔ انھوں نے حملہ کر کے کئی مقامات فتح کر لیے، چنانچہ نقفور کو ایک بار پھر صلح کی درخواست کرنا پڑی۔ اس کے بعد بھی مسلمان افواج روم کے سرحدی علاقوں میں کارروائیاں کرتی رہیں حتی کہ



قصر معتصم باللہ کے آثار (سامراء)

190ھ میں رومیوں کے ملک پر حملے میں ہارون الرشید خود بھی شریک ہوئے اور ہرقلہ کا شہر فتح کر لیا جو نقفور کی جنم بھومی تھا، چنانچہ ایک بار پھر ذلیل ہو کر اسے مسلمانوں کے آگے جھکنا پڑا۔ اس نے اپنا اور اپنے خاندان کا جزیہ دینے کا وعدہ کیا، نیز اس نے اپنے ملک کے باشندوں کی طرف سے بھی جزیہ دینے کی ہامی بھری۔ [1]

عباسیوں کے دور کی ایک نمایاں فتح وہ ہے جو مامون کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ 215ھ میں رومیوں سے جنگ کے لیے روانہ ہوا اور ان کے بیس سے زیادہ قلعے فتح کر لیے، چنانچہ رومیوں کے بادشاہ تھیوفلیس کو مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کرنا پڑا۔ اس میں یہ بھی طے پایا کہ تجارت محفوظ ہوگی اور فریقین جنگی قیدی واپس کر دیں گے۔

218ھ میں مامون کو شاہِ روم کا ایک خط ملا جس کی وجہ سے اسے غصہ آ گیا اور وہ رومیوں سے جنگ کے لیے نکل پڑا۔ اس سے پہلے مامون نے جوابی خط میں اسے پیشکش کی تھی کہ وہ مسلمان ہو جائے یا جزیہ ادا کرے۔ اس خط میں مامون نے لکھا تھا: ''میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے تجھے نصیحت کروں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے خلاف حجت بن جائے۔ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو توحید اور سچی شریعت قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تجھے یہ تسلیم نہیں تو فدیہ ادا کر، جس سے (ہم پر تیری حفاظت کا) ذمہ لازم ہو جائے اور

---

[1] الطبري: 10/92، 93، و الكامل: 6/186، و البداية و النهاية: 10/203، و تاريخ خليفة بن خياط: 458، 459.

تجھے مہلت مل جائے۔ اگر تجھے یہ بھی تسلیم نہیں تو تجھے ہمارے اوصاف آنکھوں سے دیکھ کر جو یقین حاصل ہوگا، اس کی بنا پر لمبی بات اور مفصل بیان کی ضرورت نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی.'' [1]

شاہِ روم نے یہ پیشکش قبول نہ کی، چنانچہ مامون [2] نے ان کے علاقے میں فتوحات جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے رومیوں کے دارالحکومت قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ اس منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے 218ھ میں دورانِ جنگ ہی فوت ہوگیا۔ [3]

اس کے بعد معتصم خلیفہ مقرر ہوا، جبکہ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جنگ جاری تھی لیکن اس وقت خلافتِ عباسیہ کے اندر ایک فتنہ کھڑا ہوگیا جس کا سرغنہ بابک خرمی تھا۔ اس نے ہمدان اور آس پاس کے علاقے میں بہت فساد پھیلایا۔ ان لوگوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو شہید کر دیا، چنانچہ سلطنت عباسیہ کی افواج اس فتنے کو ختم کرنے میں مشغول ہوگئیں [4] جس کے نتیجے میں رومیوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے شمالی شام اور الجزیرہ پر حملہ کیا اور کچھ شہروں پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے چند خواتین کو بھی قید کر لیا، گرفتار ہونے والی ایک خاتون نے فریاد کی: وَامُعْتَصِمَاه! وَامُعْتَصِمَاه! ''ہائے معتصم! ہائے معتصم!'' معتصم کو یہ خبر ملی تو اس کے نزدیک یہ معمولی بات نہ تھی۔ اس کے منہ سے فوراً نکلا: لَبَّيْك (میں حاضر ہوں)۔ وہ اسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا اور فوج میں کوچ کا اعلان کر دیا، چنانچہ چند دن بعد وہ ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ روم کے ملک پر حملہ کرنے والی اس فوج کی قیادت وہ خود کر رہا تھا۔ اس نے ان کی افواج کو پے در پے شکست دی اور متعدد مقامات فتح کر لیے جن میں عموریہ کا شہر سب سے اہم تھا جو شاہِ روم کی جائے پیدائش تھا۔ معتصم نے چھ ماہ کے محاصرے کے بعد رمضان 223ھ میں اسے فتح کر لیا۔ [5]

شاعر ابوتمام نے اسی کے متعلق کہا ہے:

اَلسَّيْفُ أَصْدَقُ أَنْبَاءً مِّنَ الْكُتُبِ فِي حَدِّهِ الْحَدُّ بَيْنَ الْجِدِّ وَاللَّعِبِ

---

[1] تاريخ الطبري: 284/10. [2] خلیفہ مامون الرشید (198ھ تا 218ھ) کی قبر جنوبی ترکی کے شہر طوسوس میں ہے۔ (م ف)
[3] تاريخ خليفة بن خياط: 476، و تاريخ الطبري: 284/10، 295، و الكامل: 428/6، و البداية والنهاية: 271/10-274. [4] اس فتنے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاريخ الطبري: 314/10، و الكامل: 447/6-451. [5] تاريخ الطبري: 334/10-343، و الكامل: 480/6، و البداية والنهاية: 286/10، و نفوذ الأتراك في الخلافة العباسية و أثره في قيام مدينة سامراء: 230/1-244.

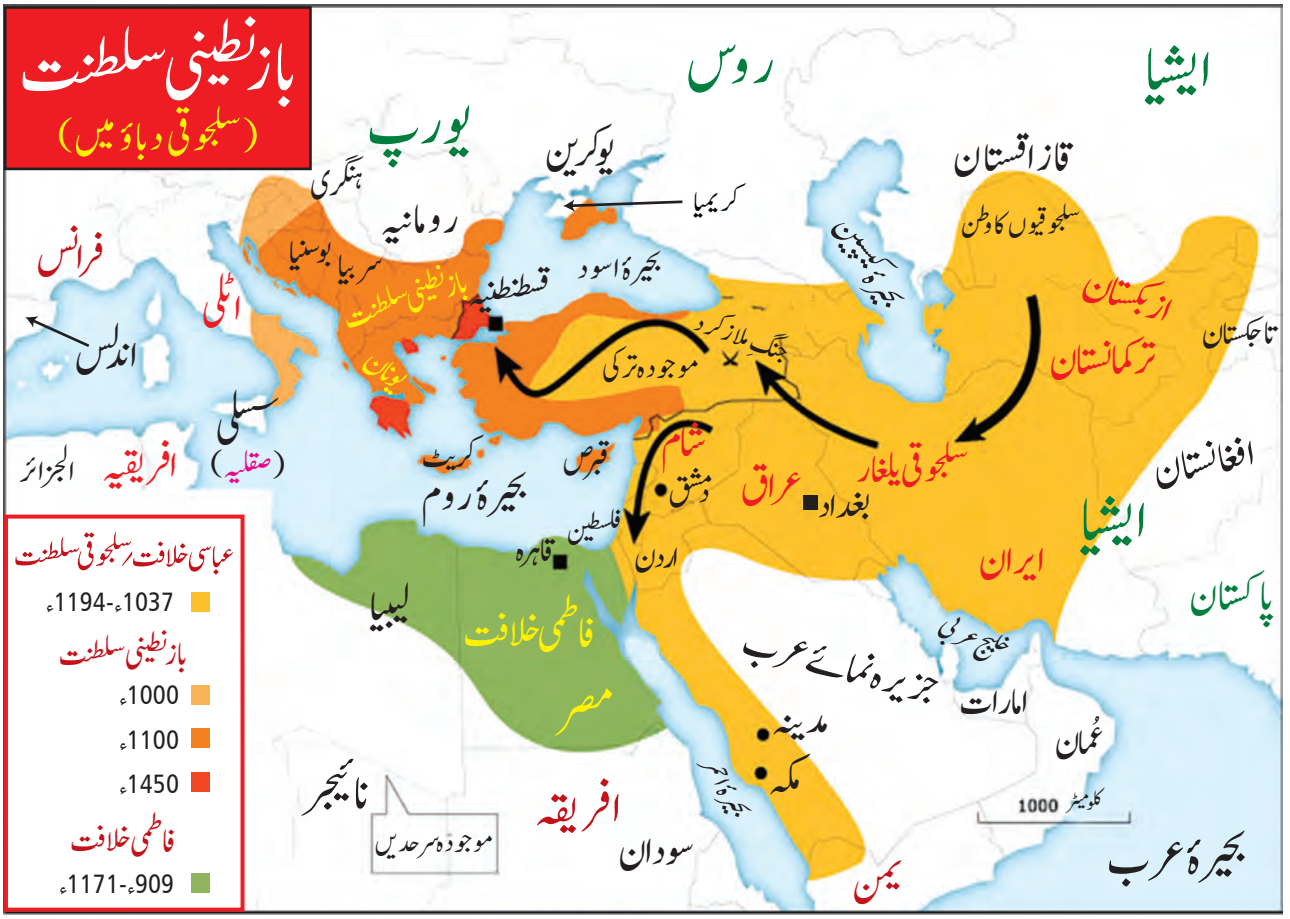

''تلوار نجومیوں کی کتابوں سے زیادہ سچی خبریں دیتی ہے۔ اس کی تیز دھار میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی ایک قوت ہے۔''

معتصم کے دورِ حکومت کے بعد مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جھڑپیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ جنگیں ہوتی رہیں۔ گرمائی اور سرمائی لشکروں کی صورت میں رومیوں کی سرحدوں پر دباؤ قائم رہا اور رومیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مجاہدین محاذوں پر موجود رہے۔ ان لڑائیوں کا رومی علاقوں پر تو کوئی قابل ذکر اثر نہیں ہوا لیکن اسلامی سرزمین کی حفاظت کے نقطۂ نظر سے یہ حملے بہت اہمیت کے حامل تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں جب حکم بن حمدان شام کا حکمران تھا تو رومیوں نے 349ھ سے 358ھ تک کی مدت میں شام پر کئی بار حملے کیے اور تخریبی کارروائیاں کیں حتی کہ پانچویں صدی ہجری میں سلجوقی

منظر عام پر آئے۔[1] وہ رمضان 447ھ میں بغداد میں داخل ہوئے اور ملک شام کو رومیوں سے پاک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد وہ رومیوں کے علاقے فتح کرنے اور وہاں اپنی بستیاں بسانے لگے۔

جنگ ملازکرد (463ھ)

سلجوقی بادشاہ الپ ارسلان نے 463ھ میں آرمینیا اور جارجیا کے کئی حصے فتح کر لیے اور اس طرح اس علاقے میں اشاعت اسلام کی راہ ہموار کی۔ بازنطینی بادشاہ ''رومانوس'' بہت غضب ناک ہوا اور رومیوں، روسیوں، جارجیوں، فرنگیوں اور دوسری عیسائی اقوام پر مشتمل ایک بڑا لشکر لے کر روانہ ہوا۔ یہ متحدہ فوج تقریباً تین لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔[2]

سلطان کو جونہی رومیوں کی آمد کی خبر ملی، اس نے اللہ سے اپنے لیے اور ساتھیوں کے لیے ثواب کی امید رکھتے ہوئے مقابلے کی تیاری کر لی۔ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ ان کا رومیوں سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی۔[3] اور سلطان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ اپنی سلطنت کے دوسرے علاقوں سے کمک طلب کر سکتا۔ اس وقت اس نے اپنا وہ مشہور قول کہا تھا: «أَنَا أَحْتَسِبُ عِنْدَ اللهِ نَفْسِي، وَإِنْ سَعِدْتُ بِالشَّهَادَةِ فَفِي حَوَاصِلِ الطُّيُورِ الْخُضْرِ مِنْ حَوَاصِلِ النُّسُورِ الْغُبْرِ رَمْسِي، وَإِنْ نُصِرْتُ فَمَا أَسْعَدَنِي وَأَنَا أُمْسِي، وَيَوْمِي خَيْرٌ مِّنْ أَمْسِي» ''میں اللہ سے اپنی جان (قربان کرنے) کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتا ہوں۔ اگر مجھے شہادت کی سعادت حاصل ہوگئی تو مٹیالے گِدھوں کے پیٹوں کے بعد (جنت کے) سبز پرندوں کے پیٹ میرا مدفن ہوں گے۔ اور اگر میں فتح یاب ہوا تو میں کتنا خوش قسمت ہوں گا۔ جب شام ہوگی تو میرا آج میرے (گزشتہ) کل سے بہتر ہوگا۔''[4]

---

[1] سلجوقیوں کا نسلی تعلق ترکستان سے آنے والے ''غز'' قبائل سے ہے۔ ''سلجوق بن دقاق'' کی نسبت سے سلجوقی کہلاتے تھے۔ ان کو بہت قوت حاصل ہوئی اور ان کے اپنے بادشاہ تھے۔ خلافت عباسیہ نے انھیں جائز حکمران تسلیم کیا کیونکہ انھوں نے سنی مذہب اختیار کر لیا تھا اور خلفاء کا واضح طور پر احترام کرتے تھے۔ غزنویوں سے کشمکش کے بعد 429ھ میں سلجوقی خراسان پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حکومت آہستہ آہستہ مضبوط ہوتی گئی اور عباسی سلطنت نے انھیں تسلیم کر لیا۔ انھوں نے پہلے ایران کو اپنے دائرہ اقتدار میں شامل کیا، پھر عراق کی طرف بڑھے، حتی کہ اس پر قبضہ کر لیا۔ سلجوقی سلطان ''طغرل بن میکائیل'' نے 447ھ میں بغداد پر قبضہ کر لیا اور عباسی خلیفہ کے ساتھ سلجوقی سلطان کا نام لیا جانے لگا۔ انھوں نے مسلمانوں کے بڑے دشمنوں، یعنی رومیوں اور ان کے ہمسایہ علاقوں آرمینیا، جارجیا اور ان کے قریبی علاقوں کے عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ دیکھیے: بنداری اصفہانی کی مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 7-26 اور ڈاکٹر عبدالمنعم حسنین کی دولة السلاجقة: 22-36. [2] مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 40. [3] مختصر تاریخ دولة آلِ سلجوق: 40. [4] مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 40.



جنگ مائریوکفلان میں بازنطینیوں پر سلجوقی یلغار

سلطان نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کے ہراول دستے پر حملہ کیا جو بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا اور ان میں سے اکثر روسی تھے۔ مسلمانوں کو ان پر عظیم فتح حاصل ہوئی اور انھوں نے دشمن کے اکثر کمانڈر گرفتار کر لیے۔ [1]

پھر سلطان الپ ارسلان نے شاہِ روم کی طرف ایک وفد روانہ کیا اور اسے صلح کی پیشکش کی لیکن وہ تکبر میں آ گیا، لہٰذا اس نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ اس نے کہا: ''ناممکن! میں نہ جنگ بندی کروں گا، نہ واپس جاؤں گا۔ جب تک مسلمانوں کے ملک میں وہ کچھ نہ کر لوں جو رومیوں کے ساتھ ہوا ہے۔'' [2] چنانچہ مسلمانوں نے مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔ 25 ذوالقعدہ 463ھ جمعرات کے دن دونوں لشکر میدان میں آ گئے۔ جمعہ کے دن جب نماز کا وقت ہوا تو سلطان نے امامت کروائی اور لشکر نے اس کی اقتدا میں نماز ادا کی، پھر اس نے روتے اور گڑگڑاتے ہوئے انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کی، پھر اس نے ساتھیوں سے کہا: ''ان کے مقابلے میں ہماری تعداد کم سے بھی کم ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ابھی اس گھڑی میں دشمن

---

[1] الکامل: 65/10، و المنتظم: 261/8، و مختصر تاریخ دولة آل سلجوق: 42. [2] المنتظم: 361/8.

پر ٹوٹ پڑوں جب ہمارے لیے اور مسلمانوں کے لیے منبروں پر دعائیں کی جارہی ہیں، پھر میں اپنا مقصد (فتح) حاصل کرلوں یا شہید ہوکر جنت میں پہنچ جاؤں۔تم میں سے جو کوئی میرا ساتھ دینا چاہتا ہے، وہ ساتھ دے اور جو کوئی واپس جانا چاہتا ہے، واپس چلا جائے۔ اس وقت یہاں کوئی سلطان نہیں جو حکم جاری کرے اور کوئی (ماتحت) لشکر نہیں جو تعمیل کرے۔ آج میں بھی ایک عام سپاہی ہوں جو تمھارے ساتھ مل کر جہاد کر رہا ہوں۔ جو شخص اللہ کے لیے جان قربان کرنے کا عزم لے کر میرے ساتھ آئے گا، اسے جنت بھی ملے گی اور غنیمت بھی۔ اور جو چلا جائے گا، وہ جہنم کا اور رسوائی کا حق دار ہوگا۔'' سب نے کہا: ''آپ جو کچھ بھی کریں گے، ہم آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کی مدد کریں گے۔'' [1]

سلطان نے موت کی تیاری کرتے ہوئے جلدی جلدی سفید لباس پہنا، میت کو لگائی جانے والی خوشبو لگائی اور کہا: ''اگر میں قتل ہو جاؤں تو یہی میرا کفن ہوگا، (جو میں نے پہن لیا ہے)۔'' [2]

پھر دونوں فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھیں۔ سلطان الپ ارسلان نے گھوڑے سے اتر کر سر خاک پر سجدے میں رکھ دیا۔ اللہ کے سامنے عاجزی سے اشک بار ہوا اور بہت دعائیں مانگیں، پھر گھوڑے پر سوار ہوکر دشمن پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے صدق دل سے جنگ کی اور صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ اللہ نے مومنوں کی مدد فرمائی تو انھوں نے دشمنوں کے بہت سے لوگ قتل کیے اور بے شمار گرفتار کر لیے جن میں نمایاں شخصیت خود شاہِ روم تھا جسے ایک مسلمان غلام نے گرفتار کر لیا تھا۔ اسے ذلت کے ساتھ سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان نے اسے زجر و توبیخ کی اور اسے یاد دلایا کہ اسے صلح کی پیشکش کی گئی تھی تو اس نے بہت برا جواب دیا تھا، پھر سلطان نے اسے اس شرط پر رہا کر دیا کہ اس کے عوض وہ تمام مسلمان قیدی رہا کیے جائیں گے جو رومیوں کے پاس ہیں اور بادشاہ کی رہائی کے عوض اتنی رقم ادا کی جائے گی اور رومیوں نے شام میں مسلمانوں کے جس علاقے پر قبضہ کیا ہے، اسے واپس کر دیں گے۔ [3]

رومیوں پر مسلمانوں کی یہ فتح ایک اہم فتح تھی جس سے رومیوں کی کمر ٹوٹ گئی، ان کی قوت بکھر گئی، ان کا تکبر زمین بوس ہوگیا اور انھیں مسلمانوں کا حساب چکانا پڑا۔

---

[1] المنتظم: 262/8، و الکامل: 61/10. [2] الکامل: 66/10. [3] المنتظم: 262/8-264، و الکامل: 67/10، و البدایة والنهایة: 100/12، و النجوم الزاهرة: 87/5.



سندھ میں قلعہ رانی کوٹ

② مشرقی علاقوں کی فتوحات

عباسی دور کے پہلے خلفاء ان فتنوں کا قلع قمع کرنے میں مشغول رہے جو سندھ کے علاقے میں ہندوؤں اور جاٹوں وغیرہ نے برپا کر رکھے تھے۔ ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً بے چینی پھیلتی رہی۔ اس کے باوجود یہاں اسلام مسلسل پھیلتا رہا۔ سجستان، ہرات اور ان کے قرب و جوار میں 161ھ میں مُقنّع نے گڑبڑ کی۔ ہمسایہ علاقوں کے حکمرانوں نے اس گڑبڑ سے فائدہ اُٹھا کر سلطنت عباسیہ سے اپنے تعلقات منقطع کر لیے۔ جونہی مقنع کا فتنہ ختم ہوا، کابل، صغد، طخارستان، فرغانہ اور خراسان کے حکمرانوں نے فوراً عباسی سلطنت سے وفاداری کا اعلان کر دیا۔[1]

ہارون الرشید کے دورِ حکومت میں ان علاقوں میں، خاص طور پر ترکوں کی طرف سے کئی تحریکیں اٹھیں جن پر قابو پانے کے لیے مسلمانوں کو بہت زیادہ کوشش کرنی پڑی۔ مامون نے اپنے دورِ حکومت میں خراسان کے گورنر کو سختی سے حکم دیا کہ جو ترک مسلمان ہو جائیں، ان کی عزت افزائی کی جائے اور اسلام

---

[1] تاريخ الطبري: 342/9، و البداية والنهاية: 145/10.

قبول نہ کرنے والوں سے جنگ کی جائے، چنانچہ ترک بادشاہ اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے حتی کہ ان دنوں بہت سے ترکوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد، بالخصوص معتصم کے دورِ حکومت میں، ان لوگوں کو سلطنت میں اہم مقام حاصل ہوگیا۔ [1]

عباسی دور کے آخر میں اور اس کے بعد مشرق میں کئی چھوٹی چھوٹی اسلامی سلطنتیں قائم ہوئیں جو عباسی خلافت سے الگ ہوگئی تھیں۔ اگرچہ عام طور پر وہ عباسی خلافت کو تسلیم کرتی تھیں، تاہم تسلیم کرنے کا یہ رسمی اعلان انھیں عباسی خلافت سے تقریباً مکمل طور پر آزاد ہونے سے نہ روک سکا۔ مشرق کے یہ اسلامی ممالک مختلف اوقات میں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی رہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:



غزنی (افغانستان) کا قدیم مینار

خراسان میں طاہری حکومت (205ھ تا 259ھ)، سجستان اور بلوچستان میں صفاری حکومت (254ھ تا 298ھ)، ماوراء النہر اور خراسان میں سامانی حکومت (261ھ تا 389ھ)، افغانستان اور ہندوستان میں غزنوی حکومت (351ھ تا 582ھ)۔ ان سلطنتوں اور ان کے مختلف حکمرانوں نے فتوحات اور جہاد کے سلسلے میں اپنے اپنے طور پر جدوجہد کی۔ [2]

غزنوی خاندان

غزنوی خاندان کی فتوحات کو اس دور کے اہم جہادی واقعات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی وجہ سے اسلام نئے علاقوں میں پہلی بار متعارف ہوا۔ اگرچہ غزنوی بادشاہ عباسی سلطنت سے مکمل طور پر آزاد تھے، اس کے باوجود وہ رسمی طور پر عباسی خلیفہ سے حکومت کرنے کی اجازت لیتے تھے، یعنی وہ خلیفہ کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے لیے دعائیں کرتے تھے (اور خطبہ جمعہ میں خلیفہ کا نام لے کر دعا کی جاتی تھی)۔ اسی طرح غزنوی حکمرانوں کے تقرر کا فرمان بغداد سے جاری کیا جاتا تھا۔

---

[1] نفوذ الأتراك في الخلافة العباسية وأثره في قيام مدينة سامراء: 1/241. [2] ان سلطنتوں کے حالات تفصیل سے جاننے کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عصام عبدالرؤف فقی کی الدول الإسلامية المستقلة في الشرق، طبع دار الفكر العربي 1987ء.



جامع مسجد ہرات (افغانستان)

غزنوی شروع میں افغانستان کے صوبہ غزنی میں سامانیوں کے ملازم تھے۔ سامانی حکومت کمزور پڑنے پر غزنویوں نے حکومت سنبھالی اور ہندوستان کی فتح کی طرف متوجہ ہوئے۔ سبکتگین (وفات 387ھ) پہلا غزنوی بادشاہ تھا۔ اس نے سندھ اور پنجاب میں کئی علاقے فتح کیے۔ اس کے بعد اس کے بیٹے محمود (وفات 421ھ) نے حکومت سنبھالی۔ اس نے ستائیس سال میں سندھ اور ہند پر سترہ سے زیادہ حملے کیے۔ اس نے کشمیر، لاہور، ملتان اور گجرات فتح کیے۔ سومنات میں ہندوؤں کا سب سے بڑا مندر توڑ دیا جس میں ان کا مشہور بت نصب تھا۔ ہندوؤں نے اسے پیشکش کی کہ اگر وہ اسے سلامت رہنے دے تو وہ اسے منہ مانگی دولت دینے کو تیار ہیں، تو اس نے کہا: ''میں بت فروش نہیں، بت شکن بننا چاہتا ہوں۔'' [1]

سلطان محمود غزنوی نے یہاں کے باشندوں میں اسلام کی اشاعت، علم کی ترویج اور انصاف کے قیام پر خاص طور پر توجہ دی، اس لیے اسے صحیح طور پر ''فاتح ہند'' قرار دیا جاتا ہے۔ مؤرخین نے بجا طور پر اس کی بے حد تعریف و تحسین کی ہے بلکہ بعض ہندو مؤرخین نے بھی اس کی تعریف کی ہے، حالانکہ اس نے ان کے بت پرستی کے مرکز سومنات کو مسمار کر دیا تھا لیکن انھوں نے اس کے انصاف اور علم و تہذیب کے فروغ کی تعریف کی ہے۔ [2]

---

[1] الكامل: 130/9، 139، 147، 169، 244، و المنتظم: 54/8، و سير أعلام النبلاء: 485/17، و النجوم الزاهرة: 662/4، و وفيات الأعيان: 176/5. [2] سير أعلام النبلاء: 491/17، و موسوعة التاريخ الإسلامي و الحضارة الإسلامية لبلاد السند و البنجاب: 303/1، 400، 419، 423، و الدول الإسلامية المستقلة بالشرق: 133.

③ سمندری فتوحات

پہلے عباسی خلفاء نے مصر اور شام کے سمندری محاذوں کو بھی اہمیت دی اور انھیں مضبوط کیا تا کہ رومیوں کے حملوں سے دفاع ہو سکے اور بحیرۂ روم میں جہاد کے لیے ان سے کام لیا جا سکے۔ مسلمانوں نے بحیرۂ روم کے متعدد جزیروں پر اپنے بحری بیڑوں سے حملہ کیا اور قسطنطنیہ پر بھی سمندر کی طرف سے کئی بار حملہ کیا، تاہم اس میدان میں ان کی کارکردگی بنوامیہ کی حکومت سے یا شمالی افریقہ کے آزاد ممالک سے بہت کم تھی۔

افریقہ میں متعدد اسلامی ممالک وجود میں آئے جو عباسی سلطنت سے دوستی کا تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے بحیرۂ روم میں کچھ فتوحات حاصل کیں۔ ان میں سے تیونس میں قائم ہونے والی اغالبہ کی حکومت (184-296ھ) خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ انھوں نے بحری بیڑوں پر خاص توجہ دی۔ ان کی ایک اہم بحری مہم 212ھ مطابق 827ء میں صقلیہ (سسلی) کی فتح ہے۔ اس کی قیادت قیروان کے قاضی اور عالم ''اسد بن فرات'' نے کی تھی۔ ان کے ساتھ رضا کار مجاہدین کی جماعت تھی۔ وہ انھیں لے کر سسلی کے ساحل پر اترے۔ وہاں انھوں نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ انھیں جہاد کی فضیلت یاد دلائی، جہاد کا علم حاصل کرنے اور اس کے لیے کام کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے اپنے خطاب میں فرمایا: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. مسلمانو! اللہ کی قسم! میرا کوئی باپ دادا کبھی کسی



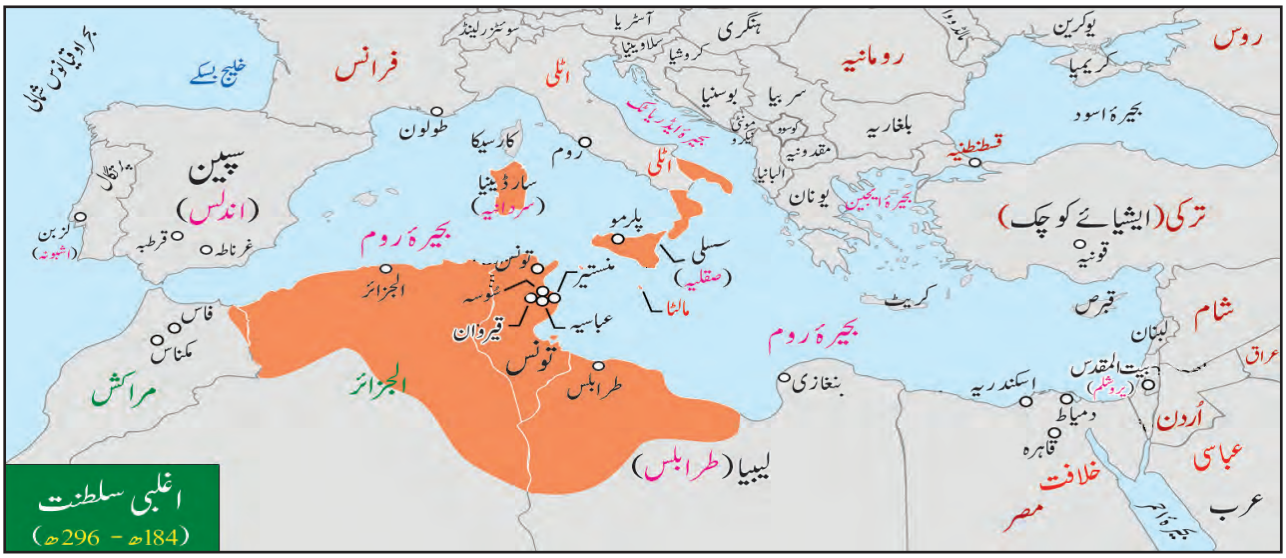

منصب پر فائز نہیں رہا اور میرے بزرگوں میں سے کسی نے ایسا مقام نہیں پایا۔ تم مجھے جس مقام پر دیکھ رہے ہو، میں اس تک صرف قلم کی وجہ سے پہنچا ہوں، لہٰذا حصولِ علم کے لیے محنت کرو اور علمی تصنیف و تالیف میں منہمک ہو جاؤ۔ تمھیں دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی۔'' ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا اور وہ کچھ گنگنا رہے تھے۔ وہ سورۂ یٰسٓ پڑھ رہے تھے، پھر انھوں نے مجاہدین کو جوش دلایا اور ہلہ بول دیا۔ سب نے مل کر حملہ کیا اور اللہ نے عیسائیوں کے لشکروں کو شکست دے دی۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: میں نے اسد کو دیکھا کہ ان کے جھنڈے کے بانس پر خون بہہ رہا تھا اور ان کی بغل کے نیچے پہنچ رہا تھا۔ [1]

اسد بن فرات صقلیہ میں مجاہدین کے ہمراہ جہاد کرتے رہے اور مختلف مقامات پر جنگ میں شریک رہے حتی کہ 213ھ میں اس جزیرے میں شہید ہو گئے۔ [2] اس کے بعد بھی صقلیہ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی اور مسلمان ہر بار اسے فتح کرتے رہے حتی کہ 264ھ میں اس نے مکمل طور پر ان کی اطاعت قبول کر لی۔ [3]

اس کے علاوہ مسلمانوں نے 255ھ میں ''مالٹا'' کو بھی فتح کر لیا۔ [4] اس کے ساتھ انھوں نے اٹلی کے قریب کچھ جزائر پر بھی قبضہ کر لیا اور اٹلی کے ساحل پر جا اُترے۔ [5]

اس طرح مسلمانوں نے اٹلی کے اردگرد ان سمندروں پر اپنا تسلط منوا لیا جو وسطی مغرب (الجزائر اور تیونس) اور اس تنگنائے کے شمال میں واقع ہیں جسے آبنائے مسینا کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد مسلمان کئی بار اٹلی کے جنوبی ساحل پر اُترے۔ ایک بار 289ھ میں ایسا ہوا تھا کہ انھوں نے اٹلی پر اور کئی دوسرے مقامات پر جزیہ عائد کیا۔ [6]

---

[1] ترتيب المدارك للقاضي عياض: 477/2. [2] ترتيب المدارك: 480/2. [3] فتوح البلدان: 237، و الكامل: 320/7، و الحياة الاجتماعية و الاقتصادية في صقلية الإسلامية: 21. [4] الروض المعطار: 520. [5] الكامل: 337/6. [6] الروض المعطار: 102، و الحياة الاجتماعية و الاقتصادية في صقلية الإسلامية: 18.

اسی طرح مسلمانوں نے 329ھ میں اٹلی کا شہر باری فتح کیا، اس کے ساتھ کئی دوسرے علاقے بھی فتح کر لیے۔ اس کے علاوہ وہ کئی بار وہاں اترے حتی کہ جنوبی اٹلی میں مسلمانوں کی ایک جماعت وجود میں آ گئی۔ یہ لوگ بعد میں اہلِ قلوریہ (Clabria) کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان سمندری علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتے ہی یہاں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا، پھر مسلمان یہاں پانچویں صدی ہجری کے وسط تک حکمران رہے اور یہاں کے بعض مسلمان علماء بہت مشہور ہوئے۔ [1]

ان علاقوں میں آئندہ کئی صدیوں تک مسلمانوں کی آبادیاں موجود رہیں۔ اس علاقے کے باشندوں کے رہن سہن اور کھانے میں مسلمانوں کے اثرات آج تک واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ [2]

---

[1] معجم البلدان: 392/4، و الکامل: 72/8، و الحیاۃ الاجتماعیۃ و الاقتصادیۃ في صقلیۃ الاسلامیۃ. [2] مالٹا کا ایک بڑا تاریخی شہر آج بھی مدینہ کہلاتا ہے۔ (م ف)

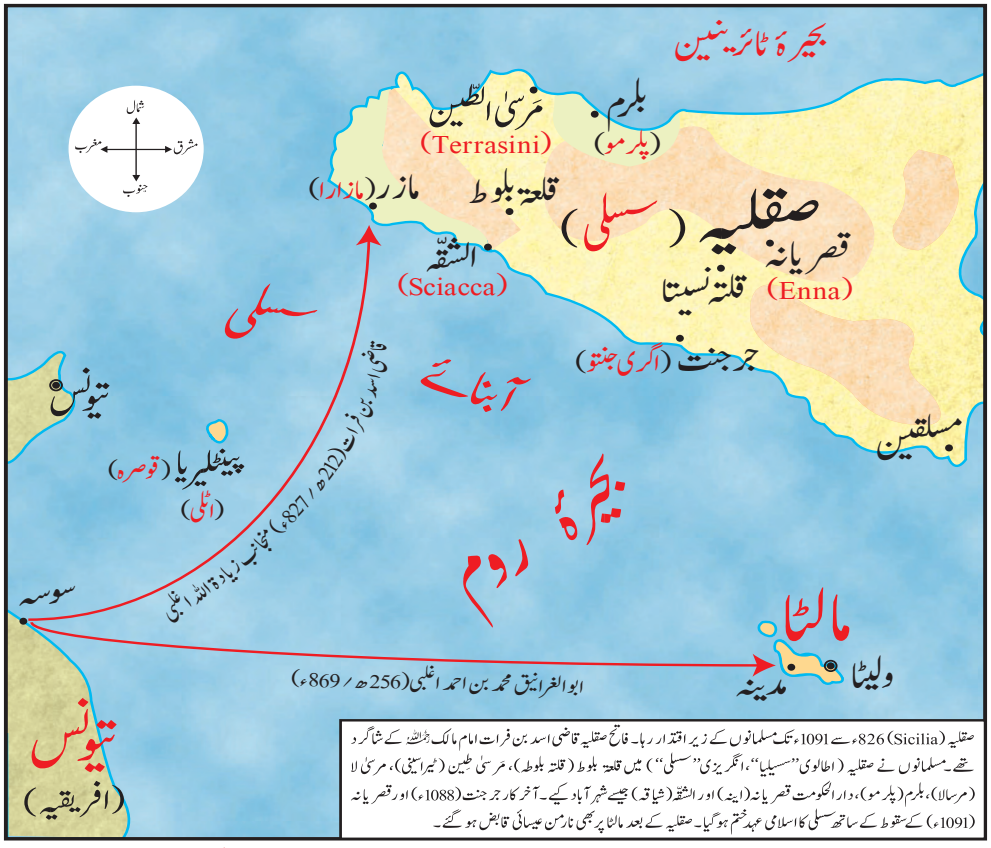

سسلی (212ھ) اور مالٹا (256ھ) کی فتح



جنگ زلاقہ (رمضان 479ھ)

اندلس ایک طویل عرصے تک بنوامیہ کی حکومت کے ماتحت رہا۔ یہ دور 138ھ میں عبدالرحمٰن الداخل سے شروع ہوکر 400ھ میں بنوامیہ کی حکومت کے خاتمے تک محیط ہے۔ اس حکومت کے خاتمے کی وجہ اس کی داخلی کمزوری بھی ہے اور بیرونی دباؤ بھی۔ خاص طور پر فاطمی حکومت اور اس کے حلیفوں، اندلس کی عیسائی طاقتوں اور وہاں کے کچھ متعصب لوگوں کی ریشہ دوانیاں اس کا باعث ہوئیں۔

چوتھی صدی ہجری میں جب اموی خلافت ختم ہوئی تو اندلس کی وہ حالت تھی جو مقرّی تلمسانی نے اپنی کتاب ''نفح الطیب'' میں بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''اس سرزمین سے بنوامیہ کی حکومت ختم ہوگئی اور مغرب میں خلافت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ خلفاء کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد مختلف گروہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بربر، عرب اور موالی اُمراء اور رؤساء ہر طرف اٹھ کھڑے ہوئے اور آپس میں علاقے تقسیم کر لیے۔ وہ ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر کار ان میں سے کچھ امیر بادشاہ بن بیٹھے اور ان کی قوت زور پکڑ گئی۔ انھوں نے ظاہری طور پر بڑا مقام حاصل کر لیا۔ وہ عیسائی بادشاہ کو جزیہ دیتے تھے تاکہ وہ ان کے خلاف دوسروں کی مدد نہ کرے یا ان سے حکومت نہ چھین لے۔ خاصے عرصے تک ان کی یہی حالت رہی۔'' [1]

---

[1] نفح الطیب: 1/438.

اندلس کا ملک چھوٹے چھوٹے گروہوں کے سرداروں کے درمیان تقسیم ہو کر رہ گیا جو آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ وہ اپنی عصبیت کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے۔ اپنے ذاتی اور قبائلی مفادات کو امت کے مفاد پر ترجیح دیتے تھے حتی کہ بعض اوقات ایک ریاست کا سردار ہمسایہ مخالف ریاست کے مسلمانوں پر وار کرنے کے لیے دشمنوں، یعنی اندلس کے عیسائیوں سے مدد مانگتا تھا۔ ہر سردار کو اپنے القاب اور ظاہری شان و شوکت کی فکر تھی لیکن حقیقی قوت کی فکر نہ تھی۔ وہ خواہشات و لذاتِ دنیوی میں غرق تھے، آسائشوں اور نعمتوں کے دلدادہ تھے۔ ان میں سے اکثر کا یہ نعرہ تھا:

دَوْزَنِ الْعُودَ، وَهَاتِ الْقَدَحَا رَاقَتِ الْخَمْرُ وَالْوَرْدُ صَحَا

''عود بجاؤ، جامِ شراب لاؤ۔ شراب اچھی لگتی ہے اور گلاب جاگ اٹھے ہیں (یعنی بہار آ گئی ہے۔)''

ان سرداروں اور نام نہاد بادشاہوں کی وضع قطع دیکھ کر انتہائی برے انجام کا خطرہ سامنے نظر آتا تھا، جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

أُمُورٌ يَّضْحَكُ السُّفَهَاءُ مِنْهَا وَيَبْكِي مِنْ عَوَاقِبِهَا الْحَلِيمُ

''ان حالات کو دیکھ کر بے وقوفوں کو بھی ہنسی آ جاتی ہے اور ان کا انجام سوچ کر عقل مند رو پڑتے ہیں۔''[1]

اور کچھ تو فخر اور تکبر میں اس حد تک چلے گئے کہ جب شاعر نے کہا:

أُنْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّورِ لَّهُمْ إِنَّهُ مِنْ نُّورِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

''ٹھہرو، ہم بھی ان کے نور سے کچھ لے لیں۔ یہ تو رب العالمین کا نور ہے۔''

تو اسے سزا دینے کے بجائے انعام و اکرام سے نوازا گیا۔[2]

امت کے ان منتشر اعضاء میں بھی دشمنی اور افتراق ہی بڑھتا رہا حتی کہ شاعر نے کہا:

مَا بَالُ شَمْلِ الْمُسْلِمِينَ مُبَدَّدٌ فِيهَا وَشَمْلُ الضِّدِّ غَيْرُ مُبَدَّدِ

''کیا وجہ ہے کہ یہاں مسلمانوں کی جمعیت منتشر ہے اور دشمنوں کی جمعیت منتشر نہیں؟''

---

[1] مصطفی عبدالواحد کی کیف ضاعت الأندلس: 8. [2] احمد مختار عبادی: في تاريخ المغرب والأندلس: 180.



لیون شہر (سپین) کا ایک منظر

(اقبال نے کہا: دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ..... بت کدے میں برہمن کی پختہ زُناری بھی دیکھ)

ایک اور شاعر نے کہا:

وَتَفَرَّقُوا شُعَبًا، فَكُلُّ مَحَلَّةٍ فِيهَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ وَمِنْبَرُ

''وہ شاخ در شاخ تقسیم ہو گئے، حتی کہ ہر محلے میں ایک امیر المومنین اور ایک منبر ہے۔''

جبکہ اندلس کے عیسائیوں کی یہ کیفیت تھی کہ وہ آپس میں متحد ہو رہے تھے اور ان کے سردار مسلمانوں کو اندلس سے نکالنے کی تیاری اور ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے، فریقین کا ایک دوسرے سے موازنہ مشکل تھا۔ یہی کہا جاسکتا ہے:

لَبِسُوا الْحَدِيدَ إِلَى الْوَغٰى وَلَبِسْتُمْ حُلَلَ الْحَرِيرِ عَلَيْكُمْ أَلْوَانَا

مَا كَانَ أَقْبَحَهُمْ، وَأَحْسَنَكُمْ بِهَا لَوْ لَمْ يَكُنْ بِبطرنةَ مَا كَانَا

''انھوں نے جنگ کے لیے لوہے کا لباس پہنا اور تم نے رنگ برنگے ریشمی جوڑے زیب تن کیے۔ ان کے لیے یہ لباس بہت برا ہوتا اور تمھارے لیے بہت اچھا ہوتا، اگر بطرنہ کے مقام پر وہ کچھ نہ ہوا ہوتا جو واقع ہوا۔''[1]

حتی کہ اندلس کے تمام مسلمان خطروں میں گھر گئے کیونکہ ان کے نزدیک قوت صرف چند رسمی علامتوں اور نعروں کا نام رہ گیا تھا، جیسے شاعر ابورشیق قیروانی نے کہا:

مِمَّا يُزَهِّدُنِي فِي أَرْضِ أَنْدَلُسَ أَسْمَاءُ مُعْتَضِدٍ فِيهَا وَمُعْتَمِدِ

أَلْقَابُ مَمَالِكٍ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهَا كَالْهِرِّ يَحْكِي انْتِفَاخًا صَوْلَةَ الْأَسَدِ

''میرا دل اندلس کی سرزمین سے اُچاٹ کر دیا ہے، اس میں معتضد اور معتمد جیسے ناموں نے۔ بادشاہوں کے یہ لقب بے محل ہیں، جیسے بلی خود کو پھلا کر شیر کی صورت کی نقل کرنے لگے۔''[2]

اس وقت مغرب (مراکش وغیرہ) میں مرابطین کی سلطنت وجود میں آچکی تھی جس کی سربراہی عبداللہ بن یاسین اور قیادت ابوبکر بن عمر لمتونی کے ہاتھ میں تھی۔ اسے مکمل طاقت اور مقام ''یوسف بن تاشفین'' کی قیادت میں حاصل ہوا۔ اس نے دیکھ لیا کہ اندلس میں اسلام خطرے میں ہے کیونکہ اسے وہاں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ اس نے وہاں کے علماء سے بھی ملاقات کی تھی۔ وہ اندلس کے شہروں کو ایک ایک کر کے عیسائیوں کے قبضے میں جانے کی خبریں سنتا رہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اندلس کے مسلمان امراء سے ٹکر لینے کا خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔

ان حالات میں 475ھ میں الفانسو ششم کی قیادت میں طلیطلہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا جو ملک کا اہم

---

[1] نفح الطيب: 359/4. [2] في التاريخ العباسي و الأندلسي: 469.

ترین شہر تھا، چنانچہ یہاں کے حکمرانوں کو بجا طور پر مجرم قرار دیا گیا۔ اس وقت ابن عسال نے اپنی مشہور نظم لکھی تھی جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

يَا أَهْلَ أَنْدَلُسَ شُدُّوا رَوَاحِلَكُمْ فَمَا الْمَقَامُ فِيهَا إِلَّا مِنَ الْغَلَطْ

اَلثَّوْبُ يُنْسَلُ مِنْ أَطْرَافِهِ وَأَرٰى ثَوْبَ الْجَزِيرَةِ مَنْسُولًا مِّنَ الْوَسَطْ

مَنْ جَاوَرَ الشَّرَّ لَا يَأْمَنُ عَوَاقِبَهٗ كَيْفَ الْحَيَاةُ مَعَ الْحَيَّاتِ فِي سَفَطْ

''اندلس والو! کوچ کی تیاری کرلو۔ اب یہاں ٹھہرے رہنا محض غلطی ہے۔ لباس کناروں کی طرف سے اتارا جاتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ جزیرہ نمائے اندلس کا کپڑا درمیان سے اُتر رہا ہے۔ جو شخص برے لوگوں کا پڑوس اختیار کرتا ہے، وہ ان کے انجام بد سے محفوظ نہیں رہتا۔ سانپوں کے ساتھ پٹاری میں زندگی گزارنا کس طرح ممکن ہے؟''

اس وقت یہاں کا مسلمان حکمران محلات کی تعمیر میں مشغول تھا۔[1] حالانکہ ایک شاعر نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا:

---

[1] نفح الطیب: 353/4.



اندلس کا ایک قدیم شہر

أَتَبْنِي بِنَاءَ الْخَالِدِينَ وَإِنَّمَا بَقَاؤُكَ فِيهَا، لَوْ عَقَلْتَ، قَلِيلُ

لَقَدْ كَانَ فِي ظِلِّ الْأَرَاكِ كِفَايَةٌ لِمَنْ كُلَّ يَوْمٍ يَّقْتَفِيهِ رَحِيلُ

''کیا تو ہمیشہ رہنے والوں کی طرح عمارتیں بناتا ہے؟ حالانکہ اگر تجھے سمجھ ہو تو ان میں تیرے رہنے کی مدت بہت قلیل ہے۔ اس شخص کا گزارہ تو پیلو کے درخت کے نیچے بھی ہوسکتا ہے جس کا موت ہر روز تعاقب کر رہی ہو۔''

ان حالات میں اندلس کے چند سرداروں نے قرطبہ کے حاکم ''معتمد بن عباد'' کی حوصلہ افزائی کی تو اس نے المغرب (مراکش) کے حکمران یوسف بن تاشفین کو خط لکھ کر اس سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ علاقائی سرداروں نے اسے منع کرنے کی کوشش کی کیونکہ انھیں اپنی نام نہاد سلطنتوں کے ختم ہو جانے کا خطرہ تھا لیکن اس نے یوسف سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ تبدیل نہ کیا۔ اس نے کہا: ''مجھے یوسف بن تاشفین (کا خادم بن کر اس) کے اونٹ چرانا، قشتالہ میں عیسائیوں (کا محکوم بن کر ان) کے خنزیر چرانے سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔'' اس نے یہ بھی کہا: ''میں اللہ کو خوش کروں گا، خواہ میری حکومت چھن جائے۔ اگر میں اذفونش (الفانسو) کا سہارا لوں گا تو اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لوں گا۔'' [1] قرطبہ کے حکمران کو یوسف بن تاشفین سے مدد مانگنے پر آمادہ کرنے میں اندلس کے علماء نے بھی اپنا کردار ادا کیا تھا۔ [2]

جب یوسف بن تاشفین تک مدد کی درخواست پہنچی تو اس نے اندلس کے مسلمانوں کو دشمن سے نجات دلانے کا عزم کر لیا اور اس کے لیے تیاری شروع کر دی۔

جب عیسائیوں کے بادشاہ الفانسو ششم کو ان معاملات کی خبر ملی تو اس نے یوسف بن تاشفین کو ڈرا دھمکا کر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ یوسف بن تاشفین نے متنبی کا ایک شعر لکھ بھیجا:

وَلَا كُتْبَ إِلَّا الْمَشْرِفِيَّةُ عِنْدَهُ وَلَا رُسُلٌ إِلَّا الْخَمِيسُ الْعَرَمْرَمُ

''تلواروں اور نیزوں کے سوا اس کا کوئی خط نہیں اور لشکر جرار کے سوا کوئی قاصد نہیں۔''

الفانسو ششم نے مرابطین کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا لشکر تیار کیا۔ مرابطین، ابن تاشفین کی قیادت میں اور معتمد بن عباد کے تعاون سے اندلس کے ملک میں داخل ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے ٹھکانے تیار کر لیے تھے اور اسلحہ جمع کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ اندلس کے مسلمان رضا کار مجاہدین بھی آ ملے۔ اس دوران

---

[1] نفح الطیب: 359/4. [2] الکامل في التاریخ: 152/10.



میں الفانسو نے بھی اپنی فوجیں جمع کر لیں اور اندلس کے شہروں کے قریب محاصرہ توڑ کر اس مقام پر آ گئے جسے زلاقہ کہتے ہیں۔ ہسپانوی زبان میں اس جگہ کا نام سیگرا جاس (SAGRAJAS) ہے۔ اس کے قریب ہی اندلس کے عیسائیوں نے بھی پڑاؤ ڈال دیا جن کی تعداد تقریباً پچاس ہزار تھی۔

دس رمضان 479ھ جمعہ کے دن شدید جنگ ہوئی۔ جنگ کی ابتدا مسلمانوں کی طرف سے اچانک حملے کی صورت میں ہوئی۔ انھوں نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے جنگ کی۔ معتمد بن عباد نے سب سے زیادہ شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اسے بہت سے زخم آئے، پھر مسلمانوں نے اپنی صفوں کو نئے سرے سے ترتیب دیا اور بہت جرأت و مردانگی سے جنگ کی۔ اس جنگ میں اندلس کے عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد تہ تیغ ہوئی اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔ الفانسو ششم فرار ہو کر اپنے چند سواروں کے ساتھ قریبی پہاڑوں میں جا چھپا، پھر شکست کا داغ لیے ذلیل ہو کر موقع ملتے ہی الٹے پاؤں بھاگا، جبکہ اس کے لشکر کا زیادہ حصہ تباہ ہو چکا تھا۔

مسلمان اب دوبارہ اپنے بعض علاقوں پر قبضہ کرنے لگے۔ ان کا رعب داب دوبارہ قائم ہو گیا۔ اکثر مؤرخین نے اس جنگ کو ''اندلس کو نئے سرے سے فتح کرنے'' سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد یوسف بن تاشفین دوبارہ اپنے ملک ''المغرب'' واپس چلا گیا۔ [1]

---

[1] الكامل في التاريخ: 153/10.

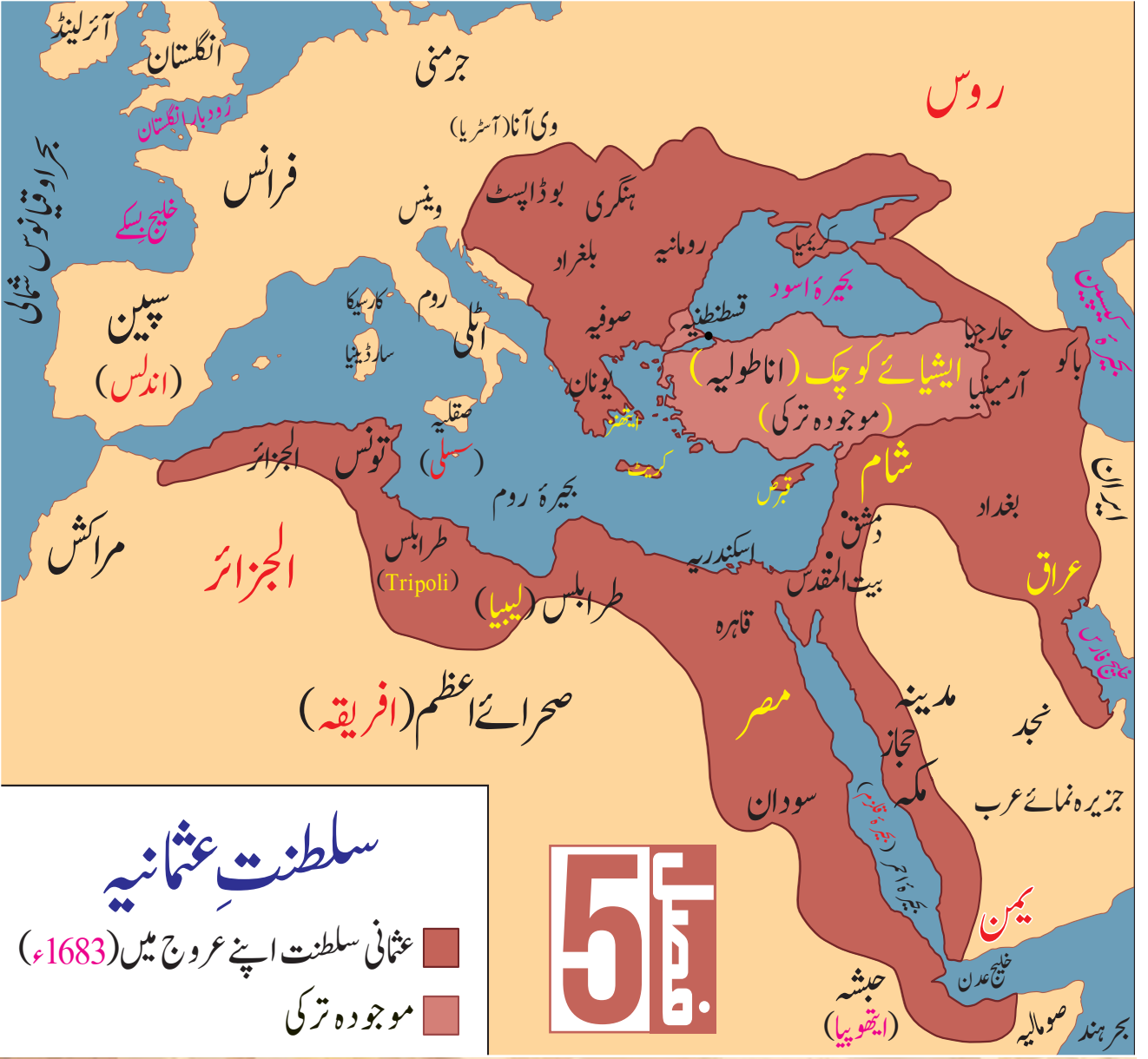

سلطنتِ عثمانیہ

عثمانی سلطنت اپنے عروج میں (1683ء)

موجودہ ترکی

5



صلیبی جنگوں کا دَور

صلیبی جنگوں کے دور کو مختلف اسلامی ادوار میں ایک ضمنی دور سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کی ابتدا عباسی (سلجوقی) دور میں ہوئی اور انتہا مملوک خاندان کے دور میں ہوئی۔ اس کے درمیان ایوبی دور بھی آتا ہے لیکن اس تمام مدت کو ایک الگ دور قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اس دور میں ایک مشترک وصف موجود ہے اور وہ ہے مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان لڑائیاں جو مسلمانوں نے شام اور مصر میں فرنگی افواج اور مقامی عیسائیوں سے لڑیں۔ اس دور کے واقعات پر یہ ٹکراؤ حاوی رہا ہے، چنانچہ فتح و جہاد کی تحریکوں میں صلیبیوں سے جنگ نے مرکزی اور اہم ترین مقام حاصل کر لیا اور نئی فتوحات کا سلسلہ رُک گیا۔ مسلمان یا تو صلیبی حملوں سے اپنے ملکوں کا دفاع کرنے میں مشغول ہوگئے یا جن کی حالت بہتر تھی، وہ مسلمانوں کے چھنے ہوئے علاقے صلیبیوں سے واپس لینے کی جدوجہد کرتے رہے۔

اگرچہ اسلامی سرزمین پر پہلا صلیبی حملہ اس وقت ہوا، جب بغداد میں عباسی حکومت قائم تھی لیکن اس کی



موجودگی محض ظاہری حیثیت رکھتی تھی۔ شام کے ملک میں، بلکہ شمالی عراق میں بھی جو عباسی خلافت کا مرکز تھا، چھوٹی چھوٹی منتشر ریاستیں اور امارتیں قائم تھیں جو بعض اوقات آپس میں بھی لڑ پڑتی تھیں اور خلافت ان ننھی منی ریاستوں کو تسلیم کر کے اس تقسیم کو کسی حد تک قانونی حیثیت بھی دے دیتی تھی۔

موصل، حران، میافارقین، طرابلس، صور، شیزر وغیرہ سب چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں تھیں لیکن وہ اتنی کمزور تھیں کہ اپنا دفاع نہیں کر سکتی تھیں۔

بغداد میں عباسی سلطنت پر سلجوقی مسلط تھے۔ ان کے بعض جتھے، اپنی ترکمانی افواج کے ساتھ رومیوں، یعنی بازنطینیوں کے علاقے کے بڑے بڑے حصوں پر قبضہ کرنے کے بعد شام کے اس شمالی حصے پر قبضہ کر چکے تھے جو اس وقت ترکی میں شامل ہے۔

صلیبیوں کا پہلا حملہ اور بیت المقدس پر ان کا قبضہ

صلیبی، یورپ سے پہلی بار اس وقت روانہ ہوئے جب پوپ اربن دوم (Urban II) نے اس کی ترغیب دی [1] اور پطرس راہب نے یہ دعوت یورپ میں جگہ جگہ پہنچا دی، چنانچہ یورپی باشندے جوق در جوق اس کے ساتھ ملنے لگے جن میں پہلے جتھے کی تعداد کا اندازہ پندرہ ہزار افراد لگایا گیا ہے، پھر ان کی تعداد بڑھتے بڑھتے پچیس ہزار تک پہنچ گئی۔ وہ مغرب سے مشرق کی طرف یورپ کے علاقوں میں سفر کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ عیسائی آبادی کے علاقوں سے گزر رہے تھے، پھر بھی وہ جہاں سے گزرتے وہاں کی بستیوں کو ویران کر دیتے، لوگوں کو قتل کرتے اور ان پر ظلم و تشدد کرتے تھے، چنانچہ یورپیوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ پہنچنے تک ہزاروں افراد قتل ہو چکے تھے۔ [2]

---

[1] یہ دعوت و ترغیب کیسے دی گئی اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟ اس کے بارے میں تفصیل کے لیے دیکھیے: فوشے شارتری کی تاریخ الحملة الصليبية الأولى إلى القدس، ترجمہ ڈاکٹر زیاد العسلی، طبع دار الشرق عمان، اردن 1990ء، ص: 22 اور اس سے آگے۔ نیز ولیم صوری کی تاریخ الحروب الصليبية: 1/16 وما بعد. [2] دیکھیے: ولیم صوری کی کتاب: 1/181۔

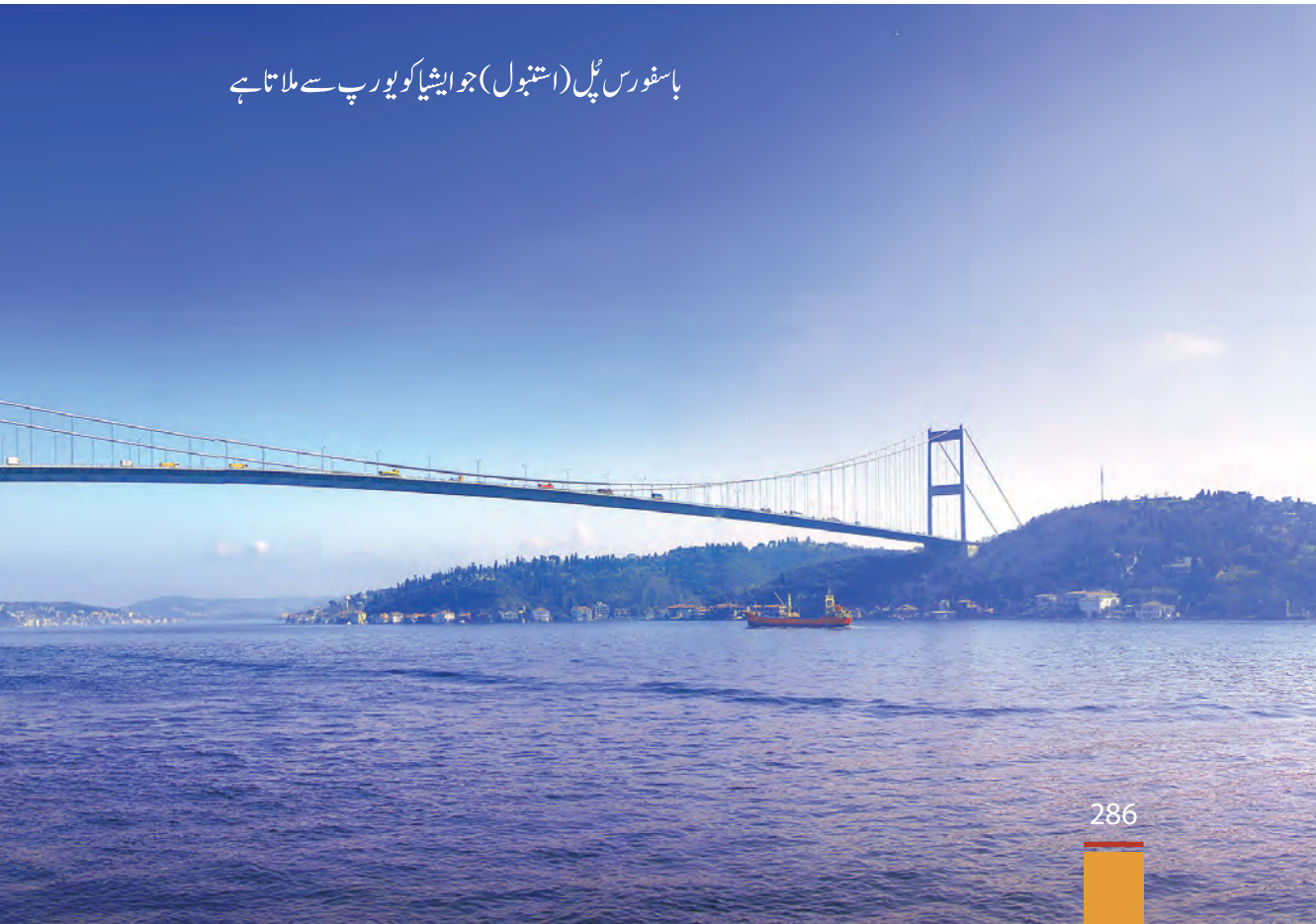

باسفورس پُل (استنبول) جو ایشیا کو یورپ سے ملاتا ہے

ان کا پہلا لشکر قسطنطنیہ میں رجب 490ھ (مطابق 1096ء) میں پہنچا۔ قسطنطنیہ کے عیسائیوں نے بازنطینی بادشاہ کی سربراہی میں آنے والوں کا زبردست استقبال کیا، انھیں امداد فراہم کی اور انھیں نصیحت کی کہ آگے جانے میں جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ مزید تیاری کر لیں۔ لیکن اس لشکر کے سرداروں نے اس نصیحت پر کان نہ دھرا۔ انھوں نے قسطنطنیہ کے قرب و جوار میں سخت فساد پھیلایا۔ بازنطینیوں نے صلیبیوں کی آبنائے باسفورس پار کرنے میں مدد کی اور وہ اسے عبور کر کے اس کے مشرق میں پہنچ گئے اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اناطولیہ میں بہت فساد مچایا اور علاقے کے مسلمانوں اور عیسائیوں کو تنگ کر دیا۔ وہ سلجوقیوں کے علاقے کے قریب پہنچ چکے تھے، چنانچہ ان کے ایک شہر قونیہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن سلجوقی مقابلے کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے ان اوباشوں کے لشکر پر حملہ کر کے انھیں تباہ کر دیا۔ 25 ہزار میں سے صرف تین ہزار صلیبی بھاگ کر جانیں بچا سکے۔ اس طرح پطرس راہب کی زیرِ قیادت کیا جانے والا یہ حملہ ناکام ہو گیا۔ یہ حملہ ''عوامی حملہ'' کے نام سے مشہور ہوا، البتہ پطرس قتل ہونے سے بچ گیا۔

صلیبی حملے کی دوسری لہر ''سرداروں کا حملہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ پہلے حملے کی نسبت زیادہ منظم




پہلی چار صلیبی جنگیں (1096ء تا 1204ء)
مسیحی ممالک (1096ء تا 1204ء)
مسلم ممالک (1147ء تا 1204ء)
پہلی صلیبی جنگ (1096ء تا 1099ء)
دوسری صلیبی جنگ (1147ء تا 1149ء)
تیسری صلیبی جنگ (1189ء تا 1192ء)
چوتھی صلیبی جنگ (1202ء تا 1204ء)
ناروے
فن لینڈ
سویڈن
روس
ڈنمارک
پولینڈ
یورپ
ہولی رومن ایمپائر
یوکرین
ہنگری
رومانیہ
بلغاریہ
سربیا
بلقان
قسطنطنیہ
بازنطینی سلطنت
بحیرۂ اسود
کریمیا
کوہ قاف
آذربائیجان
ایران (فارس)
ایشیائے کوچک (اناطولیہ)
سلجوقی ترک
انطاکیہ
دمشق
بیت المقدس (یروشلم)
عباسی خلافت
فاطمی خلافت (مصر)
عرب
قبرص
کریٹ
مالٹا
بحیرۂ روم (Mediterranean Sea)
بحیرۂ آئیونیا
طرابلس (لیبیا)
20°E
40°E

تھا اور اس کی تیاری بھی بہتر تھی۔ اس میں یورپ کے بہت سے سردار شامل تھے جو مختلف اوقات میں یورپ سے آئے تھے اور اپنے ساتھ بڑی تعداد میں تربیت یافتہ فوجی اور سوار لائے تھے۔ اس کے علاوہ وہ سیاسی طور پر زیادہ منظم تھے اور بازنطینی بادشاہ سے تعاون کے لیے زیادہ مستعد تھے، اس لیے انھیں مسلسل کمک پہنچتی رہی۔ یہ سردار آبنائے باسفورس پار کر کے اناطولیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انھوں نے سلجوقی سرداروں سے کئی لڑائیاں کیں اور اکثر لڑائیوں میں فتح یاب ہوئے۔ وہ اناطولیہ کے کئی شہروں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے، جن میں نیقیہ کا شہر سرفہرست تھا۔ [1]

اس کے بعد وہ دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک لشکر نے بالڈوِن کی قیادت میں مشرق کا رخ کیا۔ ان کی منزل ''رہا'' کا شہر تھی جہاں ارمن قوم کی



[1] فوشے شارتری کی تاریخ الحملة إلى القدس: 64، فائد حماد عاشور کی جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 229/1، و الكامل: 274/10.

تعداد بہت زیادہ تھی۔ انھوں نے صلیبیوں کو حمایت اور تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی، چنانچہ انھوں نے 490ھ میں ''رہا'' پر قبضہ کر کے پہلی صلیبی حکومت قائم کر لی جس نے بعد میں آہستہ آہستہ پڑوس کے اسلامی علاقوں پر قبضہ کر کے قابل ذکر سلطنت بنا لی۔

صلیبیوں کے دوسرے لشکر نے ''بوہیمنڈ'' کی قیادت میں جنوب کا رُخ کیا۔ انطاکیہ ان کی منزل تھی۔ اس وقت اس کا امیر ''یاغی سیان سلجوقی'' تھا۔ اس نے شہر کا دفاع کرنے میں جان کی بازی لگا دی۔ صلیبیوں نے نو ماہ سے زیادہ اس کا محاصرہ کیے رکھا لیکن وہ ان کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ اس نے دمشق، حلب، بغداد اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت کمزور تھی اور ان کے باہمی اختلافات شدید تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے کوئی قابل ذکر مدد نہ مل سکی۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ فاطمی حکومت نے صلیبیوں سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا کہ انطاکیہ کو مدد نہ پہنچنے دی جائے تاکہ اس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جائے۔ اس کے عوض صلیبیوں نے فاطمیوں کو اجازت دی کہ وہ عباسیوں کے حامیوں سے بیت المقدس چھین کر اس پر قبضہ کر لیں۔ [1]

متعدد معرکوں اور طویل محاصرے کے بعد ایک ارمن نے سلجوقی سردار سے غداری کرتے ہوئے صلیبیوں کے لیے انطاکیہ شہر کے دروازے کھول دیے۔ انھوں نے شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت شروع کر دی۔ بہت کم مسلمان بچ کر نکل سکے۔ اس کے نتیجے میں قریبی علاقوں کے مسلمان خوف زدہ ہو گئے اور بہت سے مسلمان علاقہ چھوڑ کر چلے گئے، چنانچہ صلیبیوں کو جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے میں مزید آسانی ہو گئی۔ اس طرح بوہیمنڈ کی قیادت میں انطاکیہ میں دوسری صلیبی حکومت قائم ہو گئی اور شام کے شمالی اور شمال مغربی حصوں میں صلیبیوں کے دو مرکز قائم ہو گئے۔ صلیبی نو ماہ تک انطاکیہ میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں انھوں نے اپنے قدم مضبوط کیے اور انھیں مزید کمک مل گئی، پھر انھوں نے جنوب میں اپنے اصل مقصود، یعنی بیت المقدس کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ راستے میں انھوں نے کئی مقامات پر قبضہ کیا۔ ان میں سے ایک معرۃ النعمان کا شہر تھا۔ یہاں انھوں نے وحشیانہ قتل عام کرتے ہوئے تمام باشندوں کو شہید کر دیا۔ [2]

---

[1] الكامل، حوادث سنة 491. 273/10، نیز دیکھیے: ڈاکٹر حامد غنیم ابوسعید کی الجبهة الإسلامية في عصر الحروب الصليبية: 146/1، غامدی کی الجهاد ضد الصليبيين في الشرق الإسلامي: 119، ڈاکٹر المعاضیدی و دیگر کی تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 39، صور کے پادری ولیم کی تاريخ الحروب الصليبية، عربی ترجمہ از سہیل زکار: 394/1۔

[2] تاريخ الحروب الصليبية: 50.

اس کے بعد صلیبیوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اس دوران میں وہ طرابلس، بیروت، صور اور دیگر مقامات سے گزرے۔ شام کے عیسائیوں، خاص طور پر لبنانی عیسائیوں نے صلیبیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے ان کا استقبال کیا، انھیں مبارک باد دی اور ان کی تعریف کی۔ انھوں نے ان کو بیت المقدس پہنچنے کے لیے راستہ بتایا اور ان کی رہنمائی کی۔ صلیبی انھیں ''مقامی مومن'' کہتے تھے۔ آخر وہ بیت المقدس کے شہر تک پہنچ گئے۔ فاطمیوں نے صلیبی حملے سے چند ماہ پہلے ہی، عباسیوں سے دشمنی کی وجہ سے اسے سلجوقیوں سے چھین لیا تھا اور وہاں اپنے باطنی مذہب کی ترویج کی کوشش شروع کر دی تھی۔ مقامی فوج نے مزاحمت کی کوشش کی لیکن فائدہ نہ ہوا۔ انھوں نے قاہرہ سے مدد مانگی لیکن کوئی مدد نہ ملی۔ صلیبیوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان کی مدد کے لیے مسلسل کمک آ رہی تھی۔ اس سے صلیبی طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بیت المقدس کا دفاع کرنے والوں کی قوت مزاحمت کمزور ہوتی گئی، پھر صلیبیوں نے لکڑی کے برج بنائے اور ان کے ذریعے سے بیت المقدس کی فصیلوں کے اوپر تک پہنچ گئے۔ انھوں نے شہر میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کیا اور وہاں موجود تمام مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے مسجد اقصیٰ کی حدود میں ستر ہزار سے زیادہ مسلمان شہید کیے۔ [1]

ایک صلیبی مؤرخ لکھتا ہے: ''وہ ہر طرف سے شہر کی سڑکوں پر اور میدانوں میں نکل آئے۔ انھوں نے تلواریں سونت رکھی تھیں، زرہیں اور خود پہنے ہوئے تھے۔ انھیں جتنے دشمن (یعنی مسلمان) نظر آئے، ان کی عمر یا حالت کا خیال کیے بغیر بلا امتیاز قتل کر دیے۔ ہر جگہ خوف ناک مقتل پھیلے ہوئے تھے اور ہر طرف کٹے ہوئے سروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے حتی کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لاشوں پر سے گزرے بغیر جانا، ناممکن تھا۔ سابق حکمرانوں نے شہر کے مرکز تک پہنچنے کے لیے مختلف راستے بنا رکھے تھے پھر جب وہ آئے تو ایسا قتل عام ہوا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ قائدین کے پیچھے پیچھے ایک ہجوم بڑھا آ رہا تھا، جو دشمنوں کے خون کا پیاسا تھا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کا پختہ عزم کیے ہوئے تھا۔'' [2]

وہ آگے چل کر لکھتا ہے: ''شہر میں ہر جگہ جو قتل عام ہوا، وہ انتہائی خوفناک تھا۔ یہ خوں ریزی اس قدر وحشیانہ تھی کہ خود فاتحین بھی دہشت زدہ رہ گئے تھے اور انھیں کراہت کا احساس ہو رہا تھا۔'' اس نے بیت المقدس میں صلیبیوں کے انتہائی مکروہ جرائم کی تصویر کشی اس طرح کی ہے: ''اکثر لوگوں نے ہیکل کے صحن میں پناہ لی

---

[1] الکامل: 283/10، والبدایة والنهایة: 156/12. [2] تاریخ الحروب الصلیبیة: 435/1.



بیت المقدس کے قدیم شہر میں مسجد اقصیٰ کا گنبد نمایاں ہے

کیونکہ وہ شہر کے الگ تھلگ حصے میں واقع تھا اور وہ فصیل، برجوں اور دروازوں کی وجہ سے بہت محفوظ تھا، لیکن انھیں بھاگ کر یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا کیونکہ ٹانکرڈ نے لشکر کا ایک حصہ لے کر فوراً ان کا تعاقب کیا اور قوت کے زور پر ہیکل کے اندر جانے کا راستہ بنا لیا۔ ایک روایت کے مطابق اس خوفناک قتل عام کے بعد وہ بھاری مقدار میں سونا، چاندی اور جواہرات لے گیا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ شورش ختم ہونے کے بعد اس نے یہ خزانے صحیح سالم (ہیکل کو) واپس کر دیے ہوں گے۔

دوسرے صلیبی قائدین جب شہر کے مختلف حصوں میں ہر سامنے آنے والے انسان کو قتل کر چکے تو انھیں خبر ملی کہ بہت سے لوگوں نے بھاگ کر ہیکل کے مقدس برآمدوں میں پناہ لے لی ہے، چنانچہ وہ سب کے سب وہاں جا گھسے۔ پیدل اور گھڑسوار صلیبیوں کی ایک بڑی تعداد اندر داخل ہوگئی اور ان تمام افراد کو قتل کر دیا جنھوں نے وہاں پناہ لی تھی۔ انھوں نے کسی پر رحم نہ کیا۔ وہ ساری جگہ مقتولین کے خون سے تر ہوگئی۔ حقیقت میں یہ خدا کا ان لوگوں کے خلاف برحق فیصلہ تھا جنھوں نے مسیح کے مقدس حرم کو، خرافات پر مبنی مذہبی اعمال سے، ناپاک کر دیا تھا اور اسے اس سے تعلق رکھنے والے مومنوں (یعنی عیسائیوں) کے لیے ایک اجنبی مقام بنا دیا تھا۔ (یہ خدا کا فیصلہ تھا) کہ وہ اپنے گناہوں کا کفارہ اپنی موت کی صورت میں ادا کریں اور مقدس برآمدوں کو اپنے خون سے دھو کر پاک کریں۔

مقتولین کی اتنی بڑی تعداد کو دیکھنا ہی بڑے دل گردے کا کام تھا انسانی اجسام کے ٹکڑے ہر جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ زمین مقتولین کے خون سے ڈھکی ہوئی تھی۔ سرکٹی لاشیں اور ٹوٹی پھوٹی پسلیاں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ اسی کو دیکھ کر دل خوف سے لبریز ہو جاتا تھا۔ لیکن اس سے زیادہ لرزہ خیز منظر خود فاتحین کو دیکھنا تھا جو سر سے پاؤں تک خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ یہ منحوس منظر ان سب کے دل دہلا دیتا تھا جو انھیں دیکھ لیتے۔ کہتے ہیں کہ صرف ہیکل کی مقدس حدود میں دس ہزار کافر (یعنی مسلمان) ہلاک ہوئے۔ شہر میں ہر جگہ، سڑکوں اور میدانوں میں پڑی ہوئی لاشیں اس کے علاوہ تھیں۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد بھی مقدس ہیکل کے اندر قتل ہونے والوں کے برابر تھی۔

باقی لشکر شہر میں گھوم پھر کر ان بدنصیبوں کو تلاش کرنے لگا جو ابھی تک زندہ تھے اور جن کے بارے میں امکان تھا کہ وہ موت سے بچنے کے لیے تنگ راستوں اور گلیوں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ انھیں سب کے سامنے گھسیٹ کر لایا جاتا اور بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا جاتا۔ کچھ لوگ جتھے بنا کر گھروں میں گھس گئے اور کنبے کے سربراہوں، ان کی بیویوں اور بچوں اور کنبے کے باقی افراد کو پکڑ لائے اور سب کو قتل کر دیا یا انھیں اونچی جگہ سے نیچے پھینک دیا گیا جہاں وہ انتہائی قابل رحم حالت میں سسک سسک کر مر گئے۔ کوئی حملہ آور جس گھر میں گھسا، اس نے اس کی دائمی ملکیت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گھر میں موجود ہر چیز کا مالک بن بیٹھا کیونکہ مقدس شہر کے زائرین نے شہر پر قبضہ کرنے سے پہلے بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ شہر فتح ہونے کے بعد کوئی شخص جس چیز پر بھی قبضہ کر لے گا، وہ اس کا حق سمجھی جائے گی اور ہمیشہ کے لیے اس کی ملکیت ہو جائے گی، چنانچہ زائرین نے انتہائی باریک بینی سے شہر کی تلاشی لی اور بڑی بے باکی سے وہاں کے باشندوں کو شہید کیا۔ جو گھر الگ تھلگ اور عام آبادی سے دور تھے، وہ ان میں بھی گھس گئے اور دشمنوں کے انتہائی باپردہ اور پرائیویٹ کمروں میں بھی داخل ہو گئے۔ ہر فاتح جس گھر میں داخل ہوتا تھا، اس کے دروازے پر اپنی زرہ اور اسلحہ لٹکا دیتا تھا تاکہ دوسرا شخص قریب آئے تو یہ اشارہ دیکھ کر سمجھ جائے کہ یہ گھر کسی اور کی ملکیت ہو چکا ہے اور وہ آگے بڑھ جائے۔'' [1]

ایک اور مصنف بیت المقدس میں عیسائیوں کے مکروہ اعمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''عظیم فتح حاصل ہو جانے کے بعد اور آخری دو تین دن میں حد سے بڑھے ہوئے مجنونانہ جذبات کے تحت قتل و غارت اور

---

[1] ولیم صوری: 1/436,437۔

دہشت گردی کے بعد انھیں ذرہ برابر شک نہ رہا کہ بیت المقدس کا دفاع کرنے والے مسلمان رب سے نفرت کرنے والے ہیں، مقدس مقامات کو ناپاک کرنے والے ہیں، مسیح کے دشمنوں کے کارندے ہیں اور انجیل میں مذکورہ متروک مقام پر قابل نفرت چیز کی پوجا کرنے والے ہیں، اس لیے انھیں شہر میں جو بھی مرد، عورت یا بچہ نظر آیا، اسے انھوں نے بہت خوشی سے اور دل کے پورے اطمینان سے قتل کیا کیونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ اس طرح اللہ کا ارادہ پورا کر رہے ہیں۔ انسانوں کو ذبح کرنے کا یہ سلسلہ رات بھر بلکہ اگلی رات کے ایک حصے تک جاری رہا۔ جب دوسرے دن صبح کے وقت راہب ''ریمنڈ آف اگلیرز'' ہیکل کی زیارت کے لیے گیا، تو وہ انسانوں سے خالی اور لاشوں سے بھرا ہوا تھا۔ مسجد اقصیٰ پر ٹانکرڈ کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ مسجد اور قبۃ الصخرہ ذبح شدہ انسانوں کی لاشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ان کا خون گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔ شہر سے زندہ بچ نکلنے والوں میں صرف حاکم اور ان کے محافظ شامل تھے جنھوں نے ایک بڑی رقم فدیہ کے طور پر ادا کی تھی اور ریمنڈ نے ان سے بڑے بڑے خزانے وصول کر کے انھیں نکل جانے کی اجازت دی تھی۔ باقی تمام لوگوں کو ذبح کر دیا گیا۔ ان میں وہ یہودی بھی شامل تھے جو اپنے بڑے معبد میں جمع ہو گئے تھے۔ اس عمارت کو آگ لگا دی گئی اور وہ سب زندہ جل کر ختم ہو گئے۔ جب کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جسے وہ قتل کر سکتے تو فاتحین کنیسۂ قیامت کی طرف روانہ ہوئے۔ وہ شہر کی گلیوں سے گزرے تو ان میں لاشیں بچھی ہوئی تھیں اور ان سے موت کی بدبو آ رہی تھی۔ وہاں جا کر انھوں نے خدا کی عظیم نعمت کا شکر ادا کیا کہ وہ صلیب فتح یاب ہو گئی ہے جس کے نام پر انھیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔''[1]

یہ خود صلیبی مصنّفین کے الفاظ ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ عیسائیوں کے تاریخی حوالوں سے عبارتیں نقل کروں جن کی یقیناً یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان حادثات کو نرم کر کے بیان کریں، ورنہ مسلمانوں کے تاریخی مراجع میں ان کے مظالم کی اس سے کہیں زیادہ تفصیل موجود ہے لیکن میں نے صرف وہی کچھ نقل

---

[1] انطونی برج کی تاریخ الحروب الصلیبیة: 105,104.

کوہِ زیتون سے بیت المقدس کا ایک منظر





بیت المقدس میں مسجد عمر بن خطاب کا سبز دروازہ

کرنا مناسب سمجھا ہے جو انھوں نے خود بیان کیا ہے۔ [1]

اس مقام پر ہمیں یاد کرنا چاہیے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی فتح کے موقع پر بیت المقدس میں کس طرح داخل ہوئے تھے۔ تب خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا گیا تھا۔ ان کے گرجاؤں کے تقدس کو پامال نہیں کیا گیا تھا اور ان کے حقوق پر کوئی دست درازی نہیں کی گئی تھی بلکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حقوق کی ضمانت دی تھی اور مسلمانوں نے صلیبیوں کے قابض ہو جانے کے لمحات تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس عہد کی مکمل پاس داری کی تھی۔ بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ 492ھ میں جمعہ کے دن 15 حزیران (جون) 1099ء کو ہوا تھا۔ [2]

مسجد اقصیٰ کے ساتھ ان کا سلوک یہ تھا کہ انھوں نے اس کی محراب کو الگ کر دیا اور وہاں کوڑا کرکٹ اور خنزیر پھینکنے لگے۔ مسجد کی عمارت کا کچھ حصہ شہید کر کے وہاں رہائش گاہیں تعمیر کر لیں۔ اس کے علاوہ پادریوں اور راہبوں کی ضروریات کے لیے کچھ عمارتیں بنا لیں۔ مسجد میں مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اگر کوئی مسلمان بچ گیا ہو تو ..... [3]

---

[1] اس المناک واقعے کے بارے میں مسلمان مصنّفین نے جو کچھ لکھا ہے، ان میں سے چند کتابیں یہ ہیں: الکامل: 234/10، و النجوم الزاهرة: 148/5، و البداية والنهاية: 156/12، و جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 113، سعید برجاوی کی الحروب الصلیبیة فی المشرق: 168، عرب کے عیسائی مصنّفین میں سے ابن العبری کی تاریخ مختصر الدول: 197. [2] البداية والنهاية: 156/12، نیز دیکھیے: سعید برجاوی کی الحروب الصلیبیة فی المشرق: 168. [3] دیکھیے ابن واصل کی مفرج الکروب: 217/2.

بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے احاطے میں قبۃ الصخرہ نمایاں ہے



بیت المقدس پر قبضہ کر کے انھوں نے تیسری صلیبی لاطینی ریاست کی بنیاد رکھی۔[1] اس کے بعد کے چند سالوں میں انھوں نے شامی ساحل اور فلسطین سے متصل علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی ریاست کی حدود میں اضافہ کر لیا، چنانچہ نابلس، عکّا اور قنسرین پر قبضہ ہوجانے کی وجہ سے ان کے قدم مضبوط ہوگئے۔ وہ طرابلس پر قبضہ کرنے کے لیے کئی سال کوشش کرتے رہے لیکن 502ھ/ 1109ء سے پہلے کامیاب نہ ہوسکے۔ اس کے بعد انھوں نے بیروت، بانیاس اور صیدا پر قبضہ کیا۔ 504ھ تک شامی ساحل کے اکثر حصوں پر صلیبیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ان علاقوں کے مسلمان فاطمیوں سے مدد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، حالانکہ وہ سب سے زیادہ ان کے قریب تھے اور ان کی مدد کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے تھے۔ اسی طرح بغداد کے عباسیوں اور ان کے سلجوقی امراء نے اس علاقے کے مسلمانوں کو بچانے کے لیے ان کی کوئی قابل ذکر مدد نہ کی، چنانچہ عیسائیوں نے چوتھی صلیبی لاطینی مملکت قائم کر لی۔ انھوں نے صیدا پر قبضہ کرنے کے بعد طرابلس کو اس سلطنت کا دارالحکومت بنا لیا تھا۔[2]

کوئی سوال کرسکتا ہے کہ جب یہ حملے ہو رہے تھے تو کثیر تعداد رکھنے والے مسلمان کہاں چلے گئے تھے؟ اور جذبۂ جہاد کہاں گم ہو گیا تھا؟ سچی بات ہے کہ یہ سوال برمحل ہے۔ لیکن جو شخص جانتا ہے کہ اس دور میں اور اس سے پہلے اسلامی دنیا کے کیا حالات تھے، اسے ان کی اس کمزوری پر کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت باطنی اور شیعہ مذہب عام ہو چکا تھا۔ فاطمیوں، اسماعیلیوں اور قرامطہ نے اسے زبردستی عوام پر مسلط کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں علاقے میں صلیبیوں کی آمد سے پہلے اور ان کی آمد کے وقت فاطمیوں کی افواج اہل سنت کو کچلنے اور ان کے اہم فوجی مقامات پر قبضہ کرنے میں مشغول تھیں۔ اس طرح وہ صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے تھے، پھر عباسی سلطنت بھی کمزور ہو چکی تھی اور خلافت کا صرف نام باقی تھا۔ فوجی قوت سلجوقیوں کے ہاتھ میں تھی اور اس دور میں ان میں بھی کمزوری سرایت کر چکی تھی۔ ان کی اکثریت دنیا سے محبت کرنے والی اور موت سے ڈرنے والی تھی۔[3] اس کے باوجود بعض حکمرانوں نے صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ ان میں سب سے بڑی خامی باہمی تعاون کا فقدان تھا۔

---

[1] بیت المقدس (یروشلم) کی صلیبی ریاست کا بادشاہ فرانسیسی سردار گاڈفرے بنا تھا جو وائی رُہا بالڈون کا بھائی تھا۔ اگلے سال گاڈفرے کی وفات پر بالڈون یروشلم کا دوسرا حکمران بنا۔ (م ف) [2] الکامل: 479/10. [3] اس موضوع پر مزید معلومات کے لیے دیکھیے: محمد العبدہ کی ''أيعيد التاريخ نفسه؟'' (دراسة لأحوال العالم الإسلامي قبل صلاح الدين) کیا تاریخ خود کو دہراتی ہے؟ صلاح الدین سے پہلے عالم اسلامی کے حالات کا مطالعہ۔



صلیبیوں کے خلاف جہاد کی ابتدا

القدس پر صلیبیوں کا قبضہ ہو جانے سے تمام مسلمان متاثر ہوئے۔ اسی طرح شام کے اندر صلیبی ریاستوں کے قیام سے شام کے تمام علاقے بلا استثناء متاثر ہوئے۔ بعض مقامی سردار ان کے ساتھ اچھا رویہ رکھنے پر بلکہ بعض اوقات انھیں جزیہ ادا کرنے کی پیشکش کرنے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے علاوہ شام کے اہم راستوں پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا، چنانچہ مسلمان آزادانہ نقل وحرکت کرنے کے قابل نہ رہے۔ جن شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا، وہ بھی ہر وقت اس خطرے سے دوچار تھے، لہٰذا جب سے اسلامی ممالک میں صلیبی داخل ہوئے تھے، تبھی سے جہاد کی کوشش شروع ہوگئی تھی۔ ان میں سب سے نمایاں انطاکیہ وغیرہ مقبوضہ مقامات کی دفاعی جدوجہد تھی۔ علاوہ ازیں موصل کے امیر ''قوام الدولہ کربوغا'' نے انطاکیہ پر دشمن کا قبضہ ہونے سے چند ہفتے بعد ہی اپنا علاقہ واپس لینے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ [1]

---

[1] دیکھیے ڈاکٹر مسفر غامدی کی الجهاد ضد الصليبيين في الشرق الإسلامي: 138.



صلیبی قلعہ الکرک (اُردن) کا ایک منظر



ملطیہ (ترکی) میں نئی مسجد کا خوبصورت منظر

صلیبیوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد ان کا مقابلہ کرنے کی مؤثر اور فعال جدوجہد کے لیے اہم اقدامات کی ابتدا ایک ترکمانی سردار گمشتگین بن دانشمند کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا والد سلجوقی سلطان الپ ارسلان کے حامی سرداروں میں سے ایک تھا۔[1] اس نے اناطولیہ کے علاقے میں ملطیہ کے شمال میں اپنا مرکز قائم کیا، پھر بازنطینیوں سے علاقے چھینتے ہوئے اپنی ریاست کو وسیع کرتا رہا حتی کہ بحیرۂ اسود تک پہنچ گیا۔

رُہا اور انطاکیہ کی ریاستوں کے صلیبی شمال میں اناطولیہ اور جنوب میں شام کے علاقے میں آگے بڑھنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے کئی بار حلب پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ جب وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے تو انھوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں قلعے تعمیر کرنا شروع کر دیے تاکہ اشیائے ضرورت کو حلب پہنچنے

---

[1] اس سردار کے بارے میں تفصیلی معلومات کے لیے پڑھیے: ڈاکٹر علی محمد عودہ غامدی کی کتاب المجاهد المسلم كمشتكين بن دانشمند: بطل الانتصارات الأولى على الصليبيين، طبع اول، مكتبة الصديق، طائف، 1411ھ۔

سے روک دیں۔ وہاں کے سرداروں کو کئی دفعہ صلیبیوں سے مجبوراً صلح کرنا پڑی لیکن صلیبی حلب پر قبضہ نہ کر سکے۔ تب انھوں نے شمال میں ملطیہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ شہر شام اور اناطولیہ دونوں کے لیے برابر اہمیت کا حامل تھا۔ حالات صلیبیوں کے حق میں تھے کیونکہ یہ شہر ایک ارمن سردار ''جبریل'' کے ماتحت تھا۔ اسے معلوم ہوگیا کہ گمشتگین بن دانشمند اس کے شہر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے انطاکیہ کی ریاست سے رابطہ کیا اور اس کے سردار ''بوہیمنڈ نارمنڈی'' کو پیشکش کی کہ وہ بعض شرائط پر اپنا شہر اس کے حوالے کرنے کو تیار ہے۔ بوہیمنڈ نے اس تجویز سے اتفاق کیا، چنانچہ وہ ملطیہ کے حاکم جبریل ارمنی سے طے شدہ وقت پر ملاقات کے لیے اپنے چند سواروں کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ لیکن امیر گمشتگین معلومات حاصل کرتا اور حالات کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ وہ بوہیمنڈ نارمنڈی اور اس کے لشکر پر حملہ کرنے کے لیے اپنی افواج کے ساتھ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گیا اور پھر گمشتگین نے بوہیمنڈ کی افواج کو تہس نہس کر دیا اور اسے اس کے ہمراہی بعض صلیبی سرداروں سمیت گرفتار کر لیا۔ یہ رمضان 493ھ کا واقعہ ہے۔ [1]

بوہیمنڈ کی گرفتاری صلیبیوں پر ایک کاری ضرب تھی کیونکہ وہ پہلے صلیبی حملے کے بڑے قائدین میں سے تھا اور انطاکیہ کی نصرانی سلطنت کا بانی تھا، چنانچہ رُہا کی صلیبی ریاست کا حکمران بالڈون، گمشتگین کو پیچھے ہٹانے کے لیے حرکت میں آ گیا جس کی فوجوں نے ملطیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ گمشتگین نے یہی مناسب سمجھا کہ محاصرہ ختم کر کے اپنے قیدی بوہیمنڈ سمیت اناطولیہ کے اندرونی علاقے میں چلا جائے۔ اگرچہ گمشتگین ملطیہ پر قبضہ نہیں کر سکا، تاہم یہ مسلمانوں کی پہلی جہادی کوشش شمار ہوتی ہے۔ یہ اس لیے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ اس وقت علاقے میں پہلی صلیبی ریاست قائم ہوئے ابھی پورے تین سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں بوہیمنڈ پر حاصل ہونے والی اس فتح سے حلب پر قبضے کی صلیبی کوشش کمزور ہوگئی، چنانچہ یہ شہر ان سے بچ گیا، نیز اس سے بعض مسلمان سرداروں کو حوصلہ ملا تو انھوں نے حلب اور انطاکیہ کے درمیان بعض جنگی مراکز اور دیگر مقامات پر حملے کرنا شروع کر دیے۔ [2]

بعض مقامی سردار مسلسل صلیبیوں سے مقابلے کی کوششیں کرتے رہے لیکن یہ کوششیں غیر منظم اور کمزور تھیں، لہٰذا حالات میں کوئی بنیادی تبدیلی لانے کا باعث نہ بن سکیں۔

صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والی ایک اہم شخصیت موصل کا امیر اتابک مودود بن تونتگین تھا۔ اسے یہ ذمہ داری

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 474/1، و تاریخ ابن الوردي: 16/2. [2] الکامل: 485/10، 492، 495، و ڈاکٹر علی غامدی کی کمشتکین: 20.

عباسیوں نے اور ان کے سلجوقی سلطانوں نے سونپی تھی۔ اس نے 502ھ سے اپنی شہادت 507ھ تک رُہا اور انطاکیہ کے گرد ونواح میں صلیبیوں سے کئی جنگیں لڑیں۔ [1]

مسلمان تو ''مودود'' کا احترام کرتے اور اس کا مقام تسلیم کرتے ہی تھے کیونکہ وہ صلیبیوں سے جہاد کر رہا تھا، صلیبی بھی اس کا احترام کرتے اور اس کا مقام تسلیم کرتے تھے کیونکہ وہ اپنی قوم، یعنی مسلمانوں کے لیے مخلص تھا۔ ایک سازش کے نتیجے میں وہ دمشق میں باطنی اسماعیلیوں کے ہاتھوں، جمعہ کے دن روزے کی حالت میں شہید ہوگیا۔ ایک فرنگی بادشاہ نے مودود کی شہادت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دمشق کے حاکم کو خط لکھا۔ اس میں اس نے یہ بھی لکھا:



«إِنَّ أُمَّةً قَتَلَتْ عَمِيدَهَا، فِي يَوْمِ عِيدِهَا، فِي بَيْتِ مَعْبُودِهَا، حَقِيقٌ عَلَى اللهِ أَنْ يُّبِيدَهَا»

''جس قوم نے اپنے سردار کو، اپنی عید (یعنی جمعہ) کے دن، اپنے معبود کے گھر میں قتل کر دیا، وہ اسی لائق ہے کہ اللہ اسے ملیامیٹ کر دے۔'' [2]

صلیبیوں کا مقابلہ کرنے میں جن افراد نے اہم کردار ادا کیا، ان میں سے ایک ''اتابک ظہیرالدین'' بھی ہے جو دمشق کا حکمران تھا۔ اس نے 509ھ، 512ھ اور 513ھ میں صلیبی فوجوں سے جنگیں کیں اور کئی مقامات پر موصل اور حلب کے سرداروں سے تعاون کیا۔ اسی طرح موصل کا امیر ''سیف الدین آق سنقر برسقی'' 518ھ مطابق 1124ء میں حلب کے گرد صلیبیوں کا محاصرہ توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اس دن کے بعد حلب اور موصل نے صلیبیوں کا مقابلہ کرنے اور ان سے جہاد کرنے کے لیے ایک اتحاد قائم کر لیا، پھر زنگی آ گئے جنھوں نے علاقے میں جہاد کی تحریک کو آگے بڑھایا۔

---

[1] معاضیدی اور اس کے ساتھیوں کی تاریخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 80. [2] التاريخ الباهر في الدولة الأتابكية: 19، نیز دیکھیے: الكامل: 10/497.

عماد الدین زنگی کے جہادی کارنامے

جب موصل پر سلجوقیوں کا مقرر کردہ اتا بک تونتگین کا بیٹا مودود حکومت کر رہا تھا، تو عماد الدین زنگی موصل کا ایک کمانڈر تھا۔ اس نے موصل کے دوسرے سرداروں کے ساتھ مل کر صلیبیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ اس وقت موصل کی حکومت کو رُہا کی صلیبی حکومت سے خطرہ تھا اور موصل کے خطرے میں ہونے کا مطلب یہ تھا کہ بغداد خطرے میں ہے، جو خلافت عباسیہ کا دارالحکومت تھا، چنانچہ 521ھ میں جب موصل کی امارت کا عہدہ خالی ہوا تو فوراً عمادالدین کو وہاں کا امیر (گورنر) مقرر کر دیا گیا۔[1] چنانچہ موصل کا نظم و نسق اور صلیبیوں سے جہاد اس کی براہ راست ذمہ داری بن گیا۔

عمادالدین جب سے موصل کا گورنر مقرر ہوا تھا، تب سے اس کا سارا دھیان صلیبیوں سے جہاد کی طرف تھا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے کام کی ابتدا موصل سے کرے، یعنی دشمنوں سے جہاد شروع کرنے سے پہلے وہاں کے حالات درست کرے اور وہاں کے لوگوں میں اتفاق اور اتحاد پیدا کرے، چنانچہ اس نے قلعوں کا

---

[1] الباهر:35، و الكامل:10/641-643، و البداية والنهاية:12/198.



سلجوقی فوج کی یلغار کا ایک منظر

جائزہ لیا، ان کے امیر (کمانڈر) مقرر کیے اور اپنی امارت کے طول وعرض میں لشکر ترتیب دیے۔ اس کے علاوہ زنگی نے 522,521ھ کے دوران میں قریبی علاقوں میں اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کیا، خاص طور پر مغرب کی طرف، جہاں شام کا ملک واقع تھا اور وہاں صلیبیوں سے سامنا ہونے کی توقع تھی۔ اس کے حسن تدبیر اور حسن سلوک کی وجہ سے اسے بہت سی قریبی قوتوں کو متحد کر کے اپنی صفوں میں شامل کرنے کا موقع مل گیا، چنانچہ وہ شمالی عراق اور شام میں ایک مضبوط اسلامی محاذ تشکیل دینے میں کامیاب ہوگیا جس کی حدود موصل سے حلب تک پھیلی ہوئی تھیں اور اس میں الجزیرہ، حلب اور دوسرے بہت سے قریبی شہر شامل تھے۔[1]

اس کے باوجود اسے بعض اوقات شام کے بعض لیڈروں اور کمانڈروں کی طرف سے مشکلات پیش آتی رہتی تھیں جنھیں اپنے ذاتی مفادات کی فکر تھی۔ خاص طور پر دمشق کے سرداروں نے نئے اسلامی محاذ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور عمادالدین زنگی سے محاذ آرائی کرتے رہے۔ الجزیرہ، نصیبین اور دوسرے علاقے جو صلیبیوں سے متصل تھے، وہاں کے لوگ بے کسی اور ذلت کی زندگی گزار رہے تھے کیونکہ وہ طاقتور صلیبیوں کے مقابلے میں کمزور تھے۔ صلیبیوں نے اپنے ہمسایہ مسلمان علاقوں پر جزیہ اور خراج عائد کر رکھا تھا۔

---

[1] الباهر: 35-37، و الروضتين في أخبار الدولتين:31، و البداية والنهاية:198/12، و وفيات الأعيان:328/2.



شانلی اُورفا (الرہا، ترکی) کی برلبِ نہر مسجد

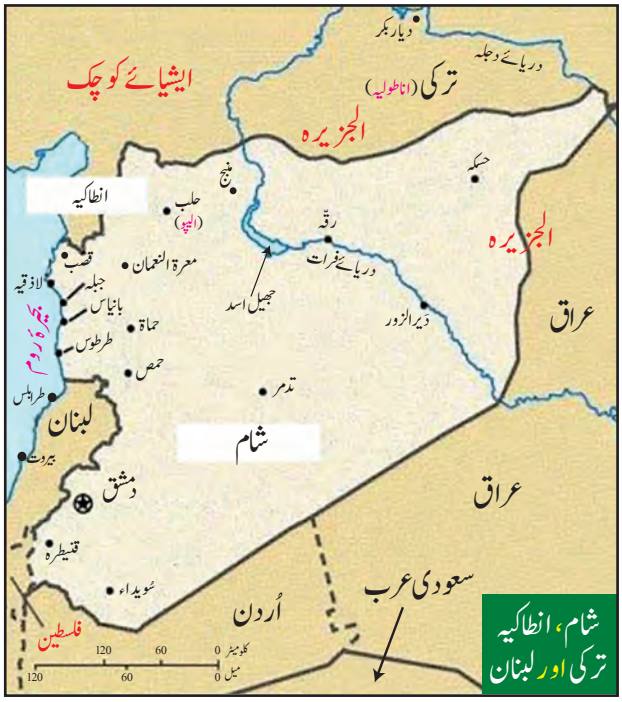

عمادالدین زنگی جب اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں اسلامی فوج تیار کر رہا تھا تو اس کی کوشش تھی کہ جب تک پوری طرح تیاری مکمل نہ ہو جائے، صلیبیوں سے ٹکر نہ لی جائے، اس لیے اس نے ''رُہا'' کے حاکم کاؤنٹ جوسلین دوم سے دو سال کے لیے معاہدہ کر لیا کہ اس مدت میں فریقین ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہیں کریں گے۔ جونہی معاہدے کی مدت ختم ہوئی، زنگی نے صلیبیوں کے خلاف جہادی نقل وحرکت شروع کر دی، جبکہ وہ اس کے لیے ضروری قوت تیار کر چکا تھا۔ کسی صلیبی ریاست پر قبضہ کرنے کی پہلی کوشش کا ہدف شام کے شمال مغرب میں واقع انطاکیہ کی ریاست تھی۔ یہ قدیم ترین صلیبی ریاست تھی اور اہم ترین بھی۔ یہ یورپ سے خشکی کے راستے آنے والے فرنگی لشکروں کے لیے شام کا دروازہ تھی۔ انطاکیہ کے بادشاہ کے قتل ہونے کے بعد اس کی بیوی نے حکومت سنبھالی جو ایک کمزور خاتون تھی اور ریاست میں اس کے مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ عمادالدین نے اس ریاست کے ان حالات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دوسری طرف اس خاتون نے عمادالدین سے رابطہ کیا اور اپنے مخالفین کے خلاف مدد مانگی لیکن یہ مذاکرات کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکے کیونکہ بیت المقدس کے فرنگیوں نے امدادی فوجیں بھیج دیں اور وہ ان کی بات ماننے پر مجبور ہوگئی۔

انطاکیہ کی صلیبی ریاست کا حلب کے مغرب میں اثارب نامی ایک مضبوط قلعہ تھا۔ وہاں صلیبی سوار جمع رہتے تھے اور وہ مسلمانوں کو بہت تنگ کرتے تھے۔ اس کے بل پر وہ حلب کے قرب و جوار کی زرعی زمینوں کا ٹیکس وصول کرتے تھے بلکہ حلب کے مغرب میں شہر سے متصل بہت سی زرعی زمینوں پر قابض ہو چکے تھے۔ یہ قلعہ خود حلب شہر کے لیے ایک مستقل خطرہ بن چکا تھا، چنانچہ عمادالدین نے اس پر قبضہ کرنے کی تیاری کی اور 524ھ میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ جب شام کے دوسرے علاقوں کے صلیبیوں کو محاصرے کا علم ہوا تو وہ اس کا دفاع کرنے کے لیے بہت سی فوجیں لے کر آئے۔ زنگی نے اپنی افواج کو جمع کر کے


حلب کا قدیم قلعہ (شام)

انھیں محصورین کی مدد کے لیے آنے والی صلیبی افواج کے بارے میں بتایا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ زیادہ حضرات کی رائے یہ تھی کہ قلعے کا محاصرہ ترک کر کے پیچھے ہٹ جانا چاہیے کیونکہ صلیبیوں کی اتنی زیادہ افواج کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں۔ زنگی نے اپنے ساتھیوں کی یہ رائے سن کر کہا: ''یہ تو ہلاکت کا منصوبہ ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ہم پر دلیر ہو جائیں گے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے، اس پر قبضہ کرنے کی طمع کریں گے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے ان کا مقابلہ کریں، پھر خواہ فتح ہو یا شکست۔''[1]

عماد الدین زنگی رحمہ اللہ اپنے لشکر کو لے کر آنے والے فرنگی لشکروں کی طرف بڑھے۔ شدید جنگ ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے بہت سے عیسائی قتل اور گرفتار کیے، پھر مسلمانوں کا لشکر دوبارہ اثارب کے قلعے پر حملہ آور ہوا اور اس کا دفاع کرنے والوں کو قتل کر کے اس پر قبضہ کر لیا، پھر انھوں نے قلعے کو توڑ پھوڑ دیا حتی کہ جنگ کے لیے اس کی کوئی قابل ذکر افادیت نہ رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو خوف محسوس ہوا کہ اگر وہ اس پر اپنا قبضہ برقرار نہ رکھ سکے، تو اس پر دوبارہ صلیبی قابض ہو جائیں گے۔ اس قلعے کے ختم ہو جانے سے حلب اور اس کے قرب و جوار کے لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو گئے اور انھوں نے اس سے متصل زمین آباد کر لی۔

---

[1] الباهر: 40، و الكامل: 663/10، نیز دیکھیے: البداية والنهاية: 200/12.

زنگی جونہی اثارب کی فتح سے فارغ ہوا، اپنا لشکر لے کر حلب کے قریب حارم کے قلعے کی طرف روانہ ہوگیا اور اسے فتح کرنے کی امید پر اس کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کے صلیبیوں نے اس سے خط کتابت کی اور صلح کی درخواست کی۔ انھوں نے یہ پیشکش کی کہ اگر وہ انھیں چھوڑ دے تو وہ حارم کا نصف خراج اسے دے دیا کریں گے۔ عمادالدین نے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا اور ان کا محاصرہ ترک کر کے چل دیا۔ [1]

عمادالدین خود تو عراق میں کچھ ضروری کام نمٹاتا رہا اور شام میں اپنے نائب مقرر کر دیے جو صلیبیوں سے جہاد کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک امیر ''اسوار'' تھا جو حلب میں اس کا نائب تھا۔



اس نے 527ھ میں حلب پر صلیبیوں کا حملہ کامیابی سے پسپا کر دیا تھا۔ اس نے ان پر فتح پائی اور بہت سے گروہ تہ تیغ کیے تھے۔ اسوار نے صلیبیوں سے صرف اپنے شہر کا دفاع ہی نہیں کیا بلکہ پہل کرتے ہوئے حلب کا لشکر لے کر صلیبیوں کے بعض مقامات پر حملہ آور بھی ہوا۔ مسلمانوں کے صلیبیوں کے خلاف جہاد میں یہ ایک بڑی پیش رفت تھی کہ بڑے قائد کی غیر موجودگی میں اس کے نائب خود کارروائی کرنے کے قابل ہوگئے۔ اسوار نے تل باشر پر بھی حملہ کیا جو حلب کی امارت کے قریب صلیبیوں کا ایک قلعہ تھا۔ فرنگیوں سے اس کی سخت جنگ ہوئی جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور تقریباً ایک ہزار عیسائی سوار اور پیادے قتل ہوئے، پھر امیر نے 530ھ میں حلب اور حماۃ کی فوجوں کو لے کر لاذقیہ پر حملہ کیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ امیر اسوار نے فرنگیوں کی پیش قدمی روک دی اور بہت سے فرنگیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ قیدیوں کی تعداد تقریباً سات ہزار تھی اور تقریباً ایک لاکھ مویشی غنیمت میں ملے۔ ''مسلمانوں کو اس سے بہت خوشی ہوئی اور فرنگی اتنے عاجز اور کمزور تھے کہ اس کے مقابل کچھ نہ کر سکے۔'' [2]

---

[1] الباهر:42، و الكامل:10/663، و الجبهة الإسلامية:260. [2] الكامل:11/40.

زنگی کا ایک اہم کارنامہ ''بعرین'' کے قلعے پر حملہ ہے۔ حمص کے قریب صلیبیوں سے جھڑپ کے بعد یہ حملہ ہوا۔ صلیبی افواج عمادالدین کو قلعے پر قبضہ کرنے سے روکنے کے لیے بیت المقدس کے بادشاہ ''فلک'' اور طرابلس کے کاؤنٹ ریمنڈ کی زیر قیادت روانہ ہوئیں لیکن عمادالدین نے محاصرہ جاری رکھا۔ اس وقت قلعے کے محصورین کو چھڑانے کے لیے صلیبیوں کی بڑی بڑی فوجیں شام کے مختلف شہروں اور قسطنطنیہ سے روانہ ہوئیں لیکن عمادالدین نے محصورین تک یہ خبر نہ پہنچنے دی، چنانچہ انھوں نے مایوس ہو کر عمادالدین کے آگے ہتھیار ڈال دیے اور قلعہ اس کے حوالے کر دیا، جبکہ امدادی فوجیں راستے میں تھیں اور ایک دو دن میں ان تک پہنچنے والی تھیں۔ جب وہ قلعے سے نکل گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ ان کی مدد کے لیے ان کے مددگار جمع ہو کر آ رہے تھے۔ تب انھیں ہتھیار ڈالنے پر ندامت ہوئی لیکن اب افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ [1]



صلیبی شاہِ یروشلم فُلک کا سکّہ

عمادالدین زنگی نے بازنطینی حکومت کا شام پر حملہ بھی روکا۔ یہ لشکر بازنطینی بادشاہ ''حنا کومنین'' کی قیادت میں شام پر حملہ کرنے آ رہا تھا کیونکہ شام کے عیسائیوں نے ان سے مدد مانگی تھی۔ وہ 531ھ میں شام پہنچا اور انطاکیہ میں آ کر ٹھہرا۔ وہاں خشکی کے راستے سے اور سمندر کے راستے سے آنے والی ان کی

---

[1] الکامل: 52/11، نیز دیکھیے تاریخ الحروب الصلیبیة: 688/2.

شمالی لبنان میں سب سے بڑا شہر طرابلس (ٹرپولی)





حلب کا خوبصورت شہر جسے جدید جنگ نے تباہ کر دیا

فوجیں جمع ہوگئیں۔ وہ انھیں لے کر مشرق کی طرف بڑھا اور کئی اسلامی مقامات، مثلاً: نیقیہ، عین زربہ اور تل حمدون وغیرہ پر قبضہ کر لیا، پھر وہ بزاعہ کی طرف چلا۔ یہ حلب سے قریب ترین قلعہ تھا۔ رومیوں نے بادشاہ کی زیر قیادت اس پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے یہاں خوف ناک قتل عام کیا اور یہاں کے ہزاروں باشندوں کو قتل اور پانچ ہزار سے زیادہ افراد کو زخمی کر دیا۔ انھوں نے کچھ لوگوں کو زبردستی عیسائی بنا لیا۔ [1]

بازنطینی بادشاہ حلب پہنچنا چاہتا تھا۔ بزاعہ تو اس کی نظر میں راستے کا ایک پڑاؤ تھا لیکن بزاعہ والے حلب والوں کو مطلع کرنے میں کامیاب ہوگئے، چنانچہ حلب والوں نے عمادالدین زنگی کی افواج کے تعاون سے حلب میں دفاعی انتظامات مضبوط کر لیے۔ زنگی حلب میں موجود نہ تھا۔ انھوں نے اسے خط لکھ کر پیش آمدہ خطرے سے آگاہ کیا۔ اس نے کچھ سوار حلب کے دفاع میں شریک ہونے کے لیے بھیج دیے تاکہ وہاں کے باشندوں کا حوصلہ بڑھے۔ اتنے میں رومی اور ان کے حلیف شامی فرنگی بھی پہنچ گئے اور حلب کا محاصرہ کر لیا۔ حلب کے باشندے بہادروں کی طرح ڈٹ گئے۔ اس کے بوڑھے، جوان اور نوجوان صلیبیوں پر چھاپہ مار حملے کرنے لگے۔ وہ اکیلے دکیلے صلیبی کو



[1] الکامل: 56/11، و الحروب الصلیبیة: 344، نیز دیکھیے: البدایة والنهایة: 212/12، و المنتظم: 73/10.



حماہ (شام) کے شمال مغرب میں قلعہ شَیزر

قتل کر دیتے، ان پر حملہ کر کے بھاگ جاتے اور خود محفوظ رہتے۔ وہ چوری چھپے ان کی چھاؤنیوں میں گھس جاتے۔ اس سے دشمنوں کے دلوں میں رعب پڑ گیا۔ اس کے علاوہ حلب کے حفاظتی اقدامات کی وجہ سے بھی وہ اس پر قبضہ کرنے سے ناامید ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی اور ان کے مددگار صلیبی تین دن محاصرہ جاری رکھنے کے بعد اسے ختم کرنے پر مجبور ہوگئے اور اثارب کے قلعے کی طرف بڑھے جو زنگی نے صلیبیوں سے واپس لے لیا تھا۔ قلعہ کے اندر موجود مسلمان ڈر گئے اور خود ہی قلعہ کو اور اس کے اندر موجود سامان کو

آگ لگا دی تا کہ صلیبی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ رومیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے اس میں بڑی تعداد میں مسلمان قیدی جمع کر لیے اور کچھ رومی سپاہیوں کو پہرے پر مقرر کر کے وہاں سے چلے گئے۔ حلب کا امیر ''اسوار'' دور سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جونہی رومی وہاں سے گئے، اس نے اثارب کے قلعے پر اچانک حملہ کر کے رومی محافظوں کو قتل کیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔ وہ غنیمت حاصل کر کے خیریت سے واپس حلب پہنچ گیا۔ [1]

اس کے بعد رومیوں نے ''شیزر'' پر حملہ کیا۔ یہ آل منقذ کی آزاد ریاست تھی۔ وہاں کے سرداروں نے عمادالدین زنگی سے مدد مانگی۔ اس نے ایک لشکر تیار کر کے رومیوں پر حملے شروع کر دیے اور ساتھ ہی کچھ ایسے اقدامات بھی کیے کہ رومیوں اور ان کے مددگار شامی عیسائیوں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں اور رومیوں کی براہ راست جنگ نہیں ہوئی کیونکہ شاہِ روم نے یہی بہتر سمجھا کہ عمادالدین زنگی سے ٹکر نہ لی جائے اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ [2]

اس طرح وہ رومی صلیبی حملہ ناکام ہو گیا جس کا مقصد جہاد کے اس سلسلے کو ختم کرنا تھا جس کی قیادت اس وقت عمادالدین زنگی کے ہاتھ میں تھی۔ علاوہ ازیں عمادالدین کا رومیوں اور شامی صلیبیوں میں اختلافات پیدا کر دینا بھی حملے کی ناکامی کا ایک بڑا سبب تھا۔

533ھ میں عمادالدین شام میں مسلمانوں کے ان قلعوں کو واپس لینے میں کامیاب ہو گیا جن پر رومیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے کئی مقامات فتح کر لیے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ عمادالدین کو 534ھ سے 536ھ تک کے عرصے میں صلیبیوں کے ساتھ ساتھ دمشق کے مسلمانوں کی متحدہ فوج کا بھی مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن اس مرحلے میں عمادالدین اپنے مخالف مسلمانوں کے اتحاد پر ہلکے پھلکے حملے ہی کرتا تھا تا کہ وہ صلیبیوں سے اپنے تعلقات مضبوط نہ کر لیں۔

عمادالدین کے کمانڈروں نے 536ھ میں انطاکیہ اور اس کے گرد و نواح پر متعدد کامیاب حملے کیے اور کئی مقامات پر صلیبیوں کو نقصان پہنچایا۔ ایک حملے میں سات سو سے زیادہ صلیبی ہلاک ہوئے اور مسلمان بہت سا مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ [3]

---

[1] الکامل: 57/11. [2] الکامل، 58/11، و الحروب الصلیبیة: 46، و عماد الدین زنگی: 147، و تاریخ الحروب الصلیبیه: 697/2. [3] الکامل: 90/11، و عمادالدین زنگی: 162.

رُہا[1] کی فتح (جمادی الآخرۃ 539ھ)

رُہا ملک شام میں صلیبیوں کی اہم ترین اور قدیم ترین چھاؤنی شمار ہوتا تھا اور وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی سب سے خطرناک چھاؤنی تھی۔ اس کی وجہ سے شام اور الجزیرہ کے مسلمان خطرے میں تھے اور عراق میں اسلامی خلافت کا مرکز بھی۔ اس صلیبی ریاست نے کئی مقامات اور قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اردگرد کے علاقوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھا لیا تھا۔ اس کے ماتحت بہت سے قلعے تھے جو مسلمانوں کے رہا تک پہنچنے میں رکاوٹ کا باعث تھے۔ عمادالدین کے لیے جب سے موصل کے حالات سازگار ہوئے تھے، تب ہی سے وہ اس بڑے صلیبی مرکز پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس پر قبضہ کرنے کے لیے بہت زبردست تیاری کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ اس کے لیے دشمن کے حالات کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، چنانچہ اس کے جاسوسی کے محکمے نے اس کے حالات معلوم کرنے پر توجہ مرکوز کر دی۔ جمادی الاولیٰ 539ھ میں رُہا سے زنگی کے جاسوسوں کی رپورٹ موصول ہوئی کہ رُہا کا حاکم جوسلین دوم شام میں صلیبیوں کے کسی اہم مقام کی طرف گیا ہے۔[2]

عمادالدین زنگی مسیحی حکمران کی غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی فوج لے کر تیزی سے رُہا کی طرف روانہ ہوا اور اچانک وہاں پہنچ کر شہر کا شدید محاصرہ کر لیا۔ مسلمان محصورین کے لیے باہر سے آنے والی کمک کو مکمل طور پر روکنے میں کامیاب رہے۔ مسلمانوں کی منجنیقوں نے اس کی فصیلوں اور قلعے کو تباہ کرنے کے لیے ہر طرف سے مسلسل اور بلا وقفہ سنگ باری شروع کر دی۔ شام کے صلیبی اور خود رُہا کی فوج جو محاصرے سے قبل اپنے بادشاہ کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی، محصورین کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ مسلمانوں نے انھیں شہر میں واپس آنے سے روک دیا جبکہ مسلمانوں کے لشکر کو مسلسل کمک مل رہی تھی، خاص طور پر ترکمان قبائل نے بہت مدد کی۔ نقب لگانے والے مجاہدین نے بڑی محنت سے فصیلوں اور قلعے کے کمزور حصوں میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی۔ اس وقت عمادالدین رُہا والوں سے مذاکرات اور خط کتابت کرتا رہا۔ اسے امید تھی کہ وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور شہر پرامن طور پر فتح ہو جائے گا۔ اس کے وعدوں

---

[1] رُہا کو عربی میں ''الرہا'' کہا جاتا ہے اور یونانی اسے ایڈیسا (Edessa) کا نام دیتے ہیں۔ ترکی کا یہ شہر سرحدِ شام کی طرف فرات کی ایک معاون ندی کے کنارے واقع ہے۔ ان دنوں اسے ''شانلی اُورفا'' یا صرف ''اُورفا'' کہا جاتا ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ: 135)

[2] الکامل: 98/11، نیز دیکھیے: ابن القلانسی کی ذیل تاریخ دمشق: 279.

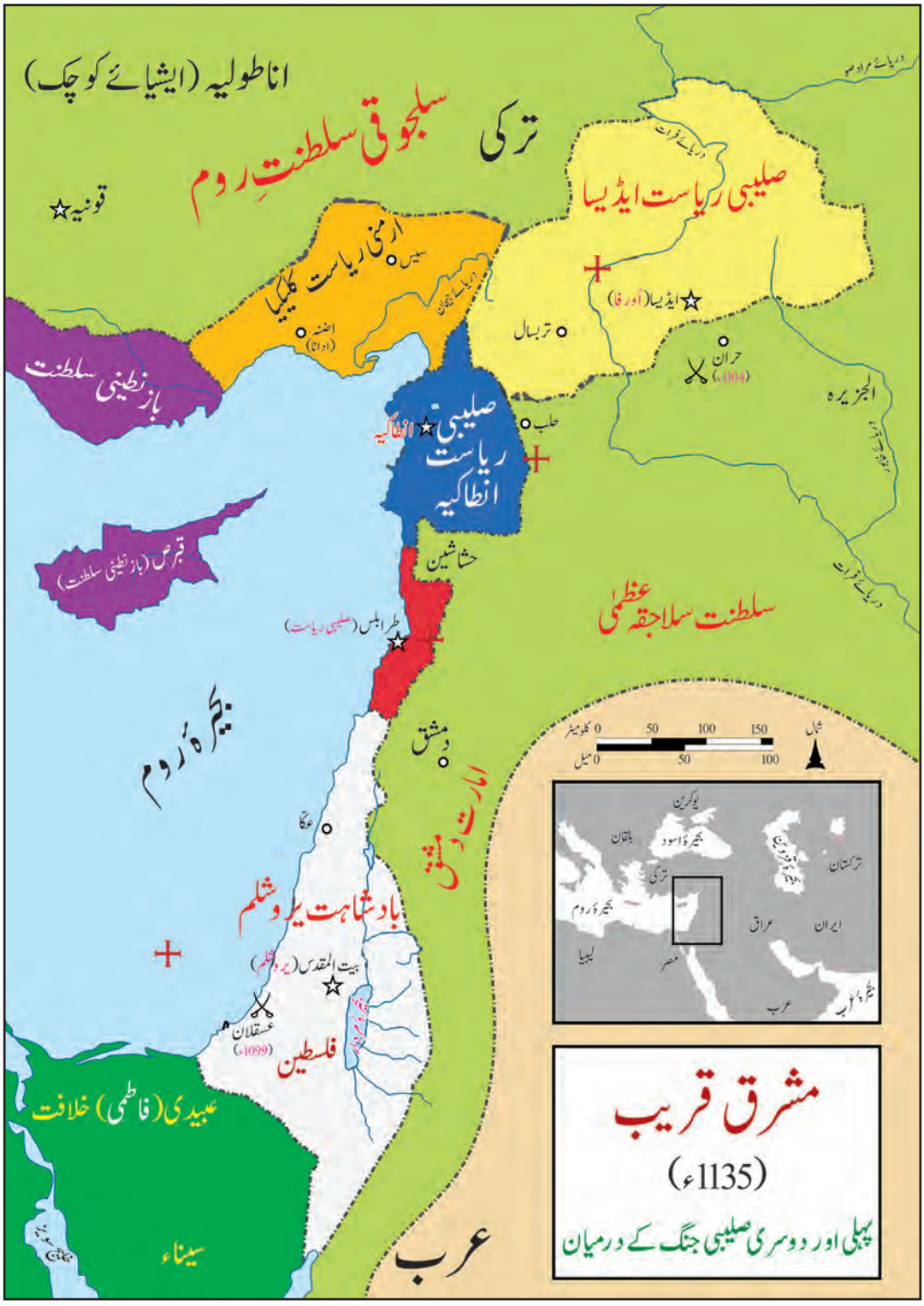
اناطولیہ (ایشیائے کوچک)
ترکی
سلجوقی سلطنتِ روم
قونیہ
دریائے مراد سو
دریائے فرات
صلیبی ریاست ایڈیسا
ایڈیسا (اُورفا)
تربسال
حران (1104ء)
الجزیرہ
ارمنی ریاست کلیکیا
سیس
اضنہ (اداناً)
دریائے جیحان
بازنطینی سلطنت
صلیبی ریاست انطاکیہ
انطاکیہ
حلب
قبرص (بازنطینی سلطنت)
حشاشین
طرابلس (صلیبی ریاست)
سلطنت سلاجقہ عظمیٰ
بحیرۂ روم
دمشق
امارت دمشق
عکا
بادشاہت یروشلم
بیت المقدس (یروشلم)
عسقلان (1099ء)
فلسطین
عبیدی (فاطمی) خلافت
سیناء
عرب
0 50 100 150 کلومیٹر
0 50 100 میل
شمال
یوکرین
بلقان
بحیرۂ اسود
ترکستان
ترکی
بحیرۂ روم
عراق
ایران
لیبیا
مصر
عرب
مشرق قریب
(1135ء)
پہلی اور دوسری صلیبی جنگ کے درمیان



دریائے فرات پر جھیل اسد کے بائیں جانب قلعہ جعبر

کے باوجود شہر والوں نے یہ پیشکش تسلیم نہ کی۔ [1]

اب زنگی نے شہر کا محاصرہ پہلے سے سخت کر دیا۔ اس کی کوشش تھی کہ شہر جلد سے جلد فتح ہو جائے تا کہ شام کے دوسرے صلیبی مداخلت نہ کر سکیں۔ اٹھائیس دن شہر کا محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار مسلمان فصیل کے نیچے نقب لگانے اور اس میں آگ لگا کر اسے توڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمادالدین زنگی بذاتِ خود نقب لگانے والوں کے کام کی نگرانی کر رہا تھا اور ان کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا۔ اس طرح مسلمان 26 جمادی الآخرہ 539ھ کو دن کی روشنی میں ''رُہا'' کو فتح کر کے اس میں داخل ہو گئے۔ [2]

شہر میں مسلمانوں کے داخل ہونے کے موقع پر بے شمار صلیبی قتل ہوئے کیونکہ انھوں نے شدید مزاحمت کی تھی۔ اس فتح کے دوران میں مسلمان بھی بڑی تعداد میں شہید ہوئے۔ شہر فتح ہو جانے کے باوجود شہر کے

---

[1] الباهر: 69، و الكامل: 98/11. [2] ذيل تاريخ دمشق: 280، و الباهر: 69، و الكامل: 98/11، و المنتظم: 112/10، و البداية والنهاية: 219/12، و عماد الدين زنگي: 152، و تاريخ الحروب الصليبية: 739/2.

قلعہ بند افراد دو دن تک مسلمانوں کے مقابلے میں جمے رہے، پھر وہ بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ زنگی نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ قتل سے رک جائیں اور قیدیوں سے حسن سلوک کریں۔ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی اور وہاں کے عیسائی باشندوں سے انصاف، حسن سلوک اور حسن انتظام کا معاملہ کیا۔ مسلمانوں نے شہر کی ان دفاعی تعمیرات کو دوبارہ بنانا شروع کر دیا جو منہدم ہوگئی تھیں۔ اس کے علاوہ عمادالدین نے مشرقی عیسائیوں اور فرنگی عیسائیوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش کی۔ [1]

''رُہا'' کی فتح کو صلیبیوں کے خلاف جہاد کے ایک نئے مرحلے کی ابتدا سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ مسلمان شام میں صلیبیوں کی سب سے بڑی اور اہم ترین ریاست کو پہلی بار شکست دینے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس طرح قوت کا توازن، کم از کم نفسیاتی توازن، مسلمانوں کے حق میں ہوگیا، چنانچہ وہ پہلے سے زیادہ دلیری سے صلیبیوں کے بڑے مراکز پر حملے کرنے لگے اور صلیبیوں پر مسلمانوں کی ہیبت پہلے سے زیادہ ہوگئی۔ [2]

عمادالدین زنگی رُہا کی فتح کے بعد رُکا نہیں بلکہ اس نے اس کے تابع دوسرے قلعوں پر مسلسل حملے کیے اور کئی قلعے فتح کر لیے، مثلاً: بیرہ کا قلعہ 539ھ کے شروع میں فتح کر لیا تھا۔ [3]

رُہا کی فتح کے بعد عمادالدین زیادہ دیر زندہ نہیں رہا۔ اس نے بعض اسلامی مراکز پر بھی قبضہ کرنے کی کوشش کی جن پر بعض آزاد سردار حکومت کر رہے تھے۔ ان میں آخری قلعہ جعبر تھا جو عقیلی کے بیٹوں کے ماتحت تھا۔ جب عمادالدین اس قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، تو اس کے کچھ غلام اس کے کمرے میں داخل ہوئے اور اسے سویا ہوا پا کر قتل کر دیا۔ عمادالدین جہاد اور قربانی سے بھرپور کئی سال گزار کر 5 ربیع الآخر 541ھ کو شہید ہوگیا۔ [4]

عمادالدین زنگی کے کارنامے صلیبیوں کے خلاف اسلامی جہاد کی تاریخ کے ایک نئے باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نے شام کے ملک میں مسلمانوں کی سرزمین پر صلیبی قبضے کے خاتمے کی ابتدا کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر وسیع رحمت نازل فرمائے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

---

[1] عماد الدین زنگی: 153. [2] دیکھیے: ولیم صوری کی کتاب: 240/2۔ [3] الباهر: 73. [4] وفیات الأعیان: 327/2، و الکامل: 110/11، و المنتظم: 119/10، و البدایة والنهایة: 321/12، و سیر أعلام النبلاء: 191/20، نیز عمادالدین زنگی کی وفات پر صلیبیوں کی خوشی کے لیے دیکھیے: تاریخ الحروب الصلیبیة: 742/2.

نورالدین محمود کے جہادی کارنامے

عمادالدین زنگی شہید کا بڑا بیٹا نورالدین زنگی اپنے والد کے ان بیٹوں میں سے تھا جن پر باپ اپنی زندگی میں انتظامی معاملات میں اعتماد کرتا تھا۔ 541ھ میں قلعہ جعبر کے محاصرے کے دوران میں جب اس کا والد شہید ہوا تو وہ اس کے ساتھ تھا، چنانچہ اس نے اپنے والد کے کفن دفن کے بعد اس کی انگوٹھی (شاہی مہر) لی اور حلب جا کر حکومت سنبھال لی۔ [1]

نورالدین کے بڑے بھائی سیف الدین زنگی نے موصل پر قبضہ کر لیا جو اس کے والد کا دارالحکومت تھا۔ اگرچہ اس کا بھائی موصل کے بارے میں اس سے رشک رکھتا تھا اور پھوٹ ڈالنے والوں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے لڑانے کی کوشش کی، تاہم دونوں نے اتفاق قائم رکھنے، اختلاف نہ کرنے اور خود پسندی سے دور رہنے کی اہمیت محسوس کر لی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو صلیبیوں کی طرف سے خطرہ تھا اور ان کے کسی بھی اختلاف سے صلیبی فائدہ اٹھا سکتے تھے، اس لیے نورالدین نے اپنے بڑے بھائی سیف الدین کے سامنے سر جھکا دیا۔ اس نے سیف الدین سے شام میں ملاقات کی اور کہا: ''میرا مقصد یہ ہے کہ حکمرانوں اور فرنگیوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم متحد ہیں تاکہ جو کوئی ہمیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے، وہ اس سے باز آ جائے۔'' [2]



اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کیا:

---

[1] الکامل: 112/11، و مفرج الکروب: 109/1، نیز ابن وردی کی تاریخ: 66/2، و سیر أعلام النبلاء: 532/20.

[2] مفرج الکروب: 112/2.

﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ﴾

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار بیٹھو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔'' (الأنفال 46:8)

کچھ عرصے بعد 544ھ میں سیف الدین فوت ہوگیا۔ اس طرح حلب کی سلطنت اور اس کے تابع علاقوں پر نورالدین کا حکم چلنے لگا اور وہ کسی کا زیردست نہ رہا۔ [1]

نورالدین نے بچپن ہی سے قرآن کریم اور شہسواری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے والد نے اسے ایک عالم کے پاس بھیج دیا تھا کہ وہ اس کی تربیت کرے۔ جوان ہوا تو جہاد میں اپنے والد کے ساتھ رہا، اس طرح اسے اس میدان میں عملی تجربہ حاصل ہوگیا۔ وہ بیک وقت مجاہد بھی تھا اور عابد و زاہد بھی۔ اسے جب سے حلب کی حکومت ملی تھی، اس نے ملک کے اندرونی حالات کی اصلاح کو اور اسلام دشمن صلیبیوں اور ان کے مددگاروں سے جہاد کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا کیونکہ اب وہ صلیبیوں کے براہ راست مقابل تھا۔

عمادالدین زنگی نے ''رُہا'' شہر کو صلیبیوں سے آزاد کرایا تھا۔ 541ھ میں انھوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے حملہ کیا جسے نورالدین نے پسپا کر دیا۔ جب انھیں عمادالدین کی وفات کی خبر ملی تو انھوں نے سوچا کہ اب اس شہر کا دفاع کرنے والا کوئی نہیں رہا لیکن نورالدین ان پر نظر رکھے ہوئے تھا، لہٰذا جوابی کارروائی کے نتیجے میں انھیں راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ نورالدین بہت دور اندیش آدمی تھا۔ اس نے شہر کے ارمنوں کو سزا دی جنھوں نے صلیبیوں کو حملے کی ترغیب دی تھی۔ [2]

---

[1] سیر أعلام النبلاء: 192/20، و البدایة والنهایة: 27/12. [2] الکامل: 114/11، و مفرج الکروب: 111/2، نیز دیکھیے: تاریخ الحروب الصلیبیة: 754/2، و جهاد المسلمین في الحروب الصلیبیة: 209.



قلعہ حلب کا صدر دروازہ



فرانسیسی ریمنڈ ڈی پواتیہ اور نور الدین زنگی کے درمیان جنگ کا منظر

علاوہ ازیں نور الدین نے حلب کے قریب صلیبیوں کے متعدد فوجی مراکز اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اس نے اپنی جدوجہد کو حلب کے مغرب کی طرف مرکوز کر دیا اور ان فوجی مراکز پر حملے کرنے شروع کر دیے جو انطاکیہ کی عیسائی حکومت کے ماتحت تھے، چنانچہ 542ھ مطابق 1147ء میں ''ارتاح'' فتح کر لیا اور انطاکیہ کے حکمران ''ریمنڈ ڈی پواتیہ'' سے کئی جنگیں لڑ کر اسے کئی مشرقی قلعوں سے محروم کر دیا۔[1]

دوسرے صلیبی حملے کی تحریک کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ مسلمانوں نے ''رُہا'' کو صلیبیوں سے واپس لے لیا تھا۔ ان کو یہ شکست اس وقت ہوئی تھی جبکہ اس ریاست کو قائم ہوئے پچاس سال بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس سے محسوس ہوتا تھا کہ شام کے اندر موجود دوسری صلیبی ریاستیں بھی شکست کھانے والی ہیں۔

دوسرے صلیبی لشکر کی قیادت جرمن بادشاہ ''کونراڈ دوم'' اور فرانس کا بادشاہ ''لُوئی ہفتم'' کر رہے تھے۔ یہ لشکر جب اناطولیہ سے گزر رہا تھا تو اس پر سلجوقیوں نے حملے کیے اور اس کے بہت سے افراد ہلاک کر دیے۔ اس صلیبی مہم کا زور ٹوٹ گیا، پھر یہ لوگ انطاکیہ پہنچے تو وہاں کے حکام نے اس لشکر کشی کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ اس طرح وہ اپنے قلعے اور فوجی ٹھکانے واپس لے لیں جو نورالدین نے ان سے چھین لیے تھے، تاہم لشکر نے بیت المقدس کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ تب انھوں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا اور زیادہ مناسب اقدام کے بارے میں غور کیا اور آخر دمشق پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

---

[1] الکامل: 122/11، نیز دیکھیے: الجهاد ضد الصليبيين: 247، و جهاد المسلمين في الحروب الصليبية: 211.

دمشق پر ''معین الدین انر'' کی حکومت تھی جس کی صلیبیوں سے صلح تھی۔ اس نے بیت المقدس کی ریاست سے معاہدہ کر رکھا تھا کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ نورالدین دمشق پر قبضہ کر کے اسے اپنی سلطنت میں شامل کر لے گا۔ جب صلیبیوں نے معاہدے کو فراموش کر کے ربیع الاول 543ھ میں دمشق پر حملہ کیا تو دمشق کے علماء اور عوام نے اپنے حاکم پر دباؤ ڈالا، چنانچہ معین الدین انر مجبور ہوگیا کہ وہ نورالدین محمود حاکمِ حلب سے اور اس کے بھائی سیف الدین حاکمِ موصل سے مدد طلب کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ دمشق کے باشندوں نے صلیبیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ نورالدین محمود کی امداد تو نہ پہنچ سکی لیکن صلیبیوں نے اس کی آمد کا خطرہ محسوس کیا اور دمشق کے قریب سیکڑوں لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئے۔ [1]

اس صورتِ حال میں نورالدین محمود نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا کہ دمشق کو حلب کی سلطنت میں ضم کر لیا جائے لیکن وہاں کا حکمران معین الدین انر اس خیال کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ تھا۔ نورالدین اس سے تعاون کے لیے پوری طرح تیار تھا، اگرچہ وہ اپنی حکومت کا اس کے ساتھ الحاق نہ کرتا۔ اس طرح

[1] الکامل: 130/11، ابوشامہ کی الروضتین في أخبار الدولتين: 134/1، و البداية والنهاية: 224/12، و تاريخ الحروب الصليبية: 785/2.





وہ معین الدین کو اس کے حلیف صلیبیوں سے الگ کرنا چاہتا تھا جو اپنی حکومت قائم رکھنے کے لیے صلیبیوں سے تعاون کرنے پر تیار ہوگیا تھا۔ [1]

نورالدین نے معین الدین سے معاملات طے کرنے میں سیاسی مہارت کا ثبوت دیا اور اسے مطمئن کر کے اپنے ساتھ ملا لیا، چنانچہ اس نے 544ھ میں کئی موقعوں پر صلیبیوں پر حملہ کرنے میں اس کا ساتھ دیا۔ اس کے علاوہ شام کے صلیبیوں کا دوسرے صلیبی لشکر کے بعض سرداروں سے کچھ اختلاف ہوگیا، چنانچہ ان میں سے بعض نے نورالدین محمود سے مدد طلب کر لی۔ طرابلس کے حاکم ریمنڈ دوم نے طلیطلہ کے حاکم برٹرینڈ بن الفانسو کے خلاف نورالدین سے مدد مانگی۔ یہ سپین کے ان حکمرانوں میں شامل تھا جو دوسرے صلیبی لشکر کے ساتھ آئے تھے۔ اس نے طرابلس کے حاکم کی مرضی کے خلاف العزیمہ کے قلعے پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا، چنانچہ نورالدین محمود اور معین الدین انر اپنی فوجیں لے کر موصل سے آنے والی بعض امدادی افواج کے ساتھ روانہ ہوئے اور العزیمہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور آخر کار اسے فتح کر لیا۔ الفانسو کا بیٹا اپنی والدہ سمیت گرفتار ہوا۔ سپین کے شاہی خاندان کے یہ دونوں افراد دوسرے صلیبی لشکر کے اہم قائدین میں شامل تھے۔ انھیں گرفتار کر کے حلب روانہ کر دیا گیا۔ [2]

اس طرح دوسرے صلیبی لشکر کی کوشش ناکام ہوگئی اور وہ منتشر ہوگئے۔ یہ نورالدین محمود کی پالیسیوں کا

---

[1] مفرج الکروب: 122/2، و الجهاد ضد الصليبيين: 253، و تاريخ الحروب الصليبية: 743/2. [2] الکامل: 132/11، و مفرج الکروب: 144/1، و الجهاد ضد الصليبيين: 255.

نتیجہ تھا جو چاہتا تھا کہ صلیبیوں کا ہر جگہ مقابلہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ نورالدین نے حلب کے قریب متعدد مقامات پر صلیبیوں کو شکست دی۔ ان میں ایک مقام بیغری ہے، جہاں 543ھ میں نورالدین کے مجاہدین کے ہاتھوں صلیبیوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ یہ فتح انتہائی اہم تھی، چنانچہ نورالدین نے اس کا کچھ مالِ غنیمت عباسی خلیفہ ''المقتفی لأمر اللہ'' کی خدمت میں بھیجا اور کچھ سلجوقی بادشاہ ''مسعود بن محمد ملک شاہ'' اور اپنے بھائی ''سیف الدین غازی'' کو بھیجا۔ [1]

اس وقت سے شام کے مسلمان صلیبیوں کی طاقت کا مذاق اڑانے لگے۔ ''ان کی قوت اور شجاعت میں بے بہا اضافہ ہوا، چنانچہ ان کے دلوں سے عیسائی طاقت کا خوف نکل گیا، پھر وہ ان پر بلا تردد اور بے مثال انداز سے حملے کرنے لگے۔'' [2]

آیندہ سالوں میں نورالدین نے اسلامی افواج کو بڑی محنت کے ساتھ ناپسندیدہ عناصر سے پاک کیا۔ اس نے اپنے ماتحت علاقوں میں شیعہ اور اسماعیلیہ کے خلاف کارروائی کی۔ انھیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کرنے سے منع کیا اور اذان میں ان کا خودساختہ اضافہ ختم کر دیا اور ان پر سختی کی۔ تب انھوں نے اس کے خلاف صلیبیوں سے اتحاد کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ نورالدین نے کسی خاص فقہی مذہب کے خلاف تعصب رکھے بغیر تمام اہل سنت کی مدد کی۔ وہ خود تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر تھا لیکن اس نے جانب داری اختیار کیے بغیر دوسرے فقہی مسالک کے مدارس کی تعمیر میں بھی تعاون کیا۔ [3]

اس کے علاوہ نورالدین نے عوام پر ہونے والے ظلم کا سدباب کرنے کی کوشش کی۔ اس نے دارالعدل قائم کیا جہاں وہ ہفتے میں دو دن بیٹھتا تھا اور رعایا کے مظالم کا ازالہ کرتا تھا، چنانچہ اُمراء (گورنرز) اور کمانڈر اس سے ڈرنے لگے اور لوگوں پر ظلم کرنے سے مکمل طور پر باز آ گئے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کا باہمی تعلق اور اتحاد مضبوط ہو گیا۔ [4]

نورالدین کی طبیعت میں خاکساری تھی۔ وہ علماء، غرباء اور حاجت مندوں پر بہت شفقت کرتا تھا۔ انھیں عطیات دیتا تھا۔ ایک موقع پر جب مالی حالات ناسازگار تھے، کسی نے اس سے کہا: ''اگر آپ (غریبوں پر ہونے والے) یہ اخراجات کم کر دیں اور اس رقم سے جہاد میں مدد لیں تو بہتر ہو۔'' اس نے کہا: ''اللہ کی قسم!

---

[1] مفرج الکروب: 114/1. [2] تاریخ الحروب الصلیبیة: 789/2. [3] سیر أعلام النبلاء: 532/20، و الجهاد ضد الصلیبیین: 243. [4] الروضتین في أخبار الدولتین: 8/1، و سیر أعلام النبلاء: 536/20.

مجھے انھی لوگوں کی وجہ سے فتح کی امید ہے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ تمھیں کمزوروں کی وجہ سے رزق ملتا ہے اور انھی کی وجہ سے تمھاری مدد کی جاتی ہے۔ میں ان لوگوں کا وظیفہ کس طرح بند کرسکتا ہوں جو میری طرف سے اس وقت بھی (دعاؤں کے) بے خطا تیروں کے ذریعے سے جنگ کر رہے ہوتے ہیں جب میں اپنے بستر پر سو رہا ہوتا ہوں!! کیا میں وہ رقم ان لوگوں پر خرچ کر دوں جو صرف اس وقت جنگ کرتے ہیں جب میں ان کے سامنے ہوتا ہوں اور ان کے تیر کبھی خطا ہو جاتے ہیں، کبھی نشانے پر لگ جاتے ہیں، پھر ان لوگوں کا بیت المال میں (مستحق ہونے کی وجہ سے) بھی حصہ ہے۔ میں ان کا حصہ دوسروں کو کیسے دے سکتا ہوں؟''[1]

بہت دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ مجاہدین دشمنوں سے جنگ کے دوران میں اگر کسی ہتھیار یا سامان سے محروم ہو جاتے، تو وہ ان کا نقصان پورا کر دیتا تھا جبکہ غنیمت میں سے ان کا پورا حصہ ان کے لیے چھوڑ دیتا تھا۔ (اس میں سے کچھ بھی سرکاری خزانے میں نہ رکھتا۔) وہ بہت متقی تھا، ہاتھ سے محنت کر کے روزی حاصل کرتا تھا،

[1] مفرج الکروب: 136/1، و سیر أعلام النبلاء: 537,536/20.



بیت المقدس اور بابِ دمشق

بیت المال سے خرچ کرنے میں اسراف نہیں کرتا تھا اور اپنی غنیمت جہاد میں خرچ کر دیتا تھا۔ اس کے اچھے کردار کی وجہ سے لوگ اس سے محبت کرتے تھے اور اس کے شوقِ جہاد وشہادت کی وجہ سے اس کی زندگی ہی میں اسے ''شہید'' کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ [1]



جنگِ عسقلان کا ایک منظر

جو امیر (سردار) اس کے ماتحت تھے، وہ تو اس سے محبت کرتے ہی تھے، دوسروں کے ماتحت امراء بھی اس سے محبت رکھتے تھے، اس لیے بعض امراء شوق سے اس کا ساتھ دیتے تھے، خاص طور پر فرنگیوں سے جہاد کے سلسلے میں اس کی حمایت کرتے تھے۔ اس نے ''طغتگین'' کے خاندان سے تعلق رکھنے والے دمشق کے حکمرانوں سے بھی اچھے تعلقات رکھے اور صلیبیوں کے خلاف ان کی مدد کی لیکن جب 547ھ میں رومیوں نے عسقلان پر حملہ کیا، تو وہ لوگ کھڑے تماشا دیکھتے رہے بلکہ عسقلان کے دفاع کے لیے نورالدین کی جدوجہد میں رکاوٹ کا باعث بنے۔ علاوہ ازیں دمشق کے حکمران، صلیبیوں کے سامنے سرنگوں ہوگئے حتی کہ انھیں سالانہ جزیہ دینے لگے۔ دمشق کے حاکم مجیرالدین نے صلیبیوں کے سامنے کمزوری کا مظاہرہ کیا حتی کہ انھیں دمشق میں داخل ہوکر وہاں کے باشندوں سے ٹیکس وصول کرنے کی اجازت دے دی۔ اس نے تو انھیں یہ بھی اجازت دے دی کہ مسلمانوں نے جنگوں کے دوران میں جو عیسائی غلام بنائے تھے، صلیبی انھیں دیکھ لیں اور ان میں سے جسے چاہیں، آزاد کرالیں۔ چنانچہ شام کے عوام اپنے حاکم سے تنگ آگئے اور اسے اس کے چند مددگاروں سمیت قلعے میں بند کر دیا۔ نورالدین نے دمشق کے حاکم کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تاکہ وہ فرنگیوں کی مدد حاصل نہ کرے اور اس سے نرمی کا سلوک کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شہر پر قبضہ

---

[1] سیر أعلام النبلاء: 537/20.

کرنے کا منصوبہ بھی بنا رہا تھا۔ اس کے علاوہ نورالدین نے بہت سے کمانڈروں اور سرداروں کو اپنی طرف مائل کر لیا حتی کہ حاکم دمشق کے حامی بہت کم رہ گئے۔ اسی اثنا میں مجیرالدین نے فرنگیوں کو خط لکھ دیا کہ وہ اس کا دفاع کریں اور انھیں بہت سا مال دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن نورالدین فرنگیوں کے پہنچنے سے پہلے دمشق میں داخل ہو گیا۔ شہر کے لوگ بہت خوش ہوئے۔ مجیرالدین تب تک دمشق کے قلعے ہی میں تھا۔ بعد میں اس نے نورالدین کے سامنے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ اسے حمص کی امارت دی جائے گی۔ نورالدین نے یہ وعدہ پورا کیا لیکن بعد میں اسے اس کی خیانت کا علم ہوا تو اس نے اسے معزول کر دیا۔

549ھ میں جب نورالدین نے دمشق کا انتظام سنبھالا تو تقریباً پورا شام متحد ہو گیا اور وہ اس کا بلا شرکت غیرے حکمران بن گیا، پھر 552ھ میں بعلبک کے عربی امیر نے بھی نورالدین کی قیادت تسلیم کر لی۔ اس کے علاوہ اس نے کئی اور شہروں اور مقامات پر قبضہ کر لیا جن میں بُصریٰ اور اس کے ملحقہ علاقے بھی شامل تھے۔ یہ 555ھ کا واقعہ ہے۔[1]

ان کارروائیوں کے دوران اور ان کے بعد نورالدین کو دوسری اسلامی طاقتوں سے الجھے بغیر شام کے شمالی اور جنوبی حصے میں صلیبیوں پر کاری ضربیں لگانے کا موقع مل گیا۔ اس طرح جو فوجیں مختلف امیروں کے ماتحت ہونے کی وجہ سے الگ الگ تھیں، انھوں نے دشمن کے مقابلے میں شام کی متحدہ فوج کی صورت

---

[1] الکامل: 11/147، 149، 163، 188، و مفرج الکروب: 1/128، 129.



سرحدِ شام کے پاس بعلبک (لبنان) کے قدیم ہیلیوپولس ٹیمپل (مندر مدینۃ الشّمس) کے آثار



افامیہ (شام) کے آثار

اختیار کر لی۔ نورالدین کو بیت المقدس کے صلیبیوں سے وقتی طور پر جنگ بندی کا معاہدہ کرنا پڑا۔ اس دوران میں وہ انھیں اتنی رقم ادا کرتا رہا، جتنی دمشق کا سابقہ امیر ادا کیا کرتا تھا۔ اس طرح اسے اپنے معاملات درست کرنے کا موقع مل گیا۔ 552ھ میں صلیبیوں نے نورالدین سے کیا ہوا معاہدہ بغیر کسی وجہ کے توڑنے کی جرأت کی، تب نورالدین نے جہاد کی ایک نئی لہر ابھارنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ [1]

مذکورہ بالا حالات میں نورالدین نے اسلامی صفوں کو متحد کرنے کے لیے کام کیا جبکہ اس نے جہاد بھی بند نہیں کیا۔ اس نے 544ھ میں انطاکیہ کی صلیبی ریاست سے جنگ کی اور حارم کا قلعہ تباہ کیا۔ وہاں سے روانہ ہو کر وہ اِنَب گیا اور اس کا

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 789/1.





محاصرہ کر لیا۔ مقابلے میں انطاکیہ کے سرکش فرنگی حکمران ''پرنس'' کی زیر قیادت بہت سی افواج جمع ہوگئیں۔ نورالدین کے لشکر سے ان کی شدید جنگ ہوئی جس میں فرنگیوں کو شکست ہوئی اور انطاکیہ کا بادشاہ ''پرنس'' مارا گیا۔ انطاکیہ والوں نے دوبارہ جمع ہو کر نورالدین پر حملہ کیا لیکن اس نے انھیں دوبارہ شکست دے دی۔ اس کے علاوہ 545ھ میں اَفامیہ کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔ [1]

546ھ میں نورالدین اور جوسلین کے مابین ایک اور بڑی جنگ ہوئی۔ یہ صلیبی سردار تل باشر کے علاوہ حلب کے آس پاس کے دوسرے قلعوں کا بھی نگران تھا۔ اس جنگ میں نورالدین کو شکست ہوئی۔ اس کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہوگئی اور نورالدین کا اسلحہ بردار گرفتار ہوگیا۔ جوسلین نے نورالدین کا مذاق اڑایا۔ وہ اس طرح کہ اس نے نورالدین کے ہتھیار اناطولیہ کے سلجوقی سلطان کو بھیج دیے جو نورالدین کا سسر تھا اور کہا: ''یہ آپ کے داماد کے ہتھیار ہیں۔ اس کے بعد آپ کے پاس اس سے بڑی چیز آنے والی ہے۔'' نورالدین نے اس بات کا بہت اثر لیا۔ وہ جوسلین کو پکڑنے کے لیے موقع کی تلاش میں رہا۔ اس نے ترکمان سرداروں سے وعدہ کیا کہ جو شخص جوسلین کو زندہ یا مردہ حالت میں لائے گا، اسے بہت بڑا انعام دیا جائے گا۔ جوسلین شکار کے لیے نکلا تو ایک آدمی کے قابو آ گیا۔ اس نے پکڑ کر نورالدین کے حوالے کر دیا۔ اس نے گرفتار کرنے والے کو وعدے کے مطابق انعام دیا اور جوسلین کو گرفتاری کی حالت میں (546ھ) حلب لے گیا۔ اسے وہاں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ [2]

جوسلین کی گرفتاری اور قتل، نورالدین کا وہ اہم ترین کارنامہ تھا جس کی شہرت اسلامی دنیا کے کونے کونے میں

---

[1] الکامل: 144/11، و مفرج الکروب: 121/1، و البدایۃ والنہایۃ: 228/12، و تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 789/1. [2] مفرج الکروب: 123/1، و تاریخ الحروب الصلیبیہ: 793/2، و الجہاد ضد الصلیبیین: 259.

پہنچی۔ اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے اس کے زیر قبضہ بعض مقامات، مثلاً تل باشر وغیرہ فتح کر لیے۔

نورالدین نے انطاکیہ کی حکومت اور طرابلس کی حکومت سے کئی جنگیں لڑیں۔ ان میں سے ایک معرکہ 558ھ میں طرابلس کے قریب ہوا جس میں نورالدین کو شکست ہوئی اور وہ صلیبیوں کے ہاتھوں گرفتار یا شہید ہونے ہی والا تھا کہ ایک کُرد مسلمان نے بڑی بہادری سے دفاع کرتے ہوئے نورالدین کو ان کے ہاتھوں سے بچا لیا۔ [1]



اس جنگ میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کا انتقام لینے کے لیے نورالدین نے دوبارہ صلیبیوں سے جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ صلیبیوں نے نورالدین کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی مختلف ریاستوں سے فوجیں جمع کیں۔ وہ 559ھ میں انطاکیہ کے حاکم بوہیمنڈ سوم، طرابلس کے حاکم اور رومیوں کی طرف سے قلقلیہ (ترکی) کے گورنر ریمنڈ سوم کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ نورالدین انھیں دھوکا دینے کے لیے حارم سے پیچھے ہٹ گیا۔ انھوں نے انطاکیہ اور حلب کے درمیان ایک جگہ تک اس کا تعاقب کیا۔ تب نورالدین اور اس کے ساتھی مجاہدین نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ رومیوں کو بدترین شکست ہوئی۔ ان کے دس ہزار سے زیادہ فوجی قتل ہوئے اور ان کے سردار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کے فوراً بعد نورالدین نے حارم پر قبضہ کر لیا۔ وہ انطاکیہ پر بھی حملہ کر سکتا تھا لیکن اس نے توقف کرنا مناسب سمجھا کیونکہ اس وقت بازنطینیوں سے جنگ چھیڑنا درست نہیں تھا، جبکہ وہ ان سے مقابلے کے لیے پوری طرح تیاری کی حالت میں نہیں تھا۔ [2]

اس سال یعنی 559ھ (1163ء) میں نورالدین نے بانیاس پر حملہ کیا، اس کا محاصرہ کر کے سختی کی حتی کہ اس پر طاقت سے قبضہ کر لیا، حالانکہ صلیبیوں نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی۔ [3]

---

[1] مفرج الکروب: 135/1، و الکامل: 294/11. [2] الکامل: 301/11، و مفرج الکروب: 144/1، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 889/2، و الجهاد الإسلامي: 270. [3] تاریخ الحروب الصلیبیة: 891/2، و الکامل: 304/11، و مفرج الکروب: 721/1، و الجهاد الإسلامي: 271.



بانیاس (شام) کے قریب حصن مرقب کے آثار

نورالدین نے 561ھ میں طرابلس کے قریب منیطرہ کے قلعے پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ اس نے قلعے میں موجود بعض صلیبیوں کو ہلاک کیا اور بعض کو گرفتار کیا۔ وہاں سے بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔[1]

اس مرحلے کے بعد نورالدین کے جہاد کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے، یعنی مصر کے صلیبیوں سے زور آزمائی۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ انھیں مصر سے نکال دے اور خود مصر پر قبضہ کر کے اسے شام میں مدغم کر لے اور اس طرح متحدہ طاقت کی تشکیل ہو جو صلیبیوں کا مقابلہ کر سکے۔

اس وقت مصر میں فاطمیوں کی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ عملی طور پر وزیر ہی حکمران تھے اور مصر کے معاملات ان کے ہاتھ میں تھے۔ وزارت کا منصب حاصل کرنے کے لیے کمانڈروں میں باہمی مناقشت زوروں پر تھی۔ اس کشمکش میں بہت سے لوگوں کا خون بہہ چکا تھا۔ اس منصب کے حصول کے لیے ہر شخص صلیبیوں تک سے تعاون کے لیے بے جھجک تیار تھا اور فاطمی خلیفہ العاضد لِدِین اللہ خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ جو شخص بھی دوسروں پر غلبہ حاصل کر لیتا اور اپنے مخالف کا سر کاٹ لاتا، خلیفہ اسی کو وزیر بنا دیتا تھا۔ شاور بن مجیرالدین جو مصری افواج کا کمانڈر تھا، اس کا مستنصر الدین علی ضرغام سے جھگڑا ہو گیا۔ ضرغام نے اپنی قوت سے وزارت حاصل کر لی تھی۔ اس نے شاور کے ایک بیٹے کو قتل کر دیا۔

---

[1] الکامل: 322/11، و مفرج الکروب: 148/1، و البدایة و النهایة: 251/12، و النجوم الزاهرة لابن تغری بردی: 367/5.

شاور نے دمشق پہنچ کر ضرغام کے خلاف نورالدین سے مدد طلب کی اور درخواست کی کہ اسے اپنا منصب دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دینے کے لیے فوج مصر میں بھیجی جائے اور اس کے بدلے میں وہ نورالدین کی حمایت کا اعلان کر دے گا۔ نورالدین اس کی درخواست قبول کرنے کے بارے میں متردد تھا کیونکہ صلیبیوں کے ساتھ محاذ کی صورتِ حال نازک تھی۔ اسے بیت المقدس کی صلیبی ریاست سے خطرہ تھا کہ وہ مصر میں مداخلت کرے گی اور اسے کچھ بددیانت افراد کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔ اس طرح نورالدین اور اس کی افواج کے سامنے کچھ نئے محاذ کھل جائیں گے جن پر مقابلہ کرنا اس کی افواج کے لیے مشکل ہوگا لیکن اس کے ساتھ ساتھ نورالدین کی یہ شدید خواہش تھی کہ شام کے ساتھ مصر کے دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں اور وہاں ایک اسلامی طاقت وجود میں آجائے جس کی وجہ سے مصر کی عظمت اور شان بحال ہو جائے اور وہ صلیبیوں کے مددگار باطنیوں اور ان کے حمایتیوں سے کٹ کر صحیح مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جائے۔ بہت سوچ بچار کے بعد نورالدین نے آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ شاور کو اس کا چھنا ہوا منصب واپس دلانے میں مدد کے لیے وہ اپنے ایک کمانڈر ''اسد الدین شیرکوہ'' کو تقریباً دو ہزار فوجی دے کر بھیج دے گا۔ یہ جمادی الاولیٰ 559ھ کا واقعہ ہے۔ نورالدین نے اپنے زیرِ قبضہ علاقوں میں فوجی کارروائیاں شروع کر دیں تا کہ صلیبیوں کی توجہ اسد الدین شیرکوہ کی طرف مبذول نہ ہو جو اس وقت اپنے دشمنوں، یعنی صلیبیوں کے علاقے سے

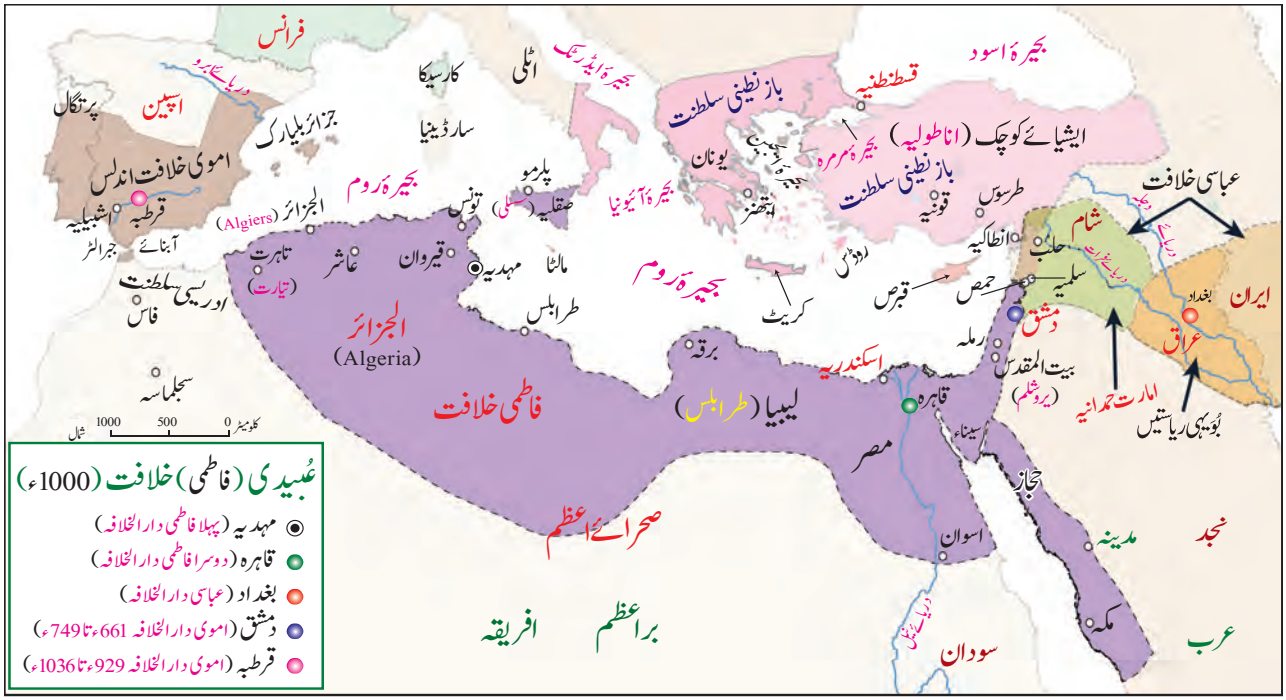


قلعہ شیرکوہ (شام) کی ایک نئی تصویر

گزر رہا تھا۔ شیرکوہ مصر پہنچا اور ضرغام سے جنگ کی جس میں شیرکوہ کو ضرغام پر فتح حاصل ہوئی۔ وہ بعد میں قتل ہوگیا اور شاور کے لیے میدان صاف ہوگیا، چنانچہ فاطمی خلیفہ نے اسے دوبارہ وزارت کا منصب دے دیا۔[1]

جب شاور کو اس کی خواہش کے مطابق وزارت مل گئی تو اس نے نورالدین سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا اور شیرکوہ کو مصر سے نکل جانے کو کہا۔ اس نے دھمکی دی کہ دوسری صورت میں وہ فرنگیوں کی مدد سے اسے نکال دے گا۔ جب شیرکوہ نے اس کا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو اس نے سچ مچ فرنگیوں سے مدد مانگ لی۔ فرنگی جو نورالدین کی فوجیں مصر پہنچنے سے پریشان تھے اور مصر پر اس کا قبضہ ہو جانے کا خطرہ محسوس کر رہے تھے، انھیں موقع مل گیا، چنانچہ بیت المقدس کے بادشاہ ''عموری'' (Amalric) کی قیادت میں صلیبی فوجیں مصر پہنچ گئیں اور فاطمیوں نے ان سے تعاون کیا۔ چنانچہ بلبیس کے قریب نورالدین کی فوج سے ان کی جھڑپیں ہوئیں۔ آخر کار اس شرط پر صلح ہوئی کہ شیرکوہ اپنی فوج لے کر شام چلا جائے گا۔ اس کے بعد نورالدین نے شام میں صلیبیوں پر دباؤ بڑھا دیا اور انھیں بانیاس اور حارم میں شکست دی، چنانچہ صلیبیوں کو مصر سے اپنی فوجیں نکال کر نورالدین سے مقابلے کے لیے شام بھیجنی پڑیں۔ اس نے دوبارہ 562ھ میں اسد الدین شیرکوہ اور اس کے بھتیجے صلاح الدین ایوبی کو مصر پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا تاکہ فاطمی وزیر شاور کو سزا دے جس نے نورالدین سے کیا ہوا معاہدہ توڑ کر صلیبیوں کو مصر میں آنے کی دعوت دی تھی۔ شاور کو جونہی خبر ملی کہ نورالدین کی فوج قریب آ گئی ہے، اس نے فوراً ایک بار پھر صلیبیوں سے مدد مانگ لی۔ وہ

---

[1] البداية والنهاية: 247/12، والكامل: 298/11، والنوادر السلطانية والمحاسن اليوسفية: 36.

بھی فوراً مصر پہنچ گئے۔ قاہرہ اور اسکندریہ کے قریب اسد الدین کی فوج کی صلیبیوں سے کچھ لڑائیاں ہوئیں جن میں زیادہ تر اسد الدین کی جیت ہوئی۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ فرنگیوں، ان کے مددگار فاطمیوں اور شاور کے حامیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تو اس نے اس شرط پر صلح کر لی کہ صلیبی فرنگی، نیز شیرکوہ اور نورالدین کے جو حامی اس کے ساتھ ہیں، وہ سب مصر سے نکل جائیں۔ [1]

مصر کے بعض علاقے صلیبیوں کے لیے کھلے رہے کیونکہ اسدالدین شیرکوہ اور اس کے ساتھیوں کے کوچ کر جانے کے باوجود کچھ صلیبی وہاں موجود رہے۔ صلیبیوں نے محسوس کیا کہ فاطمی ریاست کمزور ہو چکی ہے اور نورالدین کے چلے جانے کے بعد وہ ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکے گی، چنانچہ انھوں نے بیت المقدس کے بادشاہ کو خط لکھ کر اس سے مصر آنے کا مطالبہ کیا لیکن اس بار صلیبیوں کا مصر میں داخلہ ''شاور'' کی درخواست پر نہیں تھا، چنانچہ وہ بڑی فوج لے کر آئے اور مصر کی فوج سے ان کی جھڑپیں ہوئیں جن کے نتیجے میں قاہرہ کے بڑے بڑے محلے جل گئے اور عوام بہت تنگ ہوئے۔ [2]

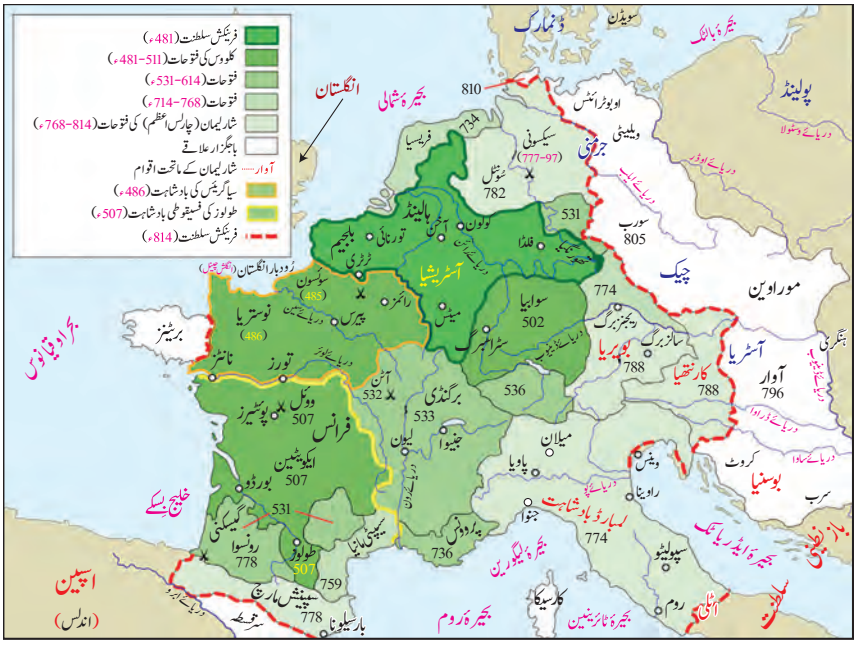

شاور وزیر نے اپنی گزشتہ غداریاں فراموش کرتے ہوئے ایک بار پھر نورالدین سے مدد مانگی۔ نورالدین نے فوراً اسد الدین شیرکوہ کو بھیج دیا۔ اس کے ساتھ اس کا بھتیجا صلاح الدین ایوبی بھی تھا جو اپنے چچا شیرکوہ کے سواروں میں نمایاں مقام حاصل کرتا جا رہا تھا۔ جب اسد الدین شیرکوہ کی فوج قریب آئی تو صلیبی جنگ کیے بغیر مصر سے نکل گئے۔ یہ واقعہ ربیع الآخر 564ھ کا ہے۔ [3]

---

[1] الکامل: 324/11، و البدایة والنهایة: 252/12، و النوادر السلطانیة: 37، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 918/2. [2] النوادر السلطانیة: 38، و البدایة والنهایة: 255/12، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 930/2.
[3] مفرج الکروب: 160/1، و الکامل: 334/11، و البدایة والنهایة: 255/12، و النوادر السلطانیة: 38.

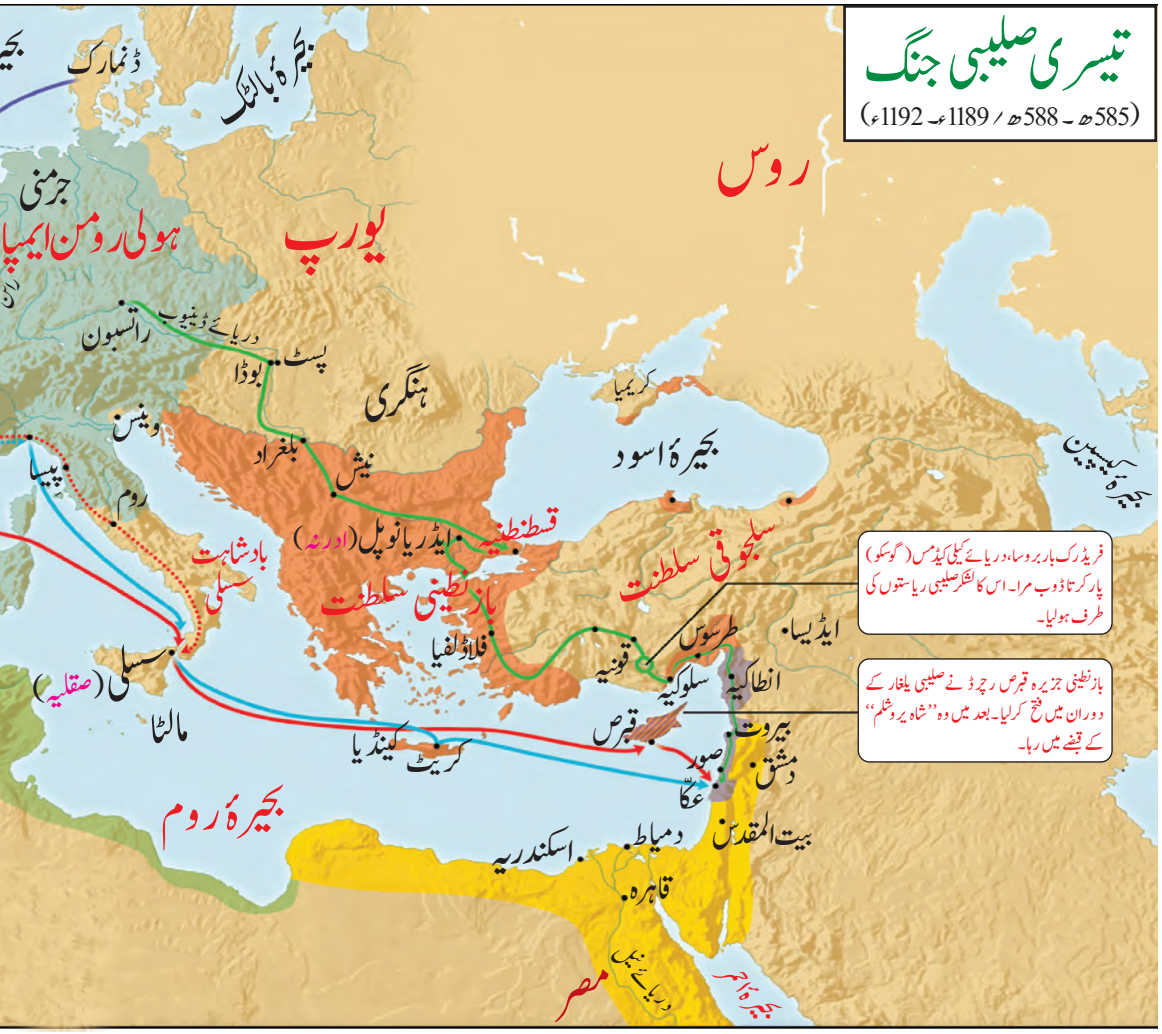

اس طرح نورالدین کی فوجیں مصر پر بلا شرکت غیرے قابض ہوگئیں۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ شیرکوہ کے ساتھیوں نے فاطمی وزیر شاور کو پکڑ کر قتل کر دیا، چنانچہ خلیفہ نے اسد الدین شیرکوہ کو فاطمی وزیر کے منصب پر مقرر کر دیا۔ اس طرح مصر میں فاطمی وزارت نورالدین کے مخلص ترین کمانڈر کو مل گئی اور مصر کی ساری فوج، اس کی املاک اور اس کی حکومت مکمل طور پر براہِ راست نورالدین محمود کے ہاتھ میں آ گئی کیونکہ فاطمی خلافت کمزور ہوچکی تھی، صرف اس کا نام باقی تھا۔ دو ماہ پانچ دن کی مدت کے بعد اسدالدین شیرکوہ فوت ہوگیا، چنانچہ اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کو فاطمی خلیفہ عاضد کا وزیر مقرر کر دیا گیا۔ [1]

[1] الکامل: 11/342,341، والبدایۃ والنہایۃ: 12/256، ومفرج الکروب: 1/168.

یوں مصر کا بلکہ پورے عالم اسلام کا، کئی لحاظ سے ایک نیا دور شروع ہوگیا جس میں صلیبیوں سے جہاد کا پہلو سرفہرست ہے۔ اور اس تبدیلی کے نتیجے میں سب سے زیادہ نقصان میں وہی رہے۔ [1]

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ نورالدین محمود نے صلیبیوں سے فوجی جہاد بھی کیا اور سیاسی جہاد بھی۔ اور آخری مرحلے میں کشمکش کا مرکز مصر تھا۔ اس وقت جاری کشمکش میں اس کی اہمیت نورالدین نے اور صلیبیوں نے بیک وقت محسوس کر لی تھی، بالخصوص اس لیے بھی کہ مصر کی فاطمی حکومت صرف ایک تماشائی کا کردار ادا کر رہی تھی بلکہ اس کے حکمران اور وزراء ایک دوسرے کے خلاف صلیبیوں کی مدد لینے سے بھی نہیں جھجکتے



---

[1] ولیم صوری کہتا ہے: ''زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کرنے کی شدید خواہش نے ہمیں ایک پرامن اور سلامتی والی حالت سے نکال کر ایک پریشانی اور اضطراب والی حالت میں دھکیل دیا۔ مصر کی تمام پیداوار اور اس کی بے حساب دولت سے ہماری تمام ضروریات پوری ہو رہی تھیں۔ ہماری سلطنت کی سرحدیں اس طرف سے محفوظ تھیں۔ جنوب کی طرف ہمارا کوئی دشمن نہ تھا جس سے ہمیں خطرہ ہوتا۔ جو لوگ ہمارے ملک میں آنا چاہتے، ان کے لیے سمندر کا راستہ پرامن اور محفوظ تھا۔ سازگار حالات کی وجہ سے ہماری قوم کے افراد مصر کی سرزمین میں بلاخوف وخطر داخل ہو سکتے تھے۔ دوسری طرف مصر کے لوگ ہمارے ملک میں غیر ملکی سامان اور عجیب وغریب نئی نئی چیزیں لے آتے تھے جن سے ہم اس وقت تک واقف نہ تھے۔ وہ جب بھی ہم سے ملنے آتے تو بہت سی منافع بخش اشیاء لے کر آتے اور ہماری عزت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر سال وہ ہمارے ملک میں بہت زیادہ مال خرچ کرتے تھے جس کی وجہ سے ہمارا خزانہ بھر جاتا تھا اور ہمارے عوام کی انفرادی دولت میں بھی اضافہ ہوتا تھا۔ لیکن اب صورتِ حال برعکس ہوگئی ہے اور معاملات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے ہیں ..... جب میں نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے خوف اور قلق کے اسباب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ سمندر ہمیں پرامن راستہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ تمام ہمسایہ علاقوں پر دشمنوں کا قبضہ ہے جو ہمیں تباہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔''

(تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 936/2)

تھے۔ گویا فاطمی سلطنت آخری سانس لے رہی تھی۔ اس کے باوجود نورالدین نے صبر وتحمل سے کام لیا۔ وہ مصر میں یکے بعد دیگرے لشکر بھیجتا رہا اور مایوس نہیں ہوا حتی کہ اسے فتح حاصل ہوگئی اور مصر پر اس کے ساتھیوں کا مکمل قبضہ ہوگیا۔ صلیبی جو کئی بار مصر میں داخل ہو چکے تھے، اب اس سے ناامید ہوگئے بلکہ وہ پورے شام سے بھی مایوس ہوگئے کیونکہ اب مصر اور شام میں ایک متحدہ قوت موجود تھی جس کا سب سے بڑا مطلوب شام کو صلیبی قابضوں سے پاک کرنا تھا۔ مصر پر قبضہ کرنے کے لیے نورالدین نے پانچ سال جو جدوجہد کی تھی، اس میں اس کا مطمح نظر یہی رہا تھا۔ اس کے باوجود اس نے شام میں بلکہ مصر میں بھی اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ صلیبیوں سے جنگ جاری رکھی۔

صلیبیوں نے 565ھ میں مصر پر سمندر کی طرف سے حملہ کیا اور دمیاط تک پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ انھوں نے صلاح الدین کی افواج کو مشکل میں ڈال دیا جبکہ مصر کے حالات ابھی پرسکون نہیں ہوئے تھے، چنانچہ اس نے نورالدین سے مدد مانگی۔ وہ مصری مسلمانوں کو مشکل میں دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ صلیبی بحری حملے کے جواب میں اس نے صلیبیوں کے جنگی مراکز پر حملے شروع کر دیے۔ وہ اس معاملے میں بہت فکرمند تھا۔ کہتے ہیں: ایک عالم نے اسے مسکراہٹ کے بارے میں ایک حدیث سنائی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا: ''جناب! (حدیث پر عمل کرتے ہوئے) آپ بھی مسکرا دیں۔'' نورالدین نے جواب دیا: ''مجھے



صلیبی جنگ کے تیسرے مرحلے میں دمیاط (مصر) کی قلمی تصویر


قاہرہ کا قدیم فاطمی قلعہ

اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ وہ مجھے مسکراتا دیکھے جبکہ مسلمان فرنگیوں کے محاصرے میں ہیں۔'' [1]

نورالدین نے اس وقت مصر میں امدادی فوجیں بھیجنا شروع کر دیں جبکہ وہ خود شام کی طرف سے صلیبیوں پر دباؤ ڈال رہا تھا، چنانچہ صلیبی فوجیں پچاس دن تک دمیاط کا محاصرہ کرنے کے بعد ناکام لوٹ گئیں۔ [2]

نورالدین زنگی نے کوشش کی کہ صلاح الدین ایوبی کے تعاون سے صلیبیوں پر حملہ کرے اور اس سے تیاری کرنے کو کہا لیکن صلاح الدین نے یہ عذر پیش کیا کہ وہ مصر کے انتظامات درست کرنے میں مشغول ہے اور اسے خطرہ ہے کہ مصر کے بعض فوجی خودسر ہو کر یہ انتظامات خراب نہ کر دیں۔ نورالدین اس عذر سے مطمئن نہ ہوا کیونکہ اس کی پوری توجہ صلیبیوں سے جنگ کی طرف تھی۔ اس کے باوجود وہ بادل نخواستہ خاموش ہو گیا۔ قریب تھا کہ نورالدین اور صلاح الدین کے باہمی تعلقات خراب ہو جاتے لیکن صلاح الدین کے والد نے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اسے اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ اپنے امیر نورالدین کی اطاعت کرتا رہے۔ شوال 569ھ میں نورالدین محمود زنگی رحمہ اللہ [3] فوت ہو گیا۔ [4]

نورالدین محمود اپنی زندگی میں اپنے والد کے لگائے ہوئے جہاد کے شجر کو شہداء کے خون اور مجاہدین کے خون پسینے سے سیراب کر چکا تھا۔ مصر کے حالات صلاح الدین کے لیے سازگار کر کے وہ اسلامی جہاد کے لشکر کا ایک نیا علم بردار جرنیل تیار کر چکا تھا۔

---

[1] مفرج الکروب: 182/1. [2] الکامل: 351/1، و البدایة و النهایة: 260/12، و مفرج الکروب: 183/2، و النجوم الزاهرة: 3/6. [3] نورالدین محمود کی سیرت اور کارناموں کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عماد الدین خلیل کی نور الدین محمود: الرجل والتجربة، اور ڈاکٹر حسین مؤنس کی رائد نصر المسلمین علی الصلیبیین: نورالدین محمود، سیرة مؤمن صادق. [4] سیر أعلام النبلاء: 239/20، و البدایة والنهایة: 277/12، و الکامل: 204/11، و المنتظم: 248/10، و مفرج الکروب: 258/2.

صلاح الدین ایوبی کے جہادی کارنامے

559ھ میں جب ''اسدالدین شیرکوہ'' نے مصر پر حملہ کیا تو اس کے ساتھ آنے والی کُرد افواج میں اس کا بھتیجا صلاح الدین بھی ایک سپاہی کی حیثیت سے شریک تھا، پھر جب 562ھ میں فرنگی صلیبیوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا تو صلاح الدین نے اس موقع پر بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔[1]

صلاح الدین ابھی نوجوان ہی تھا جب اس کے لیے حاکم مصر بننے کے حالات پیدا ہوگئے لیکن شروع میں وہ نورالدین کے دوسرے کمانڈروں کے درمیان کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ جب اس کے چچا اسدالدین شیرکوہ کی وفات ہوئی تو ایک دوسرے سے اختلاف رکھنے والے کمانڈروں میں سے درمیانی حل کے طور پر اسے وزیر منتخب کر لیا گیا، حالانکہ اس کے (سیاسی) مخالفین میں ایسے افراد موجود تھے جو اس عہدے کے حصول کی زیادہ طاقت رکھتے تھے۔ عہدہ سنبھالنے کے بعد اس نے بڑی محنت سے کام کیا اور مصر میں نورالدین کے دوسرے کمانڈروں کے تعاون سے اپنا اقتدار مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے فاطمیوں کی قوت کے مراکز ختم کر دیے جو اس کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا باعث ہوسکتے تھے، چنانچہ ملک میں کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا نہ رہا حتی کہ یہ کیفیت ہوگئی کہ اگر فاطمی خلیفہ عاضد بھی صلاح الدین

[1] البداية والنهاية: 253/12، والكامل: 336/11، والنوادر السلطانية لابن شداد: 41.



اسکندریہ (مصر) کا ایک منظر

کی مخالفت کرتا تو اسے کوئی حمایت کرنے والا نہ مل سکتا۔

اس دور میں اسماعیلی مذہب کے علماء اور مبلغین کی تعداد کم ہونے لگی اور وہ نظروں سے اوجھل ہونے لگے کیونکہ اس قسم کی فضا میں ان کا کوئی مقام نہ تھا حتی کہ صلاح الدین نے یہ سوچا کہ اب یہ اعلان ہو جانا چاہیے کہ جمعہ کے خطبے میں فاطمیوں کے لیے دعا بند کر کے عباسی خلفاء کے لیے دعا کی جائے لیکن وہ عوام کے ردِعمل کے خوف سے متذبذب تھا، پھر نور الدین محمود کی طرف سے واضح حکم آ گیا کہ عباسی خلیفہ کے لیے دعا کی جائے اور فاطمی خلیفہ کے لیے دعا بند کر دی جائے۔ اس کا واضح طور پر یہ مطلب تھا کہ فاطمی اسماعیلی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ یہ صورت حال اسماعیلی مذہب کے ماننے والوں اور داعیوں کے لیے ناقابل برداشت تھی، اس لیے بعض ائمہ نے اس حکم کی تعمیل سے خوف محسوس کیا۔ ایک شخص جو ''الامیر العالم'' کے نام سے مشہور تھا، اس نے یہ تذبذب دیکھا تو کہا: اس کام کی ابتدا میں کروں گا۔ محرم 567ھ میں جمعہ کا دن تھا کہ وہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے منبر پر بیٹھ گیا اور خلیفہ ''المستضیٔ بنوراللہ'' کے حق میں دعا کرنے لگا۔ اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ اگلے جمعے کو صلاح الدین نے قاہرہ اور پورے مصر میں حکم جاری کر دیا کہ عاضد کے نام کا خطبہ نہ پڑھا جائے بلکہ عباسی خلیفہ المستضیٔ بنوراللہ کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ حکم پر عمل ہوا۔ کوئی اختلاف یا اعتراض کرنے والا سامنے نہ آیا، چنانچہ تمام علاقوں میں تحریری حکم بھیج دیا گیا۔ عاضد اس وقت سخت بیمار تھا، اس لیے اس کے گھر والوں نے اسے یہ خبر نہ دی۔ انھوں نے یہ سوچا کہ اگر وہ زندہ رہا تو خود کوئی مناسب فیصلہ کر لے گا ورنہ ہمیں اس کی



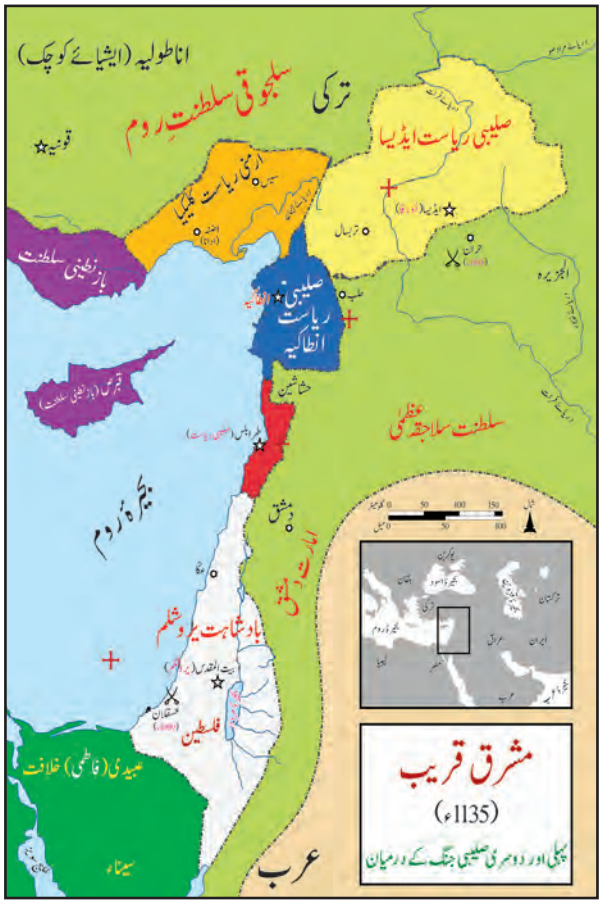

زندگی کے آخری چند ایام میں اسے پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ 567ھ میں عاشوراء کے دن عاضد فوت ہوگیا۔ [1]

اس وقت حالات صلاح الدین کے لیے یوں سازگار ہوتے گئے کہ اچانک عاضد کی وفات ہوگئی اور فاطمی مبلغین کا راستہ بند ہوگیا۔

فاطمی حکومت کے ختم ہونے پر پورے عالم اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جس نے اپنے آخری برسوں میں دوسرے مسلمانوں پر دست درازی کے لیے صلیبی فرنگیوں سے گٹھ جوڑ کو اپنے لیے بہتر سمجھا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی نورالدین محمود کو ہوئی جس نے فوراً قاصدوں کو یہ خوشخبری دے کر بغداد اور دوسرے شہروں کی طرف دوڑا دیا۔ یقیناً یہ اللہ کا خاص فضل تھا۔ اس کے بعد اس میں سب سے زیادہ کردار صلاح الدین کا تھا جس نے بذاتِ خود یہ کام سرانجام دیا۔

ختم ہونے والی فاطمی حکومت کے کچھ سرداروں نے دوبارہ جمع ہونے اور صلیبیوں سے مدد مانگنے کا ارادہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ جب صلاح الدین ان سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلے تو وہ مصر پر دوبارہ قبضہ کرلیں گے لیکن صلاح الدین کو ان کی سازش کا پتا چل گیا اور اس نے صلیبیوں کے نام ان کا لکھا ہوا خط پکڑ لیا۔ اس طرح وہ سازش کے سرغنہ افراد کو ختم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے شہر قاہرہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھنا مناسب سمجھا اور انھیں سازش کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی موقع نہ دیا۔ [2]

---

[1] مفرج الكروب: 200/1، و البداية والنهاية: 264/12، و الكامل: 368/11، و المنتظم: 237/10، و النوادر السلطانية: 45، و وفيات الأعيان: 158/7. [2] مفرج الكروب: 244/1، و النوادر السلطانية: 47، و وفيات الأعيان: 165/7، و تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 149.

اس کارروائی کے نتیجے میں مصر میں صلاح الدین کی حکومت کے سوا کوئی حکومت نہ رہی جو کہ رسمی طور پر نورالدین محمود کے ماتحت تھا کیونکہ صلاح الدین کی پوری کوشش تھی کہ وہ نورالدین سے کوئی جھگڑا کھڑا نہ کرے۔ اس معاملے میں اس کے والد کا واضح کردار تھا جس نے ان کے باہمی اختلافات ختم کر کے ان کو ایک مشترکہ فکر دے دی تھی کہ اب وہ مل کر صلیبی حملہ آوروں کو روکیں گے اور اسلامی ممالک کو ان سے پاک کریں گے۔ علاوہ ازیں صلاح الدین ڈرتا تھا کہ نورالدین اسے معزول کر کے کہیں اس کی جگہ کسی اور کو حاکم مقرر نہ کر دے۔

اس کی اولیں کوشش یہ تھی کہ مصر کا نظم ونسق درست کیا جائے اور دو سو سالہ باطنی فاطمی حکومت کے خاتمے کے بعد اس ملک کو صحیح اسلامی صف میں شامل کر لیا جائے۔ اس نے بکثرت عطیات دے کر لوگوں کے دل جیت لیے، پھر اپنی حکومت کی ابتدا ہی میں اہلِ سنت کے مدارس کھولنے کی اجازت دے دی۔ سب سے پہلا مدرسہ جس کی بنیاد (566ھ) میں اس نے خود رکھی، مدرسہ شافعیہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک شافعی عالم کو قاضی مقرر کیا۔ اس سے پہلے یہ منصب اسماعیلیوں کے لیے مخصوص تھا۔ وہ نیک سنی علماء کی مجلس میں اکثر حاضر ہوتا تھا اور ہفتے میں تین دن ایک عالم کے حلقۂ درس میں حاضر ہو کر حدیث سنتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اس کے بیٹے بھی اس حلقے میں حاضر ہوں۔ [1]

وہ حق گو شعراء کا کلام بھی سنتا تھا جو اسے ہمیشہ مقبوضہ بیت المقدس کی یاد دلاتے رہتے تھے کہ اسے آزاد کرانا فرض ہے، مثلاً ایک شاعر عمادالدین کاتب نے ایک دن اس کے سامنے قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر درج ذیل ہیں:

فَسِرْ وَافْتَحِ الْقُدْسَ وَاسْفِكْ بِهِ ... دَمًا مَتٰى تُجْرِهَا تَنَظَّفِ

وَأَهْدِ إِلَى السَّبْتَارِ الْبَتَّارَ ... وَهَدِّ السُّيُوفَ عَلَى الْأُسْقُفِ

وَخَلِّصْ مِنَ الْكُفْرِ تِلْكَ الْبِلَادَ ... يُخَلِّصْكَ رَبُّكَ فِي الْمَوْقِفِ

''تو روانہ ہو اور قدس کو فتح کر اور اس میں خون بہا۔ جب تو خون بہائے گا تو وہ پاک صاف ہو جائے گا۔ اور سبتاروں [2] کو کاٹنے والی تلوار (کے وار) کا تحفہ دے اور پادریوں پر تلواریں برسا دے۔ تو اس ملک کو کفر سے نجات دے، اللہ تجھے میدانِ محشر میں نجات دے گا۔''

---

[1] مفرج الكروب: 56/2، و النوادر السلطانية: 7، و سير أعلام النبلاء: 282/21، و وفيات الأعيان: 206/7.

[2] ''نائٹس آف سینٹ جان'' یا ''نائٹس ہاسپٹلرز'' ایک مسیحی تنظیم تھی جس نے 1042ء میں یروشلم (بیت المقدس) میں مسیحی زائرین کی ◄◄


قبۃ الصخرہ (بیت المقدس)

اس لیے اس کا دماغ بیت المقدس ہی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ اس کے دربار کے علماء، شعراء اور ادباء اسے ہمیشہ یہی یاد دلاتے رہتے تھے۔

اس نے جب سے مصر کی حکومت سنبھالی تھی، وہ صلیبیوں سے جہاد کے بارے میں غور وفکر کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سب سے پہلے ان فوجی ٹھکانوں پر حملہ کیا جائے جو ساحل سمندر پر واقع ہیں لیکن اس کے حملہ کرنے سے پہلے صلیبیوں نے پہل کر دی۔ اس کے لیے ضروری ہوگیا کہ اس کے جہاد کی ابتدا ان کے حملے کے جواب سے ہو جو انھوں نے صفر 565ھ میں ریاستِ بیت المقدس اور بازنطینیوں وغیرہ کی بری اور بحری فوجوں کے ساتھ مل کر دمیاط پر کیا۔ صلاح الدین اور اس کے کمانڈروں نے نور الدین کی بھیجی ہوئی شامی فوجوں سے تعاون کیا، چنانچہ انھوں نے فرنگیوں کے محاصرے کا مقابلہ کیا اور ان پر جوابی حملہ کرتے ہوئے ان کے بہت سے جہاز جلا دیے۔ اس کے علاوہ ان کے فوجی کثیر تعداد میں قتل ہوئے جس کی وجہ سے وہ ہتھیار ڈالنے اور مسلمانوں سے ایسا معاہدہ کرنے پر مجبور ہوگئے جس سے انھیں شہر چھوڑنے کے لیے چند دن کی مہلت مل جائے۔ جب وہ شہر چھوڑ کر جا رہے تھے تو ان کے بحری جہاز سمندری طوفان کا نشانہ

◄◄ خدمت کے لیے ایک ہسپتال قائم کیا تھا، اس کی نسبت سے یہ ''ہاسپٹلرز'' کہلائے جنھیں عربوں نے ''اسبتاریہ'' کا نام دیا۔ صلیبی جنگوں کے دوران میں ان جنگجوؤں کو بہت شہرت ملی۔ شاعر نے انھی ہاسپٹلرز صلیبیوں کو السّبتار کہا ہے۔ (م ف)

بن گئے اور ان کے اکثر جہاز غرق ہو گئے۔ اس طرح ان کے بہت کم افراد زندہ بچ سکے۔ [1]

اس معرکے سے ثابت ہو گیا کہ مصر اور شام کی فوجوں میں تعاون کا فائدہ اتنا زیادہ ہے کہ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صلیبیوں کا یہ حملہ روکنے کے لیے نورالدین اور صلاح الدین ایک دوسرے کے مددگار تھے۔

اس کے بعد صلاح الدین نے اسی سال رملہ، عسقلان اور غزہ پر حملے کیے اور وہاں کے صلیبیوں کو خوف کا شکار کیے رکھا۔ [2]

صلاح الدین کی اولین جہادی کارروائیوں میں سے ایک اس چوکی پر حملہ ہے جو بحیرۂ ایلہ، یعنی خلیج عقبہ کے ایک جزیرے پر قائم تھی۔ صلیبیوں نے یہ چوکی ایلہ کے قریب قائم کی تھی جس سے وہ بحیرۂ احمر میں مسلمانوں کے جہازوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ اس کے علاوہ حاجیوں کے جہازوں کو خطرے میں ڈال سکتے بلکہ غرق کر سکتے تھے۔ صلاح الدین نے قاہرہ میں بحری جہازوں کے الگ الگ ٹکڑے بنوائے، پھر انھیں اونٹوں پر لاد کر ساحل سمندر پر لے گیا اور سمندر میں انھیں جوڑ کر جہاز تیار کر لیے، پھر ان کے ذریعے سے جزیرے میں موجود اس قلعے پر حملہ کیا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے قلعے کے صلیبیوں کو قتل کر دیا یا گرفتار کر لیا۔ یہ واقعہ ربیع الآخر 566ھ کا ہے۔ [3]

566ھ سے 569ھ تک کی مدت میں نورالدین نے صلاح الدین کے ساتھ مل کر شام کے صلیبی ٹھکانوں پر مشترکہ حملے کرنے کی کوشش کی لیکن حالات سازگار نہیں تھے کیونکہ نورالدین شام کے مختلف حصوں کو متحد کرنے اور انھیں اپنی سلطنت میں شامل کرنے میں مشغول تھا جبکہ صلاح الدین اس دوران میں مصر کا نظم و نسق درست کرنے اور حجاز و یمن پر قبضہ کرنے میں مشغول تھا۔ [4] اس لیے صلیبیوں کے خلاف نورالدین اور صلاح الدین کو مشترکہ جہاد کا موقع نہ مل سکا حتی کہ شوال 569ھ میں نورالدین کی وفات ہو گئی اور صلاح الدین ہی صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والا اسلامی لیڈر قرار پایا۔

---

[1] مفرج الكروب: 181/1، و البداية والنهاية: 261/12، و الكامل: 351/11، و تاريخ الحروب الصليبية: 941/2-945. [2] مفرج الكروب: 198/1. [3] الكامل: 365/11، و مفرج الكروب: 199/1. [4] مفرج الكروب: 237/1، و النوادر السلطانية: 46، و وفيات الأعيان: 165/7.

مصر اور شام کے محاذوں کا اتحاد

صلاح الدین، نورالدین محمود کا وفادار تھا اور خود کو اس کا ماتحت اور اس کا مقرر کردہ سردار سمجھتا تھا۔ نورالدین کی وفات کے بعد حالات بدل گئے۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کا مقام بھی دوسرے سرداروں کے برابر ہے۔ اگرچہ وہ نورالدین کے بعد انتظامی معاملات کی اہلیت سب سے زیادہ رکھتا تھا لیکن اس کی کوشش تھی کہ دوسرے سرداروں سے اس کا ٹکراؤ نہ ہو، بالخصوص اس لیے بھی کہ بعض افراد نورالدین کے بیٹے الملک الصالح اسماعیل سے منسلک ہوگئے، حالانکہ وہ ابھی بچہ تھا۔ صلاح الدین ایک مدبر تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ بعض کمانڈر، سردار اور نااہل افراد اپنے ذاتی مفادات کے لیے اس نوجوان کا نام استعمال نہ کریں اور اس طرح جہاد اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ صلاح الدین کے لیے یہ ایک مشکل صورتِ حال تھی۔ شام کے اکثر عوام نورالدین کی وفات سے سخت پریشان تھے اور پیدا ہو جانے والی غیر یقینی صورتِ حال سے خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ شام کے صلیبی اس صورت حال سے فائدہ اٹھائیں گے۔ علاوہ ازیں کوئی نیا تنازع بھی پیدا ہوسکتا ہے، چنانچہ علماء کی خواہش تھی کہ اختیارات کسی اور کے بجائے صلاح الدین کے ہاتھ میں ہوں کیونکہ وہ دشمنوں کے خلاف اس کے جہاد سے باخبر تھے۔ اس کے باوجود دمشق اور حلب کے کمانڈر اس پر راضی نہ تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ صلاح الدین کو حکومت کے منصب سے دور رکھا جائے تاکہ وہ صالح اسماعیل کے نام سے خود براہِ راست حکومت کر سکیں بلکہ اس کا نام لے کر وہ صلاح الدین کو قابو میں رکھنا چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ صالح ہی اپنے والد کا جانشین ہے۔ اختلاف ختم کرنے کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے علاقے میں جمعہ کے خطبے میں صالح اسماعیل کا نام لیا جائے گا۔ اس طرح اس نے وفاداری اور اتحاد کا مظاہرہ کیا لیکن اس کی کوشش یہی تھی کہ صالح اسماعیل کے معاملات اس کے ہاتھ میں ہوں اور ناجائز فائدہ اٹھانے والے وہ لوگ اس سے دور رہیں جو ہمیشہ اختلاف اور تفرقے کا باعث بنتے رہے تھے۔ ان میں سے بعض سرداروں نے بےفکر ہو کر صلاح الدین کا مقابلہ کرنے کے لیے صلیبیوں سے جنگ بندی کر لی تھی۔ علاوہ ازیں انھوں نے اسماعیلیوں سے بھی تعاون کیا تاکہ متحد ہو کر اس کا مقابلہ کر سکیں۔ فرنگیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بعض ٹھکانوں پر حملہ کیا جن میں ''بانیاس'' بھی شامل تھا۔ انھوں نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ [1]

---

[1] مفرج الکروب: 7/2، و الکامل: 408/11.



صلیبی قلعہ الکرک (اُردن) کے قریب مسجد

ان تمام مشکلات کے باوجود صلاح الدین فرنگیوں کے خوف سے شام کے ملک میں مسلمانوں میں اتحاد قائم رکھنے کے لیے ہر طریقہ اختیار کرتا رہا۔ وہ کبھی سیاسی داؤ پیچ سے کام لیتا، کبھی مال خرچ کرتا، کبھی سزا دیتا، یعنی وہ نرمی اور سختی دونوں سے کام لیتا تھا۔ اسے بہت سے شہر اپنے مخالف ان کمانڈروں کے قبضے میں چھوڑنا پڑے جنھوں نے اس کی اطاعت قبول نہیں کی تھی تاکہ اس کے لشکر کی صفیں منتشر نہ ہو جائیں۔ نورالدین کی وفات کے بعد وہ دس سال سے زیادہ عرصے تک اس معاملے کو سنبھالتا رہا۔[1] اس کے باوجود اس نے اس مدت میں صلیبیوں سے مقابلہ کرنا بند نہیں کیا بلکہ ان سے ایک طویل جہاد کیا۔

جہاد کی تیاری

صلاح الدین جب نورالدین کی فوج کا ایک سپاہی تھا، تب وہ بھی جہاد کے لیے تیاری کی اہمیت کو خوب سمجھتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ فوجی تجربہ کاری کے ساتھ ساتھ علماء سے مسلسل تعلق قائم رکھنے کی وجہ سے

---

[1] حلب، جو شام کے اہم شہروں میں سے تھا اور شام میں جہاد کی ایک چھاؤنی تھا، صلاح الدین کو اس شہر پر قبضہ کرنے کے لیے کئی لڑائیاں لڑنا پڑیں اور صالح اسماعیل کی وفات کے بعد کئی کمانڈروں سے مقابلہ کرنا پڑا حتی کہ صفر 579ھ میں اس شہر کے لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔ (سیر أعلام النبلاء: 285/21، و الکامل: 405/11، 208، و مفرج الکروب: 2/2-4)

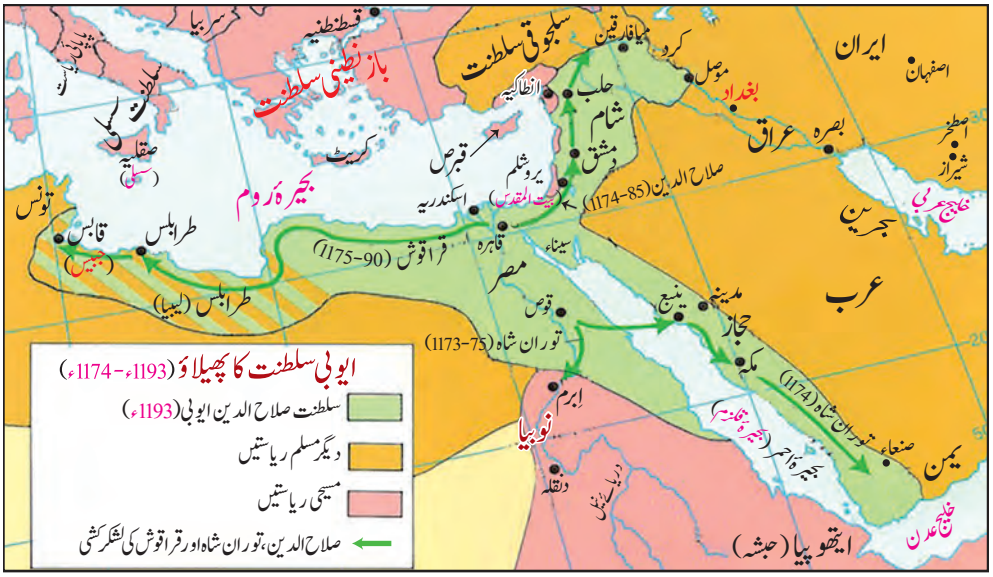

وہ ذہنی طور پر اس بارے میں یکسو ہو چکا تھا، پھر جب نورالدین کی وفات کے بعد ذمہ داری براہِ راست اس پر آ گئی اور وہ مالی نظم کی صلاحیت بھی رکھتا تھا تو اس نے اس سلسلے میں اخراجات پر پوری توجہ دی۔ اس نے فوج کی تیاری اور اسے ضروری سامان کی فراہمی کو اپنا سب سے اہم مسئلہ بنا لیا۔ اسے اسلامی فوجی قوت تیار کرنے کی شدید خواہش تھی، چنانچہ اس نے قابل اعتماد قائدین کی ایک جماعت تیار کی جن پر وہ مختلف معاملات میں اعتماد کر سکتا تھا۔ اس نے انھیں اتنی رقم اور تنخواہیں دیں کہ وہ اس کے ساتھ کام کرنے میں آسانی محسوس کرنے لگے۔ اس کے علاوہ اس نے صلیبیوں سے مسلمان قیدی چھڑانے پر بہت توجہ دی، خواہ وہ اس کے ساتھیوں میں سے نہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے اس نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ اس وجہ سے بہت سے افراد دوبارہ جہاد میں شریک ہو گئے۔

چونکہ لوگ صلاح الدین سے محبت رکھتے تھے، اس لیے بہت سے علماء اور رضا کار بھی اس کے ساتھ آ ملے تھے جو اس کی صفوں میں شامل ہو کر جہاد کرنا پسند کرتے تھے۔ یہ رضا کار مجاہدین باقاعدہ فوجیوں سے زیادہ شوقِ شہادت اور قربانی کے جذبے سے سرشار ہوتے تھے۔

سلطان صلاح الدین اور اس کی افواج کو اسماعیلی حشاشین کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ انھوں نے صلاح الدین کے متعدد مجاہدین اور کمانڈروں کو شہید کر دیا۔ انھوں نے خود سلطان صلاح الدین کو شہید کرنے کی متعدد کوششیں کیں اور ایک بار تو وہ کامیابی کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ یہ اس طرح ہوا کہ

ان میں سے پانچ افراد سلطان صلاح الدین کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ ان میں ایک شخص نے حملہ کیا اور بعض افراد کو قتل کیا اور خود بھی قتل ہوگیا، پھر دوسرے نے، پھر تیسرے نے حملہ کیا۔ ہر ایک نے سلطان کو شہید کرنے کی کوشش کی اور اس پر وار کیے لیکن سلطان نے ایک خاص قسم کا حفاظتی لباس پہن رکھا تھا جس کی وجہ سے ان کے ہتھیار کارگر نہ ہوئے، چنانچہ اس نے ان کا زور توڑنے اور مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی بعض اقدامات کیے۔ [1]

اس کے علاوہ اس نے ارمنوں کا قلع قمع کیا جو اپنے پڑوس کے مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے۔ صلاح الدین نے ان کے علاقے پر حملہ کر کے انھیں سزا دی اور انھیں مسلمانوں کا احترام کرنے پر مجبور کیا اور ان سے مسلمان قیدی چھڑا لیے۔ [2]

اس نے اپنے دور کے مختلف ہتھیاروں پر توجہ دی۔ وہ اسلحہ جمع کرتا تھا اور اسے تیار کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ وہ اس سلسلے میں بڑی بھاری رقمیں خرچ کرتا تھا۔ اس نے منجنیقیں، دبابات اور محاصرے میں کام آنے والی مختلف چیزیں تیار کرنے پر خاص توجہ دی۔ [3]

اس نے بری اور بحری فوجی اڈوں پر توجہ دی اور اس مقصد کے لیے بہت رقم خرچ کی۔ اس نے ملک کے دارالحکومت قاہرہ کو محفوظ کرنے پر خاص توجہ دی اور اس مقصد کے لیے مال خرچ کیا۔ اس نے وہاں ایسی فصیلیں اور ایسے قلعے تعمیر کیے جن کی اس سے پہلے مثال نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ شام میں بھی دشمن کے مقابل متعدد قلعے تعمیر کیے۔ [4]

علاوہ ازیں وہ صلیبیوں کے فوجی اڈوں کو ختم کرنے میں لگا رہا جو مسلمانوں کے قلعوں کے درمیان حائل تھے اور ان کے فوجی ٹھکانوں اور تجارتی راستوں کے لیے خطرے کا باعث تھے۔ صلاح الدین نے مختلف میدانوں میں ایک متحدہ اسلامی قوت بنانے کی کوشش کی۔ وہ ہمیشہ دشمن کی قوت کو توڑنے کے لیے ان کے فوجی ٹھکانوں پر یکے بعد دیگرے حملے کرتا رہا۔ صلیبی جو بھی چھوٹے بڑے قلعے تعمیر کرتے، وہ موقع ملتے ہی انھیں توڑ پھوڑ دیتا۔ صلیبیوں نے دمشق کے قریب ''بیت الاحزان'' کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جسے

---

[1] مفرج الكروب: 47/2، و الكامل: 430/11، و البداية والنهاية: 293/12. [2] مفرج الكروب: 99/2، و الروضتين في أخبار الدولتين: 16/2، و الكامل: 466/11، و البداية والنهاية: 305/12. [3] مفرج الكروب: 44/2، و النوادر السلطانية: 26، و سير أعلام النبلاء: 181/21. [4] مفرج الكروب: 84/2، و وفيات الأعيان: 186/7.



اس نے مسمار کر دیا۔ وہ فرنگیوں کو قلعے سے دست بردار ہونے کو کہتا۔ اگر وہ نہ مانتے تو ان کے خلاف قوت استعمال کرتا۔ سلطان نے دمشق کے قریب صلیبیوں کے تعمیر کردہ قلعے ''بیت الاحزان'' کے متعلق بھی یہی طریق کار اختیار کیا جو اس کے لیے ہمیشہ خطرہ بنا رہتا تھا۔ اس نے انھیں قلعہ چھوڑنے کے عوض تقریباً ایک لاکھ دینار تک کی پیشکش کر دی۔ جب انھوں نے انکار کیا تو اس نے چودہ دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ آخر کار اسے فتح کر کے اس کے صلیبی کمانڈروں کو گرفتار کر لیا۔ اس نے قیدیوں کو اپنے ساتھ رکھا تاکہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا ایک ایک پتھر منہدم ہوتا دیکھ لیں۔ مسلمانوں کو صرف ایک قلعے سے تقریباً ایک لاکھ دینار غنیمت کے طور پر ملے جو دشمن کا مقابلہ کرنے میں کام آئے۔ تب انھیں افسوس ہوا کہ انھوں نے اس کے عوض مسلمانوں سے رقم کیوں نہ لے لی۔ [1]

اسی دوران میں وہ جن فوجی ٹھکانوں پر قبضہ نہیں کر سکا تھا، ان پر دباؤ بڑھاتا گیا تاکہ انھیں باہر سے امداد نہ مل سکے اور ان کے لیے مخصوص کی ہوئی زرعی پیداوار ان تک نہ پہنچ سکے۔ [2]

---

[1] مفرج الکروب: 81,80/2، و الکامل: 456/11، و البدایۃ والنہایۃ: 203/12. [2] مفرج الکروب: 75/2، 186، و الکامل: 527/11، و البدایۃ والنہایۃ: 320/12.

وہ بعض صلیبیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیتا تھا تا کہ ان کی قوت تقسیم ہو جائے، وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے۔ اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ اس طرح جب وہ ان کے ایک گروہ سے جنگ کر رہا ہوتا تھا تو دوسرا گروہ غیر جانبدار رہتا۔ بعض اوقات وہ انھیں اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ صلیبی اکثر اوقات ان معاہدوں پر قائم نہیں رہتے تھے اور وہ عہد شکنی کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے تیار رہتا تھا۔ [1]

بحری جہاد

سلطان صلاح الدین جس وقت مسلمانوں کی بری افواج تیار کر رہا تھا اور ان کے لیے ضروری ساز و سامان کا انتظام کر رہا تھا، اس وقت اس نے بحری افواج، بحری بیڑوں اور سمندری جہادی مراکز کو بھی فراموش نہیں کیا کیونکہ اس جنگ میں ان کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں نے چونکہ صلیبیوں کے لیے خشکی کے راستے مشکل بنا دیے تھے، اس لیے صلیبی بحری بیڑے یورپ سے بڑی تعداد میں افرادی قوت، اشیائے خوردنی، اسلحہ اور ضرورت کی دوسری اشیاء فرنگیوں کے لیے لا رہے تھے، اس لیے صلاح الدین نے بحری جہاز بنانے پر توجہ دی۔ اس نے ایسے بحری جہاز بھی بنائے جنھیں خشکی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکے۔ انھیں الگ الگ ٹکڑوں کی صورت میں اونٹوں پر لاد کر مطلوبہ مقامات تک لے جایا جاتا تھا اور وہاں انھیں جوڑ کر بحری جنگی جہاز تیار کر لیے جاتے تھے۔ [2]

صلاح الدین کے دور میں مسلمانوں کے بحری بیڑے بحیرۂ روم اور بحیرۂ قلزم میں چکر کاٹتے رہتے تھے تا کہ مسلمانوں کے بحری جہازوں کی حفاظت کریں اور دشمن کی نقل و حرکت محدود کر دیں۔

صلاح الدین کے دور میں مسلمانوں کا رومیوں سے سمندروں میں آمنا سامنا ہوتا رہا، بالخصوص مصر اور شام کے ساحلوں پر ان سے ٹکراؤ ہوا۔

ذوالحجہ 569ھ کے آخر میں فرنگیوں کے مشترکہ بحری بیڑے نے سسلی کے جہازوں کی قیادت میں ڈھائی سو جہازوں کی فوج لے کر اسکندریہ پر حملہ کیا۔ انھوں نے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ گھوڑ سواروں اور تیس ہزار کے قریب پیدل فوج کو ساحل پر اتارا اور اسکندریہ کی بندرگاہ میں اسلامی بیڑے پر قبضہ کرنے کی

---

[1] مفرج الكروب: 113/2، 185،186، و الكامل: 526/11، و البداية والنهاية: 319/12. [2] مفرج الكروب: 77/2، 127، 131، و الروضتين في أخبار الدولتين: 37،36/2، و الكامل: 490/11، و البداية و النهاية: 311/12.



جنگ حطین (1187ء) کا ایک منظر جس کی عکاسی ایک فرانسیسی مصور نے 1490ء کے لگ بھگ کی

کوشش کی۔ مسلمان جن جہازوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، انھیں خود بے کار کر دیا تا کہ ان سے دشمن فائدہ نہ اٹھائیں۔ فرنگیوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا اور اس پر منجنیقوں سے حملہ کر دیا۔ انھوں نے دبابات کے ذریعے سے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن اسکندریہ کے مجاہدین نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور پہلے دن ہی ان کے سات سو افراد قتل کر دیے۔ محاصرے کے تیسرے دن اسکندریہ کے باشندے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلے اور دشمنوں کے برجوں، دبابات اور محاصرے کے دیگر سامان کو آگ لگا دی۔ انھوں نے بہت بہادری سے فرنگیوں سے جنگ کی اور ان کے کچھ جہاز غرق کر دیے، کچھ پر قبضہ کرلیا۔ ان کی فوج شکست کھا گئی۔ ان میں سے صرف وہ تھوڑے سے لوگ بچ سکے جو اپنے خیمے، سامان

اور ہتھیار چھوڑ کر جہازوں میں سوار ہو کر بھاگ گئے۔ [1]

صلاح الدین کا بحری بیڑا مسلسل بحیرۂ روم میں گھومتا رہتا تھا تاکہ یورپ کا رابطہ شامی فرنگیوں سے توڑ دے جو صلیبی ممالک کو مسلسل افرادی قوت، اسلحہ اور سامان فراہم کرتے رہتے تھے، چنانچہ 574ھ میں اس بحری بیڑے نے چند صلیبی جہاز قابو کر لیے جن پر تقریباً ایک ہزار جنگجو سوار تھے۔ [2]

578ھ میں صلیبیوں نے بحیرۂ قلزم کے راستے مدینہ منورہ تک پہنچنے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے جب خلیج عقبہ کے جزیرۂ اَیلہ میں فوجی قوت تیار کی تھی، تبھی سے ان کا ایک مقصد اور ہدف یہ بھی تھا لیکن مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ تب فرنگیوں نے چند جہاز تیار کر کے بحیرۂ قلزم میں بھیج دیے اور وہ مسلمانوں کے تجارتی جہازوں کا راستہ روکنے لگے۔ اس کے علاوہ انھوں نے حاجیوں کو لے جانے والے کچھ جہازوں پر حملہ کر کے انھیں غرق کر دیا اور سمندری راستے سے حجاز آنے والوں کو قتل کرنے اور لوٹنے لگے۔ ان حرکتوں پر صلاح الدین کو بہت غصہ آیا۔ اس نے اپنے کچھ جہاز بھیجے جنھوں نے انھیں مسلمانوں کو تنگ کرنے سے روکا اور ان کی نقل و حرکت میں رکاوٹ پیدا کی، چنانچہ وہ سوڈان کے ساحلی شہر عیذاب کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے خشکی کے راستے ان کا تعاقب کیا اور انھیں گرفتار کر لیا۔ صلاح الدین نے ان میں سے چند افراد کے بارے میں حکم دیا کہ انھیں حج کے ایام میں وہاں لے جایا جائے اور جب مسلمان جانوروں کی قربانی دے رہے ہوں، تو ان مجرموں کو بھی ان جانوروں کے ساتھ ذبح کر دیا جائے۔ [3]

اس کا مقصد ان صلیبیوں کو تنبیہ کرنا تھا جو حاجیوں کو تنگ کرنے یا حجاز تک پہنچنے کا سوچ رہے تھے۔

اسی سال 578ھ میں اسلامی بحری بیڑے نے بحر ابیض (بحیرۂ روم) میں صلیبیوں کے کچھ جزیروں پر حملہ کیا اور ''عکا'' جانے والے کچھ جہاز پکڑ لیے۔ ان پر لکڑی، جہاز بنانے والے بڑھئی اور جہاز سازی کا سامان لدا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر قبضہ کر کے ان سے فائدہ اٹھایا اور دشمنوں کو ان سے محروم کر دیا۔ [4]

اسی طرح 579ھ میں مسلمانوں نے کچھ صلیبی جہاز روکے جو یورپ سے فوجی اور اسلحہ لے کر شام کے ساحلوں پر صلیبیوں کی طرف جا رہے تھے۔ مسلمانوں نے ان میں سے ایک بڑا جہاز غنیمت کے طور پر حاصل کیا۔ اس میں تین سو سے زیادہ جنگجو تھے جو اسلحہ اور دیگر سامان سمیت گرفتار ہو گئے۔ [5]

---

[1] مفرج الکروب: 16/2، و الکامل: 412/11، و البدایة و النهایة: 287/12. [2] مفرج الکروب: 77/2. [3] مفرج الکروب: 128/2، و الکامل: 190/11، و الروضتین: 37/2، و البدایة و النهایة: 311/12، و السلوك: 103/1، نیز منتخب پروفیسروں کی تصنیف تاریخ البحریة المصریة: 569. [4] مفرج الکروب: 131/2، و الکامل: 495/11، و السلوك: 103/1. [5] مفرج الکروب: 139/2، و السلوك: 104/1.



خلیج عقبہ میں واقع جزیرۂ فرعون پر قصبہ طابہ میں قدیم قلعہ صلاح الدین کے آثار

بری جہاد

صلیبیوں نے جو ریاستیں قائم کی تھیں، وہ زیادہ تر شام کے اسلامی علاقے میں واقع تھیں، اس لیے مسلمانوں اور صلیبیوں کی جنگیں بھی زیادہ تر خشکی پر ہوئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس تصادم میں سمندر کی بھی ایک اہمیت تھی، جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کا اصل مقصود بیت المقدس کی آزادی تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اگر وہ صلیبیوں کے قبضے میں رہا تو وہ دوسرے مقامات پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور یہ سلسلہ سرزمین حجاز تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر انھیں یہاں سے بھگا دیا جائے تو وہ شام کے دوسرے مقامات سے مایوس ہو جائیں گے، چنانچہ اس نے خود بھی اور دوسرے کمانڈروں کے ذریعے سے بھی ان دشمنوں سے کئی بری معرکے لڑے جن کا مقصد بیت المقدس کی فتح کے لیے راستہ ہموار کرنا تھا۔ اس کا جہاد دشمن کے جنگی مراکز پر حملے کر کے پیش قدمی پر بھی مشتمل تھا اور دفاعی نوعیت کا بھی تھا۔ صلیبیوں سے صلاح الدین کے ابتدائی دور کے معرکوں میں 569ھ کا وہ معرکہ بھی ہے جس نے بانیاس پر ان کے حملے کا مقابلہ کرنے میں مدد دی۔ [1]

---

[1] الکامل: 408/11، و مفرج الکروب: 7/2.



قلعہ صلاح الدین (طابہ، مصر)

570ھ میں اس نے پوری تیاری کے ساتھ شام کے صلیبیوں پر حملہ کیا اور مرج الصفر کے قریب پہنچ گیا۔ تب صلیبی حاضر ہوئے اور اس کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا۔ جس کی رو سے انھوں نے بعض مسلمان قیدی رہا کر دیے، چنانچہ اس نے بھی جنگ بندی کر دی۔ [1]

شوال 571ھ میں حلب کے بعض مسلمان سرداروں نے انطاکیہ کے حکمران ''پرنس'' سے تعاون کر کے صلاح الدین اور اس کے ساتھی مجاہدین کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن وہ اسے شکست نہ دے سکے، حالانکہ اس کی فوجیں کچھ کمزور تھیں۔ [2]

مسلمانوں کو فرنگیوں سے مقابلے میں کئی بار شکست کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ صلاح الدین نے جمادی الاولیٰ 573ھ میں فلسطین میں رملہ کے قریب دشمن پر حملہ کیا اور بہت سے جنگجو قتل اور گرفتار کیے اور غنیمت حاصل کی۔ اس دوران میں اس نے اپنے لشکر سمیت ایک دریا پار کرنے کی کوشش کی لیکن صلیبیوں نے غیر متوقع طور پر اچانک حملہ کر دیا جس کی قیادت انطاکیہ کا حکمران ''پرنس''

---

[1] مفرج الکروب: 35/2، و الکامل: 418/11. [2] مفرج الکروب: 38/2، و الروضتین: 255/1، و الکامل: 427/11.

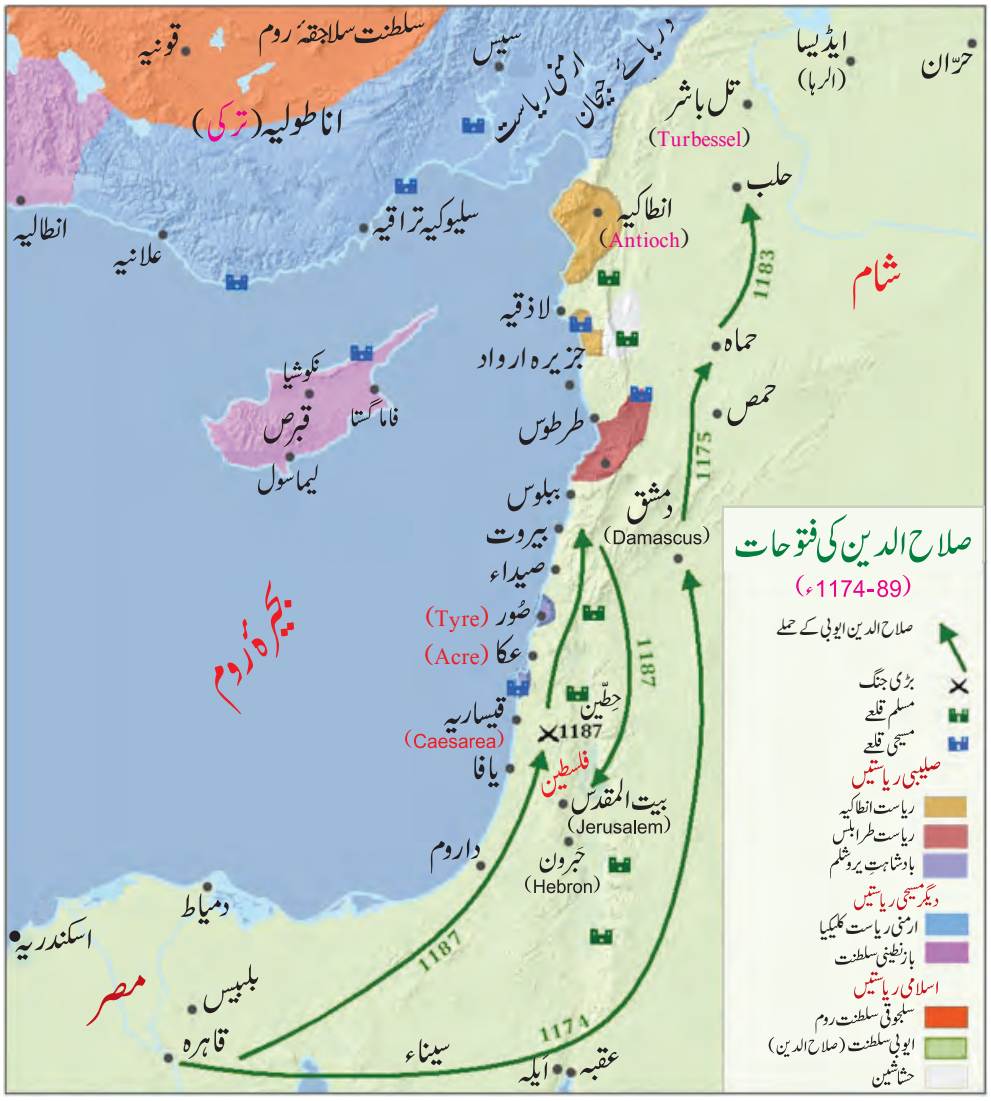

کر رہا تھا۔ مسلمان مقابلہ نہ کر سکے اور شکست خوردہ ہو کر منتشر ہو گئے۔ فوج کے بہت سے افراد شہید یا قید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں صلاح الدین کے بعض رشتہ دار بھی تھے، اس کے علاوہ بعض علماء اور فقہاء بھی قیدیوں میں شامل تھے۔ قریب تھا کہ صلاح الدین بھی دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا لیکن رات کا اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے بچ گیا۔ وہ راستہ بھول کر اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ادھر ادھر بھٹکتا پھرا اور بہت مشکل سے مصر پہنچا۔ اس اثنا میں وہ اپنے ہمراہی اکثر فوجیوں سے محروم ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ صلاح الدین پر آنے والی سب سے بڑی مصیبت تھی لیکن اس سے اس کا عزمِ جہاد مزید پختہ ہو گیا، چنانچہ اس واقعے

سے صرف دو مہینے بعد وہ صلیبیوں سے جنگ کے لیے ایک بار پھر شام کی طرف روانہ ہوگیا اور اس طرح اس نے مسلمانوں کے راستے (صلیبیوں کے خطروں سے) محفوظ کر دیے۔ [1]

574ھ میں صلاح الدین دمشق میں تھا جب اسے خبر ملی کہ صلیبی جمع ہوکر مسلمانوں کے جہادی ٹھکانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کی قیادت بیت المقدس کا بادشاہ اور اس کے بعض کمانڈر کر رہے تھے۔ صلاح الدین نے ان سے جنگ کرنے کے لیے اپنا ایک کمانڈر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ انھیں مسلمانوں کے علاقے میں اندر آنے کا موقع دے، یوں وہ واقعی دور تک اندر آ گئے۔ انھوں نے قتل و غارت شروع کر دی۔ وہ مسلمانوں کے کچھ جانور ہانک کر لے جا رہے تھے کہ مسلمان ان پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے اور لشکر کے اکثر حصے کو قتل یا زخمی کر دیا۔ بیت المقدس کا بادشاہ ان کے ہاتھ آتے آتے رہ گیا۔ اس کے بعض مددگاروں نے جاں فشانی سے اس کا دفاع کیا۔ وہ بہت مشکل سے بچ کر نکل سکا، تاہم اس کا گھوڑا ہلاک ہوگیا۔ اس شکست کی وجہ سے بیت المقدس کی عیسائی سلطنت کے قدم رک گئے اور انھیں صلاح الدین اور اس کے کمانڈروں کے بیدار ہونے کا احساس ہوگیا۔ [2]

577ھ میں کرک کے بادشاہ ارناط نے بہت سی فوجیں جمع کر کے حملے کی تیاری کی۔ وہ چاہتا تھا کہ انھیں تیماء کے قریب لے جائے اور وہاں سے مدینہ منورہ پر حملہ کرے۔ صلاح الدین نے اسے روکنے کے لیے فوراً اپنی فوج بھیج دی جو کرک پہنچ کر ارناط پر حملے کرنے لگی، چنانچہ اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ پھر وہ فوج اسے اس کے مقصود تیماء تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔ جب ارناط نے مسلمانوں کی دلیری اور بہادری دیکھی تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ اسے راستہ نہیں دیں گے اور اس کے ملک پر اس وقت تک حملے کرنا بند نہیں کریں گے، جب تک وہ اپنی فوج کو منتشر نہ کر دے، چنانچہ اس نے اپنی فوج کو منتشر کر دیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ [3]

اس کے باوجود صلیبیوں نے 579ھ میں ایک بار پھر تیماء کے قرب و جوار پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ تیماء اور اَیلہ کے درمیان جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اور فتح پائی اور دشمن کے جتھے منتشر کر دیے۔ [4]

---

[1] مفرج الكروب: 65/2، و الكامل: 442/11، و الروضتين: 276/1، و البداية والنهاية: 297/2، و النوادر السلطانية: 53 و السلوك: 87,1/1. [2] مفرج الكروب: 71/2، و الروضتين: 6/2، و الكامل: 70/11، و السلوك: 89/1، و البداية والنهاية: 300/12. [3] مفرج الكروب: 101/2، و السلوك: 98/1، و الكامل: 452/11. [4] مفرج الكروب: 140/2، و الكامل: 502,501/11.



قاہرہ میں قلعہ صلاح الدین کے اندر کھجور کے درختوں میں گھری خوبصورت مسجد محمد علی

اس کے علاوہ صلاح الدین نے خود بھی صفوریہ کے قرب و جوار میں صلیبی جتھوں پر حملے کیے۔ فریقین میں جنگیں ہوئیں اور اس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک ان کا تعاقب کیا اور ان کے بہت سے افراد کو قتل اور بہت کو گرفتار کیا۔ اس نے اسی سال کرک پر ایک بار پھر حملہ کیا حتی کہ اس نے دشمن کو تھکا دیا اور کمزور کر دیا۔[1]

صلاح الدین نے 580ھ میں کرک پر پھر ایک زور دار اور برق رفتار حملہ کیا۔ اس نے منجنیقیں اور محاصرے کے دوسرے آلات نصب کیے اور شہر کی فصیل میں شگاف کر کے ان سے بعض مسلمان قیدی چھڑا لیے، پھر مسلمانوں نے شہر میں داخل ہونے کی تیاری کرتے ہوئے اس کی (حفاظتی) خندق (مٹی اور پتھروں سے) بھر دی۔ انطونی برج نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب صلاح الدین نے شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو ان

---

[1] مفرج الکروب: 2/148-150، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 2/1042.

کے سرداروں کے ہاں شادی کی ایک تقریب ہو رہی تھی۔ وہ کہتا ہے: ''دلہن کی والدہ نے جو دریائے اُردن کے پار کی وارث تھی، کھانے کی کچھ طشتریاں ذاتی طور پر صلاح الدین کو بھیجیں اور ساتھ یہ پیغام بھیجا: ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ معزز مہمان بھی تشریف لا رہے ہیں تو میں ان کے لیے کوئی خاص چیز تیار کرتی اور اس انداز سے پیش کرتی کہ کوئی اس سے برتر نہ ہو سکے۔'' صلاح الدین بہت فراست اور ذہانت کا مالک تھا۔ اس نے معلوم کر لیا کہ دولہا اور دلہن قلعے کے کس حصے میں قیام پذیر ہیں اور حکم دے دیا کہ اس حصے پر گولہ باری نہ کی جائے جبکہ قلعے کے دوسرے حصوں پر بڑے بڑے بھاری پتھر پھینکے جا رہے تھے۔'' [1]

صلیبیوں کو کرک کے بارے میں بہت پریشانی ہوئی، چنانچہ اسے چھڑانے کے لیے بیت المقدس کے حکمران بالڈون کی قیادت میں ہر طرف سے فوجیں جمع ہوگئیں۔ صلاح الدین کرک کا محاصرہ اٹھا لینے پر مجبور ہوگیا تاکہ آنے والے عیسائی لشکروں کا مقابلہ کرے۔ لیکن انھوں نے حیلے سے کام لیا اور اپنے ایک فوجی اڈے میں پہنچ گئے اور مسلمانوں سے ان کا سامنا نہ ہوا۔ بعد میں وہ کرک پہنچ کر اس میں داخل ہو گئے اور اس کے دفاعی انتظامات مضبوط کر لیے، تب صلاح الدین مایوس ہو کر واپس آ گیا۔ [2]

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية:191. [2] مفرج الكروب:158/2، و الكامل:506/11، و البداية و النهاية:314/12، و السلوك:108/1، و تاريخ الحروب الصليبية:1070/12.



الکرک (اُردن) میں صلیبی قلعے کے آثار

کرک سے واپسی کے دوران میں صلاح الدین نے متعدد صلیبی ٹھکانوں اور شہروں پر حملہ کیا جن میں اہم ترین نابلس تھا۔ اس طرح اس نے ان علاقوں میں موجود بہت سے مسلمان قیدی آزاد کرا لیے۔

بیت المقدس کی فتح کے لیے ابتدائی اقدامات

کرک وغیرہ کو فتح کرنے کی اس کوشش کے بعد صلاح الدین نے کچھ وقت تک اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی طرف توجہ مبذول رکھی اور شام، الجزیرہ اور دیگر علاقوں میں نئے خطے فتح کرنے لگا۔ اس توسیع سے صلاح الدین کی صفوں میں مزید فوج کا اضافہ ہوا جس سے فطری طور پر دشمن خوفزدہ اور مرعوب ہوئے اور بیت المقدس وغیرہ میں ان کا انجام قریب آ گیا۔ صلیبیوں نے اسلامی ممالک میں صلاح الدین کی توسیع سے خطرہ محسوس کیا۔ ولیم صوری کہتا ہے: ''اس کی پیش قدمی اور کامیابی سے مسیحیوں نے بہت پریشانی محسوس کی۔ وہ اس کی سلطنت کی توسیع کو بہت خوف سے دیکھ رہے تھے۔ انھیں خطرہ تھا کہ اس کے قدم بہت مضبوط ہو جائیں گے، چنانچہ حالات پر غور کرنے کے لیے اگلے ماہِ شباط (فروری) میں یروشلم میں ملک کے تمام نوابوں کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اس کی واپسی سے بہت زیادہ خوف کی فضا بن گئی تھی جیسے کہ ذکر کیا جا چکا ہے، چنانچہ قرار پایا کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام ممکن ذرائع استعمال کیے جائیں۔'' [1]

صلیبیوں کے سامنے دوسرا سوال یہ تھا کہ بیت المقدس کو (مسلمانوں سے) بچایا بھی جا سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ انھیں یقین تھا کہ صلاح الدین سے اگلے ٹکراؤ کا مرکز بیت المقدس ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ صلاح الدین کا اصل مطلوبہ ہدف یہی ہے۔

582ھ میں صلاح الدین نے صلیبی سرداروں پر دباؤ بڑھا دیا حتی کہ بعض سرداروں نے صلاح الدین کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک طرابلس کا کاؤنٹ (نواب) ریمنڈ بھی تھا جس کا بیت المقدس کے بادشاہ سے معاہدہ تھا۔ اس کی وجہ سے وہ صلاح الدین کی خدمت کرنے لگا، یعنی وہ اپنے ہم مذہب عیسائی صلیبیوں کے مراکز پر حملے کرتا تھا تاکہ صلاح الدین کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ [2]

اسی طرح کرک کے حکمران ارناط [3] نے صلاح الدین سے جنگ بندی کر لی۔ نتیجتاً راستوں میں امن ہو گیا، مصر اور شام کے درمیان قافلے کثرت سے آنے جانے لگے اور بے خوف ہو کر سفر کرنے لگے۔ ارناط

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية: 1054/2. [2] مفرج الكروب: 184/2، و الكامل: 526/11، و السلوك: 117/1، و البداية والنهاية: 319/12. [3] والیٔ الکرک (اردن) کا نام رینالڈ یا ریجنالڈ تھا جسے عرب ارناط کہتے تھے۔ (م ف)



''سنہری دروازہ'' مسجد اقصیٰ کا واحد مشرقی دروازہ ہے جو صدیوں سے بند ہے۔ یہ ان دو دروازوں میں سے ایک تھا جن میں سے لوگ مشرق سے شہر بیت المقدس میں داخل ہوتے تھے۔

نے مسلمان تاجروں اور حاجیوں کا ایک بڑا قافلہ دیکھا تو عہد شکنی کے نتائج کی پروا کیے بغیر موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اس نے قافلے کو قابو کر لیا اور اس میں جو تاجر اور فوجی تھے، گرفتار کر لیے۔ صلاح الدین نے پیغام بھیج کر اس کی قبیح حرکت پر سرزنش کی اور گرفتار افراد کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا لیکن وہ اپنے عناد اور نافرمانی پر اَڑ گیا۔ صلاح الدین نے بیت المقدس کے بادشاہ سے کہا کہ معاہدے کی پاسداری کے لیے اس معاملے میں مداخلت کرے کیونکہ وہ بھی اس معاہدے کا ایک فریق تھا لیکن اس نے پروا نہ کی۔ اس پر صلاح الدین نے قسم کھالی کہ اگر ارناط اس کے ہاتھ آ گیا تو وہ اسے ضرور قتل کر دے گا۔[1]

اس سے پہلے وہ کئی بار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا لیکن ہر دفعہ قیدیوں کے تبادلے میں یا فدیہ دے کر چھوٹ جاتا تھا۔

583ھ کے شروع میں صلاح الدین کی کوشش تھی کہ فتح کا نیا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے مکہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے لیے واپسی کا راستہ پُرامن رکھا جائے۔ اس وقت وہ شام اور مصر سے اسلامی افواج جمع کر چکا تھا۔ جب صلاح الدین حاجیوں (کی واپسی کے بعد ان) کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو اس نے عین الصفر اور اس کے قرب و جوار میں صلیبیوں کے فوجی ٹھکانوں پر حملے شروع کر دیے اور متعدد

---

[1] مفرج الکروب: 186/2، والکامل: 528/11، والنوادر السلطانیة: 78.



خوبصورت قبۃ الصخرہ اور اس کی محرابیں (بیت المقدس)

مقامات پر ان کی افواج کو منتشر کر دیا، پھر اسلامی افواج طبریہ کی طرف روانہ ہوئیں اور ایک ہی دن میں اسے بزور فتح کر لیا، البتہ اس کا قلعہ فتح کرنے میں مسلمانوں کو کچھ وقت لگا۔ [1]

حطین کا معرکہ

مسلمانوں نے صلیبیوں سے جو جنگیں لڑیں، ان میں جنگ حطین کو اہم ترین معرکہ قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ بیت المقدس کو واپس لینے کے لیے یہ اس سے متصل پہلا اقدام تھا۔

جب مسلمانوں نے طبریہ پر قبضہ کر لیا تو صلیبیوں کو یقین ہوگیا کہ اگلا ہدف بیت المقدس ہے، اس لیے وہ سب متحد ہوگئے اور مختلف عیسائی ممالک سے فوجیں آ کر جمع ہوگئیں حتی کہ جن لوگوں نے صلاح الدین سے صلح کر رکھی تھی، انھوں نے تمام عہد و میثاق بالائے طاق رکھ کر اپنے ہم مذہب لوگوں کا ساتھ دیا۔ داویہ (Templers) اور اسپتاریہ (Hospitaliers) کے شہسوار اکٹھے ہوگئے۔ کرک کا حکمران اور صلاح الدین کا سخت دشمن ارناط بھی شامل ہوگیا اور بیت المقدس کا بادشاہ گائی بھی۔ اس کے علاوہ اس فوج میں بیت المقدس کا لاٹ پادری ہرقل اور عکا کا بشپ بھی شریک ہوئے۔ اس جنگ میں وہ اپنا اہم ترین مذہبی نشان

[1] النوادر السلطانية: 79، والكامل: 532/11، والبداية والنهاية: 322/12، والسلوك: 118/1.

''صلیب الصلبوت'' بھی ساتھ لائے تھے۔ یہ اس لکڑی کا حصہ تھا جس پر ان کے عقیدے کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے۔ [1]

صلیب الصلبوت کو باہر لانا اس بات کی علامت تھا کہ یہ فیصلہ کن معرکہ ہے کیونکہ اسے ہر جنگ میں باہر نہیں لایا جاتا تھا۔ صلیبی صفوریہ کے مقام پر جمع ہوئے کیونکہ یہ جگہ دوسرے مقامات کی نسبت زیادہ محفوظ تھی اور وہاں پانی بھی وافر مقدار میں موجود تھا، پھر وہ وہاں سے نکل کر حطین کے مقام پر آ گئے، حالانکہ وہاں پانی کم تھا اور ہموار زمین زیادہ تھی۔ اس مقام پر آنے کا مطلب یہ تھا کہ یہاں شکست کھانے والے کی قسمت زیادہ خراب ہے کیونکہ کھلی اور میدانی جگہ پر تلوار یا قوت بازو کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی۔ عیسائیوں کے یہاں آجانے سے صلاح الدین اور مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی اور انھوں نے اسے نیک فال سمجھا۔ مسلمانوں نے اپنے ہتھیار تیار کیے اور اپنے ترکش تیروں سے بھر لیے۔ فوج کو تیر کثرت سے مہیا کیے گئے تھے۔ مختلف مقامات پر جانوروں پر تیر لاد کر رکھے گئے تھے تاکہ مجاہدین وہاں سے حسب ضرورت لیتے رہیں۔ اس کے علاوہ جہاں دشمن کے آ کر ٹھہرنے کی توقع تھی مسلمانوں نے وہاں کے پانی کے تالاب مٹی سے پُر کر دیے۔

---

[1] الکامل: 536/11، و البدایة والنهایة: 320/12، و مفرج الکروب: 189/2، و الروضتین: 80/2.

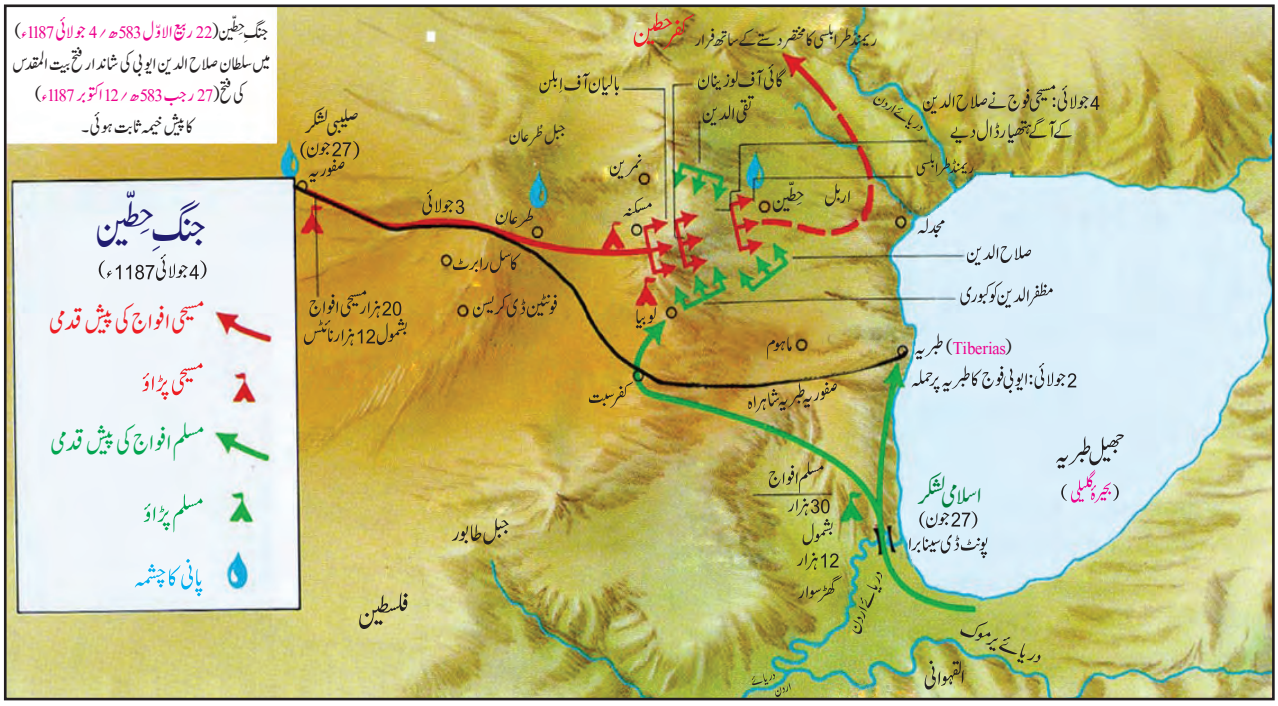

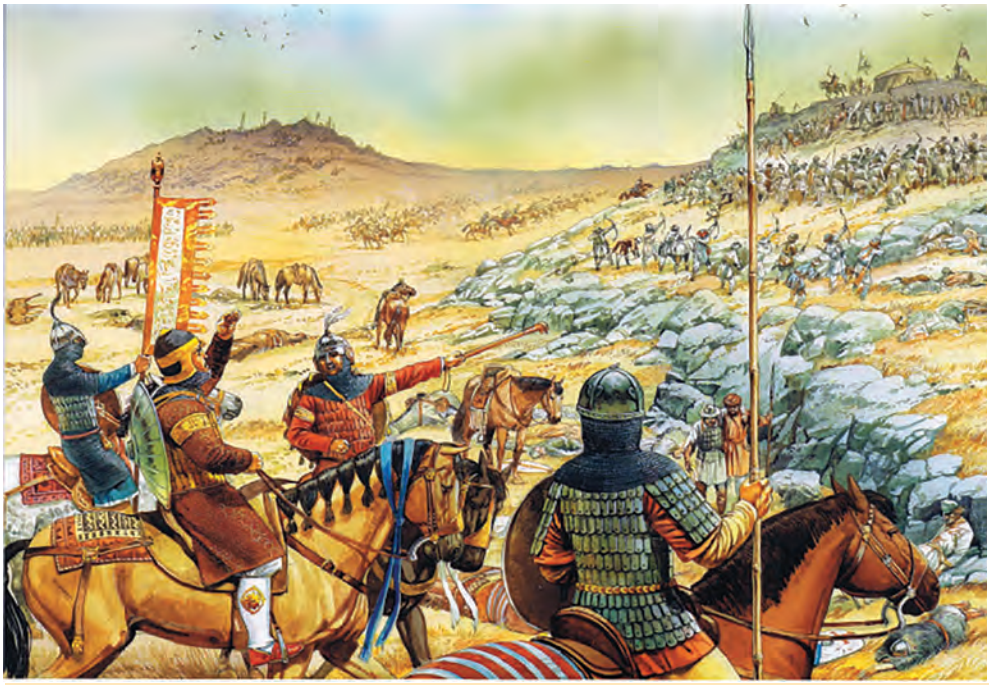

سلطان صلاح الدین اور ان کا بیٹا افضل جنگ حطین میں صلیبیوں پر حملہ کرتے ہوئے

جونہی صلیبی حطین کے قریب ایک ٹیلے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آئے، مسلمانوں نے فوراً ان پر ہلا بول دیا، چنانچہ انھوں نے جلدی جلدی حفاظتی انتظامات کیے اور رات گزار لی۔ صبح ہوئی تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ پانی سے دور ہیں اور ہر طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں ہیں۔ مسلمانوں سے ان کا پہلا معرکہ 24 ربیع الآخر 583ھ کو جمعے کے دن صبح کے وقت شروع ہوا۔ دن بھر جنگ جاری رہی اور شام کو لڑائی بند ہوگئی۔ ہفتے کے دن 25 ربیع الآخر کو صبح ہوئی تو صلیبیوں کو پانی کی قلت درپیش تھی۔ انھیں پیاس نے ستایا۔ اس کے علاوہ گزشتہ دن کے زخمیوں کو بھی پانی کی ضرورت تھی، چنانچہ انھوں نے پانی تک پہنچنے کے لیے دلیرانہ حملے کیے لیکن مسلمان بھی تیار تھے۔ انھوں نے حملہ آوروں کو پیچھے دھکیل دیا اور بہت سے سپاہیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ باقی ماندہ صلیبی حطین کے پہاڑ کے قریب جمع ہوگئے تاکہ اس کی اوٹ کے ذریعے سے اپنا بچاؤ کریں اور ان کے بعض کمانڈر فرار ہوگئے۔ تب مسلمانوں نے ان کے لشکر کے اردگرد کی جھاڑیوں کو آگ لگا دی۔[1] وہاں جھاڑیاں بہت زیادہ تھیں، چنانچہ ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ ادھر آگ کی حرارت تھی،

[1] مفرج الکروب: 190/2، و الکامل: 335/11، و البدایة والنهایة: 320/12.

ادھر دوپہر کی گرمی۔ پیاس بہت تھی اور پانی کم۔ انھوں نے مسلمانوں پر حملہ کیا اور سر دھڑ کی بازی لگا دی مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور صلیبی مسلمانوں کے قابو میں آ گئے۔ ان کے بے شمار سپاہی قتل ہوئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ انھوں نے کئی بار کوشش کی کہ بادشاہ کے اردگرد جمع ہو جائیں۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے ایک خیمہ نصب کیا اور بے جگری سے اس کا اور بادشاہ کا دفاع کیا۔ مسلمانوں نے بھی جم کر لڑائی کی حتیٰ کہ ان کا خیمہ اُکھاڑ دیا اور ان کے بادشاہ کو گرفتار کر لیا۔ مسلمانوں نے اس صلیب پر بھی قبضہ کر لیا جسے صلیب الصلبوت کہتے تھے۔ اس سے ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ بہت سے افراد گرفتار ہوئے۔ ان میں مقابلہ کرنے کی سکت نہ رہی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ایک مسلمان تیس تیس صلیبیوں کو باندھ کر لے جاتا تھا۔ قیدیوں میں کرک کا حکمران ارناط بھی شامل تھا جس نے بار بار عہد شکنی کی تھی، اور بیت المقدس کا بادشاہ گائی آف لوزینان اور اس کا بھائی بھی۔ اس کے علاوہ شہروں کے بہت سے سردار اور نواب بھی گرفتار ہوئے۔ الغرض ہزاروں کی فوج میں سے گنتی کے افراد بچ سکے۔ جب مسلمانوں کا فاتح ہونا واضح ہو گیا تو صلاح الدین زمین پر اترا اور دشمنوں کے خلاف اللہ کی مدد حاصل ہونے پر نماز شکرانہ ادا کی۔ مسلمان فتح پر اللہ کا



جنگ حطین (1187ء) کی ایک قدیم تصویر



ساحلی شہر عکّا (فلسطین) میں غروبِ آفتاب کا فضائی منظر
جس میں سبز چھت والی الجزار مسجد، صلیبی محل، فصیل، عرب بازار اور صلیبی سرنگیں نمایاں ہیں

شکر کرتے ہوئے بلند آواز سے شکر اور تکبیر کے الفاظ ادا کر رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ [1]

اس کے بعد قیدیوں کو صلاح الدین کے سامنے پیش کیا گیا جن میں سب سے اہم شخصیت بیت المقدس کا بادشاہ ''گائی'' تھا۔ اسے صلاح الدین کے قریب بٹھایا گیا، پھر کرک کا حکمران ارناط پیش کیا گیا جس نے عہد شکنی کا ارتکاب کرتے ہوئے جنگ بندی کے معاہدے کے دوران میں نہتے مسلمانوں پر ظلم کیا تھا۔ صلاح الدین نے بیت المقدس کے بادشاہ کو تسلی دینا چاہی۔ اس وقت بادشاہ ''گائی آف لوزینان'' کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ اس کے لیے عرقِ گلاب ملا ہوا برف والا ٹھنڈا پانی لایا گیا۔ اس نے پانی پیا۔ جب پیاس بجھ گئی تو گائی نے صلاح الدین کی اجازت کے بغیر ارناط کو پانی دے دیا۔ صلاح الدین نے کہا: ''میں نے تجھے اجازت نہیں دی تھی کہ اسے پانی پلائے، لہٰذا یہ ہماری طرف سے امان کا اظہار نہیں۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جب صلاح الدین نے بادشاہ کو پانی پلایا تو اسے امان دے دی لیکن عہد شکن ارناط کے لیے کوئی امان نہیں۔ اگرچہ اس نے صلاح الدین کا پانی پیا لیکن وہ اس کے حکم سے یا اس کی اجازت سے نہیں تھا۔ اس کے بعد صلاح الدین نے ارناط کو یاد دلایا کہ اس نے مسلمانوں سے کس طرح دھوکا کیا تھا، اس طرح

---

[1] الکامل: 536/11، و مفرج الکروب: 191/2.


الجزار مسجد (عکّا)

اسے شرمندہ کیا۔ اس نے مسلمانوں سے دھوکا اور عہد شکنی کرتے ہوئے جب انھیں شہید اور گرفتار کیا تھا تو کہا تھا: ''اپنے محمد (ﷺ) سے کہو، تمھیں چھڑا لے۔''

صلاح الدین اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: ''میں نے محمد ﷺ کی طرف سے انتقام لے لیا ہے۔'' پھر اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس نے انکار کر دیا۔ تب صلاح الدین نے خود اس پر تلوار کا وار کر کے اسے جہنم رسید کر دیا۔ جب بیت المقدس کے بادشاہ نے ارناط کو قتل ہوتے دیکھا تو سمجھا کہ اب وہ بھی قتل ہونے والا ہے۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ صلاح الدین نے اسے تسلی دی اور فرمایا: ''بادشاہوں کا دستور نہیں کہ بادشاہوں کو قتل کریں، لیکن اس شخص نے حد پار کر لی تھی، اس لیے اسے یہ سزا ملی۔'' پھر باقی قیدیوں کو دمشق بھیج دیا گیا اور مسلمانوں کی فتح کا اعلان کرنے کے لیے انھیں مسلمانوں کے مختلف شہروں میں بھیج دیا گیا۔ راستے میں اس نے تمام اسبتاریہ اور داویہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ مخصوص شہسوار تھے جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے یورپ وغیرہ سے آئے تھے۔ [1]

---

[1] البداية والنهاية: 321/12، و الكامل: 537/11، و السلوك: 119/1، و مفرج الكروب: 188/2-197، و تاريخ الحروب الصليبية: 171.

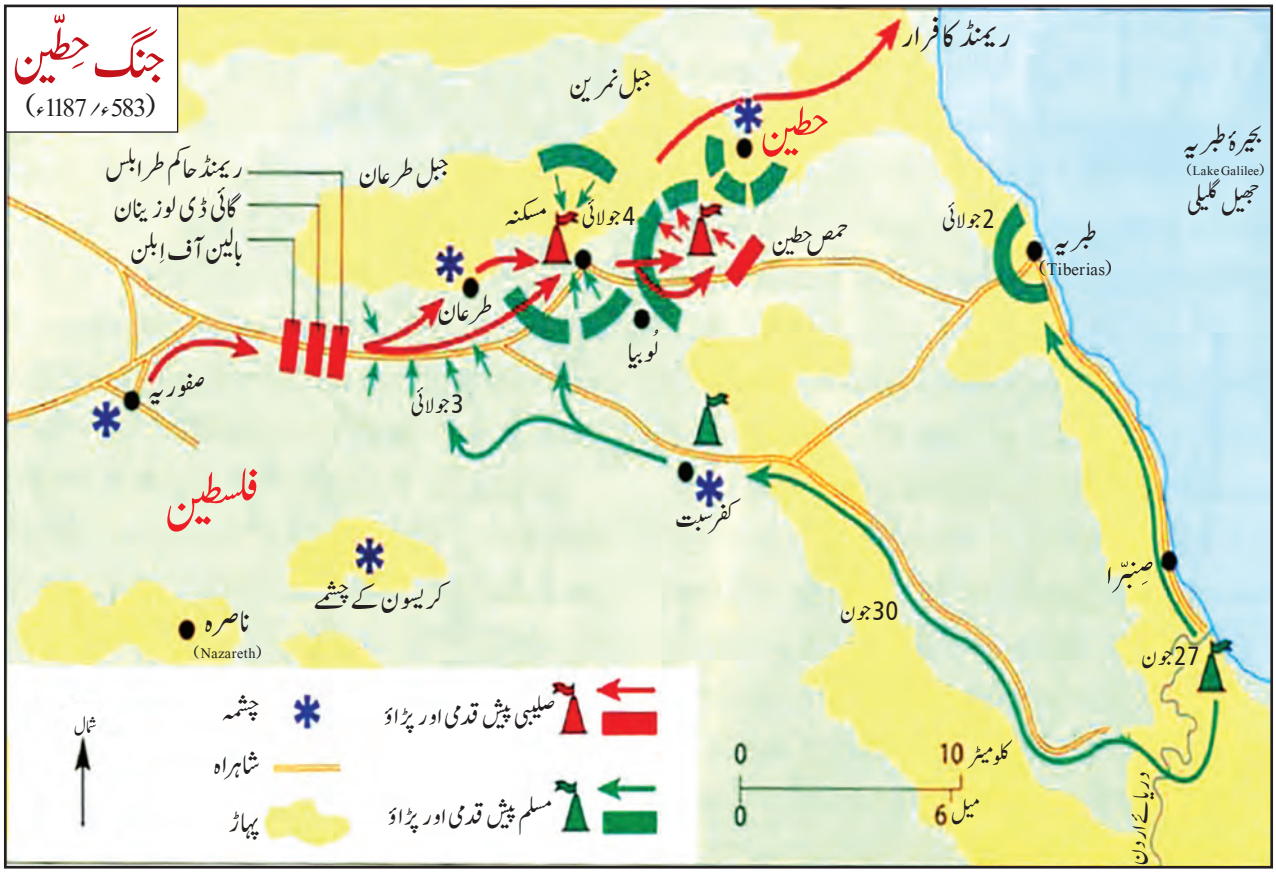

صلیبیوں پر پڑنے والی یہ ضرب ایسی تھی کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ انتھونی برج کہتا ہے: ''حطین کی جنگ ایک ایسا سانحہ تھا کہ صلیبی ممالک میں مسیحیوں کے لیے اس کی کوئی مثال نہیں۔ ان کے لشکر نے شکست کھائی، جنگجو مردوں میں سے صرف وہ بچ سکے جو منتشر ہو کر پناہ گاہوں میں یا شہروں اور قلعوں میں چلے گئے۔ صلاح الدین نے ہر فرصت کے وقت ان کے باقی ماندہ افراد سے ملک کو پاک کرنا شروع کر دیا جیسے وہ بے چرواہا ریوڑ ہوں۔ اس کارروائی کے دوران میں اتنی کثیر تعداد میں صلیبی گرفتار ہوئے کہ اسلامی دنیا میں غلاموں کی منڈیوں میں ان کا سیلاب آ گیا۔ ان کی قیمتیں انتہائی حد تک گر گئیں حتی کہ ایک شخص نے ایک عیسائی کو ایک جوڑا جوتوں کے بدلے خرید لیا۔'' [1]

اس بیان میں یقیناً مبالغہ ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حطین کے معرکے کے بعد صلیبیوں کی

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية: 197/2، والبداية والنهاية: 321/12.

نفسیاتی حالت کیا ہوگئی تھی۔ اگرچہ صلاح الدین نے انھیں بری طرح شکست دی تھی، پھر بھی صلیبی اسے احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ انتھونی برج کہتا ہے: ''مسلمانوں میں کئی صدیوں سے ناجائز چھینا جھپٹی، تکبر، جھوٹ، بری حکمرانی اور اس طرح کے دیگر جرائم ایسی خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں جنھوں نے مصر میں فاطمی سلطنت کو تباہ کر دیا لیکن اب انھیں ایک ایسا لیڈر مل گیا تھا جس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ مکمل طور پر قابل اعتماد ہے۔ اس شخص کے بارے میں معروف تھا کہ اس نے نہ کسی دوست سے کیا ہوا وعدہ توڑا ہے، نہ کسی دشمن سے۔ یہ چیز اس زمانے کے معیار کے مطابق غیر معمولی اور ناقابل یقین تھی، اس لیے اس کو اس کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ساتھ اس کے دشمن مسیحیوں کی طرف سے بھی بے پناہ احترام ملا۔'' [1]

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية: 198.



جنگ حطین میں شکست خوردہ صلیبی بادشاہ گائی ڈی لوزیناں سلطان صلاح الدین کے دربار میں۔
جنگ حطین اور بیت المقدس کی فتح کے بعد تیسری صلیبی جنگ (1189ء تا 1192ء) چھڑی۔



مجاہدین بیت المقدس کی فصیل پر صلیبیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

بیت المقدس کی فتح

حطین کی جنگ کے فوراً بعد صلاح الدین کے لیے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا کیونکہ وہاں کا بادشاہ اور اس کی اکثر فوج اس کے قیدی بن چکے تھے۔ دوسری صلیبی ریاستیں حطین کی جنگ میں بیت المقدس کی عیسائی افواج کی شکست پر دم بخود تھیں، تاہم صلاح الدین نے براہ راست بیت المقدس کا رخ نہیں کیا بلکہ پہلے دیگر علاقوں میں کچھ فوجی اقدامات کو ضروری سمجھا۔ اس نے بیت المقدس کے قریب بعض مقامات پر قبضہ کرنے کے لیے جدوجہد کی، چنانچہ وہ 26 ربیع الآخر اتوار کو، یعنی حطین کی جنگ سے ایک دن بعد طبریہ کی طرف روانہ ہوگیا اور اس کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے والوں نے ہتھیار ڈال دیے تو مسلمانوں نے انھیں امان دے دی اور انھیں طرابلس چلے جانے کی اجازت دے دی۔ [1]



طبریہ (فلسطین) میں الامیری مسجد

اس سے چار دن بعد صلاح الدین عکا کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ وہ اچانک محاصرے سے حیران رہ گئے۔ ان میں اپنا دفاع کرنے کی طاقت نہیں تھی، چنانچہ وہ باہر نکل کر صلاح الدین کے پاس آئے اور بڑی عاجزی سے امان کے طالب ہوئے۔ اس نے انھیں امان دے دی اور اختیار دیا کہ چاہیں تو اس کے محکوم بن کر رہیں اور چاہیں تو کوچ کر جائیں۔ انھوں نے اس شرط کے ساتھ شہر چھوڑ جانا قبول کیا کہ جو مال وہ اپنے ساتھ لے جاسکیں، لے جائیں گے، چنانچہ وہ مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ [2]

مسلمانوں نے جنگِ حطین سے فارغ ہونے کے بعد پہلا جمعہ عکا کے ایک گرجے کو مسجد میں تبدیل کر کے اس میں ادا کیا۔ غالباً یہ عمارت پہلے مسجد تھی جسے صلیبیوں نے عکا پر قبضہ کرنے کے بعد گرجے میں

---

[1] مفرج الکروب: 195/2، و الکامل: 538/11، و البدایة والنهایة: 322/12، و النوادر السلطانیة: 79.

[2] مفرج الکروب: 201/2، و الکامل: 539/11، و البدایة والنهایة: 322/12، و النوادر السلطانیة: 79.



طبریہ میں ظاہر العمر کا تعمیر کردہ جھکا ہوا بُرج

تبدیل کر دیا تھا۔ اس کے بعد مسلمان مسلسل فوجی اڈے اور ان سے منسلک قلعے فتح کرتے رہے اور تقریباً نو یا زیادہ قلعے فتح کیے۔ [1]

اس دوران میں صلاح الدین کی کچھ فوجیں نابلس جا پہنچیں۔ وہاں کے باشندوں کی اکثریت مسلمان تھی لیکن اس پر صلیبی قابض تھے۔ مسلمانوں نے اسے صلیبیوں سے چھڑا لیا اور انھیں اس شرط پر امان دی کہ وہ ذمی بن جائیں۔ [2]

اسی دوران میں صلاح الدین نے ساحل پر بھی توجہ دی اور اسے صلیبیوں سے پاک کر دیا۔ اس نے تبنین، صیدا اور بیروت کے شہر فتح کیے۔ وہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ مسلمانوں نے ان سے بہت اچھا برتاؤ کیا۔ ان میں سے جو لوگ جانا چاہتے تھے، انھیں شہر چھوڑنے کی اجازت دے دی اور باقی افراد کو ذمی قرار دے دیا۔ [3]

ان فتوحات میں صلاح الدین نے بہت سے مسلمان آزاد کرائے جو صلیبیوں کی قید میں تھے۔ ان قیدیوں

---

[1] مفرج الكروب: 202/2، و الكامل: 540,539/2، و البداية والنهاية: 322/12، و النوادر السلطانية: 79، و مقريزی: 120/1. [2] مفرج الكروب: 202/2. [3] مفرج الكروب: 205/2، و الكامل: 541/11، و البداية والنهاية: 322/12، و سير أعلام النبلاء: 180/21، و السلوك: 121/1.



عسقلان میں صلیبی قلعے کے آثار

کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی۔ صلاح الدین نے انھیں لباس مہیا کیا اور انھیں ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ [1]

اس کے بعد صلاح الدین عسقلان کی طرف روانہ ہوا۔ یہ صلیبیوں کا اہم ترین اور سب سے مضبوط فوجی اڈا تھا۔ یہ مصر اور شام کی شاہراہ پر عسکری لحاظ سے ایک اہم مرکز تھا۔ اس وجہ سے صلاح الدین کو اسے فتح کرنے کی فکر ہوئی۔ اسے فتح کرنے میں مسلمانوں کو مشکل پیش آئی، چنانچہ انھوں نے اس کی طرف پیش قدمی کر کے اس کے اردگرد منجنیقیں نصب کر دیں اور چالیس دن اس کا محاصرہ کیے رہے۔ وہاں کے باشندے ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے لیکن ان کی فوج کم اور کمک قلیل تھی، چنانچہ جمادی الآخرہ کے آخر میں وہ شہر کو مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضا مند ہو گئے۔ انھوں نے درخواست کی کہ انھیں شہر چھوڑ کر بیت المقدس جانے کی اجازت دی جائے۔ انھیں اجازت دے دی گئی۔ [2]

---

[1] مفرج الکروب: 204/2، 205، و الکامل: 543/11. [2] مفرج الکروب: 210/2، و الکامل: 545/11، و البدایة والنهایة: 322/12، و السلوك: 121/1، و النوادر السلطانیة: 80.



صیداء (لبنان) میں صلیبی ساحلی قلعے کے آثار



غزہ (فلسطین) میں برج داؤد

عسقلان پر قبضہ ہو جانے سے غزہ کا شہر اور اس کے قریبی قلعے محفوظ ہو گئے، چنانچہ صلاح الدین نے ان اہم ساحلی مقامات کی حفاظت کے لیے مصر سے بحری بیڑا طلب کر لیا۔ [1]

جب صلاح الدین کو اطمینان ہو گیا کہ اسلامی بحری بیڑا ساحل پر ہونے والے کسی بھی حملے کا جواب دے سکتا ہے تو وہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں بیت المقدس کے لاٹ پادری اور رملہ کے حکمران کی قیادت میں بچے کھچے صلیبی اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہروں اور قلعوں سے نکل کر آنے والے وہ لوگ جمع ہو چکے تھے جنھیں مسلمانوں نے نکل جانے کی اجازت دی تھی۔ بیت المقدس میں بے شمار عیسائی اس کا دفاع کرنے کے لیے جمع ہو چکے تھے جن کی نظر میں بیت المقدس پر مسلمانوں کو قابض دیکھنے کے بجائے مر جانا زیادہ قابل قبول تھا۔ عیسائیوں کے تمام فرقوں کے نزدیک اس مقام کی جو اہمیت تھی، محتاجِ بیان نہیں۔

---

[1] مفرج الکروب: 210/2، و الکامل: 546/11.



عیسائیوں نے صلاح الدین کے ہراول دستوں پر حملہ کرنے کے لیے کمین گاہیں تیار کر لی تھیں اور ان میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی وجہ سے مسلمانوں کا بہت نقصان ہوا اور ان کے بڑے قائدین میں سے ایک کمانڈر شہید ہوگیا۔ مسلمانوں کو اس سے بہت پریشانی ہوئی۔ [1] لیکن اس کے باوجود بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کا ان کا عزم مضبوط تھا۔ مسلمان پندرہ رجب کو اتوار کے دن اس کی مغربی دیواروں تک پہنچ گئے۔ شہر بیت المقدس کا حفاظتی انتظام بہت زبردست تھا۔ اس میں ساٹھ ہزار سے زیادہ جنگجو موجود تھے۔ ان میں سے اکثر دفاع کا تجربہ رکھنے والے افراد تھے۔ [2]

انھوں نے ان قلعوں کے دفاع میں حصہ لیا تھا جنھیں مسلمانوں نے اس سے پہلے فتح کیا تھا۔ صلاح الدین اور اس کی افواج پانچ دن تک شہر کے اردگرد چکر لگاتی رہیں۔ وہ لوگ بازوں کی طرح اس کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔ وہ اس کی خبریں معلوم کرتے اور اس کے دفاعی فوجی مقامات پر نظر رکھے ہوئے تھے تاکہ حملہ کرنے کے لیے مناسب جگہ کا انتخاب کر سکیں۔ مسلمانوں کے متخصص فوجیوں نے شہر کی شمالی جانب سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ 20 رجب جمعے کی صبح ہوئی تو اس طرف منجنیقیں نصب ہو چکی تھیں۔ ان کے مقابلے میں صلیبیوں نے القدس کی فصیل کے اندر منجنیقیں نصب کر لیں اور مسلمانوں پر سنگ باری کرنے لگے۔ فریقین میں شدید جنگ ہوئی۔ صلیبی سورما روزانہ شہر سے نکلتے اور مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ فریقین میں سخت جوش وخروش پایا جاتا تھا۔ صلیبی سورما اپنے مذہبی جذبے کی بنا پر بیت المقدس کی حفاظت کے جس قدر خواہش مند تھے، مسلمان اس سے بھی شدید مذہبی جذبے ہی کی بنا پر اسے واپس لینے

---

[1] الکامل: 547/11، و مفرج الکروب: 213/2. [2] و الکامل: 547/11، و مفرج الکروب: 211/2، و البدایة و النهایة: 323/12، و الروضتین: 94/2.



اسلامی فوج کا صلیبیوں پر دھاوا

کے ان سے زیادہ آرزومند تھے۔ مسلمانوں نے جاں فشانی سے جنگ کی۔ وہ بیت المقدس کی دیواروں کے پاس شہادت کا شرف حاصل کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ [1]

مسلمانوں نے جنگ میں بہت بہادری کا مظاہرہ کیا حتی کہ صلیبی شہسوار شہر سے باہر نہ نکلنے اور شہر کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ آخر مسلمان خندق تک پہنچ گئے اور انھوں نے فصیل میں شگاف ڈالنا شروع کر دیا جبکہ مسلمانوں کی منجنیقیں دشمنوں کو فصیل کا دفاع کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھیں حتی کہ صلیبی سمجھ گئے کہ اب دفاع کا کوئی فائدہ نہیں اور مایوس ہوگئے۔ انھیں محسوس ہوگیا کہ یہ مقدس شہر ان کے ہاتھوں سے نکلنے والا ہے اور مسلمان اسے ان کے قبضے میں ہرگز نہیں رہنے دیں گے۔ تب انھوں نے مسلمانوں کو شہر کا قبضہ دینے کے لیے صلاح الدین سے مذاکرات شروع کیے۔

صلاح الدین نے انھیں یاد دلایا کہ نوے سال پہلے جب انھوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا تو یہاں کے باشندوں سے کیا سلوک کیا تھا۔ صلیبیوں کو خطرہ محسوس ہوا کہ اب انھیں بھی اسی طرح قتل کیا جائے گا

---

[1] الكامل: 548,547/11، و مفرج الكروب: 212/2، و البداية والنهاية: 323/12، و صلاح الدين الأيوبي للقلعجي: 330.

جس طرح انھوں نے مسلمانوں کو ظالمانہ طور پر شہید کیا تھا۔ تب انھوں نے دھمکی دی کہ وہ شہر کو نذرِ آتش کر دیں گے، ان کے پاس جو مسلمان قیدی ہیں، انھیں قتل کر دیں گے، صخرہ اور باقی مسجد کو تباہ کر دیں گے، پھر اپنے اپنے بیوی بچوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور مرتے دم تک لڑیں گے۔ صلاح الدین نے علماء اور کمانڈروں سے مشورہ کیا تو انھوں نے مشورہ دیا کہ لوگوں کو اس شرط پر امان دے دی جائے کہ ہر شخص فدیہ کی مقررہ رقم ادا کر کے شہر سے جا سکتا ہے۔ جو لوگ اس شرط کو تسلیم کریں، انھیں شہر چھوڑنے کے لیے چالیس دن کی مہلت دی جائے، چنانچہ ان شرائط کے تحت جمعہ 27 رجب 583ھ مطابق 2 نومبر 1187ء کو شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ [1]

اس دن ایک جشن کی سی کیفیت تھی۔ بیت المقدس کے شہر میں ہر طرف اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور الحمد للہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مسلمان مسجد اقصیٰ میں پہنچے اور اسے عیسائیوں کی نازیبا حرکتوں کے باقی ماندہ آثار سے پاک کر دیا۔ عیسائیوں نے مسجد کی محراب کو خنزیروں کا باڑا بنایا ہوا تھا، چنانچہ اس کے آس پاس کی بھی صفائی کی گئی اور وہ عمارتیں ختم کر دی گئیں جنھیں تعمیر کر کے انھوں نے مسجد کو مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے اسے دوبارہ پہلی صورت دی اور وہ صلیب اتار دی جو عیسائیوں نے مسجد کے گنبد پر نصب کر رکھی تھی۔ ابن واصل کہتا ہے: ''گنبدِ صخرہ پر سونے کی ایک بہت بڑی صلیب تھی۔ جمعے کے دن جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو کئی مسلمان اسے اکھاڑنے کے لیے گنبد پر چڑھ گئے۔ جب وہ اوپر چڑھے تو مسلمان انھیں دیکھ رہے تھے اور فرنگیوں کو بھی دیکھ رہے تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ جب صلیب اکھاڑی گئی اور وہ نیچے گر گئی تو شہر بھر کے اندر اور باہر سے فرنگیوں اور مسلمانوں کی آوازیں بیک وقت بلند ہوئیں۔ مسلمانوں نے تو خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا جبکہ فرنگیوں کی دکھ اور افسوس کی وجہ سے چیخیں نکل گئیں۔ یہ شور اتنا زیادہ اور شدید تھا، گویا زمین پر زلزلہ آ گیا ہے۔'' [2]

پہلے جمعے کو، یعنی شہر کا انتظام سنبھالنے سے تقریباً ایک ہفتہ بعد مسجد نماز کی ادائیگی کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ اس دن مسلمانوں کا جم غفیر حاضر تھا۔ شام کے عوام قرب و جوار کے مختلف شہروں سے آئے تھے تاکہ صلیبیوں کے شر اور شرک سے پاک ہونے کے بعد پہلا جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کریں۔ مسلمان اس عظیم اجتماع

---

[1] الكامل: 549/11، و مفرج الكروب: 214/2، و البداية والنهاية: 323/12، و الروضتين: 97/2، و وفيات الأعيان: 179/7، و السلوك: 122/1، و صلاح الدين الأيوبي: 337. [2] مفرج الكروب: 217/2، و الكامل: 551/11، و البداية والنهاية: 324/12.



بیت المقدس کی فصیل پر اسلامی یلغار (1187ء)

کو دیکھ کر خوشی سے اشک بار تھے۔ ان کی زبانوں پر لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے الفاظ تھے اور اپنے رب کے سامنے جھک رہے تھے۔ نورالدین محمود زنگی نے بیت المقدس کی فتح کا انتظار کرتے ہوئے اپنی زندگی میں ایک منبر وہاں رکھنے کے لیے تیار کروایا تھا۔ مسلمانوں کا خطیب اس منبر پر بیٹھا۔ صلاح الدین کی آمد پر خطیب نے اس آیت مبارکہ سے اپنا خطبہ شروع کیا:

﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جو ظالم تھے اور تعریف (وشکر) اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا مالک ہے۔'' (الأنعام 45:6) [1]

اس خطبے کے چند جملے درج ذیل ہیں:

---

[1] پورے خطبے کے لیے دیکھیے: مفرج الکروب: 224/2، و البدایة و النهایة: 324/12.

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُعِزِّ الْإِسْلَامِ بِنَصْرِهٖ وَمُذِلِّ الشِّرْكِ بِقَهْرِهٖ وَ مُدِيمِ النِّعَمِ بِشُكْرِهٖ، اَلَّذِي قَرَّ الْأَيَّامَ دِوَلًا بِعَدْلِهٖ، وَجَعَلَ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ بِفَضْلِهٖ، وَأَفَاضَ عَلٰى عِبَادِهٖ مِنْ ظِلِّهٖ، وَأَظْهَرَ دِينَهٗ عَلَى الدِّينِ كُلِّهٖ، اَلْقَاهِرِ فَوْقَ عِبَادِهٖ فَلَا يُمَانَعُ...»

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اپنی مدد کے ساتھ اسلام کو عزت بخشنے والا، اپنے قہر کے ساتھ شرک کو ذلیل کرنے والا اور شکر کی وجہ سے نعمتوں کو دوام بخشنے والا ہے۔ جس نے اپنے عدل کی بنا پر دنوں کو آنے جانے والا بنایا اور اپنے فضل سے اہل تقویٰ کا انجام اچھا کیا اور اپنے بندوں پر اپنا (انعام و رحمت کا) سایہ کیا اور تمام ادیان پر اپنے دین کو غالب کیا۔ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روکا نہیں جا سکتا.....''

اور کہا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، فَتَحَ اللّٰهُ وَنَصَرَ، وَغَلَبَ وَقَهَرَ، وَأَذَلَّ مَنْ كَفَرَ...»

''اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ نے (مومنوں کو) فتح و نصرت سے نوازا اور اہلِ کفر کو مغلوب، مقہور اور ذلیل کیا.....''



بیت المقدس کا فضائی منظر جس میں قبۃ الصخرہ نمایاں ہے



نابلس (فلسطین) کے قدیم شہر میں عربی محرابوں والی تاریخی گلی

یہ مکمل خطبہ تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے کیونکہ یہ اہم ترین دن کا خطبہ تھا، یعنی مسجد کو پاک کرنے کے بعد پہلے جمعے کا خطبہ۔

فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں نے عیسائیوں سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ جو لوگ شہر چھوڑنا چاہتے تھے، ان سے طے شدہ مقررہ رقم لے کر انھیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے گرجا گھر جیسے تھے، ویسے ہی رہنے دیے گئے لیکن جو مسجدیں گرجاؤں میں تبدیل کر دی گئی تھیں، انھیں دوبارہ مسجدیں بنا دیا گیا۔ ان کے بہت سے سردار اپنا مال لے کر چلے گئے اور ناداروں کی طرف سے فدیہ ادا کر کے انھیں ساتھ لے جانے کا نہ سوچا۔ ان میں سرفہرست بیت المقدس کا لاٹ پادری تھا۔ اس کے علاوہ بہت سے بڑے بڑے مذہبی رہنماؤں، سرداروں اور فوجی افسروں کا بھی یہی رویہ تھا۔ [1]

---

[1] مفرج الکروب: 216/2، و صلاح الدین: 339.

بعض مسلمانوں نے اپنی جیب سے عیسائیوں کا فدیہ ادا کیا۔ صلاح الدین نے کمزوروں، بیواؤں اور ان معزز عیسائیوں پر خاص طور پر شفقت کی جو اب ذلیل ہو کر رہ گئے تھے۔ ابن واصل اس سلسلے میں بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''بیت المقدس میں شاہِ روم کے کنبے کی ایک خاتون تھی، اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی اور وہاں قیام پذیر تھی۔ اس کے ساتھ اس کے خدمت گاروں، غلاموں اور لونڈیوں کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اس کے پاس بہت سا مال اور قیمتی جواہرات تھے۔ اس نے اپنے لیے اور اپنے ساتھ کے افراد کے لیے امان طلب کی۔ صلاح الدین نے اسے امان دی اور رخصت کر دیا۔''



قبۃ الصخرہ (بیت المقدس)

اسی طرح بادشاہ ''گائی'' کی بیوی جو بادشاہ ''امیلرک'' کی بیٹی تھی، وہ بیت المقدس میں اپنے خدمت گاروں، غلاموں اور لونڈیوں سمیت بہت سا مال و دولت لے کر رہ رہی تھی۔ اس نے سلطان سے اپنے خاوند کے پاس جانے کی اجازت مانگی جو نابلس کے برج میں اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہا تھا۔ سلطان نے اسے اجازت دے دی اور وہ جا کر اس کے پاس مقیم ہوگئی۔

کرک کا حکمران پرنس ارناط جسے جنگ حطین کے بعد سلطان نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا تھا، اس کی بیوی نے حاضر ہو کر اپنے بیٹے کی سفارش کی تو سلطان نے اس سے کہا: ''اگر تو کرک ہمارے حوالے کر دے تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔'' وہ کرک گئی لیکن وہاں کے فرنگیوں نے اس کی بات نہ سنی اور کرک سے نہ نکلے، اس لیے سلطان نے اس کے بیٹے کو تو آزاد نہ کیا لیکن اس کا مال اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ فرنگیوں کا بڑا پادری روانہ ہوا تو اس کے ساتھ کلیساؤں، صخرہ، مسجد اقصیٰ اور کلیسائے قمامہ کا بے حد و حساب مال تھا۔[1] اس کے علاوہ اس کی ذاتی دولت بھی بہت زیادہ تھی۔ سلطان نے اسے کوئی روک ٹوک نہ کی۔ کسی نے کہا:

---

[1] عرب کے عیسائی اسے کنیسۃ القیامہ کہتے ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کے بعد ایک قبر میں رکھا گیا تھا۔ آپ علیہ السلام وہاں سے زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ گرجا اس جگہ بنایا گیا ہے۔ (مترجم)

''اس کا مال ضبط کر لیجیے، اس سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہو گی۔'' سلطان نے کہا: ''میں عہد شکنی نہیں کروں گا۔'' اس سے صرف دس دینار وصول کیے گئے (جو ہر شخص سے لیے جا رہے تھے) اور ان سب کو جانے دیا بلکہ ان کے ساتھ صور شہر تک محافظ بھیجے۔''[1]

تمام تاریخ نویسوں نے دشمنوں سے مسلمانوں کے حسن سلوک کی تعریف کی ہے۔ مشرق و مغرب کے تمام مؤرخین نے اس حسنِ سلوک کو سراہا ہے جو صلاح الدین نے بیت المقدس کی فتح کے وقت کیا ہے۔ وہ بہت تعجب سے بیان کرتے ہیں کہ اس نے بیماروں، بوڑھوں اور ضرورت مند فرنگیوں کو مال بھی دیا اور (سواری کے) جانور بھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے عیسائی عورتوں کی عزت کا خیال رکھا، بچوں پر شفقت کی اور بوڑھوں کی دیکھ بھال کی۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ اس کے فوجی بھی اسی کی طرح انسانی خوبیوں سے مزین اور اولوالعزم تھے۔ انھوں نے اس عظیم تاریخی واقعے کے وقت کسی ایسی نامناسب حرکت کا ارتکاب نہیں کیا جو ایسے موقعوں پر فاتح فوج کے سپاہی عام طور پر کرتے ہیں اور جس طرح کے بے شمار گھناؤنے واقعات اس وقت پیش آئے تھے جب فرنگیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تھا۔[2]



فتح یروشلم (1187ء) کے بعد کا منظر

اس فتح کو تمام عالم اسلام میں اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان شمار کیا گیا۔ ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے صلاح الدین کو دعائیں دیں اور شاعروں نے اس کی شان میں قصیدے لکھے جو بعد میں ''قدسیات'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ اہل ادب نے اس موقع

---

[1] مفرج الكروب: 216/2، و الكامل: 550/11، 551، و البداية والنهاية: 324/12، و وفيات الأعيان: 189/7، و صلاح الدين الأيوبي: 338-345.

[2] صلاح الدين الأيوبي: 338.

پر خطاب کیے جن سے ہر جگہ مسلمانوں کو خوشی حاصل ہوئی اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یاد تازہ ہوگئی جنھوں نے پہلی بار بیت المقدس کو فتح کیا تھا۔ اس موقع پر ایک شاعر کے قصیدے میں سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

أَتُرٰى مَنَامًا مَّا بِعَيْنِي أُبْصِرُ اَلْقُدْسُ يُفْتَحُ وَالْفَرَنْجَةُ تُكْسَرُ

''کیا یہ کوئی خواب ہے جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ القدس فتح ہو رہا ہے اور فرنگی شکست کھا رہے ہیں۔''

وَقَمَامَةُ قُمَّتْ مِنَ الرِّجْسِ الَّذِي بِزَوَالِهٖ وَزَوَالِهَا يَتَطَهَّرُ

''اور قمامہ کو نجاست سے پاک کر دیا گیا۔ اس گندگی کے زائل ہونے سے اور اس گرجے کے ختم ہونے سے وہ جگہ پاک ہوگئی۔''

وَمَلِيكُهُمْ بِالْقَيْدِ مَصْفُودٌ وَّلَمْ يُرَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَهُمْ مَلِيكٌ يُّؤْسَرُ

''ان کا بادشاہ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس سے پہلے ان کا کوئی بادشاہ قیدی بنتا نہیں دیکھا گیا۔''

قَدْ جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ الَّذِي وُعِدَ الرَّسُولُ فَسَبِّحُوا وَاسْتَغْفِرُوا

''اللہ کی وہ مدد اور فتح آ گئی جس کا رسول ﷺ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ اب اللہ کی تسبیح بیان کرو اور اس سے مغفرت مانگو۔''[1]

ایک اور شاعر نے ایک سو اشعار کا قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ ہے:

هٰذَا الَّذِي كَانَتِ الْاٰمَالُ تَنْتَظِرُ فَلْيُوفِ لِلّٰهِ أَقْوَامٌ بِمَا نَذَرُوا

''یہ واقعہ ہے جس کا امیدوں کو انتظار تھا۔ اب لوگوں کو چاہیے کہ انھوں نے اللہ کے لیے جو نذریں مانی ہیں، پوری کریں۔''[2]

صلاح الدین فتح حاصل ہو جانے کے بعد تقریباً ایک مہینے تک بیت المقدس میں ٹھہرا۔ اس دوران میں اس نے شہر کے انتظامات اپنی نگرانی میں درست کیے، بعض مدارس کھولے۔ مسجدوں کا انتظام کر کے اماموں اور مؤذنوں کا تقرر کیا اور ضرورت کی اشیاء فراہم کیں۔ اس کے علاوہ اس نے تمام رعایا میں حق اور انصاف قائم کرنے پر توجہ دی۔ اس کے بعد ایک بار پھر جہاد کے لیے روانہ ہوگیا۔

---

[1] مفرج الكروب: 223/2. [2] وفيات الأعيان: 187/7.



لبنانی شہر صُور کے تاریخی آثار

بیت المقدس کی فتح کے بعد

اگرچہ صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے پہلے صلیبیوں کے متعدد فوجی اڈے فتح کر لیے تھے، اس کے باوجود صلیبیوں کے کئی اہم اڈے جنگ سے بچ کر واپس آنے والے پناہ گزیں صلیبیوں سے بھرے ہوئے تھے اور وہ مسلمانوں کے لیے خطرہ بن رہے تھے۔ ان کے اہم مراکز طرابلس، صور اور انطاکیہ تھے۔ یہ صلیبی جنگ بازوں کے لیے قدم جمانے کی جگہ بن رہے تھے۔ ان کے بحری مرکز انھیں اس کے لیے تیار کر سکتے تھے۔ [1]

صلاح الدین جس مقام کو سب سے پہلے فتح کرنا چاہتا تھا، وہ صور کا شہر تھا۔ یہ سمندر کے کنارے ایک قلعہ بند شہر تھا۔ مسلمان اس کے بارے میں زیادہ فکر مند تھے کیونکہ وہاں صلیبیوں کے بہت سے چھوٹے چھوٹے گروہ جمع ہو چکے تھے۔ صلاح الدین نے اسی سال رمضان 583ھ میں اس کا محاصرہ کیا۔ اس نے مصر کے بحری بیڑے کو بھی محاصرے میں شریک ہونے کے لیے طلب کر لیا۔ شہر کے اردگرد بحری معرکہ ہوا جس کا نتیجہ صلیبیوں کے حق میں نکلا اور خشکی کا معرکہ بھی ہوا جس میں مسلمان فتح یاب ہوئے۔ مسلمانوں

---

1 تاریخ الحروب الصلیبیة: 198.

نے شہر کا محاصرہ کیا ہوا تھا کہ موسم سرما شروع ہوگیا۔ سرداروں اور کمانڈروں نے اصرار کیا کہ محاصرہ کسی مناسب وقت تک ملتوی کر دیا جائے جبکہ صلاح الدین فتح ہو جانے تک محاصرہ جاری رکھنا ضروری سمجھتا تھا لیکن ان کے اصرار کی وجہ سے اس نے محاصرہ ختم کر دیا۔ [1]

سلطان نے دمشق جانے سے پہلے کچھ دوسرے قلعے فتح کرنے کی کوشش کی۔ وہ بعض قلعوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا اور بعض میں ناکام رہا۔ سردی کا موسم ختم ہونے کے بعد سلطان نے فتوحات کے لیے کارروائیوں کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا۔ اس دوران میں اس نے فرنگیوں کے دس سے زیادہ قلعے فتح کیے۔ ان میں سے بعض تو بہت اہم شہر تھے، جیسے لاذقیہ، طرطوس اور جبلہ وغیرہ۔ [2]

جب صلیبیوں نے اپنے قلعے یکے بعد دیگرے ہاتھ سے نکلتے دیکھے تو انطاکیہ کے حکمران نے صلاح الدین سے صلح کرنے کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے درمیان جنگ بند ہو جائے۔ صلاح الدین نے یہ مطالبہ اس شرط پر تسلیم کیا کہ جنگ بندی آٹھ ماہ کی محدود مدت کے لیے ہوگی، بشرطیکہ انطاکیہ کا حکمران ان مسلمان قیدیوں کو رہا کر دے جو اس کے قبضے میں ہیں۔ قیدیوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ [3]

اس دوران میں مسلمانوں نے کرک کا بھی محاصرہ کیا ہوا تھا اور تقریباً ایک سال کی مدت اسی طرح گزر گئی تھی حتی کہ وہ لوگ تنگ آ گئے اور ماہ رمضان 584ھ میں شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ [4]

---

[1] مفرج الکروب: 246/2، و الکامل: 553/11-555، و البدایۃ والنہایۃ: 327/12، و النوادر السلطانیۃ: 83. [2] مفرج الکروب: 255/2-269، و الکامل: 557/11 اور 195/12، و النوادر السلطانیۃ: 84، و سیر أعلام النبلاء: 286/21، و البدایۃ والنہایۃ: 329/12-331. [3] مفرج الکروب: 269/2، و الکامل: 19/12، و البدایۃ والنہایۃ: 330/12. [4] مفرج الکروب: 272/2، و الکامل: 20/12، و البدایۃ والنہایۃ: 330/12.



لاذقیہ (شام) میں قلعہ صلاح الدین

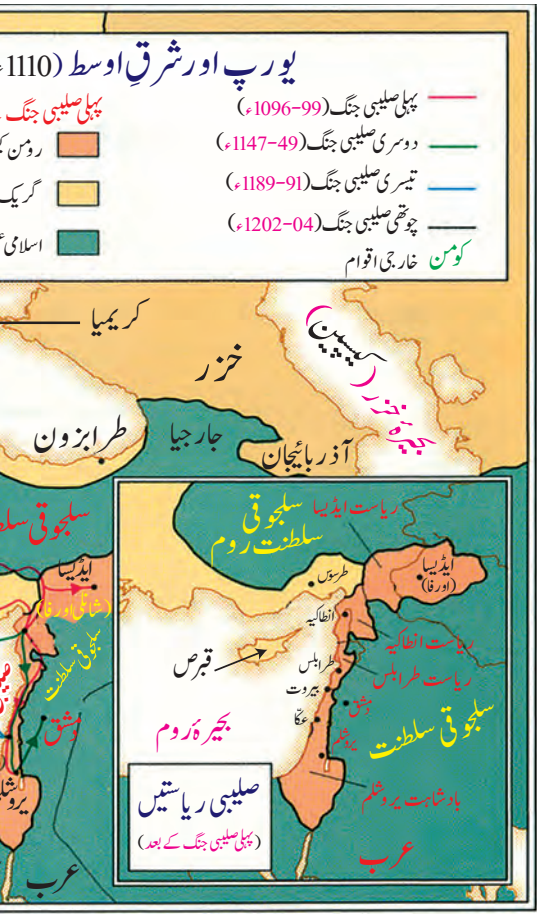

مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان معاملات اسی طرح چلتے رہے کہ مسلمان ان کے قلعوں پر حملے کرتے تھے اور وہ دفاع کرتے تھے حتی کہ دوسری صلیبی مہم شروع ہوگئی۔

مسلمانوں کے بیت المقدس پر قبضے کا یورپ میں شدید ردعمل ہونا یقینی تھا، چنانچہ پوپ گریگوری ہشتم نے یورپ کے مختلف ممالک میں ایلچی بھیجے تاکہ عوام وخواص کو بیت المقدس کے لیے نکلنے کی ترغیب دی جائے۔ راہب اور پادری عوام کو مسلمانوں سے ایک اور جنگ کے لیے نکلنے کی ترغیب دینے میں اپنا کردار ادا کرنے لگے۔ ابن واصل ان حالات کی تصویر کشی اس طرح کرتا ہے: ''بیت المقدس پر جب سے مسلمانوں کا قبضہ ہوا تھا، پادریوں اور راہبوں نے کالے کپڑے پہن لیے اور غم کا اظہار کرنے لگے۔ بیت المقدس کا لاٹ پادری ان سب کو لے کر فرنگیوں کے ملکوں میں گھومنے لگا۔ وہ ان سے مدد طلب کرتے تھے اور انھیں بیت المقدس واپس لینے کی ترغیب دیتے تھے۔ انھوں نے سیدنا مسیح علیہ السلام کی ایک فرضی تصویر بنائی۔ تصویر میں ایک عربی آدمی انھیں ڈنڈے مار رہا تھا اور مسیح علیہ السلام کی تصویر پر خون بہتا دکھایا گیا تھا، انھوں نے کہا: دیکھو! یہ مسیح ہے جسے مسلمانوں کا نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مار رہا ہے۔ اس نے مسیح کو زخمی کر کے قتل کر دیا ہے۔'' [1]

یورپ میں یہ پروپیگنڈا بہت کامیاب ہوا۔ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جوق در جوق جمع ہونے لگے۔ ان کی قیادت فرانس اور انگلستان کے بادشاہ کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں جرمنی کا بادشاہ فریڈرک بار بروسا تقریباً ایک ہزار فوجی لے کر چل پڑا لیکن اس نے خشکی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اناطولیہ کے سلجوقی علاقے سے گزرنا بہتر سمجھا۔ ''اوتاہ'' (فریڈرک) قتل ہوگیا۔ [2] اس طرح جرمنی کا وہ حملہ ناکام ہوگیا،

---

[1] مفرج الكروب: 288/2، و صلاح الدين الأيوبي، ص: 62. [2] ''کروسیڈز'' کا مصنف سر جارج ڈبلیو کارکس لکھتا ہے: بعض لوگوں کا بیان ہے کہ تیسری صلیبی جنگ کے لیے نکلنے والا جرمن بادشاہ فریڈرک علاقہ قلیقیا (ترکی) کی کسی ندی سے اتر رہا تھا کہ اس میں ڈوب کے مر گیا۔ (''خونریز صلیبی جنگوں کے سربستہ راز'' ترجمہ مولانا عبدالحلیم شرر: 203)

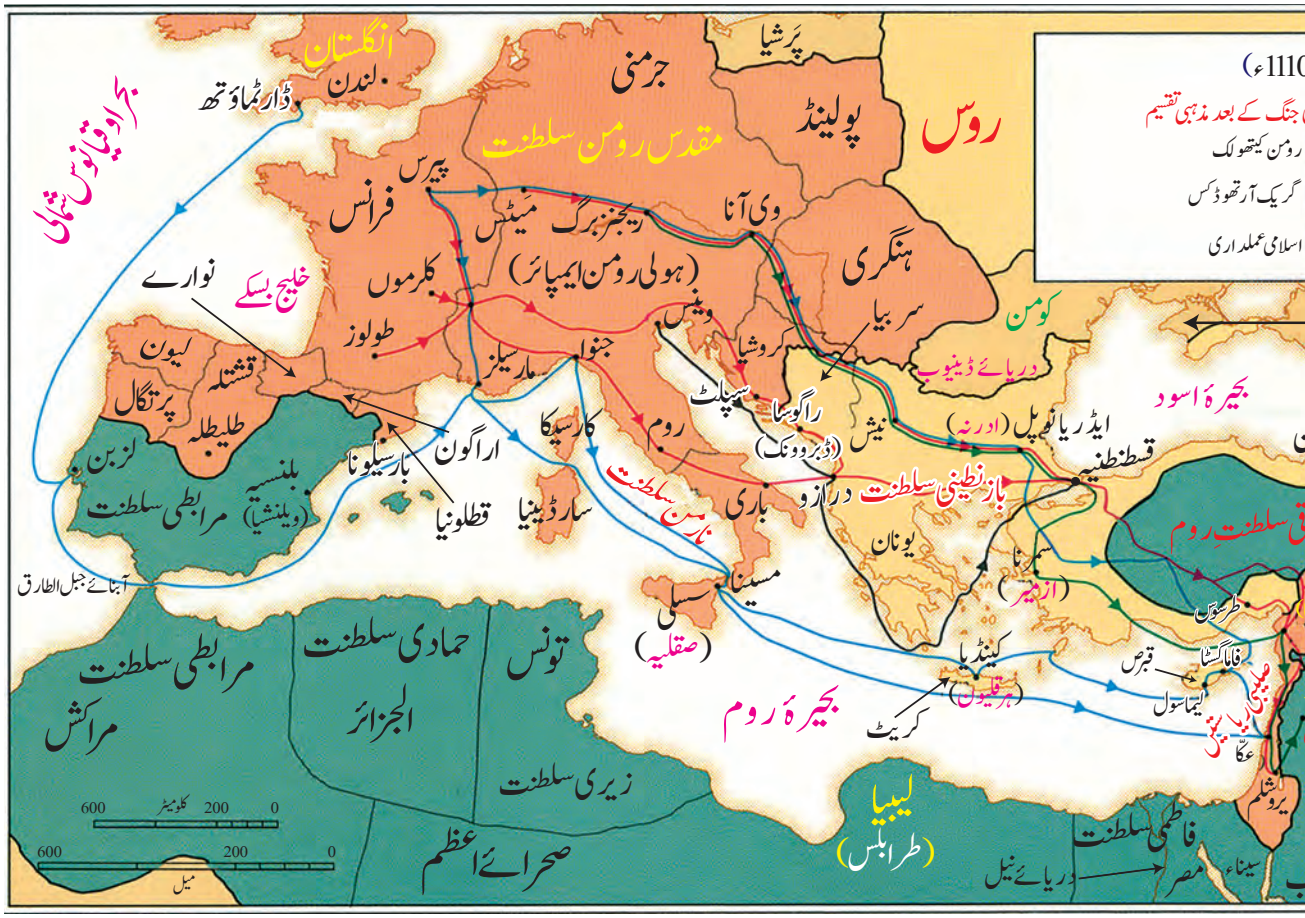

جو اگر شام کے ملک تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو شدید ترین حملہ ہوتا۔ [1]

صلاح الدین نے بیت المقدس کے بادشاہ ''گائی لوزینان'' کو گرفتار کر لیا تھا، پھر اس سے یہ وعدہ لے کر چھوڑ دیا کہ وہ مسلمانوں سے نہیں لڑے گا لیکن اس نے بچے کھچے تقریباً بیس ہزار صلیبیوں کا لشکر جمع کر لیا اور عکا پر حملہ کرنے کے لیے انھیں لے کر صور سے روانہ ہوا۔ یہ واقعہ جمادی الاخری 585ھ کا ہے۔ بیت المقدس کے مسلمانوں کے پاس چلے جانے کے بعد صلیبیوں کے حملہ آور ہونے کی یہ پہلی کوشش تھی۔ اصل میں جب صلیبیوں کو معلوم ہوا کہ یورپ سے فوجیں آ رہی ہیں تو انھوں نے عکا پر حملہ کرنے کی جسارت کی کیونکہ عکا ساحلِ سمندر پر واقع ہے اور یورپ سے کمک بحری راستے سے آ رہی تھی۔ صلاح الدین نے اس معاملے پر پوری توجہ دی اور اسلامی شہروں کو خط لکھے کہ وہ فوجی بھیجیں اور خود عکا کی طرف روانہ

[1] تاریخ الحروب الصلیبیۃ: 203، معاضیدی اور ساتھیوں کی کتاب: 177۔

ہوگیا۔ سلطان نے عکا کا محاصرہ کرنے والے بعض لشکروں کو شکست دے دی۔ اس نے مسلمانوں کے لیے شہر کے اندر تک پہنچنے کا راستہ بنا لیا اور صلاح الدین خود شہر میں داخل ہوگیا۔ مسلمانوں اور محاصرہ کرنے والے صلیبیوں میں کئی معرکے ہوئے۔ فرنگیوں کو سمندر کے راستے مسلسل مدد مل رہی تھی، چنانچہ فرانس، روم اور دوسرے یورپی ممالک کے بحری بیڑے آ پہنچے۔

عجیب تر واقعہ یہ ہوا کہ فرنگیوں کا ایک جہاز عورتیں لے کر آیا تاکہ فوجیوں کے دل بہلانے کا بندوبست ہو، حالانکہ وہ تقویٰ اور پاک بازی کا دعویٰ کرتے تھے۔ ابن واصل کہتا ہے: ''ایک جہاز میں تین سو خوب صورت فرنگی عورتیں پہنچیں جو مختلف جزیروں سے اکٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے خیال میں خود کو اللہ کے لیے وقف کیے ہوئے تھیں۔ انھوں نے یہ عہد کیا تھا کہ فرنگی جنگجوؤں میں سے جو شخص بھی ان سے ہمبستری کرنا چاہے گا، وہ انکار نہیں کریں گی۔ ان کے خیال میں یہ ایسی نیکی تھی جس سے بڑی نیکی ممکن نہیں، بالخصوص اگر وہ ایسے مرد کو قربت کا موقع دیں جو وطن سے دور بھی ہے اور کنوارا بھی۔''[2] اس دور کے بعض صلیبیوں نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''کیا خداوند کی میراث اس طرح کے ہتھیاروں کے ذریعے سے واپس لی جاسکتی ہے؟''[3]

عکا کا محاصرہ طویل بھی تھا اور شدید بھی، اس لیے بعض سرداروں نے صلاح الدین سے واپس چلے جانے کی اجازت مانگی کیونکہ حالات بہت نازک ہوگئے تھے۔ سلطان کی رائے تو یہی تھی کہ یہیں ٹھہرا جائے اور دشمن کی شکست تک شہر کا دفاع کیا جائے لیکن فوج اور سرداروں کے دباؤ کی وجہ سے اس نے شہر کے دفاع کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور اسے دشمنوں سے رزم آرائی کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد فرنگیوں کی کمک بڑھتی گئی اور مسلمانوں کی کمک کم ہوتی گئی، پھر برطانیہ کا بادشاہ ''رچرڈ شیر دل'' اور فرانس کا بادشاہ ''فلپ آگسٹس'' بھی پہنچ گئے، چنانچہ طاقت کا توازن عکا کا محاصرہ کرنے والے صلیبیوں کے حق میں بھاری ہوگیا۔ صلاح الدین کی کوشش تھی کہ وہ عکا کا محاصرہ کرنے والوں پر پیچھے سے حملہ کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلامی بحری بیڑے کی نگرانی بھی کر رہا تھا جس کے ذمہ عکا کے اندر محصور مسلمانوں تک خوراک اور ضروری اشیاء پہنچانا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ سمندری جھڑپیں جاری رکھے ہوئے تھا۔ بعض اوقات

---

1 مفرج الكروب: 288/2، و الكامل: 61/12، و البداية والنهاية: 342/12، و صلاح الدين الأيوبي: 369.
2 مفرج الكروب: 308/2. 3 تاريخ الوطن العربي: 178.



فلسطین کے قدیم شہر عکّا میں مسجد الجزار (مسجد الابیض)

اس کے جہاز اور فوجی، دشمنوں کے جہازوں اور فوجیوں کی سی شکل و شباہت اختیار کر لیتے تھے تاکہ محاصرہ کرنے والے جہازوں کے درمیان سے گزر کر عکا کے محصور مسلمانوں تک خوراک پہنچا سکیں۔ [1]

ادھر صلیبی افواج مسلمانوں سے بہت زیادہ تھیں۔ شہر کا دفاع کرنے کے لیے صرف چھ ہزار مجاہد رہ گئے تھے، جبکہ ان کا مقابلہ دشمن کے ایک لاکھ بحری اور بری فوجیوں سے تھا۔ عکا کا دفاع کرنے والوں نے شہر کو دشمن کے حوالے کرنے کی اجازت مانگی لیکن صلاح الدین اس پر قبضہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔ آخر کار ان کا مسلمانوں سے ان شرطوں پر معاہدہ ہوگیا کہ عیسائی عکا سے مسلمانوں کے صحیح سلامت نکل جانے کی ضمانت دیں گے اور اس کے عوض وہ کچھ جزیہ ادا کریں گے۔ اس طرح مسلمان شہر سے نکل آئے۔ فرنگی حیران تھے کہ وہ کس طرح مسلسل دو سال تک صبر و استقامت سے ڈٹے رہے۔ ''مسلمانوں کو شہر چھوڑنے کی اجازت دی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ انھیں اس دوران میں پریشان نہیں کیا جائے گا۔ حقیقت میں فاتحین انھیں ترس کھانے والی نظروں سے شہر سے نکلتے دیکھ رہے تھے کیونکہ ان کی شجاعت اس قدر دلیرانہ تھی کہ دشمن بھی ان کے لیے احترام اور شفقت کے جذبات محسوس کر رہے تھے۔ وہ لاغر ہو چکے تھے، ان کے بال گرد آلود تھے، جسم میلے کچیلے تھے، وہ بھوک سے بے حال تھے، ان کے کپڑے پھٹے پرانے تھے لیکن ان کے سر جھکے ہوئے نہیں تھے۔ یہ دیکھ کر صلیبی حیران رہ گئے۔'' چنانچہ دو سال کے محاصرے کے بعد، معرکہ حطین سے تقریباً چار سال بعد 12 ربیع الاول 587ھ مطابق 1191ء کو شہر پر ان کا قبضہ ہوگیا۔ [2]

شہر سے دست برداری کے موقع پر یہ شرط تسلیم کی گئی تھی کہ مسلمان فرنگیوں کے قیدی ہوں گے لیکن انھیں جان کی امان حاصل ہوگی، تاہم فرنگیوں نے ایک دن انھیں ایک جگہ اکٹھا کیا اور سب کو ایک ہی بار شہید کر دیا۔ ان کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔ مسلمانوں کو اس حادثے کا شدید غم ہوا۔ [3]

ان دو سالوں میں مسلمانوں اور صلیبیوں کے درمیان جو بھی جنگیں ہوئیں، عکا کی جنگ ان میں شدید ترین جنگ تھی۔ اگرچہ صلیبیوں نے عکا پر قوت کے بل پر قبضہ کر لیا تھا، تاہم اس کے لیے جو صلیبی قتل ہوئے، ان کی تعداد پچاس ہزار سے زیادہ تھی۔ [4]

---

[1] مفرج الكروب: 331/2، و الكامل: 41/12، و البداية والنهاية: 333/12. [2] تاريخ الحروب الصليبية: 207. [3] مفرج الكروب: 364/2، و الكامل: 68/11، و البداية و النهاية: 345/12، و وفيات الأعيان: 197/7، و النوادر السلطانية: 174، و السلوك: 132/1. [4] دیکھیے حوالہ جات مذکور بالا۔



تاریخی شہر رملہ (فلسطین) کے کھنڈر

بیت المقدس کا دفاع اور رملہ کی صلح

صلاح الدین کی توجہ سب سے زیادہ بیت المقدس کی طرف تھی۔ اسے یقین تھا کہ عکا پر صلیبیوں کا قبضہ بیت المقدس تک پہنچنے کا راستہ ہے، اس لیے اسے یہی فکر تھی کہ اس کی حفاظت کی جائے اور صلیبیوں کو اس پر قبضہ کرنے سے باز رکھا جائے۔ اس کے باوجود صلیبی سمندر اور خشکی کی راہ سے عسقلان کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ مقام مصر اور شام کے درمیان سب سے اہم فوجی مرکز تھا۔ اس پر جس فریق کا قبضہ ہو جاتا، وہ بڑی آسانی سے وہاں سے ایک لشکر مصر کی طرف اور ایک لشکر شام کی طرف بھیج سکتا تھا، اس لیے صلاح الدین بہت فکر مند تھا۔ وہ صلیبی فوجوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا اور ان پر مسلسل حملے کرنے لگا۔ فریقین کے متعدد افراد قتل اور زخمی ہوئے۔ صلیبی عسقلان پہنچنے کا پختہ ارادہ کیے ہوئے تھے۔ اس دوران میں صلاح الدین کے بھائی اور بڑے کمانڈر الملک العادل نے انگریزوں کے بادشاہ ''رچرڈ شیر دل'' سے ملاقات کی۔ رچرڈ نے مطالبہ کیا کہ بعض جنگی چوکیاں جنگ کیے بغیر اس کے حوالے کر دی جائیں۔ الملک العادل نے اس کا بہت سخت جواب دیا۔ [1]

---

[1] مفرج الکروب: 367/2، و النوادر السلطانیة: 182.

جب صلاح الدین نے دیکھا کہ صلیبی عسقلان پر ضرور قبضہ کر لیں گے اور اسے یہ خطرہ بھی محسوس ہوا کہ وہ بیت المقدس پر حملہ کر دیں گے تو اس نے فوراً وہاں کے قلعے اور فصیلیں مسمار کر دیں تاکہ صلیبی ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ صلاح الدین کی یہ کارروائی اس وقت صحیح ثابت ہوگئی جب صلیبیوں نے بعد میں اس پر قبضہ کیا تو انھیں اس کی دفاعی تعمیرات دوبارہ قائم کرنے میں ایک لمبا عرصہ لگا۔ [1]

عسقلان کی دفاعی تعمیرات مسمار کرنے کے فوراً بعد صلاح الدین نے بیت المقدس کی طرف توجہ کی تاکہ اسے کسی متوقع حملے سے محفوظ کرنے کے لیے تیاری کی جائے اور حفاظتی اقدامات کیے جائیں۔ اس دوران میں اس نے کچھ فوج دشمنوں کو مصروف رکھنے کے لیے چھوڑ دی۔ یہ فوج انھیں مصروف رکھنے میں واقعی کامیاب رہی۔ ایک جھڑپ میں خود رچرڈ شیر دل بھی گرفتار ہوتے ہوتے بچا۔ [2]

صلاح الدین بیت المقدس پہنچ گیا اور اس کا دفاع مضبوط بنانے لگا۔ اس نے چٹانوں کو توڑنے اور مختلف مقامات پر کھدائی کرنے کے لیے کارکن طلب کر لیے۔ وہ خود اور اس کے سردار اور کمانڈر بھی پتھر ڈھونے کا کام کرتے رہے۔ اس کام میں علماء اور قاضی بھی اس کے ساتھ شریک تھے۔ [3]

صلاح الدین کا خیال صحیح ثابت ہوا کیونکہ صلیبیوں نے واقعی بیت المقدس کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ سلطان اس معاملے میں بہت پریشان ہوا اور اس نے شہر کے اندر سے ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ کچھ کمانڈروں نے تجویز پیش کی کہ شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر کامیابی نہ ہو تو اسے چھوڑ کر واپسی اختیار کی جائے۔ سلطان اس سے مزید پریشان ہوگیا۔ اس نے محسوس کیا کہ بیت المقدس سے دست بردار ہونے سے اس کا مر جانا بہتر ہے۔ اس نے ایک عالم کے سامنے یہ معاملہ رکھا کیونکہ وہ علماء سے اکثر رابطہ رکھتا تھا۔ اس عالم نے نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''اس موقع پر اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔'' اس نے کہا: ''آج جمعے کا دن ہے جو ہفتے کا سب سے مبارک دن ہوتا ہے۔ صحیح احادیث میں ہے کہ اس دن دعا قبول ہوتی ہے۔ ہم اس بابرکت مقام پر موجود ہیں جس سے زیادہ بابرکت مقام پر ہم آج نہیں پہنچ سکتے۔ سلطان کو چاہیے کہ جمعے کا غسل کرے اور پوشیدہ طور پر کچھ صدقہ کرے اور کسی کو معلوم نہ ہونے پائے کہ وہ صدقہ آپ کی طرف سے ہے، پھر آپ اذان اور اقامت کے درمیان رب سے

---

[1] الکامل: 78/11، و مفرج الکروب: 380/2. [2] مفرج الکروب: 371/2-373، و الروضتین: 192/2، و الکامل: 72/11. [3] مفرج الکروب: 375/2، و الکامل: 74/11، و البدایة والنهایة: 347/12.

دعا کریں اور اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیں۔ اللہ کے سامنے اعتراف کریں کہ آپ اپنا مقصود حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے اور آپ کی دعا قبول کر لے۔'' (ابن واصل کہتا ہے:) جب جمعے کا وقت ہوا تو میں نے مسجد اقصیٰ میں سلطان کے قریب نماز پڑھی۔ اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ سجدے میں ہے اور مصلیٰ پر اس کے آنسو ٹپک رہے ہیں۔ [1]

صلاح الدین ایسا ہی تھا کہ وہ جہادی قوت حاصل کرتا تھا، مکمل تیاری کرتا تھا، وہ اپنی فوج میں آگے رہ کر بہادری سے جنگ کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اللہ کے سامنے آہ وزاری بھی کرتا تھا۔ اس طرح وہ اللہ کے سامنے اظہار کرتا تھا کہ وہ کمزور ہے اور ہمیشہ اس کا محتاج اور اس کی مدد کا ضرورت مند ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح کے حالات میں وہ پوشیدہ صدقہ بہت کرتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے ان چیزوں کی طرف متوجہ کرنے میں پختہ کار علماء کا بھی اہم کردار ہے جن سے وہ ہمیشہ انس رکھتا تھا۔

صلیبی بیت المقدس کے قریب پہنچ گئے۔ ان کی قیادت رچرڈ شیر دل کر رہا تھا کیونکہ فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس [2] مر چکا تھا۔ [3]

---

[1] مفرج الکروب: 289,288/2. [2] سقوط عکا کے بعد فرنگی فوجوں کی قیادت رچرڈ نے سنبھال لی تھی۔ فلپ شاہِ فرانس لڑائی کا خیال چھوڑ کر اپنے وطن واپس روانہ ہو چکا تھا۔ (''سلطان صلاح الدین ایوبی''، محمد فرید ابو حدید: 204، ''خونریز صلیبی جنگوں کے سربستہ راز''، سر جارج ڈبلیو کارکس: 219) [3] النوادر السلطانیۃ: 191، و مفرج الکروب: 372/2.



صلیبی لُدّ کے قریب آ کر ٹھہرے۔ صلاح الدین سے ان کے مذاکرات ہوتے رہے۔ انگریز بادشاہ نے دیکھا کہ بیت المقدس کی قلعہ بندیاں بہت مضبوط ہیں اور مسلمان اس کے دفاع کا عزم کیے ہوئے ہیں تو اس نے محسوس کر لیا کہ بیت المقدس پر قبضہ کرنا مشکل ہے۔ انگریزوں نے صلح پر اصرار کیا لیکن اس کے لیے بے جا شرطیں رکھیں جو صلاح الدین کو منظور نہ تھیں۔ فرنگیوں کی کمزوری واضح ہو چکی تھی جن میں انگریز سرفہرست تھے، چنانچہ صلاح الدین نے رجب 588ھ میں اپنی کچھ فوجیں یافا کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے روانہ کیں اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ [1]

اب انگریز بیت المقدس کا محاصرہ ختم کر کے پسپا ہو گئے۔ صلاح الدین نے صلیبیوں کے خلاف مختلف فوجی کارروائیاں جاری رکھیں، چنانچہ انگریزوں کا بادشاہ مسلمانوں سے دوبارہ مذاکرات پر مجبور ہو گیا۔ اس بنا پر شعبان 588ھ میں صلاح الدین اور رچرڈ شیر دل کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پایا جو ''رملہ کی صلح'' کے نام سے مشہور ہوا۔ [2]

یہ معاہدہ تین سال کی مدت کے لیے تھا۔ اس کے مطابق بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں رہا، البتہ عیسائی زائرین کو اجازت تھی کہ وہ غیر مسلح حالت میں زیارت کے لیے آ سکتے ہیں۔ اس دوران میں مسلمان ان کی حفاظت کریں گے۔ فریقین کے درمیان جنگی کارروائیاں روک دی جائیں گی۔ ساحل کا علاقہ فریقین میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔ مسلمان صلیبیوں کے زیر قبضہ علاقوں میں جا سکیں گے اور عیسائی مسلمانوں کے ملک میں آ سکیں گے۔ فریقین کے درمیان تجارت کو امان حاصل ہوگی اور آزادانہ تجارت کی اجازت دی جائے گی۔ فریقین کے سپاہی اس جنگ بندی سے بہت خوش تھے کیونکہ گزشتہ پانچ سال سے جاری مسلسل جنگ سے سبھی تھک چکے تھے، یعنی جب سے مسلمانوں نے بیت المقدس واپس لیا تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنگ کے دوران میں بھی صلاح الدین اور انگریزوں کے درمیان پرامن تعلقات قائم تھے۔ جب رچرڈ شیر دل بیمار ہوا تو صلاح الدین نے اس کے علاج کے لیے طبیب بھیجے۔ اسی طرح اسے بیماری کے دوران میں برف اور پھلوں کی ضرورت تھی تو صلاح الدین اس کے لیے یہ چیزیں بھیجتا رہا، حالانکہ وہ اس کا مخالف اور دشمن تھا۔ اس پر فرنگیوں کو بہت تعجب ہوا۔ [3]

---

[1] النوادر السلطانية: 244، و مفرج الكروب: 393/2، و الكامل: 84/11. [2] الكامل: 85/12، و البداية والنهاية: 350/12، و النوادر السلطانية: 223، و مفرج الكروب: 403/2، و السلوك: 137/1. [3] مفرج الكروب: 403/2، و الروضتين: 193/2، و البداية والنهاية: 350/12، و صلاح الدين الأيوبي: 412.



صلاح الدین میوزم

جنگ بندی ہوجانے کے بعد صلاح الدین دوبارہ بیت المقدس چلا گیا۔ وہ اس کے انتظامات درست کرتا رہا اور اس کی قلعہ بندیوں پر توجہ رکھی۔ اگرچہ مسلمانوں کا عیسائیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا، اس کے باوجود انھیں دشمنوں کی طرف سے عہد شکنی کا خطرہ رہتا تھا، چنانچہ وہ مطلوبہ دفاعی قوت تیار رکھتے تھے اور معاملات میں احتیاط سے کام لیتے تھے لیکن وہ خود عہد کی پاسداری کرتے تھے اور خیانت نہیں کرتے تھے۔ اس زیارت کے دوران میں صلاح الدین نے متعدد علمی مدارس قائم کیے، ان کے لیے اوقاف مقرر کیے اور ان میں علماء تعینات کیے۔ [1]

اس کے بعد صلاح الدین واپس دمشق آ گیا اور چند مہینے وہیں ٹھہرا رہا۔ اس نے بدھ کے دن 27 صفر 589ھ کو وفات پائی جبکہ وہ اپنی زندگی میں برسوں جانی اور مالی جہاد میں مشغول رہا۔ وہ مسلمانوں کے لیے ہراول دستے کی سی اہمیت رکھتا تھا۔ اس نے ایسی مثال قائم کی جسے تاریخ میں کبھی بھلایا نہیں جا سکے گا۔ وہ نسلاً بعد نسلٍ ہر دور میں مسلمانوں کی تعریف اور دعا کا حق دار ثابت ہوا۔ کیا آج بھی کوئی نیا صلاح الدین سامنے آئے گا؟

---

[1] مفرج الكروب: 407/2، و وفيات الأعيان: 202/7، و الكامل: 95/11، و النوادر السلطانية: 246، و سير أعلام النبلاء: 286/21، و السلوك: 140/1.



جہاد، صلاح الدین ایوبی کے بعد

یہ تو حقیقت ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی وفات سے اسلامی قیادت میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا تھا لیکن اس میدان میں صلاح الدین اکیلا نہیں تھا، اس لیے جہاد کا علم اس کے بعد بھی بلند ہی رہا۔ اگرچہ بعض اوقات اس کا رنگ پھیکا بھی پڑا اور اس کے بعد اس کے علم برداروں میں کمزوری بھی ظاہر ہوئی۔

صلاح الدین کے بعد اس کی سلطنت اس کے تین بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ سب سے بڑے بیٹے ''افضل'' نے دمشق اور بعض ساحلی علاقوں میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ دوسرے بیٹے ''العزیز'' نے جس کا نام عثمان تھا، مصر سنبھال لیا اور تیسرے بیٹے ''الظاہر، غازی'' نے حلب اور اس کے ملحقہ شہروں کا انتظام سنبھالا۔ ان کا چچا ''العادل'' اردن، الجزیرہ اور دیار بکر پر حکومت کرنے لگا۔ ان بڑے بڑے ٹکڑوں کے علاوہ بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوئے جو صلاح الدین کے دوسرے رشتہ داروں نے آپس میں بانٹ لیے۔ [1]

---

[1] مفرج الکروب: 4,3/3، والکامل: 96/12، والسلوك: 143,142/1.



قانونی طور پر ''افضل'' ہی سلطان تھا کیونکہ اس کے حق میں خود صلاح الدین نے وصیت کی تھی لیکن صلاح الدین کے بیٹوں میں بکثرت اختلافات کی وجہ سے بھی ان کے چچا ''سلطان عادل'' کو ان کی رہنمائی کرنے والے اور سربراہ کا مقام حاصل ہوگیا۔ اسے اس وجہ سے بھی تقویت حاصل ہوئی کہ وہ صلیبیوں سے لڑے جانے والے معرکوں میں صلاح الدین کے ساتھ شریک رہا تھا اور اس نے قربانیاں دی تھیں۔ کئی سالوں کے اختلاف و انتشار کے بعد 596ھ میں جب ''سلطان عادل'' کا مصر اور شام پر قبضہ ہوگیا تو یہ اختلافات ختم ہوگئے۔ [1]

اس دوران میں فرنگیوں سے چند چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوئیں لیکن وہ بہت زیادہ نہیں تھیں کیونکہ مسلمانوں نے صلاح الدین کے دور میں ان سے جنگ بندی کا معاہدہ کرلیا تھا۔

رملہ کی صلح سے دس سال بعد صلیبیوں سے شدید جنگ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام کے صلیبیوں کو اطلاع ملی کہ جرمنی کے بادشاہ کی قیادت میں چوتھا صلیبی لشکر روانہ ہونے والا ہے جس کا مقصد شام کے ملک پر قبضہ کرنا ہے، چنانچہ یورپ سے آنے والے کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر شام کے صلیبی بھی حرکت میں آگئے۔ انھوں نے اس لشکر کے آنے کی امید میں مسلمانوں سے لڑائی شروع کر دی لیکن وہ لشکر کبھی نہ پہنچا کیونکہ اس نے اپنا رخ تبدیل کر کے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا تھا اور بازنطینی حکومت سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی تھی۔ حماۃ کے امیر ملک منصور سے صلیبیوں کی جنگیں ہوئیں جن میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور صلیبیوں کے بہت سے فوجی قتل اور گرفتار ہوئے۔ یہ رمضان 599ھ کا واقعہ ہے۔ [2]

جب شام کے صلیبی مایوس ہوگئے تو مجبوراً مسلمانوں سے مذاکرات پر آمادہ ہوگئے اور 601ھ کے اوائل میں ایک نیا معاہدہ طے پا گیا۔ [3] اس کے باوجود مسلمانوں اور صلیبیوں میں کئی جنگیں ہوئیں جن میں مسلمانوں کی قیادت سلطان ''عادل'' کر رہا تھا۔

---

[1] الکامل: 12/109، 121، 155، و مفرج الکروب: 2/108، و السلوك: 1/146-149. [2] مفرج الکروب: 3/148، و الکامل: 12/190، و السلوك: 1/196. [3] مفرج الکروب: 2/162، و الکامل: 12/194، و السلوك: 1/197.

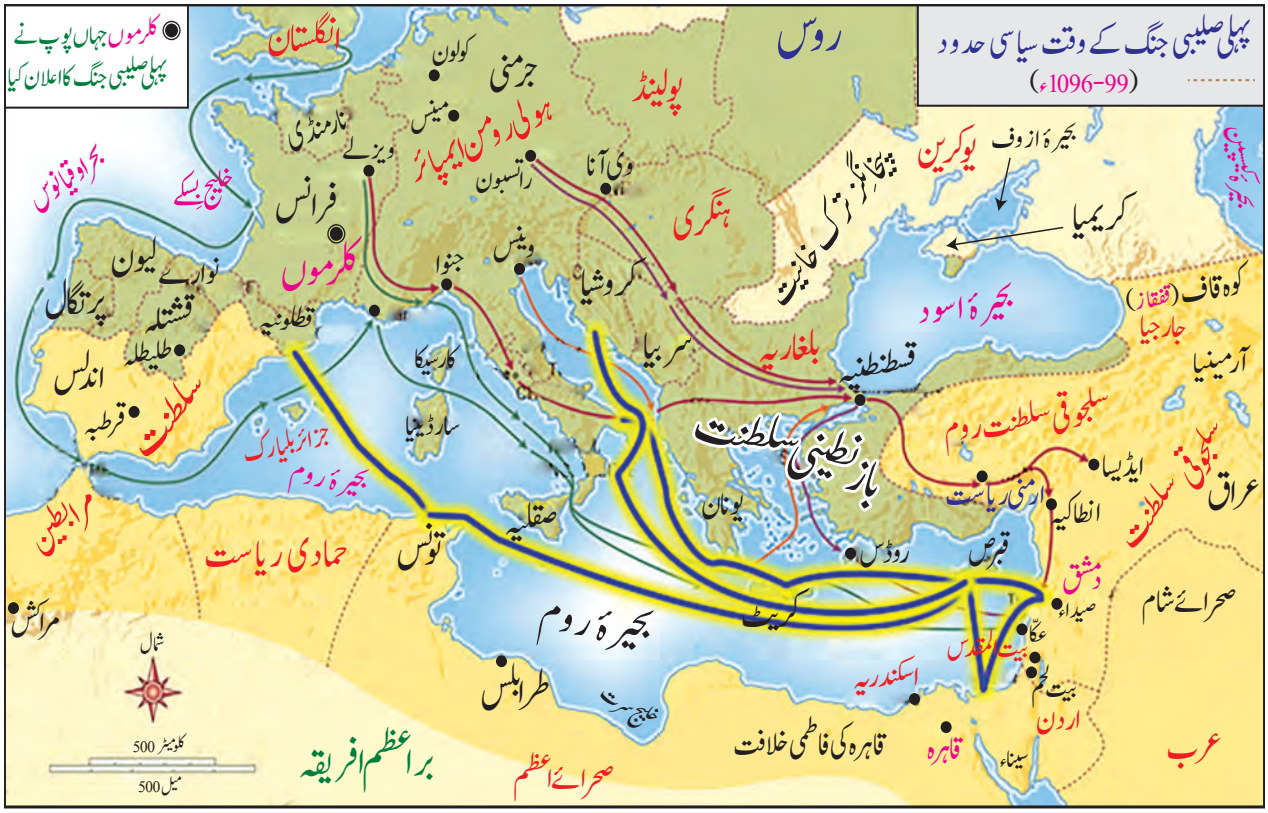

صلیبیوں کا پانچواں حملہ مصر پر

614ھ میں پانچویں بار صلیبی لشکر شام کے ملک پر سمندر کی طرف سے حملہ آور ہوا۔ یہ لشکر جرمنی، قبرص، ہنگری، آسٹریا، اٹلی اور دوسرے یورپی ممالک سے آیا تھا۔ اس لشکر کو پوپ ہنری ثالث کی تائید وحمایت حاصل تھی۔ اس لشکر کا پہلا پڑاؤ عکا تھا۔ یہ شہر بیت المقدس کے علامتی بادشاہ ''حنا جان ڈی برین'' کا دارالحکومت تھا کیونکہ بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں تھا۔ جب حملے کے لیے لشکر مکمل ہوگیا تو اس نے شام کے بعض مقامات پر مسلمانوں سے جھڑپیں شروع کر دیں لیکن اس کے منصوبہ سازوں کا ارادہ یہی تھا کہ یہ لشکر مصر جائے گا۔ انھیں پورا یقین تھا کہ وہ بیت المقدس پر اس وقت تک قبضہ نہیں کر سکتے جب تک اس کے دفاع کے لیے مصر میں مسلمانوں کی قوت موجود ہے۔ صلیبیوں کے جہاز افواج اور سامان لے کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے جہاں اس وقت الملک العادل کی حکومت تھی اور اس کا بیٹا ''الکامل'' اس کی طرف سے انتظامی معاملات سنبھالے ہوئے تھا۔ یہ جہاز صفر 615ھ میں پہنچے اور دمیاط کا محاصرہ کر لیا۔ صلیبیوں کو

یورپ سے مسلسل کمک آ رہی تھی۔ انھوں نے شہر کے دفاعی انتظامات کو بے کار کرنے کے لیے خشکی اور سمندر دونوں اطراف سے کئی قسم کا اسلحہ استعمال کیا، اس کے باوجود وہ نو ماہ تک اس پر قبضہ نہ کر سکے۔ محاصرے کے دوران میں سلطان عادل فوت ہوگیا اور کامل مقابلے میں ڈٹا رہا، حالانکہ اس کے لشکر میں کچھ بے چینی پیدا ہو رہی تھی۔ [1]

آخر کار نو مہینے بعد رمضان 616ھ میں شہر پر صلیبیوں کا قبضہ ہوگیا۔ انھوں نے شہر کا دفاع کرنے والوں کا قتل عام کیا اور جامع مسجد کو گرجے میں تبدیل کر دیا، منبر کو توڑ دیا اور اس کے ٹکڑے تحفے کے طور پر یورپ کے بادشاہوں کو بھیجے۔ انھوں نے قریبی بستیوں میں تباہی پھیلانی شروع کر دی۔ [2]

سلطان ''کامل'' نے قاہرہ کی طرف صلیبیوں کی پیش قدمی روک دی اور فوراً منصورہ کا شہر آباد کیا تاکہ اسے اپنا مرکز بنائے اور صلیبیوں کا مقابلہ کرنے والی فوجیں وہاں ٹھہریں۔ شام وغیرہ کے مسلمان حکمرانوں کو احساس ہوا کہ مصر پر صلیبیوں کا قبضہ بہت خطرناک ثابت ہوگا، چنانچہ انھوں نے سلطان عادل کی مدد کے لیے فوراً لشکر بھیج دیے۔ بہت سے سردار جہاد میں خود شریک ہونے کے لیے آ پہنچے۔ مختلف اسلامی شہروں سے بہت سے رضا کار بھی آ گئے جنھوں نے اکثر اوقات دشمن کو باقاعدہ فوج سے بھی زیادہ نقصان پہنچایا۔ [3]

---

[1] الكامل: 350/12، و مفرج الكروب: 270/3، 15/4، و السلوك: 223/1، و تاريخ الوطن العربي: 204.

[2] الكامل: 326/12، و مفرج الكروب: 32/4، و البداية والنهاية: 95/13. [3] الكامل: 327/12، و مفرج الكروب: 92/4-95، و البداية و النهاية: 95/13.



قاہرہ میں مسجد سلطان حسن

اس سے مسلمانوں کو قوت حاصل ہوئی اور فرنگی صلیبیوں کی ہمت پست ہوگئی۔ اس دوران میں دمشق کے گورنر نے بیت المقدس کی قلعہ بندیاں اس ڈر سے توڑ ڈالیں کہ صلیبی ان پر قبضہ کر کے ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو اس سے بہت غم ہوا اور ان کی اکثریت شہر چھوڑ گئی۔ الغرض مسلمانوں اور صلیبیوں میں جنگ جاری رہی۔ بعض مسلمان مجاہدین دریائے نیل میں صلیبیوں کے جہاز چھین لیتے یا غرق کر دیتے تھے۔ مسلمانوں کے بحری بیڑے نے بھی دشمن کے متعدد جہازوں پر قبضہ کیا جو فوجیوں اور ہتھیاروں سے بھرے ہوئے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوگئے اور دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی اور وہ مسلمانوں سے صلح کرنے کے لیے ایلچی بھیجنے لگے۔ دمشق کا سلطان صالح اسماعیل تو یہاں تک پیشکش کر چکا تھا کہ وہ بیت المقدس سے بھی اور صلاح الدین کے فتح کیے ہوئے تمام مقامات سے بھی دست بردار ہونے کو تیار ہے بشرطیکہ وہ مصر کو چھوڑ کر واپس چلے جائیں لیکن وہ تکبر میں آگئے اور مزید قلعوں اور شہروں کا مطالبہ کیا۔ ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ بیت المقدس کی قلعہ بندیاں تعمیر کرنے کے لیے مسلمان تین لاکھ دینار ادا کریں، چنانچہ بعض مجاہدین اور کمانڈروں کی حوصلہ افزائی سے سلطان کامل نے یہ مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔



مسلمانوں نے ان صلیبیوں کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا جو قاہرہ تک پہنچنے کے لیے مصر میں جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تھے۔ یہ وقت دریائے نیل میں پانی چڑھنے کا تھا۔ بعض مسلمان فدائیوں نے عیسائیوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھی۔ جب وہ اس نشیب میں پہنچے جو مسلمانوں کو معلوم تھی تو ان فدائیوں نے کچھ مقامات سے بند توڑ کر نیل کا رخ صلیبیوں کی لشکر گاہ کی طرف پھیر دیا۔ انھیں تب پتا

چلا جب وہ ہر طرف سے پانی میں گھر چکے تھے اور کوئی نقل وحرکت کرنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ اس وقت وہ نہ خشکی میں تھے، نہ سمندر میں کیونکہ ان کی سب جگہیں تالاب بن چکی تھیں اور وہ اِدھر اُدھر نہیں جا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں پانی نے انھیں دمیاط کی چھاؤنی تک پہنچنے سے بھی روک دیا تھا۔ تب صلیبیوں کو شکست اور ذلت کا احساس ہوا۔ انھوں نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ انھیں مصر سے نکل جانے دیں اور ان کی کوئی شرط نہیں ہے۔

مسلمان اس بارے میں متردد تھے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہمارے قابو میں دے دیا ہے، لہٰذا انھیں امان نہیں دینی چاہیے بلکہ انھیں چاہیے کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیں۔ دوسرے حضرات خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ انھیں کمک پہنچ سکتی ہے یا انھیں چھڑانے کے لیے یورپی اقوام انتقامی طور پر حملہ آور ہوسکتی ہیں۔

آخر مسلمانوں نے انھیں اس شرط پر امان دے دی کہ وہ مصر سے نکل جائیں۔ انھوں نے مزید یہ شرط لگائی کہ وہ شاہی خاندان میں سے بیس افراد کو ضمانت کے طور پر مسلمانوں کے حوالے کریں تاکہ مسلمانوں کو ان کے چلے جانے کا یقین ہوجائے، چنانچہ ان کے گرجا کے بیس عہدے دار (کارڈینل) رہن رکھے گئے۔ ان کے ساتھ وہ شخص بھی تھا جو اس حملے میں پوپ کا ذاتی نمائندہ تھا۔ ان کے علاوہ عکا کا بادشاہ بھی اور کچھ نواب (Counts) اور سردار بھی رہن رکھے جانے والوں میں شامل تھے۔ سلطان کامل کا ایک بیٹا ان کے سپرد کیا گیا تاکہ انھیں تسلی رہے کہ ان کے رہن شدہ افراد بعد میں واپس کر دیے جائیں گے، چنانچہ 19 رجب 618ھ کو صلیبیوں نے دمیاط کا شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا اور فرنگی صلیبی کوچ کر گئے۔ اس کے بعد فریقین کے رہن شدہ افراد واپس کر دیے گئے۔ [1]

اس طرح مسلمانوں کے مقامات، بالخصوص بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں جانے سے بچ گئے۔ اس حملے کی ناکامی صلیبی کوششوں پر ایک بہت بڑی اور تکلیف دہ ضرب تھی لیکن دوسری طرف اس سے سلطان کامل کے دل میں صلیبیوں سے ایک طرح کا خوف پیدا ہوگیا اور وہ ان کے ساتھ تعلقات کی نوعیت تبدیل کرنے لگا۔ اس نے ان کے بعض بادشاہوں سے پرامن تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے ان کے ساتھ اس کا رویہ بدل گیا۔

---

[1] الکامل: 330/12، والبدایۃ والنہایۃ: 95/13، ومفرج الکروب: 96/4-99، والسلوك: 245,244/1.

سلطان کامل بیت المقدس عیسائیوں کے حوالے کرتا ہے

صلیبیوں نے کامل سے معاہدہ کر لیا تھا جس کے مطابق انھوں نے مصر کے علاقے خالی کر دیے اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اسلامی سرزمین پر حملے نہیں کریں گے لیکن خود معاہدہ کرنے والا ''جان ڈی برین'' جو بیت المقدس کا علامتی بادشاہ تھا، وہ یورپ گیا تا کہ عیسائیوں کو اسلامی ممالک پر نیا حملہ کرنے کے لیے آمادہ کرے۔ یہ چھٹا صلیبی حملہ کہلاتا ہے۔ اس کی قیادت جرمنی کا بادشاہ فریڈرک دوم کر رہا تھا۔ یہ حملہ 625ھ مطابق 1228ء میں ہوا۔ مہم پر روانہ ہونے سے پہلے پوپ انوسنٹ سوم سے اس کا اختلاف ہو گیا۔ اس وجہ سے پوپ نے بادشاہ کے خلاف دین سے اخراج کا فرمان جاری کر دیا۔ اس کے ردعمل میں اسے غصہ آیا اور اس نے حملہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تا کہ وہ پوپ اور اس کے فرمان کو غلط ثابت کر سکے۔ [1]



جرمن بادشاہ فریڈرک ثانی ملک الکامل ایوبی سے ملاقات کرتے ہوئے

فریڈرک دوم کا سلطان کامل سے ایک قسم کا ڈپلومیٹک تعلق قائم تھا جس کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک اپنے مقامی مخالفین کے خلاف ایک دوسرے سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ علاوہ ازیں جرمنی کا بادشاہ اسلام اور اس کی تعلیمات سے اچھی طرح واقف تھا اور اسلام کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ عربی زبان میں بھی مہارت رکھتا تھا اور عربوں کی ثقافت سے باخبر تھا۔ اسی وجہ سے صلیبی اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ علاوہ ازیں اسلام اور مسلمانوں سے متعارف ہونے کی وجہ سے وہ عیسائیت میں پاپائیت اور پادریوں کے طبقات و درجات کے نظام کے بارے میں کسی قدر ناپسندیدگی کے جذبات رکھتا تھا۔

فریڈرک اپنے بحری بیڑے لے کر شام پہنچا اور عکا اور اس کی قلعہ بندیوں پر قابض ہو گیا۔ اس نے

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية: 252.

سلطان کامل کو کچھ تحائف بھیجے اور خطوط لکھے۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ خون ریزی کے بغیر امن و امان کے ساتھ بیت المقدس حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کامل کے لیے انکسار کا اظہار کیا اور اس سے شفقت کرنے کی درخواست کی۔ بتایا کہ بیت المقدس کے حصول سے اس کا مقصد محض پوپ کے جاری کردہ فرمان کو غلط ثابت کرنا ہے۔ فریڈرک ایک چالاک سیاست دان تھا۔ اس نے کہا: ''اگر فرنگی قوم میں میری عزت پر حرف نہ آ گیا ہوتا تو میں سلطان سے ایسی کوئی درخواست نہ کرتا۔ مجھے یروشلم وغیرہ سے کوئی غرض نہیں، میں تو صرف ان میں اپنی عزت محفوظ کرنا چاہتا ہوں۔'' [1]

اگرچہ بادشاہ فریڈرک کے پاس کوئی بڑی قوت نہ تھی، اسے پوپ یا یورپ کی طرف سے مکمل تعاون بھی حاصل نہیں تھا۔ اسے یہ امید بھی نہیں تھی کہ عیسائی اسے مزید فوج مہیا کریں گے لیکن سلطان کامل نرم ہو گیا اور مسلمان علماء کی سخت تنقید کے باوجود اس نے جنگ بندی کے بارے میں عیسائی بادشاہ سے اتفاق کر لیا۔ اس سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے فلسطین میں ساحلِ سمندر پر صلاح الدین کے کچھ مفتوحہ علاقے فریڈرک کے سپرد کر دیے گئے۔ معاہدے کی اہم ترین شرط یہ تھی کہ ''بیت المقدس اس کے حوالے کیا جائے گا اور اسے وہاں سے سمندر تک راہداری بھی دی جائے گی۔ [2] اس کے عوض وہاں کوئی حفاظتی تعمیرات نہیں کی جائیں گی۔ اس کی فصیلوں اور قلعوں کی مرمت نہیں کی جائے گی۔ اس کے اردگرد کے علاقوں میں فرنگیوں کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا، مسلمان بیت المقدس میں آباد رہیں گے۔ فریڈرک کے ساتھ مسلمانوں کا بھی ایک گورنر وہاں موجود رہے گا۔ حرم کا خطہ، بشمول صخرہ و مسجد اقصیٰ، مسلمانوں کے قبضے میں رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور کوئی صلیبی فرنگی وہاں زیارت کے سوا کسی اور مقصد سے داخل نہیں ہوگا۔''

جنگ بندی ہوگئی۔ معاہدے کے مطابق کامل نے بیت المقدس سے دست بردار ہو کر اسے فریڈرک کے حوالے کر دیا (یہ پہلی دست برداری ہے)۔ اس نے اس اقدام کی وجہ یہ بتائی کہ یہ سیاسی اقدام ہے اور فریڈرک کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا اور پاپائیت کے خلاف اس کی مدد کرنا مقصود ہے۔ اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ فریڈرک اسلام سے اور مسلمانوں سے محبت رکھتا ہے۔ اسلامی علوم اور اسلامی تمدن سے دلچسپی رکھتا ہے، نیز اس کے نتیجے میں اندرونی دشمنوں سے یکسو ہو کر نبٹا جا سکے گا۔ اس قسم کے مزید عذر بیان کیے جس طرح آج کل کے سیاست دان باتیں بنا لیتے ہیں۔

---

[1] مفرج الکروب: 243/4. [2] الکامل: 482/12، و البدایة والنهایة: 124,123/13، و السلوك: 268/1، و تاریخ الحروب الصلیبیة: 253.

جس بیت المقدس کو سلطان صلاح الدین نے خون دے کر اور اسلحہ کے زور پر دشمنوں سے چھینا تھا، اس کے بارے میں ''کامل'' کے غیر دانش مندانہ اقدام کے نتیجے میں تمام مسلمانوں میں غم واندوہ چھا گیا۔ ''جب قدس میں اعلان کیا گیا کہ مسلمان نکل جائیں اور بیت المقدس کو فرنگیوں کے حوالے کر دیں تو وہاں کے باشندوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ مسلمانوں کے لیے یہ غم ناقابل برداشت تھا۔ انھیں بیت المقدس کے چھن جانے کا شدید غم تھا۔ انھوں نے کامل کے اس اقدام پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسے اس کا انتہائی گھناؤنا اقدام قرار دیا کیونکہ اس مقدس شہر کی فتح اور اسے عیسائیوں سے آزاد کرانا اس کے چچا سلطان صلاح الدین کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔'' [1]

بیت المقدس سے دست برداری کے بعد علمائے کرام نے عوام میں تحریک پیدا کی کہ وہ اسے واپس لینے کے لیے اپنے سرداروں پر دباؤ ڈالیں۔ بہت سے علماء کے مستقل علمی حلقے قائم تھے۔ انھوں نے دروس میں بیت المقدس کے فضائل اور جہاد کے فضائل کو مرکزی موضوع بنا لیا۔ [2]

بعض افراد نے اس حادثے کے بارے میں شعر کہے جن میں ''کامل'' پر تنقید کی اور عوام وخواص کو بیت المقدس واپس لینے کے لیے جدوجہد کرنے کی ترغیب دی۔ دمشق کی جامع مسجد میں بھی کامل پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے عوام کو متحرک کرنے کے لیے اجتماعات اور دروس مسلسل جاری تھے۔ ان میں اس مقصد کے لیے اشعار پڑھے جاتے تھے، مثلاً ایک شاعر نے اپنے قصیدے میں کہا:

عَلٰی قُبَّةِ الْمِعْرَاجِ وَالصَّخْرَةِ الَّتِي تُفَاخِرُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ صَخَرَاتِ

مَدَارِسُ مِنْ اٰيَاتٍ خَلَتْ مِنْ تِلَاوَةٍ وَ مَنْزِلُ وَحْيٍ مَّقْفَرُ الْعَرَصَاتِ

''معراج کا وہ گنبد اور وہ صخرہ جو زمین کے تمام صخروں (چٹانوں) پر فخر کرتا ہے، وہاں قرآن کے مدارس تلاوت سے خالی ہو گئے اور وحی نازل ہونے کا مقام اور اس کے صحن ویران پڑے ہیں۔''

اس کے بعد فریڈرک بیت المقدس میں داخل ہوا۔ اس نے ملک کامل کے ایک وفد کے ہمراہ اس کا دورہ

---

[1] مفرج الکروب: 243/4. [2] مفرج الکروب: 246/4، مقریزی نے ان حالات اور علماء کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''سلطان کے حکم سے القدس میں اس سے مسلمانوں کے نکل جانے اور اسے فرنگیوں کے حوالے کرنے کا اعلان کر دیا گیا، چنانچہ شدید گریہ کیا گیا، سخت چیخ پکار اور رونا دھونا مچ گیا۔ القدس کے ائمہ اور مؤذنین ''کامل'' کے کیمپ کے گرد جمع ہو گئے اور اذان کا وقت نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے خیمے کے دروازے پر (بطور احتجاج) اذانیں دینے لگے جس سے اسے سخت پریشانی ہوئی۔''

کیا۔ اس یورپی بادشاہ نے شروع شروع میں مسلمانوں کے لیے کچھ احترام کا مظاہرہ کیا لیکن دوسرے صلیبیوں کی حرکات وسکنات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شہر پر اس طرح کے قبضے سے خوش نہیں کیونکہ وہ تو شہر سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ چاہتے تھے۔ وہ اسے صرف مذہبی خطہ نہیں بلکہ فوجی اڈا بنانا چاہتے تھے۔ اس کے بعد بادشاہ واپس اپنے ملک چلا گیا اور اس نے کامل کے ساتھ خط کتابت کی صورت میں دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ [1]

فریڈرک اپنی قوم کے لیے مکر وفریب کے ذریعے سے وہ کچھ حاصل کر چکا تھا جو اس کے پیش رو تلوار کی طاقت سے حاصل نہ کر سکے تھے۔

ایوبی خاندان کی صلیبیوں سے آخری ٹکر

بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد یورپ اپنے کچھ اندرونی مسائل میں الجھا رہا۔ عالم اسلامی، خاص طور پر شام میں سلطان کامل کی وفات (635ھ) سے پہلے اور بعد میں ایوبی خاندان میں چھوٹے چھوٹے اختلاف چلتے رہے۔ سلطان کامل نے بادشاہ فریڈرک سے جو دس سالہ معاہدہ کیا تھا، وہ قائم تھا۔ اہل یورپ نے معاہدے کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی ایک نئے صلیبی حملے کی تیاری کر لی تھی تاکہ اس دفعہ طاقت کے بل پر بیت المقدس حاصل کیا جائے۔ اردن کے علاقے کے ایوبی اُمراء کو جونہی یہ خبر ملی، الملک الناصر (داؤد) اپنے ساتھ الملک الصالح (نجم الدین ایوب) کی فوج کا ایک حصہ لے کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوگیا۔ صلیبیوں نے مسلح ہو کر وہاں ایک قلعے کو اپنی محفوظ پناہ گاہ بنا لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ امر سلطان کامل کے ساتھ طے شدہ شرائط کے خلاف تھا۔ 637ھ میں سلطان ناصر اس قلعے تک جا پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے اس پر حملہ کرنے کے لیے منجنیق نصب کر دی۔ انھوں نے ہتھیار ڈال دیے اور سلطان نے انھیں امان دے دی۔ اس نے انھیں وہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دی، پھر اس نے وہ قلعہ منہدم کر دیا جسے فرنگیوں نے محفوظ بنا رکھا تھا۔ بیت المقدس واپس ملنے سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ کامل کی دست برداری کے بعد یہ مقدس شہر دس سال صلیبیوں کے قبضے میں رہا تھا۔ [2]

صلیبی غزہ کے قریب جمع ہوئے لیکن مسلمانوں کے لشکر نے انھیں کسی کارروائی کا موقع نہ دیا بلکہ الملک الصالح (ایوب) کے ایک سردار کی قیادت میں حملہ کر کے انھیں شکست دے دی۔ [3]

---

[1] مفرج الكروب: 246/4، و تاريخ الحروب الصليبية: 254. [2] مفرج الكروب: 246/5، و تاريخ الحروب الصليبية: 262. [3] مفرج الكروب: 268/5، و النجوم الزاهرة: 324,323/6، و تاريخ الحروب الصليبية: 262، و الجبهة الإسلامية في عصر الحروب الصليبية: 267/2.


ہولی رومن ایمپائر (1000ء)
عہد اوٹو اوّل میں حدود (972ء)
عہدِ کونراڈ دوم میں حدود (1032ء)
بحیرۂ بالٹک
ڈنمارک
سویڈن
بحیرۂ شمالی
انگلستان
ریاست سیکسونی
شمالی مارچ
لاسٹر مارچ
زیرمارچ
ریاست فرینکونیا
ریاست بوہیمیا
موراویا
ہنگری
مشرقی مارچ
کارنتھین مارچ
ویرونا مارچ
کارنیولا مارچ
وینس
جمہوریہ وینس
کروشیا
سربیا
فرانس
بادشاہت فرانس
ریاست سوابیا
ریاست بویریا
لومبارڈی
بادشاہت برگنڈی
ریاست ٹسکنی
پاپائی ریاست
ریاست سپولیٹو
ریاست بینی وینٹو
کارسیکا
بحیرۂ روم
بحیرۂ ایڈریاٹک
جنیوا
لیون
ویلنس
نیس
مارسیلز
آرلس
ناربون
بیزیئرس
ٹولوز
بورگوس
بیسانکون
ڈیجون
آٹون
ماکون
کلرموں
لی پوئی
گرینوبل
ایمبرون
ایوینان
چارٹرس
سینس
اورلینز
پیرس
رائمز
چالون
ٹرویس
کلیرواکس
میٹس
ٹریئر
ورمز
ماینس
سپیئر
ہرسباؤ
الم
کونسٹانس
سینٹ گال
زیورچ
باسل
لوزان
جنیوا
ٹیورن
میلان
برسیسیا
ٹرینٹو
ویرونا
پاویا
پارما
موڈینا
بولونا
فلورنس
پیسا
سینینا
پیرگیا
سپولیٹو
روم
ناپلس
بینی وینٹو
پگلیا
باری
راگوسا
سپالیٹو (سپلٹ)
زارا
ترلہ
سیسک
زاغرب
پیکس
بوڈا
راب
سوپرون
البارییجا
گران
وی آنا
پریسبرگ
لنز
فریزنگ
سالزبرگ
پاساؤ
ریجنزبرگ
الچسٹیڈ
رامبرگ
ورزبرگ
روٹن برگ
ہیڈلبرگ
ورمز
ماینس
ٹریئر
میٹس
ثیونویل
ڈیڈنہوفن
ریاست لوئر لورین
ریاست اپر لورین
ریاست زیریں لورین
اینٹورپ
گینٹ
بولون
کینٹربری
برگس
اوتریخت
اوسنابرگ
مونسٹر
منڈن
ہلڈی شائم
گوسلر
ہینرچ برگ
ورمز
ڈورمنڈ
کولون
آخن
لائج
کیمبرائے
اراس
تورنائی
فریسیا
برمین
لونبرگ
ہیمبرگ
میگڈی برگ
برینڈن برگ
ہیولبرگ
میکلن برگ
شلیس وگ ہولسٹین
رپٹن
ہیبے
شلیس وگ
جوسبورگ
کولوبرزگ
ولن
سٹیٹین
ڈانزگ
پرشیا
پومیرانیا
بادشاہت پولینڈ
پوزنان
گنیسنو
دریائے اوڈر
دریائے ویسٹولا
برسلاؤ
اولموز
پراگ
پلسن
بروِن
دریائے ایلب
بوہیمیا
ریجنز برگ
ہرسباؤ
ایگر
ٹرویس
سینس
چارٹرس
پیرس
رائمز
چالون
کلیرواکس
اورلینز
بورگوس
آٹون
ڈیجون
بیسانکون
باسل
زیورچ
سینٹ گال
کونسٹانس
دریائے رائن
دریائے سین
دریائے لوئر
دریائے لوئر
دریائے رون
دریائے پو
دریائے ایڈیج
دریائے ٹائبر
دریائے ٹائبر
دریائے ٹائبر

آپس میں تقسیم ہوگئیں۔ صالح ایوب اور اس سے تعاون کرنے والے سرداروں کے مقابلے میں صالح اسماعیل نے صلیبیوں سے باہمی تعاون کا معاہدہ کرنے سے بھی گریز نہ کیا۔ فطری بات ہے کہ اس تعاون کے لیے صلیبیوں کے بھی کچھ مطالبات تھے۔ سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ بیت المقدس ان کے حوالے کیا جائے اور اس کے ساتھ چند اور اہم جنگی مراکز کو بھی حوالے کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور واقعی ''صالح اسماعیل'' نے 638ھ میں عسقلان، طبریہ اور نصف صیدا کے علاوہ بیت المقدس بھی ان کے حوالے کر دیا۔ اس اقدام سے مسلمان بہت ناراض ہوئے۔ علمائے کرام نے اسماعیل کے اس اقدام پر سخت تنقید کی جن میں سب سے نمایاں شخصیت دمشق کی جامع مسجد کے خطیب عز بن عبدالسلام کی تھی جو برسرعام منبر پر بلکہ اسماعیل کی موجودگی میں اس مجرمانہ فعل کے بارے میں بات کرتے تھے۔ اس وجہ سے صالح اسماعیل بہت پریشان ہوا اور انھیں قید کر دیا، پھر انھیں دمشق سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ [1]

کچھ قلعوں کے کمانڈروں نے اپنے قلعے صلیبیوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا حتی کہ صالح خود وہاں گیا اور ان کا محاصرہ کیا۔ تب انھوں نے قلعے اسماعیل کے حوالے کیے اور اسماعیل نے وہ صلیبیوں کے حوالے کر دیے۔ [2]

صالح اسماعیل کو صلیبیوں سے تعاون کرنے کی وجہ سے خود اس کی اپنی فوج کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، چنانچہ بہت سے فوجی دمشق چھوڑ کر چلے گئے اور مصر میں صالح ''ایوب'' سے جا ملے۔ اس وجہ سے اسماعیل اور اس کے حلیف صلیبی کمزور ہوگئے جو صالح ایوب سے لڑنے کے لیے ایک مشترک لشکر لے کر مصر جانا چاہتے تھے۔ صالح ایوب نے خوارزم کے سرداروں سے خط کتابت کی جو اس عرصے میں منگولوں کے دباؤ کی وجہ سے شام پہنچ چکے تھے۔ اس نے ان سے مدد مانگی تو ان کے ہزاروں شہسوار فلسطین کی طرف چل پڑے۔ انھوں نے راستے میں نابلس پر قبضہ کیا اور وہاں سے صلیبیوں کو مار بھگایا، پھر وہ بیت المقدس پہنچے اور 642ھ میں اسے صلیبیوں سے واپس لے لیا اور وہاں موجود صلیبیوں کو بھگا دیا۔ ان کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی۔ وہ عکا کی طرف چل پڑے۔ راستے میں مسلمان ان پر چھاپے مارتے رہے۔ ان میں سے صرف تین سو کے قریب صلیبی عکا پہنچ سکے۔ [3]

---

[1] ابن عماد حنبلی کی شذرات الذهب: 189/5، 302. [2] مفرج الكروب: 302/5، 332، و البداية والنهاية: 155/13، و تاريخ الوطن العربي و الغزو الصليبي: 214. [3] مفرج الكروب: 336/4، و تاريخ الوطن العربي: 214.

خوارزمی اس کے بعد غزہ کی طرف روانہ ہوگئے تاکہ ''صالح اسماعیل'' اور اس کے صلیبی حلیفوں کے خلاف صالح ایوب کی مدد کر سکیں۔ 642ھ میں ایک شدید جنگ ہوئی جس میں صالح اسماعیل اور اس کے فرنگی ساتھیوں کو شکست ہوئی اور وہ قتل یا گرفتار ہوئے۔ مقتولین میں زیادہ تعداد فرنگی صلیبیوں کی تھی۔ شام کا جو لشکر فرنگیوں کی مدد کر رہا تھا، انھیں زیادہ تر گرفتار کیا گیا۔ ''مسلمانوں کی تلواروں نے فرنگیوں کو دبوچ لیا اور انھیں قتل اور گرفتار کر کے ختم کر دیا۔ ان میں سے شاذ و نادر ہی کوئی بھاگ کر بچ سکا۔'' اس معرکے میں تقریباً تیس ہزار صلیبی قتل ہوئے اور ایک ہزار سے زیادہ گرفتار ہوئے جنھیں مصر روانہ کر دیا گیا۔ [1]

یہ معرکہ صلیبیوں سے تعاون کرنے والوں کے لیے کبھی نہ بھولنے والا سبق تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور ان سے تعاون کرنے والوں کو ناکام کر دیا۔ بہت سے مسلمان فوجیوں نے ان لوگوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا جنھوں نے بیت المقدس کو فرنگی صلیبیوں کے سپرد کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس وقت فرنگی فوجیوں کے ملنے سے ان لوگوں کی قوت میں اضافہ ہوا، اسی وقت مخلص مسلمان فوجیوں کے انھیں چھوڑ جانے سے ان کی قوت میں کمی بھی ہوئی۔

ان واقعات کے نتیجے میں بیت المقدس، صلیبیوں کے تیسرے اور آخری قبضے کے بعد، پھر مسلمانوں کو مل گیا۔ اس کے بعد جب تک اسلامی خلافت قائم رہی، وہ طویل عرصے تک دوبارہ اس پر قابض نہیں ہو سکے، البتہ عثمانی خلافت کے خاتمے کے بعد انگریزی استعمار نے اس پر قبضہ کر لیا اور پھر انگریزوں اور ان کے ہم نواؤں نے اسے یہودیوں کے حوالے کر دیا۔

معرکۂ غزہ کے بعد اسلامی افواج نے ملکِ شام کو صلیبیوں سے تعاون کرنے والوں سے پاک کر دیا اور انھیں ان علاقوں سے بھگا دیا جہاں وہ حکومت کرتے رہے تھے۔ اس کے بعد شامی لشکر نے عسقلان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور اس کا محاصرہ کیا لیکن اسے فتح نہ کیا جا سکا۔ ملک الصالح ایوب کی مصری افواج نے 645ھ میں اسے دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ ایک سخت محاصرے کے بعد اپنی کوشش میں کامیابی حاصل کی اور اسے صلیبیوں سے پاک کر دیا۔ [2]

---

[1] البداية والنهاية: 164/13، و مفرج الكروب: 338/5. [2] مفرج الكروب: 378/4، و البداية والنهاية: 173/13، و صلاح الدين أيوبي:521.

ساتواں اور آخری صلیبی حملہ

''صالح ایوب'' کے دور میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس واپس لے لیا تو یورپ میں بہت شور مچا، چنانچہ پوپ انوسنٹ چہارم اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے یورپ کے بادشاہوں کو ایک نئی صلیبی جنگ کے لیے نکلنے کی ترغیب دی۔ فرانس کے بادشاہ لوئی نہم نے اس پکار پر لبیک کہا جو اس دور میں نصرانیت کا سب سے پرجوش حامی بادشاہ تھا اور تین سال سے اس حملے کی تیاری کر رہا تھا، چنانچہ اس کے پاس تقریباً پچاس ہزار جنگجو جمع ہو گئے جن میں متعدد بادشاہ، نواب، یورپ کے بڑے بڑے مذہبی اور سیاسی لیڈر اور فوجی کمانڈر نمایاں تھے۔ مسلمانوں کو 647ھ میں اس فوج کے روانہ ہونے سے پہلے اس کی اطلاع مل گئی تھی، چنانچہ مسلمانوں نے اس کے مقابلے کی تیاری کر لی۔

صلیبیوں کی اس نئی زیادتی کا مقابلہ کرنے کے لیے صالح ایوب نے دفاعی تیاریوں کی بنفس نفیس نگرانی کی، حالانکہ وہ اس وقت سخت بیمار تھا۔ اس حملے کے دوران میں اسی بیماری سے اس کی وفات ہوگئی۔

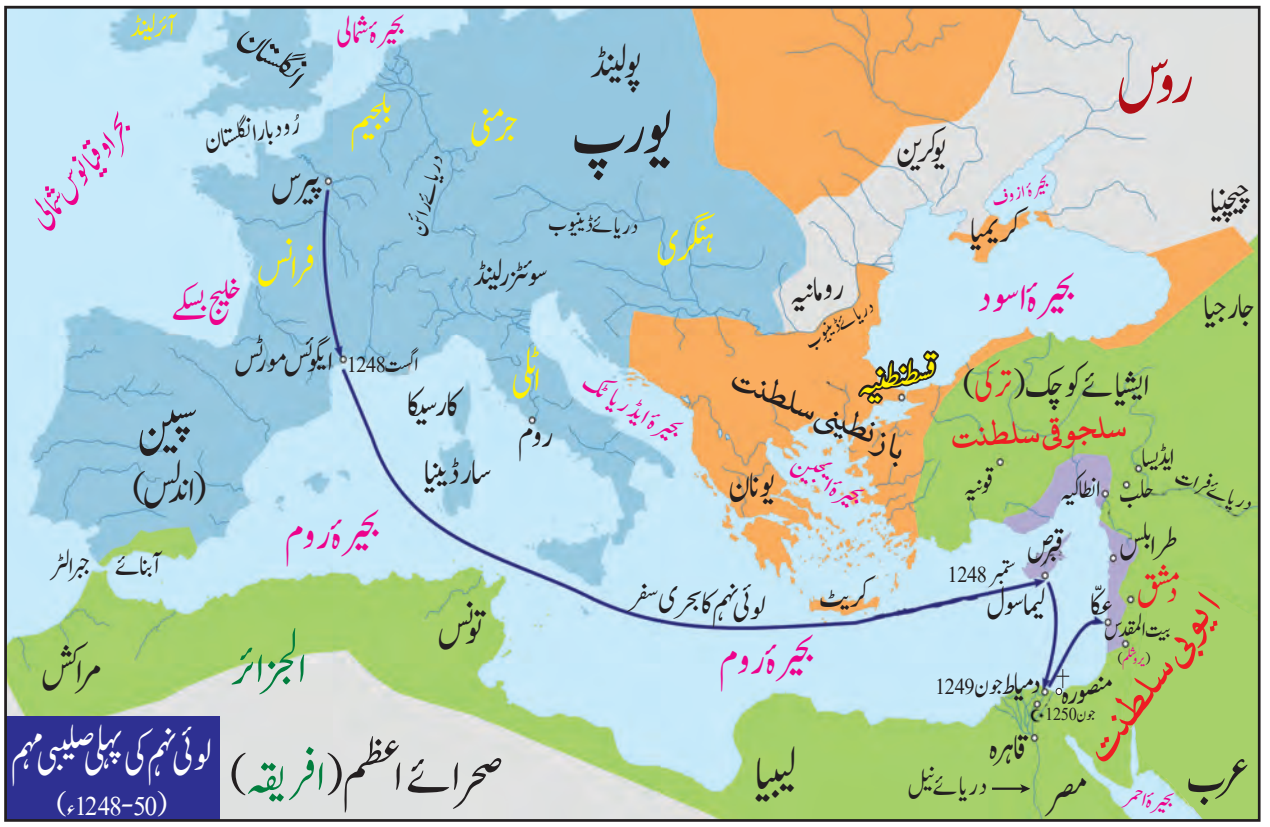

صلیبی ماہ صفر 647ھ میں دمیاط کے قریب پہنچ گئے۔ شہر سے باہر ان کا مقابلہ شہر کی محافظ فوج سے ہوا جس میں صلیبی جیت گئے۔ صلیبیوں کے دمیاط میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہاں کی فوجیں شہر سے نکل گئیں۔ اس وجہ سے وہاں کے باشندوں کو بھی شہر چھوڑنا پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلیبیوں نے کوئی مشقت اٹھائے بغیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے شہر کی مسجد کو دوبارہ گرجا بنا دیا۔ [1]

فرانس کے بادشاہ لوئی نہم نے تکبر کا اظہار کرتے ہوئے اور اپنی طاقت پر بھروسا کرتے ہوئے صالح ایوب کو کئی خطوط لکھ کر دھمکیاں دیں کہ وہ مسلمانوں کا قلع قمع کر دے گا۔ صالح ایوب نے اس کا جواب لکھا اور خط کا اختتام اس آیت مبارکہ پر کیا:

﴿وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝﴾

''ظالموں کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس رخ پلٹتے ہیں۔'' (الشعرآء 227:26)

صالح ایوب نے سخت بیمار ہونے کے باوجود منصورہ میں دفاع کرنے والی مسلمان افواج کو منظم کیا۔ صلیبی دمیاط سے منصورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو پانی سے گھرا ہوا تھا تاکہ مسلمان ان پر حملہ نہ کر سکیں۔ لیکن اچانک ان پر انکشاف ہوا کہ وہ پانی سے گزر کر مسلمانوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ تب وہاں کے رہنے والے کچھ مصری عیسائیوں نے انھیں کم گہری جگہ بتائی جہاں سے گزر کر وہ مسلمانوں تک پہنچ گئے۔ صلیبی لوئی نہم اور دوسرے انگریز اور فرانسیسی کمانڈروں کی قیادت میں منصورہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک عظیم معرکہ برپا ہو گیا۔ اس میں مسلمانوں نے بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور غلاموں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے جن میں بیبرس بندقداری بہت نمایاں تھا۔ وہ بعد میں خاندانِ غلاماں کا سب سے مشہور بادشاہ ہوا۔ اس جنگ کے دوران میں صالح ایوب کی وفات ہو گئی لیکن اس کی بیوی شجرۃ الدُّر نے کسی کو خبر نہ ہونے دی تاکہ مسلمان ہمت نہ ہار دیں۔ جنگ زور شور سے جاری رہی جس میں آخر کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ انھوں نے صلیبیوں کو قتل بھی کیا اور گرفتار بھی حتی کہ لوئی نہم، دمیاط کی طرف فرار ہونے پر مجبور ہو گیا لیکن مسلمان مجاہدین نے اس کا تعاقب کیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے صلیبیوں کے بحری بیڑے پر بھی قبضہ کر لیا اور اس کا کچھ حصہ

---

[1] البداية والنهاية: 177/13، و المواعظ والاعتبار: 219/1، و النجوم الزاهرة: 362/6، و تاريخ الحروب الصليبية: 265.

تباہ بھی ہوگیا اور وہ متکبر بادشاہ مسلمانوں کی قید میں آ گیا۔ [1]

اس نے ماضی میں صالح ایوب اور مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کے باوجود مسلمانوں نے اس سے قید میں اچھا سلوک کیا اور اس کے احترام کا پورا خیال رکھا، پھر اس شرط پر آزاد کیا کہ صلیبی انخلاء کا وعدہ کریں اور جو فوجی اڈے اب تک ان کے قبضے میں ہیں، انھیں چھوڑ جائیں اور دس سال تک مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا وعدہ کریں۔ [2]

غلاموں کا صلیبیوں سے جہاد

صالح ''ایوب'' کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ''توران شاہ'' کو حکومت ملی لیکن وہ کم سن تھا۔ تھوڑے عرصے بعد اسے پراسرار حالات میں قتل کر دیا گیا، چنانچہ مصر میں خاندانِ غلاماں کو اقتدار حاصل ہوگیا۔ اس طرح ایوبی دور ختم ہوا اور وہ دور شروع ہوگیا جسے ''عصرِ ممالیک'' یا ''خاندانِ غلاماں کا دورِ حکومت'' کہا جاتا ہے۔

ممالیک (غلاموں) نے مصر و شام میں ایوبی حکمرانوں سے آہستہ آہستہ حکومتی اختیارات لینا شروع کر دیے تھے۔ اس عرصے میں غلاموں کے سب سے نمایاں بادشاہ ''سیف الدین قطز'' اور ''الظاہر بیبرس'' تھے۔ اس سے تھوڑا عرصہ پہلے اسلامی دنیا پر منگولوں کا حملہ شروع ہو چکا تھا۔ اس کی ابتدا مشرقی علاقوں سمرقند، بخارا، ''مَرْو'' اور ''ماوراء النہر'' سے ہوئی۔ انھوں نے انسانوں کا ایسا وحشیانہ قتل عام کیا کہ انسانی تاریخ میں اس سے قبل اس کی مثال نہیں ملتی، پھر ان کا رخ مغرب میں فارس اور آذر بائیجان کی طرف ہوگیا، پھر عراق اور الجزیرہ کی باری آئی اور بغداد کی اسلامی خلافت واضح خطرے کی زد میں آ گئی۔ [3] اس کے بعد یہ خطرہ ملک شام کے قریب پہنچ گیا جہاں مسلمانوں اور صلیبیوں کی جنگ جاری تھی، چنانچہ مسلمان اس ہولناک حملے کے واقعات کا جائزہ لینے لگے۔ [4]

---

[1] البداية والنهاية: 178/13، و المواعظ والاعتبار: 219/1، و النجوم الزاهرة: 365/6، و عقد الجمان للعيني: 19، و شذرات الذهب لابن عماد: 239/5، و صلاح الدين الأيوبي: 547، و تاريخ الحروب الصليبية: 270.

[2] شاہ لوئی کی رہائی کے لیے معاوضے میں 10 لاکھ بزانٹ (بازنطینی سکہ) اور اس کے امراء کی رہائی کے معاوضے میں 5 لاکھ فرانسیسی اشرفیاں ادا کرنا طے پایا تھا، پھر نئے ایوبی سلطان توران شاہ نے لوئی کے معاوضے کی رقم سے پانچواں حصہ، یعنی 2 لاکھ بیزانٹ چھوڑ دیے۔ (خونریز صلیبی جنگوں کے سربستہ راز، سرجارج ڈبلیو کارکس، ترجمہ عبدالحلیم شرر، نظر ثانی محسن فارانی: 333، 334) و تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 219. [3] آخر کار 656ھ/ 1258ء میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ آور ہو کر عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا، خلیفہ مستعصم باللہ کو شہید کر ڈالا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ (م ف) [4] دیکھیے: فؤاد الصیاد کی المغول في التاريخ: 61، اسماعیل الخالدی کی العالم الإسلامی والغزو المغولی: 47.



لشکرِ ممالیک جنگِ خروکیتیا میں

شام کو بھی منگولوں کے اس حملے کا نشانہ بننا پڑا۔ صلیبیوں نے اس حملے میں حصہ لیا، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس میں وہ بہرصورت فائدے میں رہیں گے۔ اسی طرح یورپی اور شامی صلیبیوں نے منگولوں سے تعاون کیا۔ مصر پر ساتویں صلیبی حملے کے قائد لوئی نہم، شاہِ فرانس نے بھی ان سے تعاون کیا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس بارے میں ان کے درمیان خط کتابت ہوتی رہی۔ [1]

اس تعاون کا نتیجہ مسلمانوں کے خلاف ایک قسم کے مشترکہ اقدام کی صورت میں سامنے آیا۔ اس میں ارمنی عیسائیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ الجزیرہ میں مسلمانوں کے بعض فوجی اڈوں پر حملہ کرنے میں ہلاکو کے لشکر کے ساتھ شریک تھے جن میں ایک فوجی مرکز ''میافارقین'' (ترکی) تھا جو دو سالہ طویل محاصرے کے بعد منگولوں اور ارمنوں کے مشترکہ لشکر کے قبضے میں آیا تھا۔ منگولوں نے وہاں قتل و غارت اور تخریب کاری کی۔ وہاں سے منگول اور ان کے حلیف ارمن ''ماردین'' چلے گئے اور اس پر بھی قبضہ کر لیا، پھر انھوں نے ''نصیبین'' پر قبضہ کیا اور شام کے شمال مشرقی حصے میں متعدد قلعوں پر قابض ہو گئے۔ یہ واقعات 657ھ میں پیش آئے۔ [2]

---

[1] تاريخ الحروب الصليبية: 264، 278. [2] العالم الإسلامي والغزو المغولي: 95-98.

اس کے بعد منگول افواج حلب کے گرد جمع ہوگئیں۔ وہاں کے عیسائیوں نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ انھوں نے شہر پر منگولوں اور ان کے ساتھی عیسائیوں کا قبضہ ہونے میں اپنا کردار ادا کیا۔ منگول وہاں چھ دن قتل عام میں مشغول رہے۔ انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ مسلمان خواتین اور بچوں کو پکڑ لیا جنھیں شام اور یورپ کے صلیبی بازاروں میں فروخت کر دیا گیا۔ انھوں نے مسلمانوں کی مساجد کی بے حرمتی کی۔ ارمنی عیسائی بادشاہ ہیثوم نے حلب کی جامع مسجد کو خود آگ لگائی۔ [1]

حلب شہر کے چھن جانے سے شام کے مسلمان مزید خوف زدہ ہوگئے، چنانچہ ہزاروں مسلمان مصر کی طرف ہجرت کر گئے اور بعض ایوبی سردار جان بچا کر بھاگ گئے، مثلاً دمشق کے امیر ''ملک ناصر ایوبی'' سے یہ حرکت سرزد ہوئی اور کچھ مسلمان سرداروں نے ہتھیار ڈال دیے جس کی وجہ سے شام کے مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہ رہی۔

دمشق کا قلعہ چالیس دن کے مقابلے کے بعد زیر ہوگیا۔ منگولوں اور صلیبیوں نے وہاں کے مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ان کا مال و متاع چھین لیا اور انھیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ خود دمشق کے وہ عیسائی بھی اس کام میں پیچھے نہ رہے جو مسلمانوں کے زیر سایہ اور ان کی حفاظت میں پرامن زندگی گزار رہے تھے۔ جب منگولوں نے شہر فتح کر لیا تو عیسائی اپنے مذہبی گیت گاتے ہوئے گلیوں اور بازاروں میں گھومنے لگے۔ وہ دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں ناقوس بجاتے پھرتے تھے تاکہ مسلمانوں کو زیادہ اذیت پہنچے۔ بلکہ انھوں نے ماہ رمضان میں دن کے وقت دمشق کی مسجدوں میں شراب نوشی کی اور مسجدوں میں شراب انڈیلی اور منگولوں کی حمایت سے بعض مسجدوں کو گرجا گھروں میں تبدیل کر دیا۔ وہ صلیبیں اٹھا کر مسلمانوں کے پاس سے گزرتے تھے اور انھیں صلیب کے احترام میں کھڑا ہونے پر مجبور کرتے تھے۔ [2]

اسی طرح شام کے صلیبیوں نے بلکہ وہاں کے تمام عیسائیوں نے وحشی حملہ آور منگولوں کے ساتھ تعاون کا ثبوت دیا۔ انھیں اگر خیال تھا تو خوں ریزی، دنگا فساد اور زندگی کے تمام مظاہر کو تہس نہس کر دینے کا اور اس کی وجہ محض وہ کینہ تھا جو ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بھرا ہوا تھا اور اب تک بھرا ہوا ہے۔ صلیبیوں کا منگولوں سے یہ تعاون بھی صلیبی جنگوں کا ایک حصہ ہے۔ بلکہ بعض مؤرخین اس سے بڑھ کر یہ بھی

---

[1] النجوم الزاهرة: 47/7. [2] البداية والنهاية: 219/13، و السلوك: 418/1، و تاريخ الوطن العربي والحروب الصليبية: 223.



ممالیک کے مقبرے

کہتے ہیں کہ شام پر منگولوں کے حملے کے پیچھے بھی صلیبیوں کی منصوبہ بندی اور ان سے رابطہ تھا جس کا مقصد منگولوں کی طاقت سے فائدہ اٹھا کر بیت المقدس پر قبضہ کرنا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔ [1]

ساحلی علاقے کے صلیبیوں نے عین جالوت کے معرکے سے تھوڑا پہلے مسلمانوں سے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تھا۔ [2] اس کی پابندی کرتے ہوئے وہ مسلمانوں اور منگولوں کی جنگ میں غیر جانب دار رہے تھے حتی کہ معرکہ ختم ہوگیا۔ تب اسلامی جہاد کا رخ براہِ راست صلیبیوں کی طرف ہوگیا۔ سیف الدین قطز کی وفات کے بعد اس مرحلے میں جہاد کی قیادت ''الظاہر بیبرس'' نے کی۔ اس نے اپنے دس سالہ دور حکومت میں، جس کی ابتدا 659ھ میں ہوئی، کئی جنگیں لڑیں۔ اب چونکہ یورپ سے بڑے صلیبی لشکر آنا بند ہوگئے تھے، اس لیے یہ جنگیں شام میں باقی ماندہ صلیبیوں سے ہوئیں۔ شام کے عربی اور ارمنی عیسائی اور فرنگیوں میں سے باقی بچے ہوئے صلیبی جنھوں نے اس مرحلے میں خود کو منگول قوت سے وابستہ کر لیا تھا، ان کی ہمت ٹوٹنے میں ''عین جالوت'' کی جنگ کا اثر بہت نمایاں تھا، چنانچہ ان کی شکست سے یہ بھی کمزور ہوگئے۔ [3]

---

[1] تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي:221، و المغول في التاريخ: 297، و تاريخ الحروب الصليبية:261.

[2] اس موضوع پر زیر مطالعہ کتاب میں دوسری جگہ بات کی گئی ہے۔ [3] تاريخ الحروب الصليبية:284.

اس کے علاوہ اس جنگ کے نتیجے میں مصر کو تمام عالم اسلام میں بے مثال قائدانہ مقام مل گیا کیونکہ بغداد کی خلافت 656ھ میں بغداد پر منگولوں کے قبضے اور آخری خلیفہ ''مستعصم باللہ'' کے قتل کے نتیجے میں ختم ہوچکی تھی۔ ''ظاہر بیبرس'' نے مصر اور شام کو متحد کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے بعض مخالف سرداروں نے جان چھڑائی اور شام کے اکثر علاقوں کو مصر کی خاندانِ غلاماں کی حکومت کا دوست بنا لیا جس کا نمایندہ اس وقت بادشاہ ''ظاہر بیبرس'' تھا۔ اس نے مصر میں بغاوت کی بعض کوششوں کا خاتمہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی توجہ صلیبیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی طاقت کی تیاری پر بھی مرکوز رہی۔ اس نے لشکر ترتیب دیے، شام کے قلعوں کو مضبوط کرنے اور ان میں اسلحہ اور فوج جمع کرنے کا اہتمام کیا۔ اس دوران میں اس نے اناطولیہ میں صلیبیوں اور منگولوں کے مقابلے میں اسلامی سلجوقی قوتوں سے تعاون کا معاہدہ کیا کیونکہ بیبرس کو اکثر اوقات بیک وقت دو دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ صلیبی تو مسلمانوں کے روایتی دشمن تھے۔ انھوں نے جب وحشی منگولوں سے تعاون کیا تو ان کے بارے میں خاص اور محتاط پالیسی ترتیب دینا ضروری ہوگئی۔ شام کا ساحل اب تک مختلف قوتوں اور حجم کے حامل صلیبی مراکز اور قلعوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان عیسائیوں نے جب مسلمانوں کو منگولوں پر فتح پاتے دیکھا تو وہ سوچنے لگے کہ اب اسلامی جہاد کا رخ ان کی طرف ہونے والا ہے۔ انھیں محسوس ہوا کہ اس مرحلے میں وہ میدان میں اکیلے ہوں گے کیونکہ ساتویں صلیبی حملے میں فرنگیوں کے شکست کھانے کے بعد اور شاہ فرانس لوئی نہم کی گرفتاری کے بعد یورپ کے صلیبیوں کو مسلمانوں پر فتح پانے کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ اس کے نتیجے میں یورپ کا صلیبیوں سے تعاون کافی کم ہوگیا تھا۔

صلیبیوں نے جنگ بندی کے لیے غلاموں سے مذاکرات شروع کیے تو ظاہر بیبرس نے اس مطالبے پر زور دیا کہ تمام مسلمان قیدی آزاد کیے جائیں اور صلیبی ان تمام فوجی اڈوں کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائیں جنھیں مسلمان ''صلاح الدین'' کے دور میں فتح کر چکے تھے۔ انھوں نے یہ مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس امر پر اتفاق کیا کہ فریقین تمام قیدیوں کو رہا کر دیں گے، چنانچہ مسلمانوں نے صلیبی قیدی آزاد کر دیے لیکن انھوں نے عہد شکنی کی اور مسلمانوں کے وہ قیدی آزاد نہ کیے جن پر اتفاق ہو چکا تھا۔[1]

جب صلیبیوں کو خبر ملی کہ بادشاہ ظاہر بیبرس ان سے جنگ کرنے کے لیے ان کی طرف روانہ ہونے کو واقعی تیار ہے تو وہ دوبارہ آ گئے اور ان شروط کو تسلیم کرنے کا اقرار کیا جو ظاہر بیبرس نے پہلے پیش کی تھیں

---

[1] تاریخ الحروب الصلیبیة: 283.

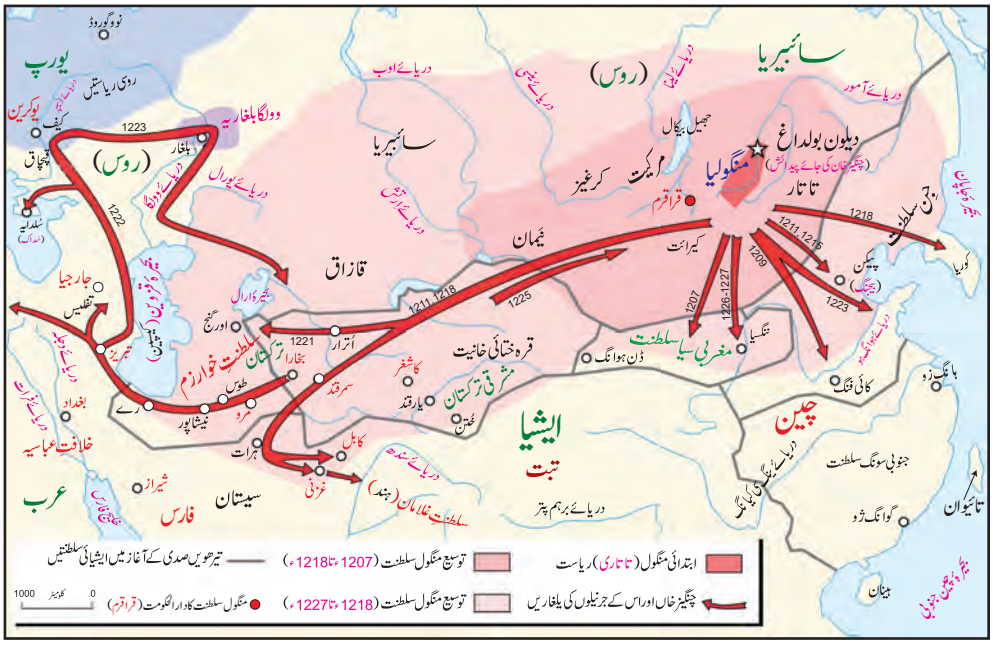

لیکن بیبرس نے یہ کہہ کر جنگ بندی سے انکار کر دیا کہ اب اس کا وقت گزر چکا ہے کیونکہ انھوں نے قیدی رہا کرنے کی شرط پوری نہیں کی، پھر مسلمان افواج جنگ کے لیے کچھ قلعوں کی طرف روانہ ہوگئیں۔ [1]

بیبرس نے مختلف برسوں میں شام میں مختلف صلیبی اڈوں پر بار بار حملے کیے جن میں عکا اور اس کے قریبی قلعوں پر حملہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے جو 661ھ مطابق 1263ء میں کیا گیا۔ اس نے قیساریہ پر بھی حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہ حملے صرف تنبیہ کے طور پر کیے گئے تھے اور ان میں کئی اہم مقامات فتح ہوئے، تاہم ان کے ذریعے سے عیسائیوں کو عکا سے بے دخل نہ کیا جاسکا۔ یہ اس علاقے میں ان کا اہم ترین فوجی مرکز تھا۔ اس کے جواب میں صلیبیوں نے بعض اسلامی مراکز پر حملے کیے جن میں سے ایک بیسان تھا۔ انھوں نے وہاں قتل و غارت کی اور بہت سی غنیمت بھی حاصل کی جس سے انھیں بعض مقامات پر مقابلے میں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ [2]

ظاہر بیبرس نے 663ھ (مطابق 1265ء) میں شامی ساحل کے صلیبیوں پر دوبارہ حملے کی تیاری کی۔ اس بار اس نے بعض خاص اڈوں اور قلعوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، چنانچہ شدید معرکوں کے بعد وہ

---

[1] السلوك: 525/1، و تاريخ الحروب الصليبية: 283. [2] تاريخ الوطن العربي والحروب الصليبية: 234، و تاريخ الحروب الصليبية: 258.

قیساریہ کو ایک بار پھر واپس لینے میں کامیاب ہو گئے۔ [1]

جب یافا کے صلیبیوں کو خبر ملی کہ مسلمان ان کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے اسے آزاد کرا لیا۔ بیبرس نے عکا فتح کرنے کی کوشش کی لیکن صلیبیوں کو قبرص سے کمک پہنچ جانے کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے مقابلے میں ڈٹ گئے، چنانچہ بیبرس کو اگلے سال تک محاصرہ اٹھانا پڑا کیونکہ سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ [2]

ارمنی بادشاہ ''ہیثوم'' نے منگولوں کے ساتھ سب صلیبیوں سے بڑھ کر تعاون کیا تھا۔ شام پر حملہ کرنے میں وہ اپنی فوجوں سمیت ذاتی طور پر ان کی اگلی صفوں میں شریک تھا۔ اس کے علاوہ اس نے حلب کی بربادی اور وہاں مسلمانوں کے قتل عام میں بھی حصہ لیا تھا، اس لیے بیبرس نے اسے سزا دینے کے لیے خاص طور پر ایک لشکر روانہ کیا جو 662ھ مطابق 1266ء میں الناصر ''قلاوون'' کی قیادت میں آرمینیا کی طرف روانہ ہوا۔ مسلمانوں اور آرمینیا والوں میں جنگ ہوئی جس میں ارمنی فوج کو شکست ہوئی۔ بادشاہ ہیثوم کا ایک بیٹا قتل ہو گیا، دوسرا گرفتار ہو گیا۔ اس کے علاوہ ان کے تقریباً چالیس ہزار فوجی قید ہوئے۔ مسلمانوں نے آرمینیا کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور کئی قلعے ارمنی بادشاہ کو اپنا بیٹا چھڑانے کے لیے مسلمانوں کے حوالے کرنے پڑے۔ اس طرح آرمینیا کی قوت کم ہو گئی اور انھیں حملہ آوروں کا ساتھ دینے کی سزا مل گئی۔ [3]

شام اور آرمینیا میں مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کی وجہ سے بعض صلیبی سردار مسلمانوں کے تمام مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بدلے میں وہ ایک محدود مدت کے لیے جنگ بندی کرنا چاہتے تھے۔ ان میں بیروت کی ملکہ ازابیلا بھی شامل تھی۔ ظاہر بیبرس کا صلیبیوں کے خلاف ایک اہم جہادی حملہ رمضان 666ھ مطابق 1268ء میں انطاکیہ پر حملہ ہے۔ مسلمانوں نے اس پر خشکی اور سمندر کی طرف سے حملہ کیا اور ان کی امداد کے راستے روک دیے۔ انھوں نے تین دن کا الٹی میٹم دیا۔ اس کے بعد بری اور بحری محاصرہ سخت کر دیا حتی کہ دفاع کرنے والے مایوس ہو گئے، پھر مسلمان ان کی فصیلوں کے اوپر سے گزر کر ان تک پہنچ گئے اور ان سے شدید جنگ ہوئی۔ آخر کار مسلمانوں کو فتح ہوئی اور وہ صلیبیوں کو بھگا کر شہر کو ان سے واپس لینے میں کامیاب ہو گئے اور اس شہر پر صلیبیوں کا پونے دو سو سالہ قبضہ ختم ہو گیا۔ [4]

---

[1] البداية والنهاية: 244/13، ابن الوردی کی تاریخ: 310/2، وعقد الجمان: 396. [2] تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 234، و تاريخ الحروب الصليبية: 284. [3] النجوم الزاهرة: 141/7، و عقد الجمان: 384، و البداية والنهاية: 251/13، و تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 235. [4] السلوك: 567/1، و البداية والنهاية: 251/13.

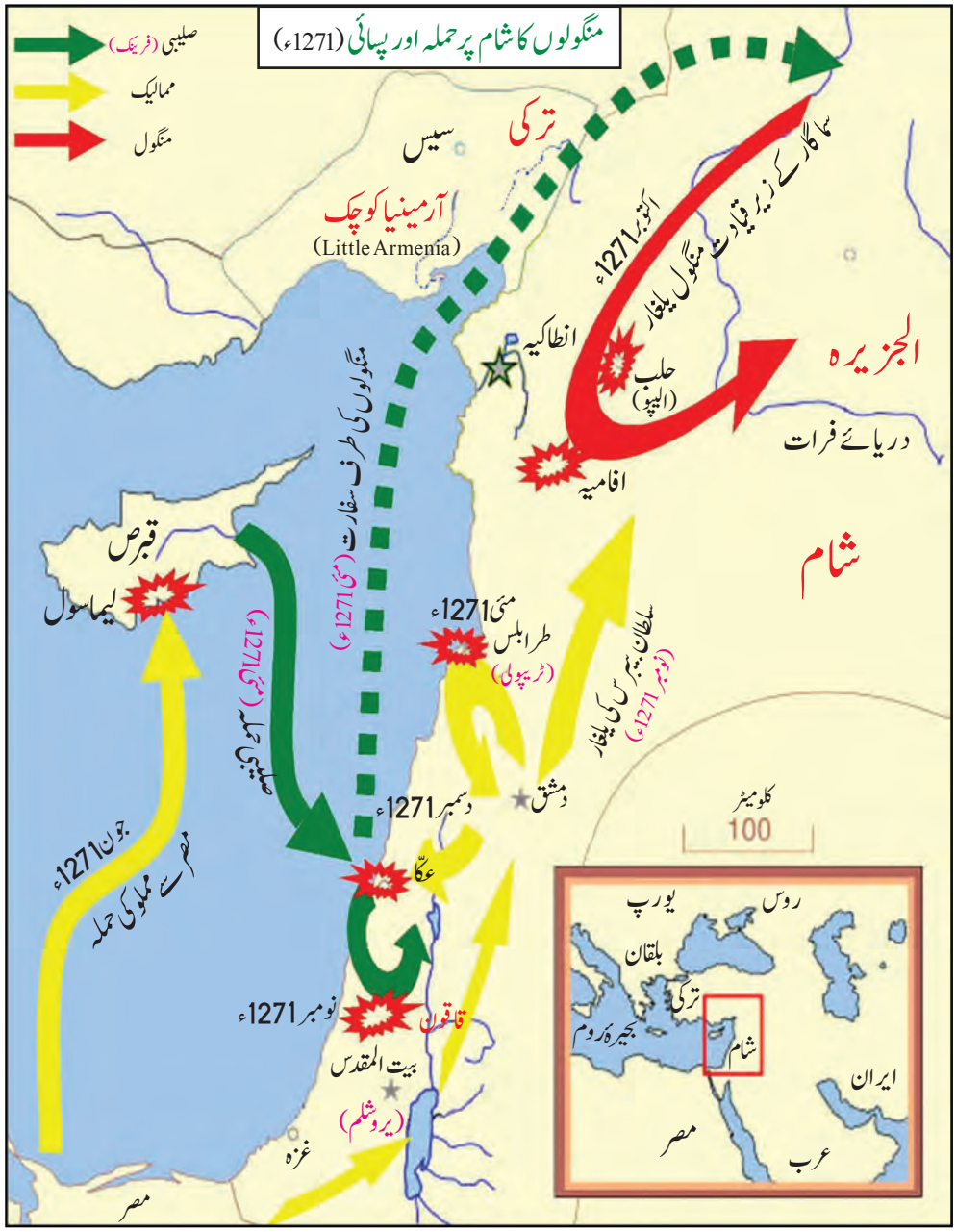

انطاکیہ کی ریاست کی آزادی صلیبیوں کے لیے انتہائی تکلیف دہ چوٹ تھی کیونکہ یہ سب سے قدیم صلیبی ریاست تھی جو پہلے صلیبی حملے کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے اس ریاست کے متعدد صلیبی قلعے بھی فتح کر لیے جو اسلامی شام کے اہم شہروں، حلب وغیرہ کے لیے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ انطاکیہ اور اس

کے قرب و جوار کا علاقہ مسلمانوں کو واپس مل جانے سے خشکی کا وہ راستہ منقطع ہوگیا جس کے ذریعے سے شام کے صلیبی مراکز کا آرمینیا اور بازنطینی سلطنت سے رابطہ قائم تھا۔ اس سے باقی ماندہ صلیبی اڈے بھی کمزور ہوگئے جن میں طرابلس اور عکا کے مراکز اہم ترین تھے۔

انطاکیہ کی آزادی سے شام کی دوسری صلیبی ریاستوں میں ایک قسم کا اتحاد پیدا ہوگیا تھا، بالخصوص عکا اور طرابلس میں جو باقی ماندہ صلیبی ریاستوں میں سب سے اہم تھیں۔ اس اتحاد میں قبرص بھی شامل ہوگیا تاکہ اسلامی جہاد کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک متحدہ صلیبی محاذ قائم کیا جائے۔ مغربی یورپ، بالخصوص فرانس سے جنگجوؤں کے کچھ جتھے آگئے تاکہ اسلامی حملوں کو روکنے میں مدد دے سکیں لیکن وہ اپنا کوئی مقصد حاصل نہ کر سکے۔ خاص طور پر فرانس کے بادشاہ لوئی نہم کا حملہ جو شام کے ساحل تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک بار پھر تیونس میں دم توڑ گیا۔ [1]

بیبرس نے 669ھ (1270ء) میں طرابلس پر حملہ کیا اور اس کے کئی قلعے فتح کر لیے لیکن وہ عکا کو فتح کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اسے عکا کے بادشاہ بوہیمنڈ ششم سے معاہدہ کرنا پڑا۔ بیبرس نے صقلیہ (سسلی) کے بادشاہ سے بھی صلح کر لی لیکن اس نے معاہدے کی پاسداری نہ کی اور بیبرس کے کچھ ایلچیوں کو تنگ کیا۔ مسلمانوں نے بحری بیڑے کے ذریعے سے قبرص پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ [2]

بادشاہ ظاہر بیبرس معاہدہ ہونے کے باوجود قوت تیار کرتا رہا اور بحری جہاز تیار کرتا رہا تاکہ قبرص پر حملے کے نقصانات کی تلافی کر سکے۔ اس دوران میں وہ صلیبیوں کے ساحلی ٹھکانوں پر حملے کرتا رہا جنھوں نے مسلمانوں سے صلح نہیں کی تھی۔

676ھ میں ظاہر بیبرس فوت ہوگیا لیکن اس وقت تک وہ شام میں صلیبیوں کے تسلط کو بہت محدود کر چکا تھا۔ وہ صرف چند ساحلی مقامات پر قابض تھے۔ اس کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں شام کے نقشے سے عیسائیوں کا مکمل خاتمہ یقینی محسوس ہونے لگا۔ اور یہ کام بیبرس کی وفات کے بعد خاندانِ غلاماں کے بادشاہوں نے کیا۔

---

[1] لوئی نہم کی فوج سمندری طوفان میں گھر کر قرطاجنہ (تیونس) کی جگہ جا خیمہ زن ہوئی تھی کہ اچانک ایک وبا شروع ہوئی جس نے سیکڑوں فرانسیسی فوجیوں اور خود بادشاہ لوئی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ (خونریز صلیبی جنگوں کے سربستہ راز: 340) و تاريخ الوطن العربي و الغزو الصليبي: 236، و تاريخ الحروب الصليبية: 258. [2] البداية و النهاية: 259/13، و ابن الوردی کی تاریخ: 314.



صلیبیوں کے آخری گڑھ کا خاتمہ

صلیبیوں اور مسلمانوں کی زور آزمائی جو صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہے، سلطان ناصر قلاوون کے دور میں اپنے آخری مراحل میں داخل ہوگئی۔ اس نے بیبرس کی وفات کے بعد حکومت سنبھالی۔ قلاوون کی توجہ مصر اور شام کی اسلامی صفوں کو متحد کرنے اور بعض سرداروں کی طرف سے علیحدگی کی کوششوں کا خاتمہ کرنے پر مرکوز رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اسلامی افواج کو منظم کرنے اور انھیں سامانِ جنگ مہیا کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے باقی ماندہ صلیبیوں نے قلاوون سے معاہدے کرنے کی کوشش کی۔ اس سے جو بات سب سے نمایاں طور پر واضح ہوتی ہے، وہ صلیبیوں کی طاقت کا کمزور ہونا ہے۔ وہ یہاں تک تسلیم کرنے کو تیار ہوگئے تھے کہ سلطان قلاوون کا ایک نمایندہ ان کے درمیان موجود رہے جو ان کی زمینوں کا نصف خراج وصول کرے۔ اس کے علاوہ قلاوون نے یہ بھی کوشش کی کہ شام کے صلیبیوں کو

یورپ سے مدد ملنے کا سلسلہ ختم ہوجائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے ہم عصر یورپی بادشاہوں سے معاہدے کیے، چنانچہ ان بادشاہوں کی طرف سے صلیبیوں کی مدد کا جوش ٹھنڈا ہوگیا۔ [1]

سلطان قلاوون نے 688ھ میں ایک بڑی فوج تیار کی جس میں مصر اور شام کی افواج شامل تھیں۔ بہت سے علماء، قاضی اور رضا کار مجاہدین بھی اس میں شامل تھے۔ [2]

مسلمانوں نے سمندر اور خشکی کی طرف سے طرابلس کا محاصرہ کرلیا اور ان پر انیس منجنیقوں سے گولہ باری شروع کر دی۔ قبرص کے کچھ جہازوں نے محصورین کی مدد کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ محاصرہ ایک مہینے سے زیادہ دیر تک جاری رہا جس کے بعد مسلمان قوت کے بل پر طرابلس میں داخل ہوگئے اور اس پر اپنا قبضہ قائم کرلیا۔ بہت سے صلیبی قتل ہوئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ قلاوون نے شہر کے دفاعی انتظامات کو بے کار کر دیا۔ قلعوں اور فصیلوں کو منہدم کر دیا تاکہ صلیبی دوبارہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ 688ھ میں طرابلس کی فتح قلاوون کا ایک اہم کارنامہ شمار ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک سو اسی سال سے زیادہ مدت تک عیسائیوں کے قبضے میں رہا تھا۔ قلاوون نے طرابلس فتح کرنے کے فوراً بعد لبنانی ساحل کے بعض اہم مقامات فتح کر لیے جن میں جبلہ، بیروت اور ان کے آس پاس کے قلعے شامل ہیں۔ [3]

689ھ میں جب سلطان قلاوون کی وفات ہوئی تو شام کا اکثر علاقہ صلیبیوں سے پاک ہو چکا تھا اور عکا کے سوا ان کا کوئی مضبوط ٹھکانا باقی نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے الاشرف خلیل نے حکومت سنبھالی جس نے اپنے دورِ حکومت میں صلیبیوں کا آخری قلعہ بھی مسمار کر دیا۔ اس کی جدوجہد سب سے زیادہ عکا کی حکومت ختم کرنے پر مرکوز تھی جو ان دنوں صلیبیوں کا سب سے بڑا گڑھ بن چکا تھا۔

عکا کی ریاست نے سلطان بیبرس کے ایام ہی سے مسلمانوں سے معاہدہ کیا ہوا تھا لیکن جب مسلمانوں نے طرابلس فتح کر لیا تو عکا نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے یورپ سے مدد مانگ لی، چنانچہ یورپ کے اطراف و اکناف سے امدادی فوجیں پہنچنے لگیں تاکہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے جان توڑ کوشش کی جائے۔ نئے یورپیوں نے مسلمانوں کا بالکل لحاظ نہ کیا اور ان سے کیے ہوئے معاہدے بھی فراموش کر دیے۔ عکا میں جو مسلمان تاجر موجود تھے، انھیں قتل کر دیا اور شہر کے قریب کی مسلمان بستیوں پر حملہ کر دیا۔

---

[1] تاريخ الوطن العربي والغزو الصليبي: 240، و تاريخ الحروب الصليبية: 287. [2] البداية والنهاية: 312/13، و ابن الوردی کی تاریخ: 326. [3] السلوك: 748/1 و النجوم الزاهره: 378/7، و البداية والنهاية: 312/13، و ابن وردی کی تاریخ: 334.



انھوں نے وہاں کے بہت سے باشندوں کو شہید کر دیا اور علاقے میں فساد برپا کیا، چنانچہ سلطان خلیل عکا پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ جب عکا والوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے مسلمانوں سے معذرت کرنے کی کوشش کی لیکن سلطان خلیل نے ان کی معذرت قبول نہ کی۔ [1]

سلطان نے سامانِ حرب تیار کرنا شروع کر دیا اور عکا پر حملہ کرنے کے لیے شام میں لشکر جمع کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی سلطان نے قاہرہ میں علماء اور فقہاء کو جمع کیا اور عوام سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کی فتح کے لیے دعائیں کریں۔ اس نے شام کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ضرورت مندوں اور غریبوں میں بہت سا مال صدقہ کیا، پھر سلطان نے عکا کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ شام کے کئی شہروں سے محاصرہ کرنے کے لیے ضروری سامان بھی پہنچ گیا۔ اس محاصرے میں مسلمانوں کی منجنیقوں کی تعداد بانوے تک پہنچ گئی تھی جبکہ اس دوران میں عکا کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے یورپ سے امدادی افواج کثرت سے

---

[1] السلوك: 762/1، و النجوم الزاهرة: 7/8.

آ رہی تھیں۔ عیسائیوں نے اپنے دفاع کے لیے بہت بہادری کا مظاہرہ کیا، تاہم مسلمانوں نے محاصرہ مزید سخت کر دیا۔ سلطان کئی دن تک جنگ کی نگرانی خود کرتا رہا۔ 17 ربیع الآخر 690ھ کو چالیس دن کے محاصرے کے بعد عکا پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ انھوں نے وہاں کے صلیبیوں کو قتل اور گرفتار کیا۔ جو بچ گئے، وہ سمندر میں یورپ کی طرف بھاگ گئے۔ ان میں سے بہت سے لوگ سمندر میں ڈوب کر مر گئے۔ [1]

عکا فتح کرنے کے بعد مسلمان شام میں صلیبیوں کے دوسرے مقامات پر قبضہ کرنے لگے۔ انھوں نے ''صور''، ''حیفا'' اور ''عثلیث'' وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ جو علاقے واپس لیے تھے، ان کے قلعوں اور فصیلوں کو منہدم کرنے لگے تاکہ فرنگی سمندر کی طرف سے واپس آ کر ان قلعوں میں نہ آ بیٹھیں۔ [2]

عکا کی فتح کو ابھی دو مہینے کی مدت نہیں گزری تھی کہ پورا شام فرنگی صلیبیوں کی نجاست سے پاک ہوگیا۔ ان میں سے ایک فرد بھی وہاں باقی نہ رہا۔ انھیں شام اور مسلمانوں کے دیگر علاقوں سے آخری بار نکال دیا گیا۔ اس پر بہت سے شعراء نے اشعار کہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ زَالَتْ دَوْلَةُ الصَّلْبِ وَعَزَّ بِالتُّرْكِ دِينُ الْمُصْطَفَى الْعَرَبِي

هٰذَا الَّذِي كَانَتِ الْاٰمَالُ لَوْ طُلِبَتْ رُؤْيَاهُ فِي النَّوْمِ لَاسْتَحْيَتْ مِنَ الطَّلَبِ

مَا بَعْدَ عَكَا وَقَدْ هَدَّتْ قَوَاعِدُهَا فِي الْبَحْرِ لِلتُّرْكِ عِنْدَ الْبَرِّ مِنْ أَرَبِ

لَمْ يَبْقَ مِنْ بَعْدِهَا لِلْكُفْرِ إِذْ خَرِبَتْ فِي الْبَحْرِ وَالْبَرِّ مَا يُنْجِي مِنَ الْهَرَبِ

''اللہ کا شکر ہے کہ صلیبیوں کی ریاست ختم ہوگئی اور ترکوں کے ذریعے سے نبی عربی مصطفی (ﷺ) کے دین کو عزت مل گئی۔ یہ ایسی امیدیں ہیں کہ اگر انھیں خواب میں نظر آنے کو کہا جاتا تو وہ اس مطالبہ (کو پورا کرنے) سے شرم محسوس کرتیں۔ جب سمندر میں عکا کی بنیادیں ٹوٹ پھوٹ گئیں تو اس کے بعد ترکوں کو خشکی میں بھی کوئی خواہش باقی نہ رہی (جو پوری نہ ہوئی ہو)۔ اس کے ویران ہونے کے بعد کافروں کے لیے سمندر میں یا خشکی پر کوئی ایسی جگہ نہ رہی جو انھیں بھاگنے سے بچا سکے۔''

اس کے بعد قصیدہ کے مزید اشعار ہیں۔ [3]

---

[1] النجوم الزاهرة: 8/8، 11 و البداية والنهاية: 320/13، و ابن الوردی کی تاریخ: 336، 337، و صلاح الدين الأيوبي: 788، و البداية والنهاية: 321/13. [2] السلوك: 764/1-766، و البداية والنهاية: 321/13، و صلاح الدين الأيوبي: 604. [3] البداية والنهاية: 323/13.

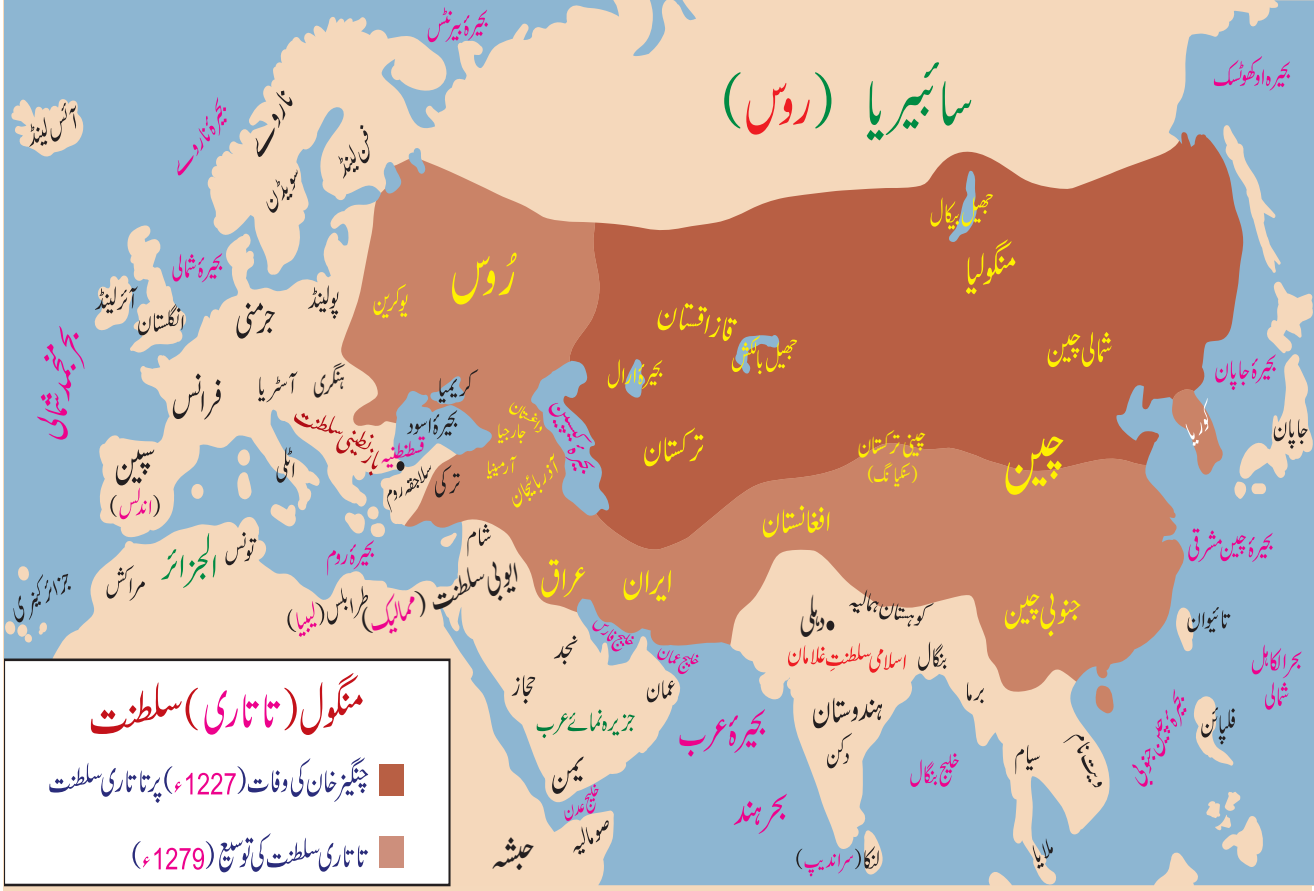



6

عالم اسلام پر منگولوں کی لشکر کشی



عالم اسلام پر منگولوں کی لشکر کشی

ساتویں صدی ہجری کے پہلے چوتھائی حصے میں اسلامی دنیا پر چند مشرک منگول یا تاتاری قبائل کے شدید حملوں کی صورت میں ایک آفت آئی۔ یہ قبائل شامانی مذہب کے پیرو تھے جس میں مظاہر فطرت کی پوجا کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ان میں ایک مضبوط سیاسی تحریک برپا ہوئی جس کا لیڈر چنگیز خاں تھا۔ اس نے کچھ قاعدے قانون وضع کیے جن کے مطابق ان کی زندگی گزرنے لگی۔ یہ ''یاسا'' کے نام سے معروف ہیں۔

منگول حملے سے پہلے اسلامی دنیا تقسیم اور انتشار کی وجہ سے عام ضعف کا شکار تھی۔ ان کے بہت سے رہنما اور لیڈر تھے۔ وہ بہت خودغرض تھے۔ اپنے معمولی مفادات کا حصول ہی ان کا مطمح نظر تھا۔ وہ ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دیتے تھے۔ ان میں عیش وعشرت، خواہش پرستی اور لہو ولعب کا غلبہ تھا۔ ان کی اخلاقی حالت کمزور تھی اور شجاعت کا فقدان تھا۔ علاوہ ازیں عوام میں بدعات کی کثرت تھی۔ ان کے اخلاق اور کردار کمزور تھے۔[1]

---

[1] العالم الإسلامي والغزو المغولي:43.



منگول سلطنت آلتین اوردہ (زریں خانوادہ) کا قدیم دارالسلطنت سرائے باتو (روس)

مشرق میں منگولوں کا سامنا متعدد سیاسی قوتوں سے ہوا۔ ان میں سے ایک خوارزم کی سلطنت تھی۔ اس میں فارس اور خراسان کے وہ علاقے بھی شامل تھے جنھیں آج کل ایران کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ غوری سلطنت تھی جو خوارزم شاہی سلطنت کے جنوب میں افغانستان، شمالی ہند، سندھ اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں پر مشتمل تھی۔ اسماعیلی باطنی فرقہ بھی موجود تھا جس نے بحیرۂ قزوین (Caspian Sea) کے جنوب میں واقع علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ سلجوقی سردار بحیرۂ قزوین کے اردگرد کے علاقوں، اناطولیہ اور اس سے متصل الجزیرہ اور شمالی شام کے کچھ علاقوں پر قابض تھے۔ کچھ ایوبی سردار شام کے شہروں اور قلعوں پر حکومت کر رہے تھے۔ ان سب کے ساتھ ساتھ بغداد میں عباسی خلافت بھی قائم تھی جسے بہت سی مذکورہ بالا حکومتوں پر علامتی اقتدار حاصل تھا۔ وہ انتہائی کمزور تھی اور اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔

اس کے علاوہ عالم اسلامی کے بہت سے شہروں میں باطنی مذاہب پھیلے ہوئے تھے۔ عراق، بحیرۂ قزوین کے جنوب کے اسماعیلی خطوں اور دوسرے بہت سے علاقوں میں پیش آنے والے واقعات انھی کے زیرِ اثر رونما ہوئے تھے۔

منگول جتھے اپنے اصلی وطن سطح مرتفع منگولیا اور وسط ایشیا کے ہمسایہ خطے سے نکلے۔ انھوں نے تندخو



عسکری لہروں کی شکل اختیار کر لی اور مغرب کی طرف چل پڑے۔ انھوں نے اپنے راستے میں آنے والے اسلامی ممالک میں زندگی کے ہر مظہر کو تباہ کر ڈالا۔ ان کی پہلی ٹکر ماوراء النہر کے علاقے میں خوارزم شاہی سلطنت سے ہوئی جس کا سربراہ علاء الدین خوارزم شاہ تھا۔ منگولوں کے اس سیلاب کے ساتھ ظلم و تشدد کا وہ ریلا تھا کہ ان علاقوں کے باشندوں نے ایسا وحشیانہ پن پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس وجہ سے عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں لوگوں کے دلوں پر ان کا رعب پڑ گیا کیونکہ منگولوں نے بخارا، خجند، سمرقند، نسا، ترمذ اور بلخ وغیرہ کے شہروں میں بے دردی سے قتل عام کیا۔

ایک مؤرخ نے منگولوں کے ہاتھوں بخارا کی شکست کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ''کافر شہر میں داخل ہو گئے، انھیں شہر میں جو بھی ملا، اسے لوٹ لیا اور قتل کر دیا۔ ..... انھوں نے مسلمانوں کو گھیر کر پکڑ لیا اور آپس میں تقسیم کر لیا۔ یہ بہت ہولناک منظر تھا۔ مرد، عورتیں اور بچے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ آہ و بکا کا شور برپا ہو گیا۔ انھوں نے عورتوں کو بھی تقسیم کر لیا۔ بخارا اس طرح ویران ہو گیا جیسے کبھی آباد ہی نہیں ہوا تھا۔ انھوں نے عورتوں پر ظلم کی حد کر دی۔ لوگ یہ حال دیکھ کر روتے تھے اور اس مصیبت کو ٹالنے کے لیے کچھ



بخارا کا مدرسہ


منگولیا کی سرحد پر کوہستان الطائی

نہیں کر سکتے تھے۔ بعض افراد نے اس ذلت کو برداشت نہ کرتے ہوئے موت کو ترجیح دی۔ وہ لڑے اور شہید ہو گئے۔ جس نے ہتھیار ڈال دیے، اسے گرفتار کر لیا گیا۔ انھوں نے مسجدوں اور مدرسوں کو آگ لگا دی اور لوگوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔''[1]

دوسرے مؤرخین نے مسلمانوں پر آنے والی اس ذلت کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ منگول ایک کھلے میدان میں بہت سے افراد کو جمع کر لیتے تھے، پھر ان کی مُشکیں کَس دیتے، پھر ذبح کرنے والے انھیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کرتے چلے جاتے تھے جبکہ ذبح ہونے والوں کی طرف سے کوئی قابل ذکر مزاحمت نہیں کی گئی۔ انھوں نے مرو، ہرات اور دوسرے شہروں کو بھی اس طرح مقتل بنایا۔[2]

منگول حملے کے ابتدائی مراحل کے دوران میں علاء الدین خوارزم شاہ کے بعد اس کا بیٹا ''جلال الدین منکبرتی'' حکمران تھا۔ اس نے منگولوں کے مقابلے کے لیے بڑی تعداد میں فوج تیار کی۔ اس نے منگولوں سے کئی جنگیں کیں، بعض جنگوں میں اسے فتح بھی حاصل ہوئی لیکن ان معرکوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ خوارزم شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور جلال الدین میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ جب منگولوں کی قوت اور وحشت کی خبریں اسلامی دنیا میں پھیلیں تو منگولوں کے قریبی علاقوں کی افواج بھی ان سے مرعوب ہو گئیں۔ ان میں سے کچھ نے اپنے مسلمان بھائیوں کی تباہی میں حصہ ڈال دیا، وہ اس طرح کہ انھوں نے منگولوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنے کی کوشش کی اور کچھ ان کے شر سے بچنے کے لیے اپنی کچھ افواج دوسرے مقامات پر جنگ میں ان کی مدد کے لیے بھیجنے لگے۔ عباسی سلطنت نے منگولوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے بروقت اقدامات نہ کیے۔ بعد میں پیش آنے والے افسوس ناک واقعات میں اس تاخیر کا بھی بہت عمل دخل

---

[1] الكامل: 332/9. [2] العالم الإسلامي والغزو المغولي: 81.



تھا حتی کہ جب ہلاکو نے بغداد پر قبضہ کیا تو اس نے خلیفہ مستعصم کو یاد دلایا کہ اس مرحلے میں اس کے کیا فرائض تھے۔ خلیفہ کو گرفتار کرنے کے بعد جب اس نے خلیفہ کے خزانے میں بے شمار مال دیکھا تو سونے کا ایک تھال بھر کر اس کے سامنے رکھا اور اسے کھانے کا حکم دیا۔ مستعصم نے کہا: ''میں سونا کیسے کھا سکتا ہوں؟'' ہلاکو نے کہا: ''جب تجھے معلوم تھا کہ سونا کھایا نہیں جا سکتا تو پھر تو نے اسے کیوں نہ اپنی افواج میں تقسیم کر دیا تا کہ وہ ہمارے لشکر کے حملوں سے تیرے ملک کا دفاع کرتیں؟ تو نے ان لوہے کے پھاٹکوں سے تیر کیوں نہ بنا لیے کہ دریائے جیحون کے کنارے پہنچ کر ہمیں دریا پار کرنے سے روک لیتا؟'' خلیفہ نے کہا: ''تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا۔'' [1]

جب خلیفہ نے اپنی کمزوری اور فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کو تقدیر کی طرف منسوب کر دیا، تب یہ مصیبت ہی اس کے لیے اللہ کی تقدیر تھی۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ.

---

[1] المغول في التاريخ: 267.



قدیم مرو (موجودہ ماری) میں قیز قلعہ، مرو ایک زمانے میں ترکمان سلجوقی سلطنت کا پایۂ تخت تھا



قدیم بغداد شہر کا نقشہ

سقوطِ بغداد اور خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ

عراق تک پہنچنے سے پہلے منگول، عباسی خلافت کے تمام مشرقی صوبوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر چکے تھے لیکن خلیفہ نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ نہ کیا۔ وہ بے فائدہ کاموں میں وقت ضائع کرتا رہا۔ وہ ملکی امور کی انجام دہی میں ایک رافضی وزیر ''مؤید الدین بن علقمی'' پر بھروسا کرتا تھا جو منگول لیڈر ہلاکو سے خفیہ طور پر رابطے میں تھا اور اس سے خط کتابت کرتا رہتا تھا۔ اس وزیر نے عباسی خلافت کے لشکر کو کمزور کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ اس نے لشکر کی تعداد کم کر دی۔ غالباً یہ بھی ہلاکو سے ساز باز کا نتیجہ تھا۔ اس نے ہلاکو کی خوشامد کرتے ہوئے اسے کچھ مال بھی بھیجا۔

653ھ میں ہلاکو نے عباسی خلیفہ مستعصم کو خط لکھا اور اس سے مطالبہ کیا کہ قلعۂ الموت میں اسماعیلیوں کے خلاف جنگ میں مدد دینے کے لیے اپنی فوج بھیجے لیکن خلیفہ نے اس کا مطالبہ تسلیم نہ کیا۔ 655ھ میں ہلاکو خان نے عباسی خلیفہ کو ایک اور خط لکھا جس میں اسے ڈرایا دھمکایا اور مطالبہ کیا کہ خلافت پر اس کا ویسا ہی تسلط ہونا چاہیے، جیسا اس سے پہلے سلاجقہ وغیرہ کو حاصل تھا۔ خلیفہ نے اس کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے دھمکی آمیز خط کے جواب میں ویسا ہی دھمکی آمیز خط لکھا۔ ہلاکو نے جواب میں پہلے سے سخت خط لکھا۔ خلیفہ نے اپنے وزیر ''ابن علقمی'' سے مشورہ کیا۔ اس نے مشورہ دیا کہ فوج کی تعداد کم کر

دی جائے اور اس طرح جو رقم بچے، وہ ہلاکو کو جزیہ کے طور پر ادا کر دی جائے۔ مؤرخین نے اس دور کا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منگولوں کی تیاری اور عباسیوں کی تیاری میں کتنا فرق تھا۔ موصل کے گورنر ''بدرالدین لؤلؤ'' نے ہلاکو کے شر سے بچنے کے لیے اس کے ساتھ مضبوط تعلقات قائم کر لیے تھے جبکہ عباسی خلافت سے بھی اس کے تعلقات قائم تھے۔ اس کے پاس ہلاکو کے ایلچی اور خلیفہ کے ایلچی بیک وقت پہنچے۔ ہلاکو کے سفیروں نے بغداد پر حملہ کرنے کی تیاری کے لیے اسلحے اور منجنیقوں اور فصیلیں توڑنے کے لیے ضروری سامان کا مطالبہ کیا تھا جبکہ خلیفہ کے سفیر ایک مغنیہ کا مطالبہ لے کر آئے تھے جو موصل کے گورنر کے پاس تھی اور اس کی خوبصورت آواز کا شہرہ تھا۔ تب موصل کے گورنر نے کہا:

''ان دونوں ایلچیوں کو دیکھو اور اسلام اور مسلمانوں پر آنسو بہا لو۔''



بیت الحکمت (بغداد) جو کبھی سائنس، فنون اور یونانی علوم کا کتب خانہ تھا

منگول فوجیں بغداد پہنچ گئیں اور اسے مشرق اور مغرب کی طرف سے گھیر لیا۔ بغداد کا دفاع کرنے والی فوج کی تعداد دس ہزار بھی نہ تھی جبکہ اس شہر کی آبادی ایک ملین (دس لاکھ) نفوس سے زیادہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دفاع کے لیے اس سے کہیں زیادہ افراد تیار کرنا ممکن تھا، بشرطیکہ حکام کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت ہوتی۔ شہر کے باشندے بھی ایک حد تک اس صورت حال کے ذمہ دار تھے لیکن ان سب نے لاپروائی اختیار کی۔ ایک مؤرخ اس وقت دست یاب لشکر کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''بغداد کی فوج انتہائی قلیل تعداد میں تھی، وہ بے حد کسمپرسی کی حالت میں تھی۔ ان کی تعداد دس ہزار سواروں تک بھی نہیں پہنچتی تھی۔ یہ بھی لشکر کا بچا کھچا حصہ تھا۔ ان سب کو جاگیروں سے بے دخل کر دیا گیا تھا حتی کہ بہت سے سپاہی مسجدوں کے دروازوں پر اور بازاروں میں بھیک مانگتے تھے۔ شعراء نے ان کی حالت زار پر نظمیں لکھیں جن میں اسلام



ہلاکو خلیفہ مستعصم باللہ کو اس کے خزانے کے ساتھ قید کرتا ہے (پندرہویں صدی عیسوی کی ایک تصویر)

اور مسلمانوں پر افسوس اور غم کا اظہار کیا۔ یہ سب کچھ رافضی وزیر ابن علقمی کے مشوروں کا نتیجہ تھا۔''[1]

لشکر میں موجود افراد کی ظاہری حالت تو اچھی تھی لیکن وہ ذہنی طور پر شکست خوردہ تھے۔ ایک مسلمان گھوڑ سوار بیان کرتا ہے کہ منگول سواروں اور مسلمان سواروں کے درمیان ظاہری طور پر کیا فرق تھا اور اس کا کیا نتیجہ تھا۔ وہ کہتا ہے: ''ہمارا سوار جب آگے بڑھ کر مبارزت (چیلنج) کرتا تو اس کے نیچے عربی گھوڑا ہوتا اور وہ مکمل ہتھیاروں سے لیس ہوتا۔ وہ ایک بڑا پہاڑ محسوس ہوتا۔ اس کے مقابلے میں منگول سوار نکلتا، اس کا گھوڑا ایسا ہوتا جیسے گدھا ہو اور اس کے ہاتھ میں ایسا نیزہ ہوتا جیسے سوت کاتنے کا تکلا ہو۔ اس نے نہ اچھا لباس پہن رکھا ہوتا، نہ عمدہ ہتھیار۔ جو دیکھتا اس کا مذاق اڑاتا لیکن دن ختم ہونے سے پہلے انھیں ہم پر فتح حاصل ہوگئی۔ انھوں نے ہمیں بری طرح شکست دے دی۔ اس سے مصیبت کے دروازے کھل گئے، پھر جو معاملہ ہوا، وہ محتاج بیان نہیں۔''[2] محاصرے کے دوران میں رافضی وزیر ''مؤید الدین بن علقمی'' اپنے بیٹوں، خادموں اور پیروکاروں کے ساتھ ہلاکو سے ملاقات کے لیے نکلا۔ وہاں اس کا بہت اعزاز و اکرام سے استقبال ہوا۔ ہلاکو کے بغداد پہنچنے سے پہلے بھی اس کا ہلاکو سے رابطہ تھا۔ ہلاکو کے حکم سے ابن علقمی بغداد

---

[1] البداية والنهاية: 13/200، 201. [2] ابن طباطبا کی الآداب السلطانية: 69، ابن طباطبا کا یہ بیان امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان سے بالکل متضاد ہے اور بظاہر امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا بیان درست ہے۔ (مترجم)

آ گیا اور خلیفہ کو مشورہ دیا کہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے جائیں۔ خلیفہ سچ مچ 4 صفر 656ھ کو ہلاکو سے ملاقات کے لیے روانہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ سات سو افراد تھے جن میں اس کے درباری، خادم، شاہی خاندان کے افراد، قاضی اور علماء شامل تھے۔ وہ جونہی ہلاکو کے کیمپ میں پہنچے، ان کی پے در پے توہین اور بے عزتی ہونے لگی۔ خلیفہ اور اس کے ساتھ سترہ اہم افراد کو ہلاکو سے ملاقات کے لیے منتخب کیا گیا۔ باقی سب کے سب تہ تیغ کر دیے گئے اور ان کا مال لوٹ لیا گیا۔ [1]



اس کے بعد ہلاکو نے خلیفہ سے ملاقات کی اور اس سے مال و دولت اور خزانوں کے بارے میں دریافت کیا، پھر اس کے ساتھ وزیر ابن علقمی اور رافضی نصیر الدین طوسی کو بھیجا کہ وہ اس سے کچھ خزانہ قبضے میں لے کر محفوظ کر لیں۔ تب خلیفہ نے اپنے گھر میں سے بہت سا سونا اور جواہرات پیش کر دیے اور باقی چیزیں چھپا لیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہلاکو خود خلیفہ کے ساتھ اس کے گھر تک گیا اور کہا: ''تو میزبان ہے اور ہم مہمان ہیں۔''

خلیفہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس کے خزانوں کے تالے توڑے گئے اور ہزاروں دینار اور نفیس ترین جواہر نکال لیے گئے۔ ہلاکو نے انھیں کوئی اہمیت نہ دی بلکہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیے، پھر ہلاکو نے خلیفہ سے اصرار کیا کہ مدفون خزانوں کا پتا بتائے۔ خلیفہ نے شاہی محل کے درمیان ایک جگہ کھودنے کو کہا تو وہاں ایک حوض نکلا جو خالص سونے کے بڑے بڑے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہلاکو نے خلیفہ کو ملامت کرتے ہوئے کہا: تم نے یہ سارا سونا کس لیے سنبھال رکھا تھا؟ اسے فوج پر کیوں خرچ نہیں کیا؟

جب ہلاکو نے خلیفہ سے جو چاہا، لے لیا تو اسے بہت بری طرح قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہوں کا خون اگر زمین پر گر جائے تو اس کا انتقام ضرور لیا جاتا ہے، اس لیے خلیفہ کو بوری میں بند

---

[1] البداية والنهاية: 203/13.

کر کے اس پر قالین ڈال دیے گئے (تاکہ مرنے پر اس کا خون زمین پر نہ گرے،) اور اسے پاؤں سے کچل کر مار دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ خلیفہ کے اوپر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ اسے لاتیں مار رہے تھے حتی کہ وہ فوت ہو گیا۔ [1]

اس سے پہلے اور بعد میں بغداد کے مسلمانوں کو بلا امتیاز قتل کیا گیا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وہ شہر پر پِل پڑے اور جو مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور جوان قابو آئے، سب کو قتل کر دیا۔ بہت سے لوگ کنوؤں، ٹٹی خانوں اور گندے نالوں میں چھپ گئے اور کئی دن اسی طرح گزار دیے۔ بہت سے لوگ کسی سرائے میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیتے تھے۔ تاتاریوں نے ان کے دروازے توڑ دیے یا جلا دیے اور اندر داخل ہو گئے۔ جو لوگ عمارتوں کے بالائی حصوں اور چھتوں کی طرف بھاگے تو انھیں چھتوں ہی پر قتل کر دیا گیا حتی کہ پرنالوں میں خون بہہ کر گلیوں میں گرنے لگا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.



چھوٹی بڑی مسجدوں اور خانقاہوں میں بھی یہی حال ہوا۔ صرف ذمی اور عیسائی بچے یا وہ بچ سکے جنھوں نے ان کی پناہ حاصل کر لی یا جنھوں نے رافضی وزیر ''ابن علقمی'' کے گھر میں پناہ لے لی۔ کئی تاجروں نے بڑی بڑی رقمیں ادا کر کے ان سے پناہ حاصل کی تو ان کی جانیں اور مال محفوظ رہے۔'' [2]

منگولوں نے اہلِ بغداد کا قتل عام کیا حتی کہ ایک اندازے کے مطابق آٹھ لاکھ انسان موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ قتل و غارت کا سلسلہ تقریباً چالیس دن تک جاری رہا۔ بغداد کی جامع مسجد میں اس قتل عام سے چونتیس دن بعد جو آخری خطبہ دیا گیا، اس میں خطیب نے کہا: ''تعریف اس اللہ کی ہے جس نے مضبوط عمارتیں بنانے والوں کو موت کے ذریعے سے منہدم کر دیا اور اس شہر والوں کے لیے فنا کا فیصلہ دے

---

[1] البداية والنهاية: 13/203. [2] البداية والنهاية: 13/202,201.

دیا..... یا اللہ! اس مصیبت میں ہمیں پناہ دے۔ ایسی مصیبت اسلام اور مسلمانوں پر کبھی نہیں آئی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ.

انھوں نے شہر کی مسجدوں اور مکانوں کو توڑ پھوڑ دیا اور ''شہر میں موجود علمی کتابیں جلا دی گئیں جن میں ایسے علوم وفنون تھے جو دنیا میں اور کہیں نہیں تھے۔ کہتے ہیں: انھوں نے ان کتابوں کو اینٹوں کی طرح گارے سے جوڑ کر ایک پل بنا لیا تھا۔''[1] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لوگ اتنی زیادہ تعداد میں قتل ہوئے کہ ہوا بدبودار ہوگئی حتی کہ بغداد میں موجود منگولوں کو، جن میں ہلاکو سرفہرست تھا، شہر سے نکلنا پڑا۔



ہلاکو خان بغداد کا محاصرہ کرتے ہوئے

ہلاکو نے خلیفہ کے سابق رافضی وزیر مؤید الدین بن علقمی کو بغداد میں اپنا نائب مقرر کیا۔ سقوطِ بغداد کا مسلمانوں اور غیر مسلموں، سب پر بہت اثر پڑا کیونکہ اس کے سقوط سے وہ اسلامی خلافت ختم ہوگئی جس کی نمائندگی عباسی کر رہے تھے جنھوں نے پانچ صدیوں سے زیادہ حکومت کی۔ اگرچہ اس دوران میں مسلمانوں کی کمزوری اور لاچاری کے وقفے بھی آتے رہے، اس کے باوجود خلافت کو مسلمانوں کا مذہبی نشان اور علامت سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے اس کثرت سے قتل ہونے کا مختلف علاقوں کے مسلمانوں پر بھی اثر پڑا۔

---

[1] النجوم الزاهرة: 51/7.

اس کے علاوہ بغداد مسلسل پانچ صدیوں تک اسلامی دنیا کا مرکز رہا تھا جہاں ہر دور میں علماء، ادباء اور مفکرین موجود رہے۔

سقوط بغداد پر متعدد شعراء نے مرثیے لکھے جنھیں بلند پایہ شاعری تسلیم کیا گیا، مثلاً ایک شاعر نے کہا:

لِسَائِلِ الدَّمْعِ عَنْ بَغْدَادَ أَخْبَارٌ فَمَا وُقُوفُكَ وَالْأَحْبَابُ قَدْ سَارُوا؟

''بہتے ہوئے آنسو بغداد (پر گزرے ہوئے حوادث) کی خبریں سناتے ہیں۔ تو کیوں ٹھہرا ہوا ہے؟ احباب تو چلے گئے۔''

يَا زَائِرِينَ إِلَى الزَّوْرَاءِ لَا تَفَدُوا فَمَا بِذَاكَ الْحِمٰى وَالدَّارِ دَيَّارُ

''اے زوراء جانے والو! فدیہ پیش نہ کرو۔ اس وطن اور اس شہر میں اب کوئی نہیں رہتا۔''

تَاجُ الْخِلَافَةِ وَالرَّبْعُ الَّتِي شَرُفَتْ بِهِ الْمَعَالِمُ قَدْ عَفَاهُ إِقْفَارُ

''خلافت کا تاج اور وہ مقام جس سے ان نشانات کو شرف حاصل تھا، ویرانی نے سب کچھ مٹا دیا۔''

أَضْحٰى لِعَطْفِ الْبِلٰى فِي رَيْعِهِ أَثَرٌ وَلِلدُّمُوعِ عَلَى الْآثَارِ آثَارُ

''اس کی زمین پر بار بار ویران ہونے کے نشان ہیں اور ان نشانات پر آنسوؤں کے نشان ہیں۔''[1]

اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک بت پرست غیر مہذب قوم کے ہاتھوں ہوا جس نے کسی کے احترام کا خیال نہ کیا لیکن یہود و نصاریٰ کو کچھ نہ کہا۔

بغداد میں مسلمانوں پر آنے والی آفت سے دنیا کے مختلف علاقوں کے عیسائی بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اسے مسلمانوں کے خلاف اپنی جنگ شمار کیا کیونکہ یہ حالات صلیبی جنگوں کے آخر میں پیش آئے۔ اس کے علاوہ منگولوں کے بعض خان اپنے گھروں میں عیسائی بیویاں رکھتے تھے، اس لیے عیسائیوں نے ان واقعات کو اپنے کارنامے شمار کیا اور اپنی منصوبہ بندیوں کا نتیجہ قرار دیا، خاص طور پر اس لیے بھی کہ ہلاکو کے دربار کے صلیبی بادشاہوں سے دوستانہ تعلقات تھے اور ایک دوسرے کی طرف ان کے سفیر آتے جاتے رہتے تھے۔

---

[1] النجوم الزاهرة: 50/7.



منگولوں کا شام پر حملہ

عراق سے فارغ ہو کر منگول شام اور الجزیرہ کی طرف چل پڑے۔ بغداد میں ان کی فتوحات اور خوں ریزی کی خبریں ان سے پہلے پہنچ چکی تھیں جس کی وجہ سے عوام اور سردار سب گھبرا گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے سرداروں نے منگولوں کی فوج پہنچنے سے پہلے ہی ان کے سفیروں ہی سے اطاعت قبول کرنے کا اظہار کر دیا۔ انھوں نے جو کچھ مانگا، انھیں مہیا کرنے کا وعدہ کر لیا حتی کہ بعض سرداروں نے اپنی کچھ مسلمان فوج بھی بھیج دی تا کہ وہ مسلمانوں کے دوسرے مقامات پر قبضہ کرنے میں حملہ آوروں کے ساتھ شریک ہو جائے۔ اس کے علاوہ شام اور آرمینیا میں عیسائیوں نے، بالخصوص آرمینیا کے بادشاہ ہیثوم نے منگولوں سے ہر طرح کا تعاون کیا اور شام کے بعض شہروں، مثلاً: حلب اور دمشق پر حملہ کرنے میں ان کے ساتھ شریک ہوا حتی کہ وہ فلسطین تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور پھر مصر کے قریب پہنچ گئے۔ [1]

---

[1] دیکھیے گزشتہ صفحات میں عنوان ''خاندانِ غلاماں کا صلیبیوں سے جہاد''۔

عینِ جالوت کا معرکہ

جب منگول فلسطین پہنچ گئے تو ان کا اگلا ہدف مصر تھا جو اسلامی دنیا کی پہلی جائے پناہ کی حیثیت رکھتا تھا اور اسے وہ قوت حاصل تھی جو منگولوں کا سامنا کر سکتی تھی اور ان کے کینے کی اس آگ کو بجھا سکتی تھی جس

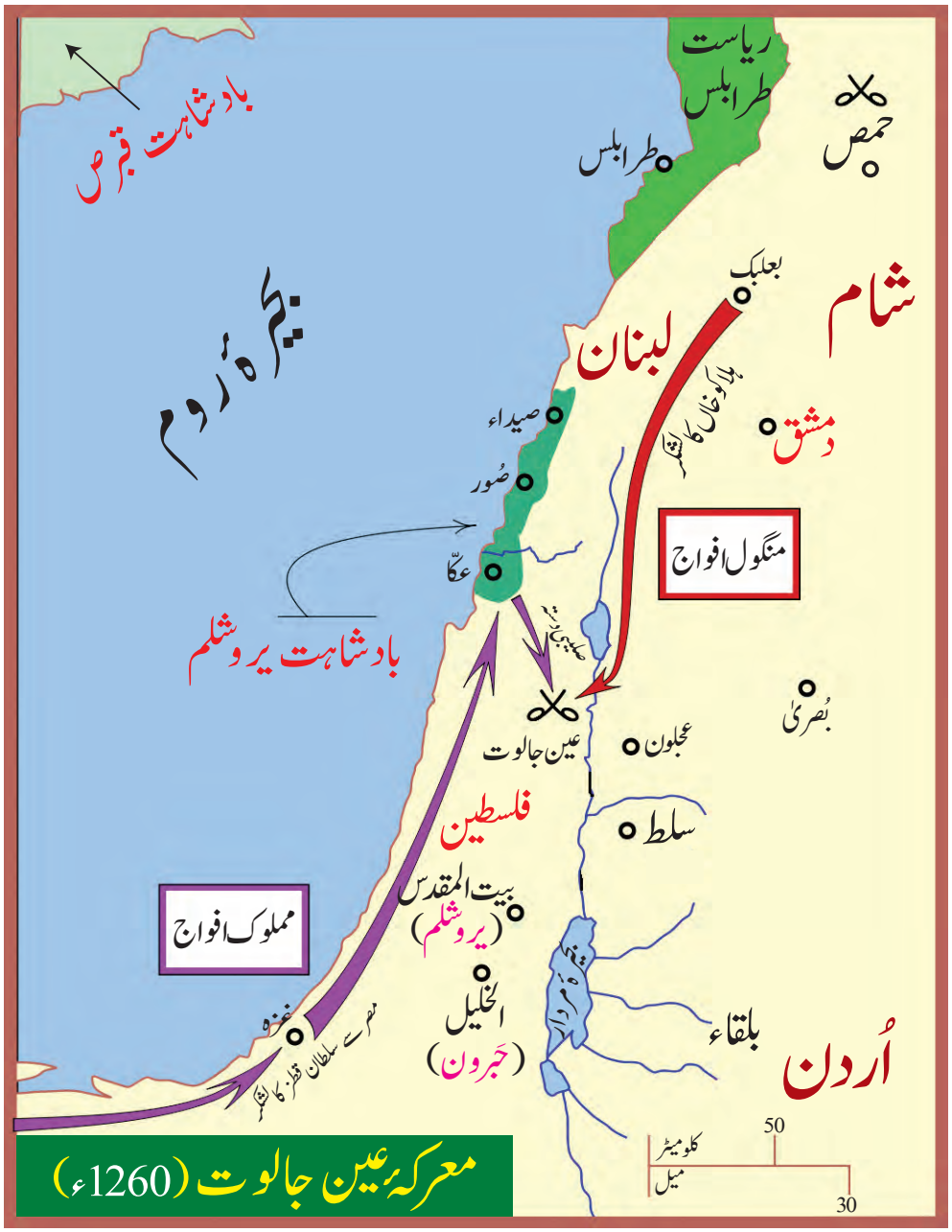

نے اسلامی دنیا کے مشرق کے علاوہ عراق اور شام کو جلا کر رکھ دیا تھا۔ منگولوں کا لیڈر ہلاکو[1] مصر پر قبضہ کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اپنے کسی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے اس نے مصر میں خاندانِ غلاماں کے سلطان ''سیف الدین قطز'' کے نام ایک دھمکی آمیز خط لکھا۔ اس خط کا کچھ حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اس نے لکھا: ''الملک المظفر قطز کو، اس کی سلطنت کے تمام سرداروں کو اور مصر میں اس کی مملکت کے تمام باشندوں کو اور اس کے اردگرد کے علاقوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم روئے زمین پر خدائی لشکر ہیں، اس نے ہمیں اپنے غصے میں سے پیدا کیا ہے اور ہمیں ان لوگوں پر مسلط کیا ہے جن پر اس کا غضب نازل ہوا ہے۔ تمھارے لیے تمام ملکوں میں عبرت ہے (جن پر ہم نے قبضہ کیا ہے) اور ہمارا عزم تمھارے لیے ایک تنبیہ ہے، لہٰذا دوسروں کو دیکھ کر سمجھ جاؤ اور اپنی حکومت ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ جب پردہ اٹھے گا تو تمھیں ندامت ہوگی اور تمھیں اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ ہم کسی رونے والے پر ترس نہیں کھاتے اور کسی شکایت کرنے والے پر نرمی نہیں کرتے۔ تم نے سن لیا ہے کہ ہم نے بہت سے شہر فتح کر لیے ہیں، زمین کو فساد سے پاک کر دیا ہے اور اکثر بندوں کو قتل کر دیا ہے۔ اب تمھارا کام ہے بھاگنا اور ہمارا کام ہے تعاقب کرنا۔ اب کون سی زمین تمھیں پناہ دے گی؟ کون سا ملک تمھیں نجات دے گا؟ کون سا شہر تمھیں بچائے گا؟ ہماری تلواروں سے بچنا ممکن نہیں اور ہماری ہیبت سے چھوٹ جانے کی کوئی صورت نہیں۔ ہمارے گھوڑے سب سے آگے نکل جاتے ہیں، ہمارے تیر (جسموں میں) سوراخ کر دیتے ہیں، ہماری تعداد ریت کے ذروں کی طرح (بے شمار) ہے۔ ہمارے نزدیک (تمھارے) قلعے (تمھارے لیے) بے فائدہ ہیں۔ ہم سے لڑنے کے لیے لشکر بے کار ہیں، ہمارے خلاف تمھاری دعائیں قبول نہیں ہوتیں کیونکہ تم حرام کھاتے ہو۔ بات کرتے وقت گناہ سے نہیں بچتے ہو، عہد و پیمان میں خیانت کرتے ہو۔ تم میں نافرمانی اور عصیان عام ہے، اس لیے تمھیں ذلت کی خوشخبری ہے:

﴿فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝﴾

''آج تمھاری جزا ذلت والا عذاب ہے کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور تم فاسق تھے۔'' (الأحقاف 20:46)

---

[1] ہلاکو خان چنگیز خان کا پوتا اور تولی خان کا بیٹا تھا۔ چنگیز خان کی وفات (1227ء) پر تاتاری سلطنت تقسیم ہوئی تو ایران تولی کے بیٹوں کے حصے میں آیا اور انھوں نے یہاں ایل خانی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

﴿وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝﴾

''ظالموں کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس رخ پلٹتے ہیں۔'' (الشعرآء 227:26)

جو ہم سے جنگ کرنا چاہتا ہے، (آخر کار) نادم ہوتا ہے اور جو ہماری امان حاصل کر لیتا ہے، سلامت رہتا ہے۔ اب اگر تم ہماری شرطیں اور ہمارے احکام مان لو تو جو ہمارے حقوق ہیں، وہی حقوق تمھارے بھی ہوں گے اور جو ہمارے فرائض ہیں، وہ تمھارے فرائض ہوں گے۔ اگر تم مخالفت کرو گے تو تباہ ہو جاؤ گے، اس لیے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاک نہ کرو۔ جس نے (خطرناک چیز سے) خبردار کر دیا، اس کی طرف سے عذر ختم



منگولوں پر مملوک فوج کا دھاوا (وکی پیڈیا)

ہو گیا۔ تمھیں یقین ہے کہ ہم کافر ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ تم فاسق و فاجر ہو۔ تم پر ہمیں اس (اللہ) نے مسلط کیا ہے جس کے قبضے میں تمام معاملات اور طاقت ہے اور اس کے احکام تدبیر والے ہیں۔ تمھاری کثیر تعداد ہماری نظر میں قلیل ہے اور تمھارا معزز ہماری نظر میں ذلیل ہے۔ اور تمھارے بادشاہوں کے لیے ہمارے پاس اہانت کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا بات لمبی نہ کرو اور جلد از جلد جواب دو۔'' [1] آخر تک خط کا یہی انداز تھا۔

---

[1] السلوك:1/427.

خاندانِ غلاماں کا بادشاہ ''سیف الدین قطز'' نیکی اور تقویٰ میں مشہور تھا۔ اکثر نمازیں باجماعت ادا کرتا تھا۔ شراب، لہو ولعب اور محرمات سے دور رہتا تھا۔ اسلام اور مسلمانوں سے مخلص تھا۔ لوگ اس سے محبت کرتے اور اسے دعائیں دیتے تھے، حالانکہ اس نے صرف چند مہینے حکومت کی تھی۔ [1]

سیف الدین قطز کو ہلاکو کا خط ملا تو اس نے علماء، کمانڈروں اور سرداروں کو جمع کیا اور اسے خط کا جواب دینے کے لیے ان سے مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے اس بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا۔ کچھ بزدل تھے۔ انھوں نے قطز کو منگولوں اور ان کے سردار ہلاکو کی اطاعت قبول کرنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے کہا: ان لوگوں سے جنگ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے پہلے وہ ہر کسی پر فتح یاب ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ ہم پر بھی فتح پا لیں گے۔ ان بزدلوں نے قطز کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ اسے شام اور عراق وغیرہ میں منگولوں کے وحشیانہ پن کے حالات سنا کر ان کے دبدبے سے ڈرانے کی کوشش کی۔ بعض نے یمن یا مغرب کی طرف بھاگ جانے کی تجویز پیش کی لیکن قطز کی رائے دانش مندانہ اور دوٹوک تھی کہ وہ ان حملہ آوروں سے جنگ کرے گا جنھوں نے قتل و غارت کی، فساد پھیلایا اور عزتیں پامال کیں، اس لیے جو سردار اور کمانڈر جنگ نہ کرنے کی رائے رکھتے تھے، ان کے جواب میں اس نے کہا: ''اے مسلمانوں کے امیرو! تم ایک عرصے سے بیت المال کا مال کھا رہے ہو اور تم جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ میں (جنگ کے لیے) روانہ ہو رہا ہوں۔ جو شخص جہاد کرنے کا فیصلہ کرتا ہے، وہ میرے ساتھ آجائے اور جس کا یہ فیصلہ نہیں، وہ اپنے گھر چلا جائے۔ اللہ اسے دیکھ رہا ہے اور مسلمانوں کی عزتوں کی پامالی کا گناہ پیچھے رہنے والوں کے سر ہوگا۔'' [2]

اس کے بعد قطز نے ایک عملی قدم اٹھایا جس نے منگولوں سے مذاکرات کا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ ہلاکو کے ایلچیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی لاشیں قاہرہ کے دروازوں پر لٹکا دی جائیں۔ قطز کا منگولوں سے لڑائی کے لیے خود روانہ ہونا اس بات کی دلیل تھا کہ وہ دل سے جہاد کا عزم کیے ہوئے ہے۔ قاہرہ میں اور مصر کے دوسرے صوبوں میں جہاد کے لیے روانگی کا اعلان کر دیا گیا۔ [3]

قطز نے مختلف کاموں کے انتظامات کرنے شروع کر دیے۔ فوج کو جنگ کی تیاری کے لیے بہت زیادہ رقم کی ضرورت تھی، چنانچہ قطز نے سوچا کہ جہاد کی تیاری کے لیے لوگوں پر کچھ ٹیکس لگا دیے جائیں لیکن اس نے خود ہی یہ فیصلہ کر کے عوام پر نافذ کرنے کے بجائے اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے علماء اور

---

[1] البداية والنهاية: 225/13. [2] البداية والنهاية: 220/13. [3] السلوك: 429/1.

کمانڈروں کا اجلاس بلا لیا۔ قاضی اور کمانڈر حضرات تو عوام پر ٹیکس لگانے کے حق میں تھے لیکن اس نے سلطان العلماء الشیخ عز بن عبدالسلام کی حق پر مبنی بات سنی۔ انھوں نے فرمایا تھا: ''ضروری ہے کہ آپ خود، تمام سردار اور خاندان کے دیگر افراد وہ تمام سونا وغیرہ جمع کریں جو آپ لوگوں کی ملکیت ہے۔ اگر یہ اموال کافی نہ ہوں تو ہم عوام کو مالی جہاد کی دعوت دیں گے لیکن یہ درست نہیں کہ لوگ تو مال پیش کریں اور تم سونے چاندی کا خزانہ محفوظ رکھو۔ آپ کا خود اعلیٰ مثال پیش کرنا ضروری ہے۔'' [1]



سلطان پر شیخ عز بن عبدالسلام کی نصیحت کا بہت اثر ہوا۔ اس نے منگولوں سے جنگ کے لیے عوام سے مالی تعاون طلب کرنے سے پہلے اپنے مال اور خزانے باہر نکال دیے۔ بہت سے سرداروں نے بھی اس کی اقتدا کرتے ہوئے فوراً اپنے جمع کیے ہوئے مال پیش کر دیے۔

قطز کا پروگرام یہ تھا کہ منگولوں کے مصر تک پہنچنے سے پہلے خود آگے بڑھ کر ان پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے مصر کی اسلامی فوج کو ساحل کے قریب بعض صلیبی علاقوں سے گزرنا پڑتا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ حالتِ جنگ میں تھے اور منگولوں سے ان کی صلح تھی، چنانچہ ان سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ قطز نے فوراً ان سے رابطہ کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلمانوں اور منگولوں کی جنگ میں غیر جانبدار رہیں اور مسلمانوں کو اپنے علاقے سے گزر جانے دیں۔ اس نے انھیں دھمکی دی کہ اگر یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو مسلمانوں کی فوج کا رُخ ان کی طرف ہو جائے گا۔ صلیبیوں نے محسوس کیا کہ قطز واقعی سنجیدہ ہیں تو انھوں نے غیر جانبدار رہنے پر اتفاق کر لیا۔ [2]

مسلمانوں کی مصری فوج پوری طرح تیاری کے بعد غزہ کے قریب جمع ہوئی۔ وہ میدانِ جنگ تک پہنچنے کے لیے ساحل کے ساتھ ساتھ بعض صلیبی علاقوں سے گزرے جو دفاع کرنے والوں سے خالی تھے۔ بعض کمانڈروں نے قطز کو مشورہ دیا کہ صلیبی مراکز پر قبضہ کر لیا جائے کیونکہ اس وقت

---

[1] النجوم الزاهرة: 73,72/7. [2] السلوك: 430/1.

ان کا دفاع کرنے والا کوئی موجود نہیں۔ قطز نے انھیں ڈانٹ دیا اور انھیں یاد دلایا کہ اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ حالات جیسے بھی ہوں، وعدہ پورا کیا جائے اور مسلمان دشمنوں کے حالات سے فائدہ اٹھا کر عہد شکنی نہیں کرتے۔ آپ نے اس پہلو سے مسلمانوں کے اخلاق کی ایک مثال قائم کر دی۔

مسلمان ''عین جالوت'' کے علاقے میں پہنچ گئے۔ بعض سردار اب بھی منگولوں سے جنگ کے بارے میں متردد تھے۔ قطز نے فرمایا: ''تاتاریوں کا سامنا میں خود کروں گا۔'' تب خاندان کے سرداروں اور دیگر افواج کی ہمت بندھی۔ قطز نے فوج کا ایک دستہ ''رکن الدین بیبرس'' کی قیادت میں بھیجا کہ وہ فوج سے آگے جا کر دشمن کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اس دستے کو عین جالوت کے قریب تاتاری نظر آئے۔ بیبرس سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اس نے قاصد بھیج کر سلطان قطز اور مسلمانوں کو حالات کی اطلاع دی۔ قطز اور اس کے ساتھی آگے بڑھ کر عین جالوت کے مقام پر پہنچ گئے۔ اس وقت منگول فوجیں بھی ہلاکو کے نائب کتبغا کی قیادت میں وہاں پہنچ گئیں۔ ہلاکو اپنے ملک کے مشرقی علاقوں کے بعض حالات کی وجہ سے شام سے چلا گیا تھا۔

عین جالوت کے مقام پر بروز جمعہ پندرہ رمضان 658ھ کو منگولوں سے جنگ ہوئی۔ منگولوں نے اب تک جو (وحشیانہ) کام کیے تھے، ان کی وجہ سے مسلمان ان سے خوف محسوس کر رہے تھے اور اس لیے بھی کہ منگولوں نے اب تک کسی سے شکست نہیں کھائی تھی لیکن مسلمانوں کی صفوں میں قطز کی بذاتِ خود موجودگی سے مجاہدین کو ثابت قدم رہنے میں مدد ملی۔ اس نے ان کی حوصلہ افزائی کی، جنگ کرنے اور شہادت کی تلاش کرنے کی ترغیب دی۔ اس کے علاوہ وہ اس کے صدق اور اخلاص سے واقف تھے، اس لیے مجاہدین ڈٹ گئے۔ جنگ شروع کرنے سے پہلے قطز نے کہا کہ تھوڑا سا ٹھہر کر لڑائی شروع کی جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا جیسے اس نے خود کہا: ''حتی کہ سورج ڈھل جائے، ہوا چلے اور نماز میں خطیب اور عام مسلمان ہمارے حق میں دعا کریں۔'' [1]

سلطان قطز نے رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع میں یہ وقت منتخب کیا کیونکہ یہ حضرات سورج ڈھلنے کے بعد جنگ شروع کرنا پسند کرتے تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ جنگ بہت سخت تھی۔ قریب تھا کہ دشمن انھیں اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دے۔ سلطان قطز اپنی فوج کو ثابت قدمی کی مسلسل تلقین کر رہے تھے، انھیں فوج کے جس حصے میں کمزوری کے آثار نظر آتے، فوراً ادھر تشریف لے جاتے۔ ان کے عزم کو مضبوط کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ معرکے کے دوران میں کئی مواقع پر ان کا دلیرانہ

---

[1] البداية والنهاية: 226/13.



معرکہ عین جالوت میں مصری مملوک مجاہد اور منگول سپاہی میں لڑائی کا منظر

کردار سامنے آیا۔ ایک واقعہ یوں ہے کہ ''سلطان کا گھوڑا ہلاک ہوگیا۔ اس نازک وقت میں اس کے قریب اس خاص دستے میں سے کوئی موجود نہ تھا جن کے پاس گھوڑے (تیار) ہوتے تھے، چنانچہ وہ پیدل ہوگیا۔ وہ زمین پر ثابت قدمی سے کھڑا رہا جبکہ لڑائی پورے زوروں پر تھی اور وہ لشکر کے قلب میں بادشاہ کے مقام پر تھا۔ ایک سردار نے انھیں اس حال میں دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور سلطان کو قسم دے کر کہا کہ وہ اس پر سوار ہو جائے لیکن قطز نے انکار کر دیا اور اس سردار سے کہا: ''میں مسلمانوں کو تمھاری افادیت سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔''

جب خاص دستے کے افراد گھوڑے لے کر حاضر ہوئے، تب وہ سوار ہوئے۔ بعد میں ایک سردار نے انھیں ملامت کرتے ہوئے کہا: ''جناب عالی! آپ فلاں کے گھوڑے پر کیوں سوار نہ ہوئے؟ اگر کوئی دشمن آپ کو دیکھ لیتا تو شہید کر دیتا اور آپ کی وجہ سے اسلام کا نقصان ہو جاتا۔'' سلطان نے کہا: ''جہاں تک میرا معاملہ ہے تو (اگر ایسا کچھ ہو جاتا تو) میں جنت میں چلا جاتا۔ اور رہا اسلام تو اس کا ایک رب ہے، وہ اسے ختم نہیں ہونے دے گا۔'' انھوں نے کئی بادشاہوں کا نام لے کر کہا: ''فلاں، فلاں اور فلاں شہید ہو گئے تو اللہ نے اسلام کی حفاظت کے لیے اور لوگ کھڑے کر دیے۔ اور اسلام اب بھی قائم ہے۔''[1]

قطز خود بھی بڑی جرأت اور بے مثال بہادری سے جنگ کرتے تھے۔ وہ مسلسل بڑی عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرتے رہتے تھے۔ کسی نے سنا، وہ کہہ رہے تھے: ''یااللہ! اپنے بندے قطز کی مدد فرما۔'' تاتاریوں نے مسلمانوں کی فوج کے میسرہ پر زور دار حملہ کیا۔ فوج کے قدم اکھڑنے لگے تو قطز اور اس کے

---

[1] البداية والنهاية: 13/2225.

بعض سرداروں نے انھیں سہارا دیا حتی کہ وہ قائم ہوگئے۔ اس معرکے میں ان کا یہ آواز دینا ہی مشہور واقعہ ہے کہ انھوں نے پکارا: ''ہائے اسلام! ہائے اسلام!'' [1]

الغرض شدید جنگ ہوئی۔ آخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ منگول سالار ''کتبغا'' جنگ میں قتل ہوگیا۔ اس کا بیٹا گرفتار ہوا۔ منگول لشکر نے شکست کھائی۔ ان میں سے تھوڑے سے افراد ہی بھاگ کر بچ سکے۔ جب منگول لشکر میں شکست کے آثار نمایاں ہوگئے تو سلطان گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے اللہ کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرتے ہوئے اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔ اس نے مومنوں کی مدد پر اللہ کا شکر کرتے ہوئے میدانِ جنگ میں دو رکعت نماز ادا کی۔ شام کے بعض سردار منگولوں سے جا ملے تھے۔ وہ اسلامی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تو ان کی گردنیں اڑانے کا حکم دے دیا۔ ان کی خیانت کی سزا دیتے ہوئے اس نے کسی کی سفارش قبول نہ کی۔ علاوہ ازیں شام اور اس کے قرب و جوار سے پکڑے گئے منگول اور ان کے حامی سردار، فوجی اور ان سے فائدے حاصل کرنے والے افراد مارے گئے۔ ان میں ایک رافضی شیخ بھی تھا جو لوگوں کے مال چھیننے میں تاتاریوں کا مددگار تھا۔ [2]

مسلمان دوبارہ اپنی سرزمین پر اپنا اقتدار قائم کرنے اور ان نصاریٰ کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہوگئے جو دمشق وغیرہ میں منگولوں کی حمایت سے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے۔ [3]

سیف الدین قطز نے منگولوں پر فتح پانے کے بعد شام کا نظم ونسق درست کیا۔ وہاں فوج رکھی۔ عدل و انصاف اور امن و امان قائم کیا۔ اس جنگ کے نتیجے میں مصر اور شام دوبارہ متحد ہوگئے۔ منگولوں کے کاسہ لیس اور علیحدگی پسند سردار شکست کھا گئے جو مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو نظرانداز کر کے اپنے ذاتی فوائد حاصل کرتے تھے۔ اس جنگ کے بعد مصر کو اسلامی دنیا کے واقعات میں مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ کسی اور شہر کا مقام اس کے برابر نہ رہا۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے بارے میں منگولوں کا زاویہ نظر تبدیل ہوگیا۔ ان کے سردار مسلمانوں سے ٹکر لینے کے بجائے ان سے اچھے تعلقات قائم کرنے اور انھیں خوش کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

عین جالوت کے معرکے سے دو ماہ بعد سیف الدین قطز ایک پراسرار حادثے میں شہید ہوگئے۔ ان کے بعد ملک کی باگ ڈور ''رکن الدین الظاہر بیبرس'' نے سنبھالی۔ اس کی حکومت کے ابتدائی ایام میں منگولوں نے اپنے سردار ہلاکو کی قیادت میں شام پر ایک بار پھر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن بادشاہ ''رکن الدین الظاہر بیبرس'' نے ان کا حملہ روکا اور انھیں شکست دے دی، چنانچہ وہ ناکام ہوکر واپس چلے گئے۔ [4]

---

[1] السلوك:1/431. [2] البداية والنهاية:13/221. [3] السلوك:1/432. [4] البداية والنهاية:13/223.

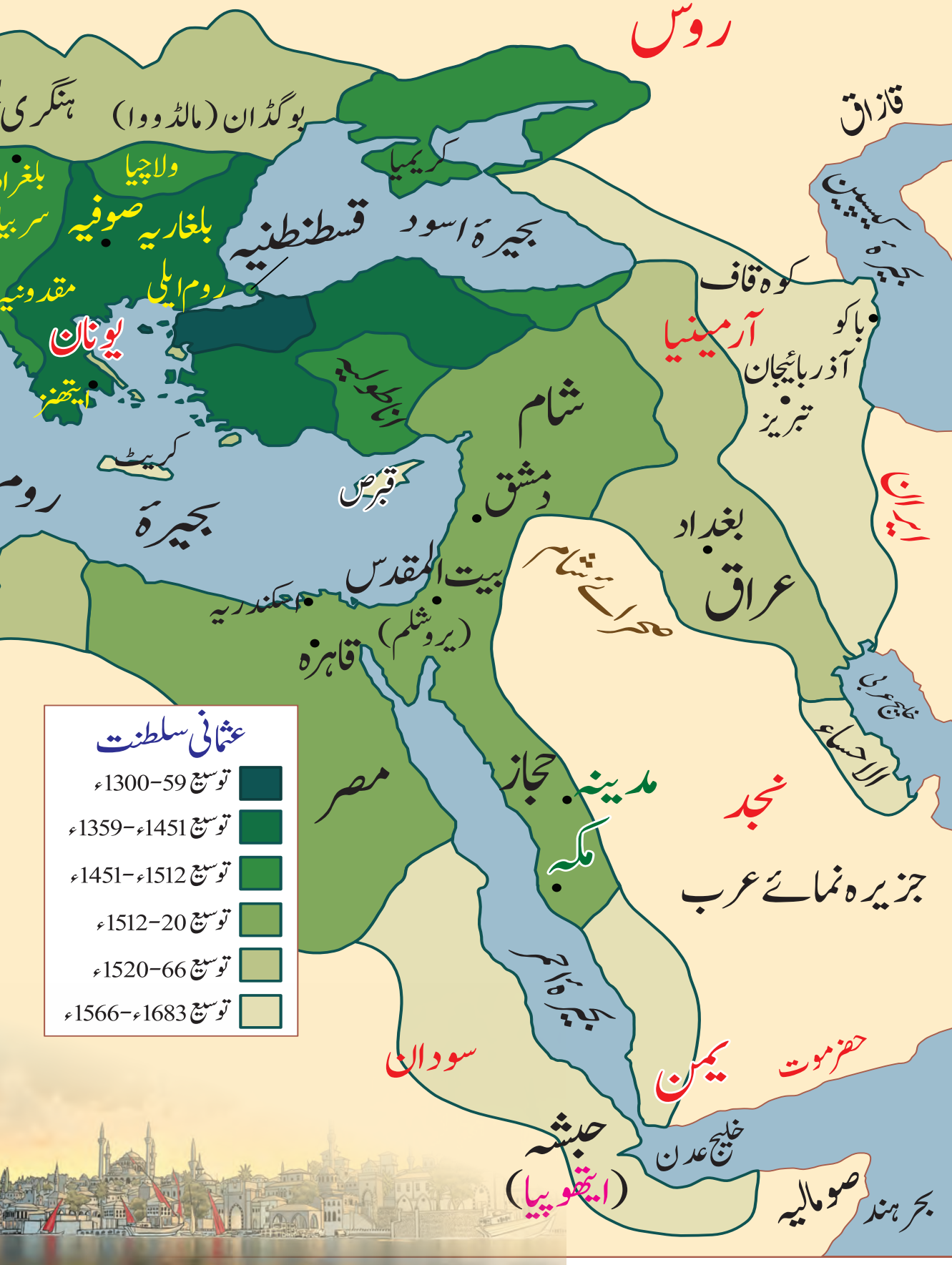
روس
قازاق
بحیرۂ کیسپین
کوہ قاف
آرمینیا
باکو
آذربائیجان
تبریز
ایران
بوگڈان (مالڈووا)
ہنگری
ولاچیا
بلغاریہ
صوفیہ
سربیا
مقدونیہ
قسطنطنیہ
کریمیا
بحیرۂ اسود
روم ایلی
یونان
ایتھنز
بحیرۂ ایجیئن
کریٹ
قبرص
شام
دمشق
بحیرۂ
روم
بیت المقدس
(یروشلم)
اسکندریہ
قاہرہ
صحرائے شام
بغداد
عراق
خلیج عربی
الاحساء
نجد
مصر
حجاز
مدینہ
مکہ
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ احمر
سودان
یمن
حضرموت
خلیج عدن
جبشہ
(ایتھوپیا)
صومالیہ
بحر ہند
عثمانی سلطنت
توسیع 1300-59ء
توسیع 1359-1451ء
توسیع 1451-1512ء
توسیع 1512-20ء
توسیع 1520-66ء
توسیع 1566-1683ء



باب 7

عثمانی سلطنت





سقوطِ اندلس۔غرناطہ پر دشمنوں کا قبضہ (897ھ/ 1492ء)

اندلس جب سے مسلمانوں کے زیرنگیں آیا تھا، تبھی سے یہ ملک علم کا مینار، توحید کا مرکز اور اسلام کا قلعہ بنا ہوا تھا۔ اس کا یہ مقام کئی صدیوں تک قائم رہا۔ اس دوران میں اس پر مختلف نسلوں اور قبیلوں کے حکمران اور کمانڈر حکومت کرتے رہے۔ یہ کبھی ایک طاقتور سلطنت رہی، کبھی ایک کمزور ریاست۔ اس کی قوت کے دور کی سب سے نمایاں مثال عبدالرحمٰن الناصر کا دورِ حکومت ہے اور کمزوری کے زمانے کی واضح ترین مثال جنگ زلاقہ (479ھ) سے قبل کا طوائف الملوکی کا پہلا دور اور اس سے متصل زمانہ ہے، بالخصوص جب اس کے بہت سے حصے بخرے ہوگئے اور بعض مسلمان قائدین نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف عیسائی سرداروں سے معاہدے کر لیے، چنانچہ اندلس میں مسلمانوں کی طاقت آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی۔ اس کے شہروں اور قلعوں پر یکے بعد دیگرے عیسائیوں کا قبضہ ہوتا چلا گیا۔ نویں صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں کے پاس صرف غرناطہ کی مملکت رہ گئی جس کے چند ایک شہر اور محدود سرحدیں تھیں یا مشہور قصر الحمراء رہ گیا جو پہاڑیوں پر سے اپنے قطعاتِ ارضی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے حکمران عیش وعشرت، عمارتیں بنانے، کھانے پینے اور گانے بجانے میں مشغول تھے۔ انھیں سامانِ جنگ تیار کرنے، جہادی قوت کے حصول اور اس کی تیاری کی کوئی فکر نہ تھی۔



غرناطہ کے مسلمانوں سے چھن جانے سے پہلے اس پر خاندانِ بنی احمر نے تقریباً ڈھائی سو سال حکومت کی تھی۔ اس دوران میں کئی بار طویل مدت تک انھیں اندلس کے عیسائی بادشاہوں کا غلبہ قبول کرنا پڑا اور انھیں ٹیکس دینا پڑا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اندلس کے شہر ایک ایک کر کے دشمن کے قبضے میں جا رہے ہیں۔ اس کے باوجود انھیں ہوش نہ آیا اور انھوں نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے خطرے کو محسوس نہ کیا۔

بنی احمر کے بادشاہ نہ صرف قشتالہ کے بادشاہوں کو ٹیکس دیتے تھے بلکہ وہ مملکت غرناطہ میں مسلمانوں کے قلعوں اور شہروں سے قشتالہ کے حق میں دست بردار ہو جاتے تھے، چنانچہ وہ آہستہ آہستہ کمزور ہوتے گئے، ان کی مملکت کا رقبہ کم ہوتا گیا اور اس کا دبدبہ مضمحل ہوتا گیا۔ مقّری تلمسانی لکھتا ہے: ''وہ جزیرہ نما اندلس کے گھروں کو ویران کرنے اور اس کے شہروں اور علاقوں پر قبضہ کرنے میں اسی وقت کامیاب ہو سکے جب انھوں نے (مسلمانوں میں) اختلاف کے اسباب پختہ کر دیے اور مسلمانوں میں پوری جدوجہد سے افتراق اور اختلاف پیدا کر دیا اور مکر و فریب سے کام لے کر اندلس کے حکمرانوں کو ایک دوسرے سے لڑا دیا اور اس کے محافظوں کو ریشہ دوانیوں سے کام لے کر ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا اور تباہ کن فتنوں میں مبتلا کر دیا۔ اگرچہ ان کی بات ایک تھی، آراء میں اختلاف و افتراق نہ تھا۔ علماء اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے، تاہم جنگ کی کیفیت ہر وقت بدلتی رہتی تھی۔ اللہ کے کچھ بندے جہاد کے لیے کھڑے تھے اور دفاع کی غرض سے (دشمن کے کاموں میں) رکاوٹ ڈالنے کے لیے میدان وسیع تھا اور غور و فکر کرنے یا فوری فیصلہ کرنے کی گنجائش موجود تھی۔'' [1]

---

[1] نفح الطیب: 508/1.

اس سے خطرناک معاملہ یہ تھا کہ بعض اوقات ان سے یہ شرط منوا لی جاتی تھی کہ وہ سپین کے دوسرے حصوں میں اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف جنگ میں عیسائیوں کی مدد کریں گے، مثلاً 646ھ میں فرنانڈو سوم نے اشبیلیہ پر ابن احمر کی مدد سے قبضہ کیا تھا۔ اسی دوران میں دوسرے مقامی سردار بھی اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ مقّری تلمسانی کہتا ہے: ''جب اندلس کے بڑے بڑے شہر، مثلاً: قرطبہ، اشبیلیہ، طلیطلہ اور مُرسیہ وغیرہ دشمن کے قبضے میں چلے گئے تو مسلمان غرناطہ، المیریہ، مالقہ وغیرہ میں سمٹ آئے اور یہ وسیع مملکت تنگ ہوگئی۔ دشمن اژدہا ہر وقت کسی نہ کسی شہر یا قلعے کو ہڑپ کرتا رہتا تھا اور اس شجرِ مملکت کی ایک ایک شاخ کو توڑتا رہتا تھا۔ ملک کے بچے کھچے چھوٹے سے ٹکڑے پر بنی احمر کے بادشاہ حکومت کر رہے تھے۔'' [1]

اگرچہ غرناطہ کے مسلمانوں کو صورتِ حال کی نزاکت کا احساس تھا لیکن انھوں نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب اور کافی اقدامات نہیں کیے۔

سقوطِ غرناطہ سے پہلے برسوں میں اراگون (ارغون) اور قشتالہ کی (عیسائی) ریاستوں نے اتحاد کر لیا۔ اراگون کے بادشاہ فرنانڈو نے قشتالہ کی ملکہ ازابیلا سے شادی کر لی تھی۔ اس وجہ سے اندلس کے عیسائیوں کی قوت میں اضافہ ہوگیا۔ ان دونوں کی سلطنتیں مل کر ایک ہوگئیں۔ ان دونوں کی افواج باہم تعاون سے مضبوط ہوگئیں جبکہ انھی ایام میں اندلس کے باقی ماندہ مسلمانوں میں اختلاف بڑھ گیا بلکہ مسلمانوں کے اس آخری قلعے کے سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی۔ غرناطہ کے زیرِ انتظام علاقے دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ غرناطہ کے آخری امیر ابوعبداللہ محمد النصری کا اپنے چچا محمد سے جو الزغل کے نام سے مشہور تھا، اختلاف ہوگیا تھا۔

اسی اختلاف کا نتیجہ تھا کہ فرنانڈو (فرڈی ننڈ) اور ازابیلا نے دوسروں سے مدد لیے بغیر وادی آش، المیریہ کی ریاست اور اس سے متصل علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اس دوران میں نہ غرناطہ کے باشندوں نے اپنے بھائیوں کی مدد کی، نہ وہاں کے امیر ''ابوعبداللہ بن ابوالحسن نصری'' نے اپنے چچا کا ساتھ دیا۔

اندلس کے عیسائیوں نے غرناطہ کے سرحدی علاقے چھین لیے اور ان کے زیرِ انتظام مقامات پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے وہاں کے باشندوں پر سختی کی اور ضروریاتِ زندگی ان تک پہنچنے سے روک دیں، چنانچہ عوام سرحدی علاقوں سے بھاگ بھاگ کر غرناطہ میں جمع ہونے لگے۔ اس وجہ سے وہاں لوگوں کی تعداد زیادہ ہونے سے غذائی قلت پیدا ہوگئی۔ [2]

---

[1] نفح الطیب: 438/1. [2] نفح الطیب: 435/1.

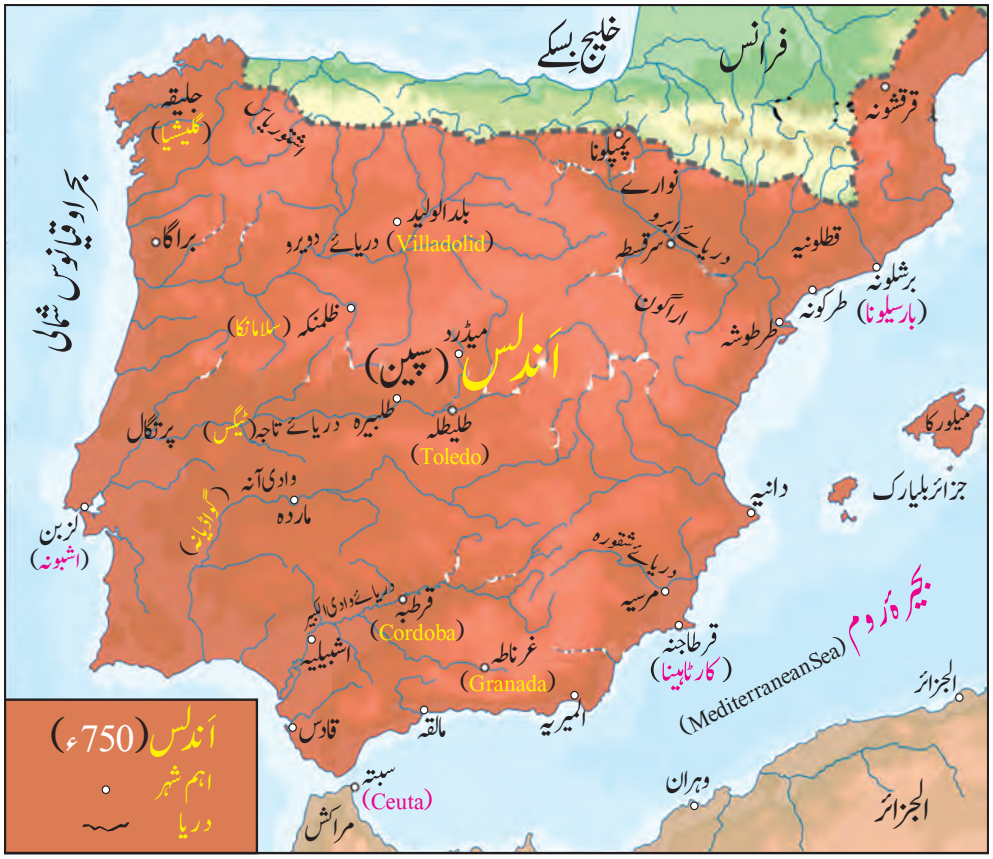

محرم 897ھ میں اندلس کے عیسائیوں نے قشتالہ کے بادشاہ فرنانڈو اور ملکہ ازابیلا کی زیر قیادت غرناطہ کا محاصرہ کرلیا جو اندلس میں مسلمانوں کا آخری قلعہ تھا۔ اس کی حکومت ابوعبداللہ کے ہاتھ میں تھی جس نے دشمن کا اس طرح سامنا کرنے کی تیاری نہیں کی تھی جس طرح دفاع کرنے والے جنگجو کیا کرتے ہیں۔

اندلس کے بعض مجاہدین نے، جن میں سب سے نمایاں شخصیت ''موسیٰ بن ابی غسان'' کی تھی، کوشش کی کہ قوم کو ہتھیار ڈالنے سے باز رکھیں اور انھیں خبردار کریں کہ ہتھیار ڈالنے کی صورت میں قشتالہ کے عیسائی کسی عہد و پیمان کا لحاظ نہیں رکھیں گے۔ [1]

آخر کار مسلمانوں کی آخری جائے پناہ، یعنی غرناطہ نے 2 ربیع الاول 897ھ مطابق 2 جنوری 1492ء کو کیتھولک مملکت کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ [2]

---

[1] مواقف حاسمة في تاريخ الإسلام: 313. [2] جی سی کولن کی الأندلس: 139.



سپین میں اشبیلیہ (سویلاً) کا ہسپانیہ چوک

شہر سے دست برداری اور صلح کے موقع پر ایک طویل معاہدہ لکھا گیا جو 76 شرطوں پر مشتمل تھا۔ اس میں صراحت سے یہ الفاظ لکھے گئے: ''ہر چھوٹے بڑے کی جان اور گھر بار محفوظ ہوگا۔ لوگوں کو ان کے گھروں، زمینوں اور جاگیروں سے بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ ان کے مذہبی معاملات حسب سابق رہیں گے۔ ان کے فیصلے ان کی شریعت کے مطابق کیے جائیں گے۔ مسجدیں اور اوقاف اپنی حالت پر قائم رکھے جائیں گے، عیسائی کسی مسلمان کے گھر میں داخل نہیں ہوں گے اور اسے اغوا نہیں کریں گے۔ مسلمانوں پر وہ مسلمان یا یہودی افسر مقرر ہوں گے جو ان کے دور حکومت میں مقرر تھے۔ غرناطہ میں جتنے (مسلمان) افراد گرفتار ہوئے تھے، وہ سب آزاد ہو جائیں گے۔ خواہ وہ کہیں کے رہنے والے ہوں، خاص طور پر وہ افراد جن کے نام درج کیے گئے ہیں۔ جو مسلمان قیدی فرار ہو کر غرناطہ پہنچ جائے، اس (عیسائی) مالک کا یا



کسی اور کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ مالک کو اس کی قیمت بادشاہ خود ادا کرے گا۔ جو مسلمان یہاں سے گزر کر کسی اور جگہ جانا چاہیں، انھیں روکا نہیں جائے گا۔ وہ مقررہ مدت کے اندر شاہی سواری میں جائیں گے۔ ان کے ذمے کرایہ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اس مدت کے بعد وہ اپنے سامان کا دسواں حصہ ادا کریں گے اور کرایہ بھی دیں گے۔ کسی شخص کو کسی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔

جو شخص اسلام قبول کر لے، اسے دوبارہ عیسائی بننے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور جو مسلمان عیسائی ہو جائے، اسے چند دن روکا جائے گا حتی کہ اس کا حال معلوم ہو جائے۔ اسے ایک مسلمان حاکم اور ایک عیسائی حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اگر وہ دوبارہ مسلمان ہونے سے انکار کر دے تو اسے اپنی مرضی کرنے کی اجازت ہوگی۔ جس نے جنگ کے دنوں میں کسی عیسائی کو قتل کیا تھا، اسے کوئی سزا نہیں دی

جائے گی اور اس سے وہ مال بھی واپس نہیں لیا جائے گا جو اس نے اس دوران میں اس سے یا کسی دوسرے عیسائی سے لیا ہوگا۔ کسی مسلمان کو عیسائی فوجوں کو کھانا پیش کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اسے کسی اور جگہ جانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ پہلے سے رائج ٹیکسوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان پر نئے عائد ہونے والے ٹیکس ختم کر دیے جائیں گے۔ کوئی عیسائی فصیل پر نہیں چڑھے گا اور مسلمانوں کے گھروں میں نہیں جھانکے گا اور کسی مسجد میں داخل نہیں ہوگا۔ ہر مسلمان عیسائیوں کے ملک میں چل پھر سکے گا۔ اس کی جان اور مال کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ ان کے لیے کوئی خاص امتیازی نشان ضروری نہیں ہوگا، جیسے یہودیوں کے لیے مخصوص علامت ہے۔ کسی شخص کو اذان، نماز، روزہ اور دیگر مذہبی اعمال ادا کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ جو اس (عمل کرنے والے) کا مذاق اڑائے، اسے سزا دی جائے گی۔ ان سے مقررہ مدت تک ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ ان تمام شرائط کی تصدیق روم کا حاکم کرے گا اور اپنے دستخط بھی کرے گا۔'' [1]

ابوعبداللہ محمد نصری جب غرناطہ سے نکلا تو ایک جگہ رک کر اس نے آنسو بہاتے ہوئے اس پر آخری نگاہ ڈالی۔ تب اس کی والدہ نے اس سے کہا تھا: ''جس ملک کو تم مردوں کی طرح سنبھال نہیں سکے، اب اس پر عورتوں کی طرح روتے کیوں ہو؟'' [2]

اس معاہدے کے مطابق عیسائی بادشاہوں کے لیے ضروری تھا کہ اس کی پابندی کرتے لیکن انھوں نے کلیسا کے بزرگوں اور پادریوں کے دباؤ پر اس کی شرطوں کو ایک ایک کر کے توڑ دیا۔ [3]

مسیحی فاتح لوگ قصر الحمراء میں داخل ہوئے تو ابوعبداللہ محمد بہتے آنسوؤں کے ساتھ اسے چھوڑ چکا تھا۔ وہ وقتی طور پر اندلس کے علاقے بشارہ میں منتقل ہوا اور اگلے سال وہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر مراکش چلا گیا۔ وہاں کے حالات بہت خراب ہوگئے۔ مقّری نے اس کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ''مذکورہ بادشاہ ملیلہ میں ٹھہرنے کے بعد بیوی بچوں سمیت ''فاس'' (مراکش) شہر چلا گیا۔ وہ اپنے سابقہ اعمال پر معذرت خواہ تھا اور جو کچھ چھوڑ گیا تھا، اس پر دلگیر تھا۔ اس نے فاس میں اندلس کے انداز پر کچھ عمارتیں بنائیں۔ میں نے انھیں دیکھا ہے اور ان کے اندر بھی گیا ہوں۔'' ابوعبداللہ 940ھ میں فاس میں فوت

---

[1] نفح الطيب: 526,525/1. [2] ڈاکٹر عبدالحلیم عویس کی دراسة ثلاثين دولة: 53. [3] المسلمون المنصرون أو المرسكيون الأندلسيون: صفحة مهملة من تاريخ المسلمين في الأندلس: 33.

ہوگیا۔ اسے باب الشریعہ کے باہر عیدگاہ کے برابر دفن کیا گیا۔ اس کے پس ماندگان میں اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام یوسف اور دوسرے کا نام احمد تھا۔ اس سلطان کی اولاد اب تک ''فاس'' شہر میں رہائش پذیر ہے۔ میں نے اس کی اولاد کو 1027ھ میں دیکھا تھا۔ وہ مساکین کے لیے وقف مال میں سے کچھ وصول کرتے تھے اور گداگروں میں شمار ہوتے تھے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ. [1]

اندلس کے کئی ایک مرثیے لکھے گئے۔ ان میں سے ابوالبقاء رُندی کا قصیدہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

① ہر چیز جب کمال کو پہنچ جائے تو اس میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے، اس لیے کسی انسان کو اچھی (عیش و عشرت اور آرام وراحت والی) زندگی سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔

② میں نے دیکھا ہے کہ یہ حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جس کے لیے کچھ مدت خوش گوار ہو، اس کے لیے بہت سی مدتیں ناگوار بھی ہوتی ہیں۔

③ یہ گھر (دنیا) کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتا اور اس میں بھی سدا ایک جیسا حال نہیں رہتا۔

④ زمانہ ہر کشادہ لباس کو ضرور پھاڑ دیتا ہے جب تلواروں اور نیزوں کے وار اوچھے پڑیں۔

⑤ ہر تلوار کمزور ہو کر (آخر کار) فنا ہو جاتی ہے، خواہ (اس کا مالک) ذی یزن کا بیٹا ہو اور ایک نیام (کے بجائے) اس کی کئی نیامیں ہوں۔

⑥ یمن کے تاجدار بادشاہ کہاں ہیں؟ اور ان کے پھولوں کے تاج اور شاہی تاج کہاں ہیں؟

⑦ شداد نے ارم میں جو کچھ تعمیر کیا تھا، وہ کہاں ہے؟ اور فارس میں ساسان نے جو سیاست کی تھی، کہاں ہے؟

⑧ قارون نے جو سونا جمع کیا تھا، وہ کہاں ہے؟ عاد، شداد اور قحطان کہاں ہیں؟

⑨ ان سب پر (موت کا) وہ حکم آ گیا جسے ٹالا نہیں جا سکتا۔ وہ گزر گئے تو یوں لگتا ہے، گویا وہ کبھی تھے ہی نہیں۔

⑩ جو بھی حکومت یا دولت تھی، ایسے ہوگئی جیسے وہ خواب وخیال جسے کوئی اونگھنے والا بیان کرتا ہے۔

⑪ زمانے کی گردش دارا پر بھی آئی اور اس کے قاتل پر بھی۔ اور کسریٰ کی ماں پر بھی، پھر اسے کسی دربار میں جگہ نہ ملی۔

⑫ گویا صعب کے لیے کوئی کام آسان نہیں ہوا اور گویا سلیمان علیہ السلام نے کبھی دنیا پر بادشاہی نہیں کی۔

⑬ زمانے کے مصائب رنگارنگ صورتوں کے ہیں اور زمانے میں خوشیاں بھی ہیں اور غم بھی۔

---

[1] نفح الطیب: 529/1.

⑭ حادثات کے بعد تسلی کا باعث امور بھی ہوتے ہیں جو انھیں قابل برداشت بنا دیتے ہیں لیکن اسلام پر جو آفت آئی ہے، اس سے کسی طرح تسلی نہیں ہوسکتی۔

⑮ جزیرہ نمائے اندلس پر وہ مصیبت آئی ہے جس پر کسی کو تسلی نہیں دی جاسکتی۔ اسے دیکھ کر تو اُحد پہاڑ بھی گر پڑے اور نہلان مسمار ہو جائے۔

⑯ اسلام کے حوالے سے اسے (اندلس کو) نظر لگ گئی اور اس پر آزمائش آ گئی حتی کہ شہر اور علاقے اس (اسلام) سے خالی ہو گئے۔

⑰ «بَلَنْسِیہ» سے پوچھ، «مُرسیہ» کا کیا حال ہے؟ اور «شَاطِبَہ» کہاں ہے؟ اور «جَیَّان» کہاں گیا؟

⑱ وہ علوم کا گھر ''قرطبہ'' کہاں ہے جہاں بہت سے علماء کو بلند شان حاصل ہوئی؟

⑲ ''حمص'' کہاں ہے؟ اور اس میں جو سیر گاہیں تھیں اور اس میں جو بہتا ہوا میٹھا اور لبریز دریا تھا، وہ کہاں ہے؟[1]

⑳ وہ چھاؤنیاں (باقی نہ رہیں) جو ملک کے ستون تھیں، پھر (عمارت کے) باقی رہنے کی کیا امید ہوسکتی ہے جب ستون ہی نہ رہیں؟

㉑ روشن دین حنیف (اسلام) غم سے رو رہا ہے، جیسے کوئی پریشان حال (عاشق) دوست کے فراق میں روتا ہے۔

㉒ اس دیار پر (رو رہا ہے) جو اسلام سے خالی اور بے آباد ہو گیا اور وہاں کفر آباد ہو گیا۔

㉓ جہاں مسجدیں گرجے بن گئیں، ان میں ناقوس اور صلیب کے سوا کچھ نہیں۔

㉔ حتی کہ محرابیں بھی روتی ہیں، جبکہ وہ بے جان ہیں اور منبر بھی نوحہ کرتے ہیں، حالانکہ وہ لکڑیاں ہیں۔

㉕ اے وہ غافل جس کے لیے زمانے (کے حوادث) میں عبرت ہے! اگر تو نیند میں ہے تو زمانہ تو بیدار ہے۔

㉖ اے اکڑ کر چلنے والے جس کا وطن اس کا دل لبھاتا ہے! کیا ''حمص'' کے بعد بھی کوئی آدمی وطن کا دھوکا کھا سکتا ہے؟

---

[1] 92ھ/711ء میں اشبیلیہ کو فتح کرنے والوں میں شامی مجاہدین شامل تھے اور وہ یہیں بس گئے۔ انھوں نے اشبیلیہ کو حمص کا نام دیا تھا۔ جیسے شام کا حمص دریائے عاصی کے کنارے آباد ہے، اسی طرح اندلس کا حمص (اشبیلیہ) وادی الکبیر کے کنارے واقع تھا۔ (م ف)

㉗ اس مصیبت نے گزشتہ مصیبتیں بھلا ڈالیں۔ اور یہ مصیبت طویل زمانہ گزرنے پر بھی نہیں بھلائی جا سکے گی۔

㉘ اے عمدہ اور چست و چالاک گھوڑوں پر سواری کرنے والو! جو دوڑ کے میدان میں عقابوں کی طرح (تیز رفتار) ہیں۔

㉙ اور اے پتلی تیز ہندی تلواریں اٹھانے والو! جو غبار کے اندھیروں میں آگ کی طرح (چمکتی) ہیں!

㉚ کیا تمھیں اہلِ اندلس کی کچھ خبر ہے؟ ان لوگوں کی خبروں کو قافلے لیے پھرتے ہیں (ہر جگہ معلوم ہو چکی ہیں۔)

㉛ وہ کمزور (مسلمان) ہم سے کتنی فریاد کرتے ہیں جو قتل اور قید کیے گئے ہیں لیکن کوئی انسان ان کے لیے نہیں اُٹھتا۔

㉜ تمھارے درمیان، مسلمان ہونے کے باوجود، یہ لاتعلقی کیوں ہے؟ حالانکہ اللہ کے بندو! تم سب (ایک دوسرے کے) بھائی ہو۔

㉝ ان لوگوں کے معزز ہونے کے بعد ذلیل ہونے کا بدلہ کون لے گا؟ ظلم و جور نے ان کی حالت کچھ سے کچھ کر دی ہے۔

㉞ کل وہ اپنے گھروں میں بادشاہ تھے، آج وہ کافروں کے ملک میں غلام بن چکے ہیں۔

㉟ کاش! تو دیکھے کہ وہ کس طرح سرگرداں ہیں، ان کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں۔ وہ ذلت کے طرح طرح کے لباس میں ملبوس ہیں۔

㊱ کتنی ہی ماؤں اور ان کے بچوں میں جدائی ڈال دی گئی ہے جیسے روحوں کو بدنوں سے جدا کر دیا جائے۔

㊲ وہ طلوع ہونے والے سورج کی سی حسین وجمیل بچیاں جو یاقوت اور مرجان جیسی ہیں۔

㊳ ان کو کافر زبردستی برائی پر مجبور کرتے ہیں۔ آنکھ روتی ہے اور دل پریشان ہے۔

㊴ ان حالات میں دل غم سے روتا ہے اگر دل میں اسلام اور ایمان موجود ہو۔[1]

اندلس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو جانے کے فوراً بعد مسلمانوں پر دباؤ میں اضافہ ہو گیا۔ مقری تلمسانی کہتا ہے: ''اس کے بعد عیسائیوں نے وعدہ توڑ دیا اور ایک ایک شرط کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ انھوں نے مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ اس کے اسباب میں

---

[1] نفح الطیب: 1/487,488.

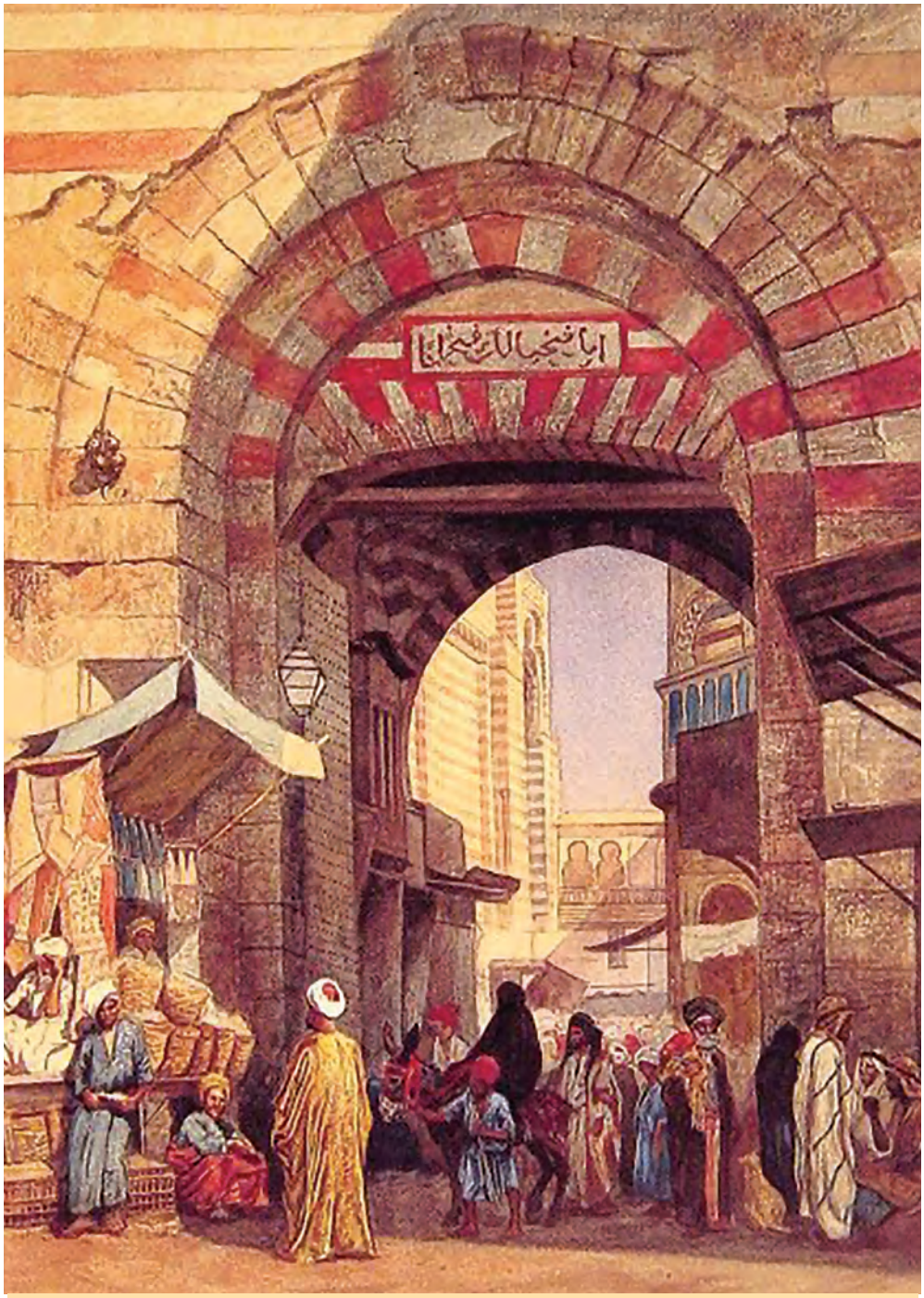

مصوّر کی نظر میں اندلس کا ایک مُورش (اسلامی) بازار جس کے صدر دروازے
کی پیشانی پر قرآنی آیت اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کندہ ہے

ان کے نزدیک سب سے قوی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے کہا: پادریوں نے حکم جاری کر دیا ہے کہ جو عیسائی مسلمان ہوئے ہیں، انھیں زبردستی دوبارہ عیسائی بنا لیا جائے۔ اس پر عمل ہوا۔ لوگوں نے اعتراض تو کیا لیکن انھیں طاقت حاصل نہ تھی، پھر انھوں نے ایک اور ظالمانہ قدم اٹھایا۔ وہ کسی بھی مسلمان کو پکڑ کر کہتے: تیرا دادا عیسائی سے مسلمان ہوا تھا، لہٰذا تجھے ضرور عیسائی ہونا پڑے گا۔ جب یہ حرکت کثرت سے ہونے لگی تو بیازین (غرناطہ) والے حکام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں قتل کر دیا۔ یہ بھی لوگوں کے عیسائی ہونے کا باعث بن گیا۔ وہ کہتے تھے: بادشاہ نے حکم جاری کیا ہے کہ جو شخص حاکم کے خلاف کھڑا ہوگا، اس کی سزا موت ہے، البتہ اگر وہ عیسائی ہو جائے تو موت سے بچ جائے گا۔ الغرض سب کے سب شہری بھی اور دیہاتی بھی عیسائی ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے عیسائی ہونے سے انکار کیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس کا بھی انھیں فائدہ نہ ہوا۔ اسی طرح بعض شہروں، مثلاً: بلفیق اور اندرش وغیرہ نے انکار کیا تو دشمنوں نے ان پر لشکر کشی کی اور سب کو قتل یا گرفتار کر کے ختم کر دیا۔'' [1]

چار سال سے کم مدت میں تمام عہد و پیمان فراموش کر دیے گئے۔ تمام مسجدوں کو گرجاؤں میں تبدیل کر دیا گیا۔ آج تک وہ اسی حال میں ہیں۔ [2]

مسلمانوں کو عیسائیت اختیار کرنے کے لیے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انھیں اسلام سے زبردستی پھیر کر عیسائی بنا دیا گیا۔ جو شخص اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتا تھا، جب اس کا علم ہوتا تو اس پر ان عدالتوں میں مقدمہ چلایا جاتا جو ظلم میں مشہور تھیں۔ یہ عدالتیں ایسی تھیں کہ تاریخ انسانی میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ یہ عدالتیں اسلام پر قائم رہنے والے کو زندہ جلانے کا فیصلہ سناتی تھیں اور اس کے پاس جو اسلامی کتابیں ملتی تھیں، انھیں بھی نذرِ آتش کر دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ تاریخ میں ''مورسکیین'' [3] کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمانوں نے مجبوراً اندلس چھوڑ کر شمالی افریقہ میں پناہ لے لی۔ [4]

---

[1] نفح الطيب: 527/1. [2] مواقف حاسمة في تاريخ الإسلام: 314. [3] ''مورسکیین'' کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مثلاً: عبداللہ عنان کی کتاب ''نهاية الأندلس'' اور عبداللہ محمد جمال الدین کی کتاب ''المسلمون المنصرون المورسكيون في الأندلس وغيرهم.'' [4] مواقف حاسمة في تاريخ الإسلام: 315.



سلطنت عثمانیہ کے دور کی فتوحات

ساتویں صدی ہجری کے شروع میں، 617ھ میں ترکمان قبائل کے بعض خاندان وسط ایشیا سے نکلے اور منگول قبائل کے حملوں سے بچنے کے لیے مغرب کی طرف چل پڑے کیونکہ منگولوں نے عالم اسلام کے مشرقی علاقوں میں قتل و غارت اور فساد برپا کر رکھا تھا۔ ان میں سے بہت سے خاندانوں نے جب اپنے اصل وطن میں کچھ امن و امان محسوس کیا تو ان علاقوں میں واپس چلے گئے لیکن ان میں سے بعض لوگ ''ارطغرل بن سلیمان'' کی قیادت میں سلجوقیوں کے علاقے اناطولیہ میں ٹھہر گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ انھیں اس علاقے میں رہنے کی اجازت مل جائے۔ اس اثنا میں ارطغرل اپنے کنبے سمیت کسی میدان میں پھر رہا تھا کہ اس نے قریب ہی ایک معرکہ برپا دیکھا۔ جنگ میں ایک فریق سلجوقی لشکر تھا جس کی قیادت سلطان علاء الدین کر رہا تھا اور دوسری طرف ایک بازنطینی لشکر تھا۔ ارطغرل نے فوراً بازنطینیوں کے خلاف سلجوقی مسلمانوں کے لشکر کی مدد کی۔ بازنطینیوں پر سلجوقیوں کی اس فتح میں اس مدد کا بہت حصہ تھا۔ [1] سلجوقیوں اور ان کے سردار علاء الدین نے ارطغرل اور اس کی جماعت کے اس تعاون کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا، چنانچہ انھیں اناضول (اناطولیہ) کی مغربی سرحد پر رومی محاذ جنگ کے قریب جاگیر دے دی۔ [2]

---

[1] سلجوقیوں کے مقابلے میں بازنطینی نہیں بلکہ تاتاری (منگول یا مغل) تھے۔ ڈاکٹر محمد عزیر لکھتے ہیں: ''فتح حاصل کرنے کے بعد ارطغرل کو معلوم ہوا کہ جس فریق کی اس نے بروقت مدد کی تھی، وہ سلطان علاء الدین سلجوقی کی فوج تھی جسے تاتاریوں کی ایک بڑی فوج نے گھیر رکھا تھا۔'' (''دولتِ عثمانیہ''، ڈاکٹر محمد عزیر: 14/1) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر کے بقول: ''ارطغرل نے ساتھیوں سے کہا: مردانگی کا تقاضا یہ ہے کہ کمزور کی مدد کی جائے، چنانچہ وہ لڑائی میں کود پڑے اور تاتاری جو ہلاکو خان کے سپاہی تھے اور کامیاب ہو رہے تھے، میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ لڑائی ◀◀



اس طرح انھیں موقع مل گیا کہ رومیوں سے علاقہ چھین کر اپنی حدود وسیع کر لیں۔ رومیوں کے خلاف جہاد میں سلجوقی طاقتور حلیف ثابت ہوئے۔ مشترکہ دشمن کی وجہ سے اس نوزائیدہ ترکمانی سلطنت کے رومی سلجوقیوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے، تاہم اس قربت میں بعض دیگر عوامل کا بھی دخل تھا۔ ارطغرل کی زندگی میں یہ تعلق ہمیشہ قائم رہا حتی کہ جب 699ھ (1299ء) میں وہ فوت ہوگیا[1] تو اس کے بعد اس کا بیٹا ''عثمان'' حکمران بنا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح رومی علاقے فتح کرنے کی پالیسی پر قائم رہا۔[2]

◂◂ ختم ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ کمزور فریق سلجوقی تھے۔ (''تاریخ ترکیہ''، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص:24، 25) مؤرخ اسلام اکبر شاہ خان کہتے ہیں: ''یہ تاریخ ساز جنگ 621ھ میں سلجوقی فرمانروا علاء الدین کیقباد اوّل اور مغلوں (تاتاری فوج) کے درمیان لڑی گئی تھی۔'' (''تاریخ اسلام''، اکبر شاہ خان نجیب آبادی) ''ترکمان سردار سلیمان کا بیٹا ارطغرل اپنے 444 ہمراہیوں کو لے کر کمزور فریق کی طرف سے زبردست فریق پر ٹوٹ پڑا۔ مغلوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بہت سی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔'' (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: 2/386) (م ف) [2] تاريخ الدولة العلية العثمانية: 115، و العمثانيون في التاريخ والحضارة: 14، و تاريخ سلاطين آل عثمان: 27.

[1] ''ارطغرل نے 687ھ/ 1288ء میں نوے سال کی عمر میں انتقال کیا اور سغوت (سُگُد) کے قریب دفن ہوا۔'' (''تاریخ ترکیہ''، ڈاکٹر نصیر احمد ناصر، ص:26۔ ''دولتِ عثمانیہ''، ڈاکٹر محمد عزیر: 1/15) [2] قيام الدولة العثمانية: 180، و تاريخ الدولة العلية: 115، و تاريخ سلاطين آل عثمان: 29.

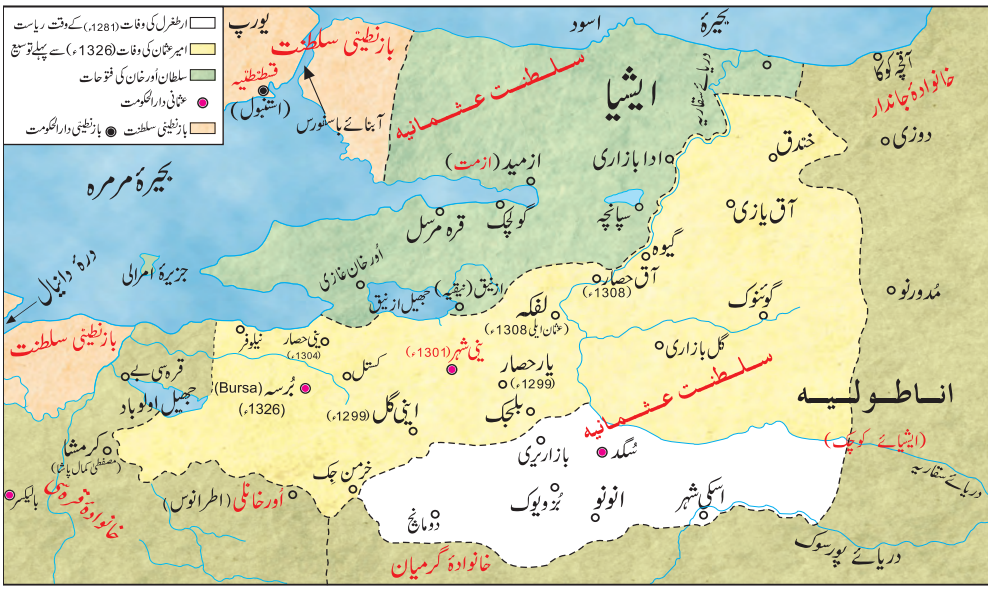

سلطنت عثمانیہ کی توسیع (1326ء تک)

اس نے رومیوں کے کئی اہم قلعے فتح کیے جس سے سلجوقی بادشاہ ''علاء الدین سوم'' بہت خوش ہوا، چنانچہ اس نے عثمان کی قدر افزائی کی اور اسے خاص سلطانی القاب عطا فرمائے۔ اس کے بعد مختلف اسباب، مثلاً منگول حملے کی وجہ سے سلجوقیوں کی حکومت کمزور ہوتی گئی۔ سلطان علاء الدین سوم 699ھ میں فوت ہوا تو اس کے کمانڈروں نے اپنے اپنے علاقوں میں حکومتیں قائم کر لیں۔ عثمان بن ارطغرل نے بھی اناضول کے ایک حصے میں آزاد سلطنت قائم کر لی اور اپنے لیے عثمانیوں کے بادشاہ کا لقب پسند کر لیا، چنانچہ اسے بجا طور پر سلطنت عثمانیہ کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔[1]

عثمان نے ''یَنی شہر'' کو اپنا دارالحکومت بنا لیا۔ اس طرح ایک آزاد عثمانی سلطنت منصۂ شہود پر آئی۔ اس کے بعد سلطان کے بیٹوں نے اسلامی علاقوں میں بھی اور یورپی علاقوں میں بھی اپنی سلطنت کو وسعت دینا شروع کر دی۔ انھیں اسلامی ملکوں کے اندر سے اور باہر سے، بالخصوص یورپ میں بڑی بڑی مخالف قوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ 923ھ میں آلِ عثمان ممالیکِ مصر کی حکومت ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ساتھ ہی قاہرہ میں عباسی خلافت ختم ہو گئی۔ اس دوران میں انھوں نے مصر، شام، عراق، حجاز اور شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ تب خلافت عثمانی سلطنت کی طرف منتقل ہو گئی جبکہ وہ عثمانی سلطان سلیم اول کے ہاتھوں سب سے طاقتور

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 90.

اسلامی سلطنت بن چکی تھی۔ [1]

عثمانیوں نے خلافت کا منصب حاصل کرنے سے پہلے اہلِ یورپ سے خود یورپ میں اور بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) میں شدید جنگیں کیں۔ انھوں نے عثمانی فتوحات کے دوران میں یورپ کے مختلف علاقوں اور میدانوں میں عیسائیوں کے خلاف جنگیں لڑیں۔ اسی طرح جدید دور میں عثمانیوں نے یورپ کے عالم اسلام پر شدید حملوں کا مقابلہ کیا، خواہ وہ دسویں صدی ہجری کے شروع میں جغرافیائی دریافتوں کے بعد ہوئے ہوں یا تیرہویں صدی ہجری میں ہونے والے استعماری حملے ہوں۔ یورپ کے خلاف عثمانیوں کا جہاد جاری رہا حتی کہ پہلی عالمی جنگ کے فوراً بعد خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حرب کی العثمانیون في التاریخ والحضارۃ: 27.

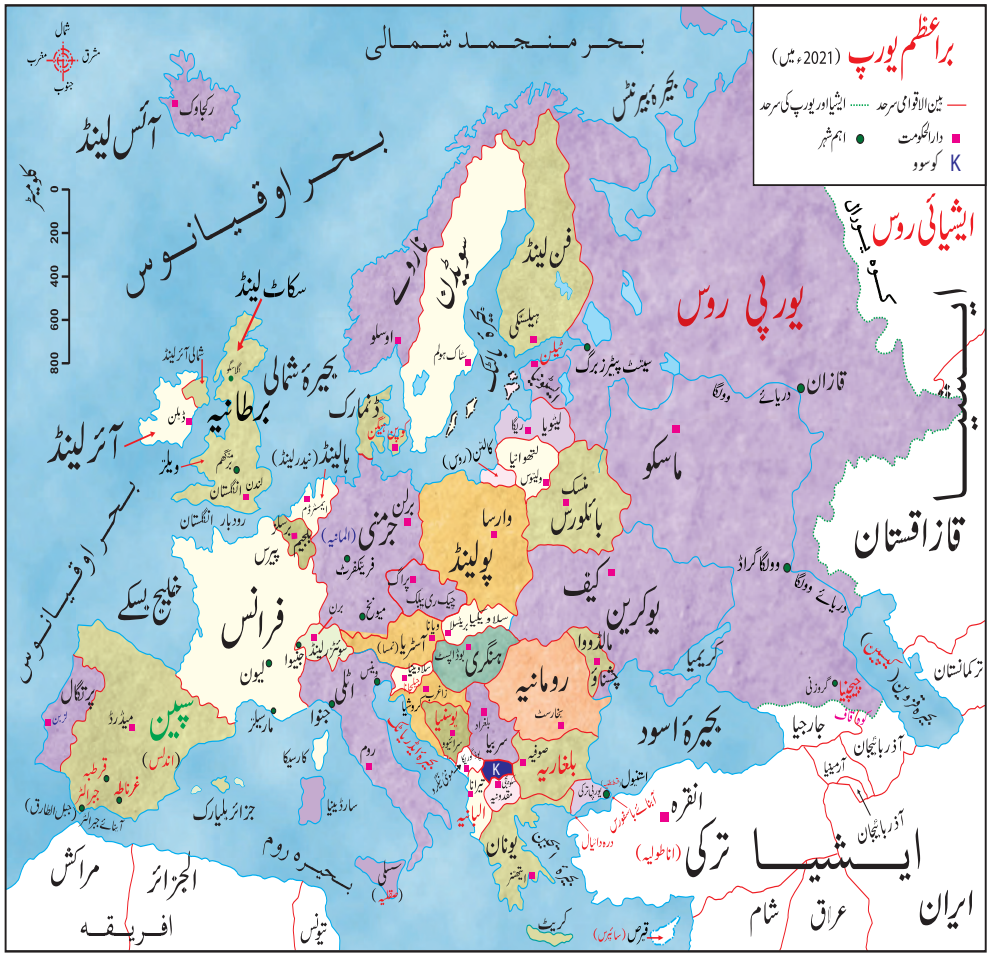

① قسطنطنیہ کی فتح

قسطنطنیہ دنیا کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد بازنطینی بادشاہ قسطنطین اول نے 330ء میں رکھی تھی۔ اس شہر کا دنیا میں محل وقوع بے مثال ہے حتی کہ اس کے بارے میں کسی نے کہا ہے: ''اگر ساری دنیا ایک ملک بن جائے تو اس کا دارالحکومت بننے کے لیے سب سے مناسب شہر قسطنطنیہ ہوگا۔''[1]

بازنطینیوں نے اس کے تعمیر ہوتے ہی اسے اپنا دارالحکومت بنا لیا تھا۔ یہ دنیا کے سب سے بڑے اور اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ مسلمانوں نے جب بازنطینی سلطنت سے جہاد شروع کیا تو اس ٹکراؤ کے دوران میں اس شہر کو خاص اہمیت حاصل رہی۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس شہر کی فتح کی خوشخبری دی تھی، مثلاً غزوۂ خندق کے دوران میں بھی یہ خوشخبری دی گئی تھی۔[2]

اسی وجہ سے مسلمانوں کے خلفاء اور جہاد کے قائدین نے مختلف زمانوں میں اسے فتح کرنے کی کوشش کی، اس امید پر کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ان پر صادق آجائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَتُفْتَحَنَّ قُسْطَنْطِينِيَّةُ عَلَى يَدِ رَجُلٍ، فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا، وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ»

''قسطنطنیہ ایک آدمی کے ہاتھوں فتح ہوگا، اس لشکر کا امیر کتنا اچھا ہے! اور وہ لشکر کیا خوب لشکر ہے!''[3]

چنانچہ مسلمان مجاہدین کی افواج سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما[4] کے وقت ہی سے اس پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر پہلا حملہ 44ھ میں کیا۔[5]

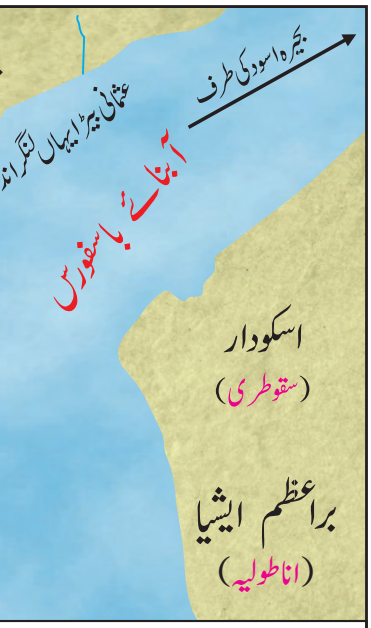

فتح قسطنطنیہ

(20 جمادی الاولیٰ 857ھ/29 اپریل 3

عثمانی عساکر قسطنطنیہ کے گر

عثمانی جہازوں نے شاخ زریں میں جڑ کر
پُل بنا دیا جس کے راستے شہر پر آخری

---

[1] سالم رشیدی کی ''محمد الفاتح'': 54۔ [2] مسند أحمد: 303/4، اس شہر کی فتح کی متعدد بشارتوں کے لیے دیکھیے: مسند أحمد: 178/1، 176-174/2، 193/4. [3] مسند أحمد: 335/4. [4] سب سے پہلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے 48ھ (668ء) میں ایک لشکر قسطنطنیہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔ (''دولت عثمانیہ''، ڈاکٹر عزیر احمد: 108/1) [5] تاريخ خليفة بن خياط: 207-211، و تاريخ الطبري: 131/6، 164، و الكامل: 420/3.

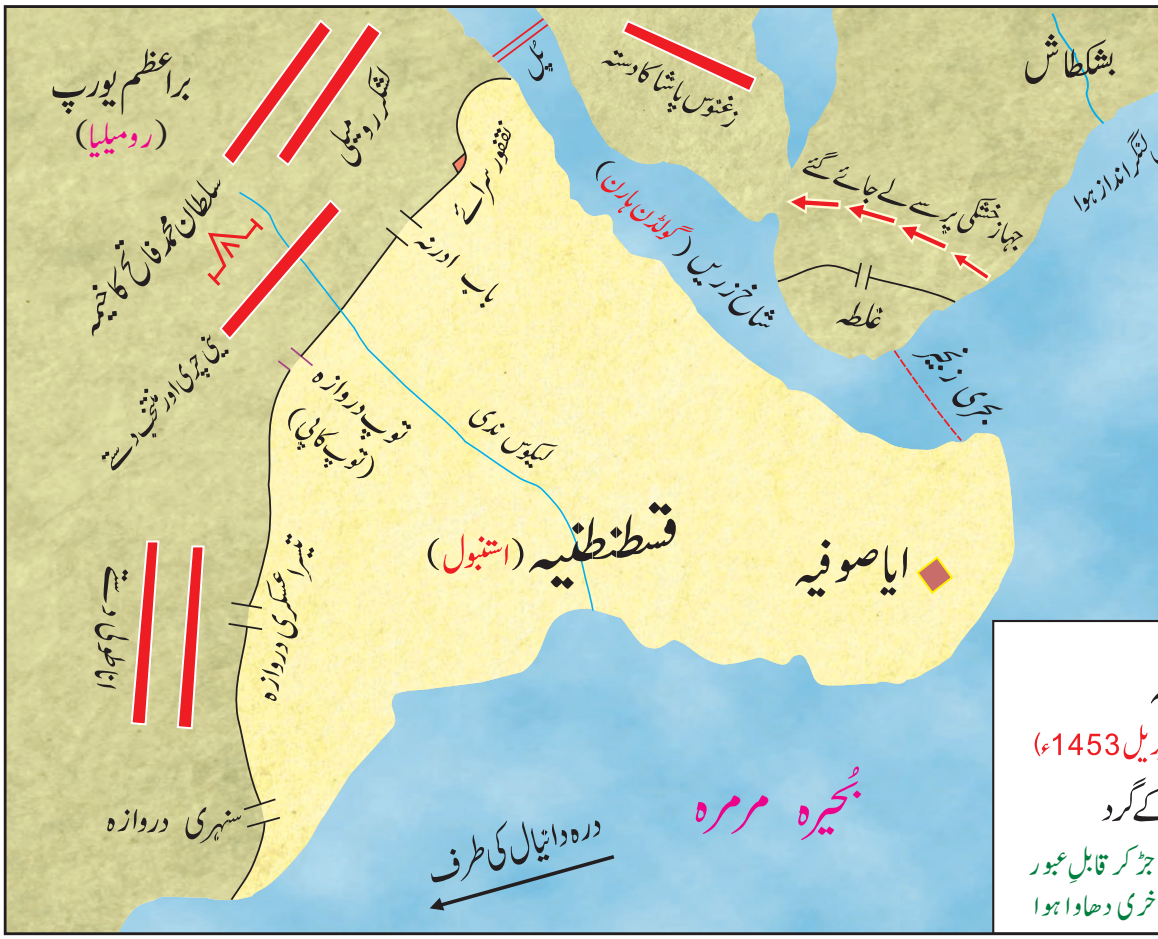

ریل 1453ء)
کے گرد
جڑ کر قابلِ عبور
خری دھاوا ہوا

لیکن یہ حملہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے بعد بھی ان کے عہد میں بار بار حملے ہوتے رہے لیکن وہی نتیجہ برآمد ہوا۔ اموی دور حکومت میں قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ایک اور کوشش کی گئی۔ اس شہر پر بنو امیہ کا یہ حملہ سب سے شدید شمار ہوتا ہے۔ یہ حملہ سلیمان بن عبدالملک کے دور میں 98ھ میں ہوا۔ [1]

اس کے بعد بھی قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوششیں ہوتی رہیں۔ ان سے اندرونی حالات بھی متاثر ہوئے۔ ان میں وہ حملہ اہم ہے جو ہارون الرشید کے دور حکومت میں 190ھ میں ہوا۔ [2]

عثمانی دور میں مسلمانوں نے نئے سرے سے قسطنطنیہ فتح کرنے کی کوشش کی۔ اس کی ابتدا سلطان بایزید (یلدرم) کے دور میں ہوئی۔ اس کی افواج نے 796ھ (مطابق 1393ء) میں پوری قوت سے اس کا

---

[1] تاريخ خليفة بن خياط: 315، و تاريخ الطبري: 117/8، و الكامل: 28/5، 43، و ابن خلدون کی العبر: 70/3.

[2] تاريخ خليفة بن خياط: 458، و تاريخ الطبري: 69/10، و الكامل: 186,185/6.



استنبول میں اُردا کوئی مسجد (طلوعِ آفتاب کا منظر)

محاصرہ کر لیا۔ [1]

سلطان نے بازنطینی بادشاہ سے بات چیت کی کہ یہ شہر پرامن طور پر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے لیکن وہ ٹال مٹول کرنے لگا۔ اس نے قسطنطنیہ پر مسلمانوں کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے یورپ سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ عین اس وقت تیمورلنگ کی قیادت میں مغل افواج عثمانی علاقے میں گھس آئیں، چنانچہ سلطان بایزید کو مغلوں کا مقابلہ کرنے کے لیے قسطنطنیہ کا محاصرہ ختم کر کے اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹانا پڑا۔ تب مغلوں سے بایزید کی وہ مشہور جنگ ہوئی جو ''معرکہ انقرہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بایزید (یلدرم) گرفتار ہوا اور وہ 1402ء میں قید ہی میں فوت ہو گیا۔ [2]

---

[1] تاریخ سلاطین آل عثمان: 18، محمد فرید بک، حوالہ مذکورہ بالا: 139، محمد مصطفی صفوت کی فتح القسطنطینیة: 12، نیز دیکھیے: ابن حجر عسقلانی کی أنباء الغمر في أبناء العمر: 247/3. [2] تاریخ سلاطین آل عثمان: 20، و الغمر: 247/3، و التحفة الحلیمیة: 50، و تاریخ الدولة العلیة: 51، و محمد الفاتح: 53.

تیمور کے حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانی سلطنت وقتی طور پر ختم ہوگئی اور قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی سوچ کچھ وقت کے لیے رک گئی۔

جونہی ملک کے حالات پرسکون ہوئے، جہاد کی روح نئے سرے سے بیدار ہوگئی۔ سلطان مراد دوم، جس کا دور حکومت 824ھ سے 855ھ تک (1421ء تا 1451ء) ہے، نے قسطنطنیہ فتح کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ اس کے دور میں عثمانی فوجوں نے کئی بار اس کا محاصرہ کیا۔ ان کوششوں کے دوران میں بازنطینی بادشاہ، سلطان کے بعض باغیوں کی مدد کر کے عثمانیوں کی صفوں میں اختلاف ڈال دیتا تھا، اس طرح وہ اس کی توجہ اصل ہدف سے ہٹانے میں کامیاب ہو جاتا تھا، چنانچہ عثمانی سلطان مراد دوم کے بعد اس کے بیٹے محمد الفاتح ہی کے دور میں کامیاب ہو سکے۔

محمد فاتح اپنے والد کی زندگی میں بھی بعض شاہی فرائض انجام دیتا تھا، لہٰذا اس نے بازنطینیوں سے جنگوں کے دوران میں مختلف حالات کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تھا اور وہ اس بارے میں عثمانیوں کی گزشتہ جدوجہد سے پوری طرح واقف تھا جو انھوں نے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے کی تھی بلکہ وہ ان کوششوں سے بھی باخبر تھا جو اس سے پہلے مختلف اسلامی ادوار میں کی جا چکی تھیں، چنانچہ جب اس نے 855ھ مطابق 1451ء میں حکومت سنبھالی، تبھی سے اس کی نظریں قسطنطنیہ پر تھیں اور وہ اسے فتح کرنے کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ وہ علماء سے محبت رکھتا تھا اور مجلس میں انھیں اپنے قریب بٹھاتا تھا۔ غالباً اسی وجہ سے اسے نبیٔ اکرم ﷺ کے وہ فرامین یاد تھے جن میں قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے کی تعریف کی گئی ہے، ان میں سے ایک حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «لَتُفْتَحَنَّ قُسْطَنْطِينِيَّةُ عَلٰى يَدِ رَجُلٍ، فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا، وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ» ''قسطنطنیہ ایک آدمی کے ہاتھوں فتح ہوگا۔ اس لشکر کا امیر کتنا اچھا ہے! اور وہ لشکر کیا خوب لشکر ہے!'' اس وجہ سے محمد الفاتح کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بن جائے۔

فتح قسطنطنیہ کی تیاری

سلطان فاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کے لیے ہمہ جہت تیاری کی۔ مختلف منصوبے ترتیب دیے۔ اس نے عثمانی لشکر کو افرادی قوت کے لحاظ سے مضبوط بنانے کے لیے بہت زیادہ محنت کی حتی کہ فوج کی تعداد ڈھائی لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس دور کی مختلف ریاستوں کی افواج سے موازنہ کیا جائے تو یہ بہت بڑی تعداد ہے۔ اس کے



علاوہ اس نے سپاہیوں کو جنگ کی مختلف مہارتوں کی تربیت دینے اور مختلف قسم کے اسلحہ کے استعمال کرنے پر خاص توجہ دی جس سے وہ آیندہ جہاد کے قابل ہو گئے۔ علاوہ ازیں فاتح نے انھیں روحانی طور پر تیار کرنے اور ان میں جہاد کی روح پھونکنے پر بھی خاص توجہ دی۔ اس نے انھیں یاد دلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کی تعریف کی ہے جو قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اور شاید یہی وہ لشکر ہو جس کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا۔ اس سے ان میں بے مثال بہادری اور روحانی قوت پیدا ہوگئی۔ لشکر کی صفوں میں علماء کی بکثرت آمد نے ان کے عزائم پختہ کرنے اور اللہ کے احکام کے مطابق حقیقی جہاد سے ان کا تعلق قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

سلطان نے آبنائے باسفورس پر یورپ کی طرف قلعہ ''رولی حصار'' تعمیر کروایا۔ اس کے مقابل آبنائے کی دوسری طرف ایشیا کی سرزمین پر ایک قلعہ موجود تھا جو سلطان بایزید کے دور حکومت میں تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ مقام آبنائے باسفورس کا سب سے تنگ مقام ہے۔ بازنطینی بادشاہ نے سلطان فاتح کو قلعے کی تعمیر سے روکنے کی کوشش کی۔ اس کے عوض اس نے بہت سا مال ادا کرنے کا وعدہ کیا لیکن فاتح نے قلعہ تعمیر کرنے کا ارادہ نہ بدلا کیونکہ وہ اس مقام کی فوجی اہمیت سے واقف تھا۔ آخر ایک بلند اور مضبوط قلعہ مکمل ہوگیا۔ اس کی بلندی بیاسی میٹر تک پہنچ گئی۔ اس طرح آمنے سامنے دو قلعے بن گئے جن کے درمیان صرف چھ سو ساٹھ میٹر کا فاصلہ تھا۔ ان کی توپوں کے گولے مشرقی علاقوں، مثلاً سلطنت طرابزون وغیرہ سے آنے والے ان جہازوں کو قسطنطنیہ تک پہنچنے سے روک سکتے تھے



سلطان محمد فاتح کی بنا کردہ مسجد ''فاتح جامع'' (استنبول)

جن کے بارے میں خطرہ تھا کہ وہ ضرورت پڑنے پر شہر کے محصورین کی مدد کے لیے آسکتے ہیں۔[1]

اس کے علاوہ سلطان نے تمام ضروری ہتھیار جمع کرنے پر توجہ دی جو آیندہ کارروائی کے لیے ضروری تھے۔ ان میں سب سے اہم توپوں کی تیاری تھی۔ ان کے بارے میں سلطان نے خصوصی اہتمام کیا کہ ہنگری سے ایک کاریگر بلوایا جس کا نام ''اربان'' تھا۔ وہ توپیں بنانے کا ماہر تھا۔ سلطان نے گرم جوشی سے

[1] تاریخ الدولة العثمانية:131، و تاریخ الدولة العلية:161، و تاریخ سلاطین آل عثمان:26.



خلیج شاخِ زریں (گولڈن ہارن) اور بحیرۂ مرمرہ پر واقع قدیم قسطنطنیہ (استنبول) کا نقشہ

اس کا استقبال کیا اور اسے تمام مادی، مالی اور انسانی وسائل مہیا کیے، چنانچہ اس کاریگر نے متعدد بڑی توپیں بنا دیں جن میں سرفہرست مشہور ''سلطانی توپ'' تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا وزن کئی ٹن تھا۔ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے کئی سو بَیل درکار ہوتے تھے۔ سلطان نے اپنی نگرانی میں اسے تیار کروایا اور اس کا تجربہ کیا۔ [1]

اس تمام تیاری کے علاوہ سلطان فاتح نے عثمانی بحری بیڑے پر خاص توجہ دی۔ اس نے اسے خوب مضبوط کیا اور اس میں کئی اقسام کے جہاز شامل کیے تاکہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے میں وہ بھی اپنا کردار ادا کر سکے۔ یہ ایک سمندری شہر تھا جس کا محاصرہ کرنے کے لیے بحری فوج کی ضرورت تھی جو یہ مہم انجام دے سکے۔ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اس مقصد کے لیے جو بحری جہاز تیار کیے گئے تھے، ان کی تعداد چار سو سے زیادہ تھی۔ [2]

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 132، و محمد الفاتح: 79، و فتح القسطنطينية: 74. [2] سلاطين آل عثمان: 26، و محمد الفاتح: 90.

سلطان فاتح نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے سے پہلے اپنے مختلف مخالفین سے معاہدے کر لیے تا کہ وہ یکسو ہو کر ایک دشمن سے نبٹ سکے، چنانچہ اس نے ایشیائے کوچک میں قرامان کی ریاست سے معاہدہ کیا۔ اسی طرح اس نے ''ہنگری'' اور ''بندقیہ'' (وینس) سے معاہدے کیے۔ یہ یورپی ہمسایہ ریاستیں تھیں۔ لیکن جب قسطنطنیہ پر بالفعل حملہ شروع ہوا تو یہ معاہدے قائم نہ رہ سکے کیونکہ دوسرے شہروں کے علاوہ ان ریاستوں کی فوجیں بھی قسطنطنیہ کے دفاع میں شریک ہونے کے لیے پہنچ گئیں۔ [1]

یورپی ریاستوں نے اپنے ہم قوم عیسائیوں کی مدد کرتے ہوئے مسلمانوں سے کیے ہوئے تمام عہد و پیمان فراموش کر دیے۔ جب سلطان فتح حاصل کرنے کے لیے تیاریاں کر رہا تھا تو بازنطینی بادشاہ نے اسے اس کے ہدف سے ہٹانے کے لیے سرتوڑ کوشش کی۔ اس نے بہت سا مال و دولت اور طرح طرح کے تحفے پیش کیے اور سلطان کے بعض مشیروں کو رشوت بھی دی تا کہ وہ اس کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کی کوشش کریں۔ [2]

لیکن سلطان اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کیے ہوئے تھا۔ وہ ان حربوں سے متاثر ہو کر اپنے مقصود سے پیچھے نہیں ہٹا۔ جب بازنطینی بادشاہ نے دیکھا کہ سلطان اپنے مقصد کے حصول کا پختہ عزم رکھتا ہے تو اس نے یورپ کے مختلف ملکوں اور شہروں سے مدد مانگ لی جن میں سرفہرست کیتھولک فرقے کا سربراہ پوپ تھا، حالانکہ اس وقت بازنطینی سلطنت آرتھوڈکس چرچ کے تابع تھی۔ ان دونوں فرقوں کے درمیان شدید عداوت تھی لیکن بادشاہ پوپ کو خوش کرنے کے لیے اس کے قریب ہونے پر مجبور تھا۔ اس نے کہا کہ وہ مشرقی آرتھوڈکس فرقے کو متحد کر کے پوپ کے ماتحت کرنے پر تیار ہے جبکہ درحقیقت آرتھوڈکس اس اشتراک کے لیے آمادہ نہ تھے۔ پوپ نے اپنا ایک نمائندہ قسطنطنیہ بھیجا جس نے ایا صوفیا کے گرجے میں تقریر کی۔ اس نے پوپ کے پاس واپس آ کر دونوں فرقوں کو متحد کرنے کا اعلان کر دیا لیکن اس سے شہر کے آرتھوڈکس عوام ناراض ہو گئے۔ انھوں نے بادشاہ کے کیتھولک سے اشتراک کے خلاف تحریک چلا دی حتی کہ ایک آرتھوڈکس لیڈر نے یہاں تک کہہ دیا: ''میں بازنطینی علاقے میں لاطینی ہیٹ دیکھنے کی نسبت ترکی عمامہ دیکھنا زیادہ پسند کروں گا۔'' [3]

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 132، و تاريخ الدولة العلية: 162، و فتح القسطنطينية: 70، و تاريخ سلاطين آل عثمان: 58. [2] تاريخ الدولة العثمانية: 134، و فتح القسطنطينية: 69. [3] تاريخ الدولة العثمانية: 132، و محمد الفاتح: 89، و فتح القسطنطينية: 55.



شہرِ قیصر پر حملہ

قسطنطنیہ کا شہر تین اطراف سے سمندر سے گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف آبنائے باسفورس ہے، دوسری طرف بحیرۂ مرمرہ اور تیسری طرف گولڈن ہارن [1] جس کی حفاظت کے لیے ایک بہت موٹی آہنی زنجیر اس کے دہانے میں لگائی گئی تھی۔ اسے صرف اس وقت ہٹایا جاتا تھا جب کسی جہاز کو گزارنا مقصود ہو۔ علاوہ ازیں خشکی کی طرف بحیرۂ مرمرہ کے ساحل سے گولڈن ہارن تک دو فصیلیں تھیں جن کے درمیان دریائے لیکوس

[1] شاخ زریں (Golden Horn) ایک خلیج ہے جو سینگ کی طرح آبنائے باسفورس اور بحیرۂ مرمرہ کے سنگم سے نکل کر شمال میں خشکی کے اندر تک چلی گئی ہے۔ ترک اسے صرف خلیج (Halic) کہتے ہیں۔ (م ف)



بہتا تھا۔ دونوں فصیلوں کے درمیان خالی جگہ تھی جو ساٹھ فٹ چوڑی تھی۔ اندرونی دیوار چالیس فٹ بلند تھی جس پر برج بنے ہوئے تھے، برجوں کی بلندی ساٹھ فٹ تک پہنچتی تھی۔ بیرونی فصیل کی بلندی تقریباً پچیس فٹ تھی۔ اس پر جگہ جگہ برج بنے ہوئے تھے جن میں فوج بٹھائی ہوئی تھی۔ [1]

الغرض فوجی نقطہ نگاہ سے قسطنطنیہ کا دفاعی نظام دنیا بھر کے شہروں میں سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا کیونکہ اسے فصیلوں اور چھوٹے بڑے قلعوں کے علاوہ قدرتی دفاع بھی حاصل تھا، چنانچہ اس میں داخل ہونا بہت مشکل تھا۔ اسی وجہ سے اس میں حملہ آوروں کے داخل ہونے کی دسیوں عسکری کوششیں ناکام ہوچکی تھیں۔ ان میں گیارہ کوششیں وہ ہیں جو مسلمانوں نے اس سے پہلے کی تھیں۔

سلطان فاتح نے اَدرنہ میں مجاہدین اور اسلحہ جمع کرنے کی صورت میں مکمل تیاری کر رکھی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قسطنطنیہ کا جائزہ لیتا اور وہاں کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا۔ وہ اس کے محاصرے کے لیے ضروری نقشے بھی تیار کرواتا رہتا تھا۔ وہ خود بھی معلوماتی دورے کرتا تھا جن میں وہ قسطنطنیہ کی فصیلوں اور دفاعی انتظامات کا جائزہ لیتا تھا۔ [2]

سلطان نے ادرنہ سے قسطنطنیہ تک پختہ سڑک تیار کروائی تاکہ بہت بڑی توپیں اس پر سے کھینچ کر قسطنطنیہ لے جائی جاسکیں۔ یہ توپیں دو ماہ کی مدت میں ادرنہ سے قسطنطنیہ کے قریب پہنچیں۔ لشکر کا ایک حصہ ان کی

---

[1] سلاطین آل عثمان: 20، و محمد الفاتح: 96، و العثمانیون والبلقان: 88. [2] محمد الفاتح: 82، و تاریخ الدولة العثمانیة: 132، و فتح القسطنطینیة: 57.



غلطہ ٹاور، غلطہ پُل، قراکوئی ضلع اور شاخ زرّیں (استنبول)

حفاظت کررہا تھا حتی کہ وہ وقت آ گیا جب عثمانی افواج خود سلطان فاتح کی قیادت میں قسطنطنیہ کے مضافات تک پہنچ گئیں۔ یہ جمعرات 26 ربیع الاول 857ھ مطابق 6 اپریل 1453ء کا دن تھا۔ افواج کی تعداد تقریباً ڈھائی لاکھ تھی۔ سلطان نے افواج کو جمع کر کے ایک زبردست تقریر کی جس میں جہاد کرنے اور فتح یا شہادت کے حصول کی ترغیب دی۔ انھیں دشمن کا سامنا ہونے پر جہاد اور قربانی کے جذبے سے کام لینے کی تلقین کی۔ اس نے قرآن مجید کی وہ آیات سنائیں جن میں جہاد کی ترغیب ہے۔ نبی ﷺ کے وہ ارشادات یاد دلائے جن میں آپ ﷺ نے قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت دی ہے اور اسے فتح کرنے والے لشکر اور اس کے کمانڈر کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس عزت کا ذکر کیا جو اس فتح سے اسلام اور مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہے۔ لشکر نے نعرۂ تکبیر وتہلیل بلند کرنا اور دعائیں کرنی شروع کر دیں۔ علمائے کرام مجاہدین کی صفوں میں پھیل گئے تاکہ ان کے ساتھ جہاد وقتال میں شریک ہوں۔ اس سے لشکر کی ہمت اور بڑھی اور ہر مجاہد اپنا فرض ادا کرنے کے لیے جنگ شروع ہونے کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا۔

اگلے دن سلطان نے بری فوج کو شہر کی بیرونی فصیلوں کے سامنے مختلف مقامات پر متعین کر دیا۔ اس نے لشکر کے تین بڑے حصے تشکیل دیے جنھوں نے مختلف سمتوں سے سختی سے محاصرہ کر لیا۔ سلطان فاتح نے ان



بڑی فوجوں کے پیچھے احتیاطی فوج (ریزروفورس) متعین کی۔ اس نے فصیلوں کے سامنے توپیں نصب کر دیں جن میں سب سے اہم دیوہیکل ''سلطانی توپ'' تھی جو توپ قاپی گیٹ کے سامنے نصب کی گئی۔ اس کے علاوہ اس نے شہر کے قریب مختلف بلند مقامات پر نگران دستے متعین کیے۔ اسی دوران میں عثمانی جہاز ان سمندروں میں پھیل گئے جو شہر کو گھیرے ہوئے تھے۔ شروع میں انھیں ''گولڈن ہارن'' تک پہنچنے میں ناکامی ہوئی کیونکہ وہاں بہت بڑی زنجیر کسی بھی جہاز کے آگے بڑھنے میں رکاوٹ تھی بلکہ ہر وہ جہاز جو اس کے قریب آتا، اسے توڑ پھوڑ دیتی تھی، البتہ عثمانی جہازوں نے بحیرۂ مرمرہ میں امراء کے جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ [1]

اس دوران میں شاہ قسطنطین یاز دہم کی قیادت میں بازنطینی سپاہی فصیل پر ہر جگہ پہنچ چکے تھے۔ وہ شہر کو محفوظ بنانے اور اس کا دفاع کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ عثمانی لشکر نے محاصرہ سخت کر دیا۔ محاصرے کے ابتدائی ایام ہی سے حملہ آور فوج اور دفاع کرنے والی فوج میں مختلف جھڑپیں ہو رہی تھیں۔ عثمانی لشکر کے وہ افراد جنھیں دروازوں کے قریب کی ذمہ داری دی گئی تھی، ان میں سے بڑی تعداد جامِ شہادت نوش کر چکی تھی۔ اس دوران میں عثمانی توپ خانہ مختلف مقامات سے شہر پر گولہ باری کر رہا تھا۔ اس کے گولوں

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية:133، و محمد الفاتح:98، و العثمانيون والبلقان:89.



مسجد ایا صوفیہ جو فتح قسطنطنیہ سے پہلے سینٹ صوفیہ گرجا تھا (استنبول)

اور خوف ناک آوازوں سے شہر کے اندر بازنطینیوں کے دل دہل رہے تھے۔ شہر کے گرد کی فصیل بعض جگہ سے ٹوٹ گئی لیکن دفاع کرنے والوں نے اس کی حفاظت کے لیے فوری کارروائی کی اور اس کی مرمت کر لی۔ اس کے علاوہ یورپ سے کچھ امدادی افواج آ گئیں جنھوں نے اس مشکل وقت میں شہر والوں کی مدد کی۔ ان میں جنوبی فوج پانچ جہازوں پر مشتمل تھی جن کا سردار جنوا (اٹلی) سے آنے والا کمانڈر جسٹینانی تھا۔ اس کے ماتحت یورپ کے مختلف ممالک سے آنے والے سات سو رضا کار جنگجو تھے۔ ان کے جہازوں نے شہر کا محاصرہ کرنے والے عثمانی جہازوں کا مقابلہ کیا اور قسطنطنیہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے بازنطینیوں کی ہمت بڑھ گئی اور اس کے کمانڈر جسٹینانی کو شہر کی دفاع کرنے والی افواج کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا کیونکہ وہ شجاعت اور ذہانت میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ [1]

عثمانی بحری افواج نے اس موٹی آہنی زنجیر سے پار گزرنے کی کوشش کی جو گولڈن ہارن میں داخل ہونے کی جگہ لگی ہوئی تھی تاکہ مسلمانوں کے جہاز وہاں پہنچ سکیں۔ انھوں نے وہاں موجود بازنطینی اور یورپی جہازوں پر تیر برسائے لیکن شروع میں وہ اپنا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس وجہ سے شہر کا دفاع کرنے والوں کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ عیسائیوں کے پادری اور راہب شہر میں گشت کرتے تھے اور دفاع

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 134، و محمد الفاتح: 102، و العثمانيون و البلقان: 92، و فتح القسطنطينية: 71.

کرنے والوں کو ثابت قدمی اور صبر کی تلقین کرتے تھے۔ وہ عوام سے کہتے تھے کہ گرجا گھروں میں جا کر مسیح علیہ السلام اور کنواری مریم (علیہا السلام) سے شہر کی نجات کے لیے دعائیں کریں۔ بادشاہ قسطنطین بذاتِ خود اس غرض سے ایا صوفیا کے گرجا میں جاتا رہتا تھا۔ [1]

دونوں فریق اپنی اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے۔ ایک طرف شہر پر حملہ کرنے والے تھے جن کا قائد محمد الفاتح تھا، دوسری طرف شہر کا دفاع کرنے والے تھے جن کی قیادت قسطنطین یا زدہم کر رہا تھا۔ اس نے سلطان کو کئی طرح کی اشیاء پیش کی تھیں تاکہ مال یا اطاعت کے عوض پسپائی اختیار کر لے۔ اس نے مزید قیمتی اشیاء کی بھی پیشکش کی لیکن سلطان فاتح رحمہ اللہ جواب میں شہر کو صلح کے ساتھ (جنگ کے بغیر) مسلمانوں کے سپرد کرنے کا مطالبہ کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس صورت میں کوئی بھی شہر کے باشندوں یا عبادت خانوں کو بالکل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس نے خط میں لکھا: ''تمھارا بادشاہ قسطنطنیہ کا شہر میرے حوالے کر دے۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ میرا لشکر کسی کی جان، مال یا آبرو پر ہاتھ نہیں ڈالے گا، پھر جو چاہے شہر میں مقیم رہے، وہ وہاں امن اور سلامتی سے رہے گا اور جو شخص چاہے اپنی پسند کے کسی مقام کی طرف چلا جائے۔ اس صورت میں بھی وہ امن اور سلامتی سے کوچ کرے گا۔'' [2]

محاصرہ اب بھی نامکمل تھا کیونکہ گولڈن ہارن کی آبنائے ابھی تک دشمن کے قبضے میں تھی۔ اس کے باوجود عثمانی حملہ بلا توقف اور مسلسل جاری تھا۔ ینی چری فوج نے عجیب شجاعت اور بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا۔ وہ بے جھجک موت کی طرف بڑھتے تھے اور توپ کے گولوں کے عقب میں حملہ کرتے تھے۔ اٹھارہ اپریل کو عثمانی توپیں بازنطینی فصیلوں کے مغربی حصے میں لیکوس ندی کے قریب شگاف ڈالنے میں کامیاب ہوگئیں۔ عثمانی لشکر کے سپاہی شگاف سے شہر میں داخل ہونے کے لیے بڑی بہادری سے اس کی طرف امڈ پڑے لیکن شہر کا دفاع کرنے والوں نے جسٹینانی کی قیادت میں شگاف اور دیوار کی حفاظت کے لیے جانیں لڑا دیں۔ فریقین میں شدید جنگ ہوئی۔ شگاف تنگ تھا۔ مسلمانوں پر تیروں اور گولوں کی بارش کثرت سے ہو رہی تھی۔ جگہ کی تنگی، دشمن کی طرف سے شدید مدافعت اور اندھیرا چھا جانے کی وجہ سے سلطان فاتح نے حملہ آور فوج کو واپسی کا حکم دے دیا لیکن وہ اپنے دشمنوں کو مرعوب کر چکے تھے اور حملہ کرنے کے لیے دوسرے موقع کی تلاش میں تھے۔ [3]

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 134، و محمد الفاتح: 100. [2] عبدالسلام فہمی کی ''محمد الفاتح'': 92۔ [3] تاريخ الدولة العثمانية: 136، و محمد الفاتح: 123.

اسی روز عثمانی فوج کے جہازوں نے رکاوٹ ڈالنے والی زنجیر توڑ کر گولڈن ہارن میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن خلیج میں داخل ہونے کے راستے پر بازنطینی اور یورپی مشترکہ بحری بیڑے کے علاوہ زنجیر کے پیچھے دفاعی دستے موجود تھے۔ ان سب نے مل کر کوشش کی اور اسلامی جہازوں کو روک دیا اور بعض جہاز تباہ کر دیے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی بحری فوج کے بہت سے مجاہد شہید ہو گئے۔ باقی جہاز اپنا ہدف حاصل کرنے میں ناکام ہو کر واپس آنے پر مجبور ہو گئے۔

اس معرکے سے دو دن بعد عثمانی بحریہ اور بعض یورپی جہازوں کے درمیان ایک اور جنگ ہوئی جنھوں نے خلیج تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ مسلمانوں کے جہازوں نے انھیں روکنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ فاتح خود ساحل سے معرکے کی نگرانی کر رہا تھا لیکن یورپی جہاز اپنے ہدف تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور عثمانی جہاز انھیں روک نہ سکے۔ سلطان فاتح سخت غضب ناک ہوا

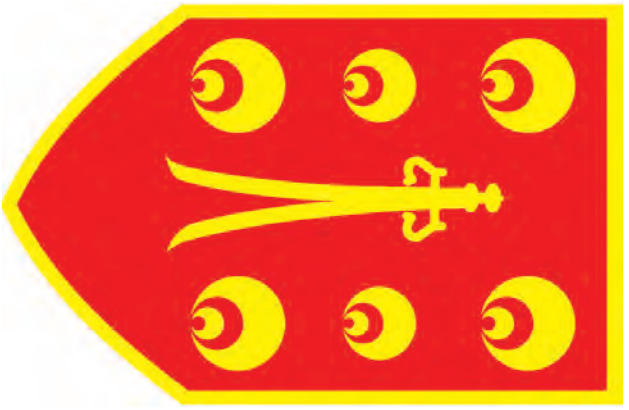

عثمانی پرچم

اور اس نے بحری بیڑے کے کمانڈر کو معزول کر دیا۔[1]

ان شکستوں کی وجہ سے سلطان کے بعض مشیروں نے جن میں اس کا وزیر خلیل پاشا سرفہرست تھا، کوشش کی کہ سلطان قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ ترک کر دے اور وہاں کے باشندوں سے صلح کر کے محاصرہ ختم کر دے لیکن سلطان فتح کی کوشش جاری رکھنے پر مصر تھا۔ اس نے مختلف مقامات سے شہر کی دفاعی دیواروں پر توپوں سے گولہ باری جاری رکھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ سنجیدگی سے غور و فکر کر رہا تھا کہ مسلمانوں کے جہازوں کو گولڈن ہارن میں کس طرح داخل کیا جائے۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ گولڈن ہارن کی سمت کی فصیلیں اتنی مضبوط نہیں، لہٰذا بازنطینیوں کو ان کے دفاع کے لیے کچھ فوجیں شہر کی مغربی دیواروں سے ہٹانا پڑیں گی۔ دفاع کرنے والی فوجوں کے اس طرح تقسیم ہو جانے کی وجہ سے دیواروں پر حملہ کرنے

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 134، و محمد الفاتح: 97، و مواقف حاسمة: 180.

کا زیادہ موقع ملے گا کیونکہ ان کا دفاع کرنے والوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔

آخر سلطان فاتح کو ایک طریقہ سوجھ گیا جس سے وہ بازنطینی بحریہ سے الجھے بغیر گولڈن ہارن کو بند کرنے والی زنجیر سے بچ کر اپنی بحری فوجیں اس سمندر تک پہنچا سکتا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ عثمانی بحریہ کے جہازوں کو خشکی پر سے کھینچ کر لایا جائے حتی کہ وہ خلیج گولڈن ہارن اور دوسرے دفاعی انتظامات کو بائی پاس کر جائیں، پھر انھیں سمندر میں اتار دیا جائے۔ فاتح اور اس کے جنگی ماہرین نے اس پر غور کیا اور معلوم کیا کہ اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے کس کس سامان کی ضرورت ہوگی۔ ان جہازوں کو خشکی پر کس راستے سے گزارا جائے گا۔ مجوزہ منصوبے کا فاصلہ تین میل تھا۔ منصوبے کی جزئیات باریک بینی سے طے کرنے کے بعد فاتح کو اطمینان ہوگیا کہ یہ منصوبہ قابل عمل ہے۔ اسے عملی جامہ پہنانے والے ماہرین نے بھی اس کی حوصلہ افزائی کی۔ راستہ تیار کرنے اور ہموار کرنے کا کام خاموشی سے شروع ہوگیا۔ بازنطینی سمجھ نہ سکے کہ اس کام کا مقصد کیا ہے۔ کثیر مقدار میں لکڑی کے تختے اور چربی جمع کر لی گئی۔ ضروری سامان پورا ہو جانے کے بعد فاتح نے اکیس اپریل کی شام کو اپنی فوج کو حکم دیا کہ بازنطینیوں کو مشغول رکھنے کے لیے گولڈن ہارن میں آہنی زنجیر کو پار کرنے کی کوشش جاری رکھی جائے۔ تمام بازنطینی فوجیں اس طرف جمع ہوگئیں۔ انھیں معلوم نہ ہوا کہ دوسری طرف کیا ہو رہا ہے۔ سلطان نے تیار شدہ راستے پر لکڑی کے تختے بچھانے کا کام جاری رکھا، پھر ان تختوں کو چربی سے چکنا کیا گیا۔ جہازوں کو باسفورس سے کھینچ کر خشکی پر لایا گیا۔ انھیں تین میل تک ان چکنے تختوں پر کھینچ کر لے جایا گیا حتی کہ وہ ایک محفوظ مقام پر پہنچ گئے اور وہاں سے گولڈن ہارن میں اتر گئے۔ عثمانیوں نے اس رات ستر سے زیادہ جہاز کھینچ کر وہاں پہنچا دیے جبکہ دشمن اس سے بے خبر رہا اور ایسے طریقے سے پہنچائے گئے کہ سلطان فاتح سے پہلے کسی نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس نے بذاتِ خود اس جہادی آپریشن کی نگرانی کی جو رات کی تاریکی میں دشمن کی نظروں سے اور اس کی نگرانی سے بچ کر عمل میں لایا گیا۔ بائیس اپریل کی صبح ہوئی تو شہر والوں کی آنکھیں تب کھلیں جب انھوں نے گولڈن ہارن میں عثمانیوں کی آوازیں سنیں۔ وہ تکبیر کے نعرے لگا رہے تھے اور ترکی ترانے گا رہے تھے۔ عیسائی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ عثمانی جہاز اس آبی گزرگاہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ اب قسطنطنیہ کا دفاع کرنے والوں اور عثمانی فوجوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ [1]

---

[1] تاريخ سلاطين آل عثمان للقرماني: 26، و تاريخ الدولة العثمانية: 134، و محمد الفاتح: 105، و العثمانيون في التاريخ: 72، و تاريخ سلاطين آل عثمان ليوسف آصاف: 58.

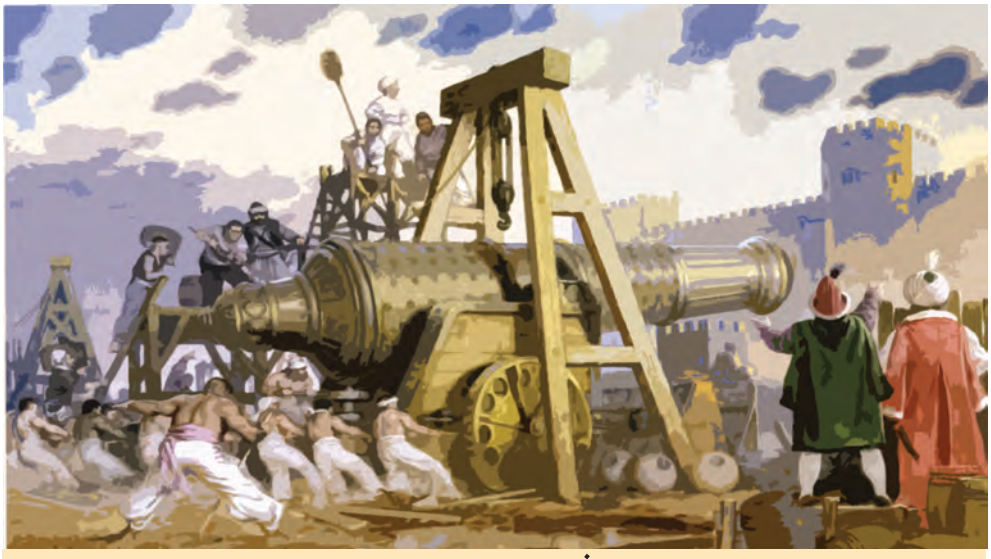

قسطنطنیہ کی فصیل پر فائرنگ کرتی عثمانی توپ

ایک بازنطینی مؤرخ نے اس عمل پر اس طرح تعجب کا اظہار کیا ہے: ''ایسا معجزانہ کارنامہ ہم نے اس سے پہلے نہ دیکھا، نہ سنا۔ محمد فاتح نے خشکی کو سمندر بنا ڈالا۔ اس کے جہازوں نے پانی کی لہروں کے بجائے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفر کیا۔ یہ کام کر کے محمد ثانی نے سکندر اعظم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔'' [1]

قسطنطنیہ والے مایوس ہونے لگے۔ ان میں افواہیں اور پیشگوئیاں کثرت سے گردش کرنے لگیں۔ ایک پیشگوئی یہ مشہور ہوئی: ''قسطنطنیہ اس وقت شکست کھائے گا، جب خشکی پر جہاز چلتے دیکھے گا۔'' شہر کا دفاع کرنے والوں کی کمر ہمت ٹوٹنے میں گولڈن ہارن میں مسلمانوں کے جہازوں کی موجودگی کا بہت بڑا حصہ تھا۔ انھیں دوسری فصیلوں کی حفاظت کرنے والی افواج میں سے بڑی تعداد کو وہاں سے ہٹانا پڑا تاکہ گولڈن ہارن کی فصیل کا دفاع کر سکیں۔ یہ فصیل سب سے کمزور تھی کیونکہ ماضی میں اس کی حفاظت کے لیے سمندر ہی کافی ہوتا تھا۔ اس طرح دوسری فصیلوں کے دفاع میں خلل واقع ہو گیا۔ [2]

بازنطینی بادشاہ نے کوشش کی کہ گولڈن ہارن میں موجود جہازوں پر زیادہ منظم طریقے سے شب خون مارا جائے اور انھیں غرق کرنے یا تباہ کرنے کی جان توڑ کوشش کی جائے لیکن عثمانی بیڑا حملہ آوروں کی گھات میں تھا، چنانچہ یہ حربہ ناکام ہو گیا۔ [3]

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 135. [2] محمد الفاتح: 106. [3] محمد الفاتح لعبد السلام فهمي: 104، و محمد الفاتح لسالم الرشيدي: 107.

عثمانیوں نے شہر پر گولہ باری کرنے اور فصیل توڑنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ فصیلوں پر چڑھنے کی بھی کوشش کر رہے تھے جبکہ دفاع کرنے والے اپنے شہر کی ٹوٹنے والی دیواروں کی تعمیر اور مرمت میں مشغول تھے۔ محاصرہ مسلسل جاری رہنے کے ساتھ ساتھ ترکوں کی دیواروں پر چڑھنے کی بار بار کوششوں کو روکنے میں دنوں کے علاوہ راتوں کو بھی مصروف رہنے کی وجہ سے وہ تھک کر چور ہو گئے اور ان پر مایوسی غالب آنے لگی۔ عثمانیوں نے باسفورس اور گولڈن ہارن کے قریبی ٹیلوں پر خاص توپیں نصب کر رکھی تھیں جن کے ذمہ گولڈن ہارن میں اور قریبی سمندر میں بازنطینی جہازوں اور ان سے تعاون کرنے والے جہازوں پر گولہ باری کرنا تھا۔ ان کی وجہ سے دشمن کے جہازوں کی نقل وحرکت مکمل طور پر منجمد ہو کر رہ گئی۔ بادشاہ قسطنطین نے اپنے معاونوں، مشیروں اور عیسائی پادریوں کا ایک اجلاس بلا لیا۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ بادشاہ خود شہر سے نکل کر یورپ میں اور قریبی عیسائی ریاستوں میں جا کر مدد طلب کرے۔ ہوسکتا ہے اس کے نتیجے میں سلطان فاتح خوف زدہ ہو کر شہر کا محاصرہ اٹھا لے۔ بادشاہ نے یہ رائے قبول نہ کی اور کہا کہ وہ شہر میں اپنی قوم کے ساتھ رہے گا اور جو انجام قوم کا ہوگا، وہی اس کا بھی ہوگا۔ اس نے کہا: اس چیز کو فرار سمجھا جائے گا۔ آیندہ میرے سامنے اس قسم کی کوئی تجویز پیش نہ کی جائے۔ البتہ اس نے مدد کے حصول کے لیے یورپ کے اطراف واکناف میں اپنے نمائندہ وفود بھیجنے پر اکتفا کیا۔ [1]

محاصرے کے اگلے مرحلے میں عثمانیوں نے شہر میں داخل ہونے کے لیے ایک نیا اور اچھوتا طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے کئی جگہ سے اندرونِ شہر کی طرف زیر زمین سرنگیں کھودنی شروع کر دیں۔ شہر والوں نے سولہ مئی کو زمین کے نیچے سخت ضربوں کی آوازیں سنیں جو آہستہ آہستہ اندرونِ شہر کے قریب آ رہی تھیں۔ بادشاہ اپنے کمانڈروں اور مشیروں کے ساتھ آواز کی طرف گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ عثمانی لشکر شہر میں داخل ہونے کے لیے زمین کے نیچے سرنگیں کھود رہا ہے۔ دفاع کرنے والوں نے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ویسی ہی سرنگیں اس طرح کھودنے کا فیصلہ کیا کہ حملہ آور فوج کو معلوم نہ ہو سکے۔ جب حملہ آور ان سرنگوں تک پہنچے تو انھوں نے سمجھا کہ وہ خفیہ مخصوص راستوں تک پہنچ گئے ہیں جن کے ذریعے سے وہ اندرون شہر تک پہنچ جائیں گے۔ یہ سوچ کر وہ خوش ہو گئے لیکن یہ خوشی دیرپا ثابت نہ ہوئی کیونکہ رومیوں نے ان پر اچانک آگ کے شعلے، جلتا ہوا مٹی کا تیل اور بھڑکنے والی چیزیں پھینکنی شروع کر دیں۔ اس کے نتیجے میں

---

[1] محمد الفاتح: 116، و فتح القسطنطينية: 97.



سلطان محمد فاتح اپنے لشکر کے ہمراہ شاخ زریں کے کنارے

بہت سے مجاہد (دھوئیں سے) دم گھٹ جانے کی وجہ سے شہید ہوگئے۔ بہت سے آگ میں جل کر شہید ہوگئے اور جو بچے، وہ پلٹ گئے۔ [1]

اگرچہ یہ منصوبہ کامیاب نہیں رہا تھا، تاہم عثمانیوں کو بعض دوسری سرنگوں کی طرف سے کامیابی کی امید تھی۔ اس لیے شہر فتح ہونے تک وہ مختلف نئی جگہوں سے سرنگیں کھودتے رہے۔ کھدائی کے اس عمل سے شہر کا دفاع کرنے والوں کے دلوں میں بے حد خوف پیدا ہوگیا۔ وہ شہر کے نیچے سے کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ سے، عثمانیوں کے نکل آنے کی توقع کر سکتے تھے۔ کئی جگہ انھیں شک ہوا کہ نیچے کھدائی ہو رہی ہے۔ وہ وہاں جمع ہو کر مقابلے کی تیاری کرتے رہے لیکن اس کی کبھی نوبت نہ آئی۔

عثمانیوں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش میں ایک نیا طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے لکڑی کا ایک بہت بڑا متحرک قلعہ تیار کیا جس کی تین منزلیں تھیں اور وہ فصیلوں سے زیادہ بلند تھا۔ اسے بھیگے ہوئے چمڑے اور زرہوں سے ڈھانپا گیا تھا تاکہ اس پر آگ اثر نہ کرے۔ اس متحرک قلعے کی ہر منزل میں مجاہدین تھے۔ اس کی بالائی منزل پر تیرانداز تھے۔ جب بھی کوئی شخص فصیل کے اوپر سے سر نکال کر جھانکنے کی کوشش کرتا، تیرانداز اس پر تیر چلا دیتے۔ تب ترکوں نے اس متحرک قلعے کے ذریعے سے پیش قدمی کی اور باب رومانوس

[1] تاریخ الدولة العثمانية: 16، و محمد الفاتح: 113، و فتح القسطنطينية: 98.

کے قریب فصیل کے نزدیک پہنچ گئے تو شہر کا دفاع کرنے والوں پر اس کا رعب پڑ گیا۔ بادشاہ خود اپنے کمانڈروں سمیت وہاں پہنچا تا کہ متحرک قلعے کو آگے بڑھنے سے روک کر دیوار سے دور ہٹا دیا جائے لیکن عثمانی اسے فصیل کے ساتھ ملا دینے میں کامیاب ہوگئے۔ تب متحرک قلعہ والوں اور شہر کا دفاع کرنے والوں میں زور دار جنگ ہوئی۔ متحرک قلعے میں سے بعض افراد نے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی اور وہ اس کوشش میں کامیاب ہوگئے۔ بادشاہ مایوس ہوگیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ اب شکست ہو جائے گی لیکن دفاع کرنے والوں نے متحرک قلعے پر کثرت سے آگ برسائی حتی کہ لکڑی کے اس قلعے پر آگ کا اثر ہونے لگا۔ وہ جل کر بازنطینیوں کے قریبی برجوں پر جا گرا اور ان میں موجود دفاعی فوجی جل کر شہید ہو گئے اور اس کی قریبی خندق مٹی اور پتھروں سے بھر گئی۔ اس کے باوجود عثمانی مایوس نہ ہوئے۔ سلطان فاتح نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا: ''کل ہم چار مزید قلعے بنائیں گے۔''[1]

محاصرہ طویل اور مزید سخت ہوگیا۔ شہر کے اندر موجود بازنطینی تنگ آ گئے۔ تب شہر کے لیڈروں نے 24 مئی کو شاہی محل کے اندر اور بادشاہ کی موجودگی میں میٹنگ کی۔ اجتماع کے شرکاء شہر کے بچاؤ سے ناامید نظر آ رہے تھے۔ بادشاہ کو تجویز پیش کی گئی کہ شہر پر محاصرین کا قبضہ ہونے سے پہلے بادشاہ کو خود شہر سے نکل جانا چاہیے تا کہ وہ شہر کو بچانے کے لیے یا شہر کے ہاتھ سے نکل جانے کی صورت میں اسے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے مدد حاصل کرنے کی کوشش کر سکے لیکن بادشاہ نے ایک بار پھر یہ تجویز رد کر دی اور شہر میں موجود رہنے، نیز دفاع کرنے والوں کی قیادت کرتے رہنے پر اصرار کیا۔ وہ فصیلوں کے حفاظتی اقدامات کا جائزہ لینے کے لیے باہر آ گیا۔

شہر میں بدشگونی اور افواہیں گردش کرنے لگیں۔ اس سے دفاع کرنے والوں کی ہمت پست ہوگئی۔ سب سے شدید بدشگونی کا باعث وہ واقعہ تھا جو 16 جمادی الاولیٰ مطابق 25 مئی کو پیش آیا۔ ہوا یہ کہ شہر والوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کا مجسمہ اٹھا کر شہر کے مختلف حصوں میں جلوس نکالا۔ وہ سیدہ مریم عذرا علیہا السلام سے دعائیں کر رہے تھے اور اس کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے کہ وہ انھیں اس مصیبت سے نجات دے۔ اچانک مجسمہ ان کے ہاتھوں سے گر پڑا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اس واقعے کو انھوں نے نحوست کا اشارہ سمجھا۔ اس سے شہر کے تمام باشندوں پر، بالخصوص دفاع کرنے والوں پر بہت اثر پڑا۔

---

[1] عبدالسلام فہمی کی محمد الفاتح: 112، نیز دیکھیے: سالم الرشیدی کی محمد الفاتح: 115.

اگلے دن 26 مئی کو شدید بارش ہوئی جس کے ساتھ کڑک اور گرج بھی تھی۔ اس کے علاوہ ایا صوفیا کے گرجے پر بجلی گر پڑی۔ لاٹ پادری نے اسے بھی نحوست کا اشارہ سمجھا۔ اس نے جا کر بادشاہ کو بتایا کہ خدا نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور یہ شہر عثمانی مجاہدین کے قبضے میں چلا جائے گا۔ بادشاہ پر اس کا اتنا شدید اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ [1]

عثمانی توپ خانہ اپنا کام کر رہا تھا اور فصیلوں اور قلعہ بندیوں کو توڑ رہا تھا۔ فصیل اور برجوں کے بہت سے حصے منہدم ہو گئے۔ خندقیں ان کے ملبے سے بھر گئیں۔ دفاع کرنے والے اسے اٹھاتے اٹھاتے تھک گئے اور محسوس ہونے لگا کہ حملہ آور فوج کسی بھی لمحے شہر میں داخل ہو سکتی ہے، البتہ ابھی داخلے کے وقت کا تعین نہیں ہوا تھا۔ سلطان فاتح نے شہر کے نقشے پر اور داخل ہونے کے مقامات پر غور و فکر کیا اور دفاع کرنے والوں کی حالت کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ شہر فتح ہونے کے قریب ہے۔ اس کے باوجود اس نے کوشش کی کہ وہ امن کے ساتھ داخل ہو، چنانچہ اس نے بادشاہ کو خط لکھا کہ شہر خوں ریزی کے بغیر اس کے حوالے کر دے۔ اس نے پیشکش کی کہ بادشاہ کو اس کے خاندان اور ملازموں سمیت سلامتی کے ساتھ نکل جانے کی ضمانت دی جائے گی۔ شہر کے دیگر باشندوں میں سے بھی جو شخص جانا چاہے، جہاں چاہے، امن کے ساتھ چلا جائے۔ [2]

سلطان فاتح نے لکھا کہ شہر کے لوگوں کی جانیں محفوظ ہوں گی۔ انھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ انھیں اختیار ہوگا کہ شہر میں رہیں یا کوچ کر جائیں۔ جب یہ خط بادشاہ کو ملا تو اس نے اپنے مشیروں کو جمع کیا اور صورتِ حال ان کے سامنے رکھی۔ بعض درباری شہر سے دست بردار ہونے کی طرف میلان رکھتے تھے لیکن دوسروں نے موت تک شہر کا دفاع جاری رکھنے پر اصرار کیا۔ بادشاہ کا میلان بھی ان افراد کی رائے کی طرف ہو گیا جو آخری لمحے تک جنگ جاری رکھنے کے خواہش مند تھے، چنانچہ بادشاہ نے سلطان فاتح کے ایلچی کو جواب میں ایک خط دیا: جس میں اس نے لکھا کہ وہ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ سلطان صلح کی طرف مائل ہوا ہے اور وہ اس بات پر راضی ہے کہ سلطان اسے جزیہ ادا کرے۔ باقی رہا قسطنطنیہ تو اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ زندگی کی آخری سانس تک اس کا دفاع کرے گا، پھر یا اپنا تخت بچا لے گا یا اس کی دیواروں تلے دفن ہو جائے گا۔'' جب فاتح کو خط ملا تو اس نے کہا: ''اچھا، عنقریب قسطنطنیہ میں میرا تخت ہوگا یا اس میں میری قبر ہوگی۔'' [3]

---

[1] محمد الفاتح: 118، و فتح القسطنطينية: 97. [2] تاريخ الدولة العلية: 164، و محمد الفاتح: 119، و فتح القسطنطينية: 102. [3] محمد الفاتح: 116، 119.



فتح قسطنطنیہ کے موقع پر عثمانی لشکر

جب سلطان صلح کے ساتھ شہر مل جانے سے مایوس ہوگیا تو اس نے حملے کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ خاص طور پر توپوں سے شہر پر گولہ باری زیادہ کر دی حتی کہ دیوہیکل سلطانی توپ کثرتِ استعمال سے پھٹ گئی اور اسے چلانے والے شہید ہوگئے جن میں سب سے نمایاں فرد ہنگری کا انجینئر ''اربان'' بھی شامل تھا۔توپ اسی کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی۔ سلطان نے حکم دیا کہ توپ کو زیتون کے تیل کے ذریعے سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جائے۔ ماہرین کی کوشش کامیاب ہوئی اور توپیں دوبارہ شہر پر گولہ باری کرنے لگیں بلکہ گولے ایسے رخ پھینکے جانے لگے کہ وہ شہر کے درمیان میں گرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ برجوں اور فصیلوں پر بھی گولہ باری جاری رہی۔ اس وقت عثمانیوں کی صفوں میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ شہر والوں کی مدد کے لیے یورپ سے عیسائی فوجیں روانہ ہو چکی ہیں۔ سلطان فاتح نے فوراً اجلاس طلب کر لیا جس میں اس کے مشیروں اور بڑے کمانڈروں کے علاوہ علماء بھی شامل تھے۔ فاتح نے حاضرین سے کہا کہ اپنی اپنی رائے کھل کر اور بلاتردد پیش کریں۔بعض نے پسپائی کا مشورہ دیا جن میں وزیر خلیل پاشا بھی شامل تھا، اس نے کہا: ہمیں خون بہانے کے بجائے پیچھے ہٹ جانا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جانے کی صورت میں عیسائی یورپ کے غیظ وغضب کا کیا حال ہوگا۔ اس نے اس طرح اور عذر بھی پیش کیے۔ اس شخص کے بارے میں پہلے بھی یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ بازنطینیوں سے ساز باز رکھتا ہے



معرکۂ قسطنطنیہ کا ایک منظر

اور ان کے مخالفین کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا ہے۔ [1]

بعض حاضرین نے سلطان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ شہر فتح ہونے تک حملہ جاری رکھنا چاہیے۔ واپسی کی صورت میں جہاد کے جذبات سرد پڑ جائیں گے۔ ان میں ایک بہادر کمانڈر ''زوغنوس پاشا'' بھی شامل تھا۔ یہ البانوی نسل کا ایک نومسلم تھا جو پہلے عیسائی تھا۔ اس نے سلطان کو یقین دلایا کہ یورپی افواج کی حالت پتلی ہے۔ [2]

علماء نے بھی اس رائے کی تائید کی اور سلطان بھی خوش ہوا کیونکہ خود اس کی خواہش بھی یہی تھی کہ فتح حاصل ہونے تک جنگ جاری رکھی جائے۔ اجلاس ختم ہونے سے پہلے سلطان نے بتایا کہ عام حملے اور شہر میں داخل ہونے کے بارے میں ہدایات جلد جاری کر دی جائیں گی۔

اتوار 18 جمادی الاولیٰ مطابق 27 مئی کو سلطان نے لشکر کو ہدایات جاری کیں کہ دلوں کو پاک کر کے

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 134، و فتح القسطنطينية: 103، و محمد الفاتح: 104. [2] محمد الفاتح: 104، و فتح القسطنطينية: 104، و تاريخ الدولة العثمانية: 134.



نمازوں، نیک اعمال اور دعاؤں کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کریں تاکہ اللہ تعالیٰ فتح آسان فرما دے۔ یہ حکم مسلمانوں کی فوج میں ہر ایک تک پہنچ گیا۔ اس دن سلطان نے خود بھی شہر کی فصیلوں کا معاینہ کیا اور دیکھا کہ مختلف مقامات پر دفاع کرنے والوں کی کیا پوزیشن ہے۔ سلطان نے خاص مقامات متعین کر دیے جہاں سے گولہ باری جم کر کی جائے گی۔ اس نے لشکر کی چھاؤنیوں کا اچانک دورہ کیا اور مجاہدین کا حال معلوم کیا، نیز انھیں دشمن سے جنگ میں جانبازی اور قربانی کی تلقین کی۔

''قرامان'' کے باشندے غیر جانبدار تھے۔ سلطان نے انھیں پیغام بھیج کر تاکید کی کہ عنقریب پیش آنے والے واقعات میں مداخلت نہ کریں اور انھیں یقین دلایا کہ ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدے پورے کیے جائیں گے۔ اس جنگ کے دوران میں ان کا جو نقصان ہوگا، اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ اس دن شام کو عثمانیوں نے اپنے پڑاؤ کے اردگرد بہت زیادہ آگ جلائی اور تکبیر و تہلیل کے زور دار نعرے بلند کیے حتیٰ کہ رومیوں نے خیال کیا کہ عثمانیوں کی لشکر گاہ میں آگ لگ گئی ہے۔ معلوم کرنے پر پتا چلا کہ عثمانی اپنی فتح کی پیشگی خوشی منا رہے ہیں۔ اس سے رومی مرعوب ہو گئے۔ اگلے دن 28 مئی کو عثمانیوں کی تیاری

عروج پر تھی۔ توپیں بازنطینیوں پر آگ اگل رہی تھیں۔ سلطان خود مختلف مقامات پر جا کر ان کے حالات معلوم کر رہا تھا، انھیں ہدایات دے رہا تھا اور خلوصِ نیت، دعا، قربانی اور جذبۂ جہاد کی یاد دہانی کرا رہا تھا۔ [1]

اس وقت بازنطینی بادشاہ بھی شہر میں عوام کو اجتماعی دعا کے لیے اکٹھا کر رہا تھا۔ مرد، عورتیں اور بچے گرجا گھروں میں جمع ہو کر نصرانی طریقے پر دعا اور گریہ زاری میں مشغول تھے کہ شاید ان کی دعا قبول ہو اور وہ اس محاصرے سے نجات پا جائیں۔ بادشاہ نے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی جو اس کی زندگی کی آخری تقریر ثابت ہوئی۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ اگر وہ مر بھی جائے تو شہر کا دفاع جاری رکھا جائے اور عثمانی مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیت کے دفاع کے لیے جانیں قربان کر دی جائیں۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ بڑی زبردست تقریر تھی جس سے تمام حاضرین اشک بار ہو گئے۔ اس کے علاوہ بادشاہ اور اس کے ساتھ عیسائیوں نے ایاصوفیا کے گرجے میں آخری بار عبادت کی۔ ان کے نزدیک یہ مقدس ترین گرجا تھا۔ [2]

عین اس وقت دوسری طرف مسلمان علماء مجاہدین کو سورۃ الانفال میں سے جہاد کی آیات پڑھ کر سنا رہے تھے اور انھیں اللہ کی راہ میں شہادت کی فضیلت بتا رہے تھے۔ انھیں قسطنطنیہ کے پاس شہادت پانے والوں کی یاد دلا رہے تھے جن میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں، اور قسطنطنیہ کی دیواروں تلے شہادت پانے والے دوسرے شہداء کا تذکرہ کر رہے تھے۔

قسطنطنیہ فتح ہو گیا

29 مئی کی رات شہر اور اس کے گرد و نواح میں بارش ہوئی۔ مسلمان اس سے خیر کی امید رکھ کر خوش ہوئے۔ علمائے کرام نے انھیں یاد دلایا کہ جنگ بدر کے موقع پر بھی اسی طرح بارش ہوئی تھی۔ رومیوں کو امید ہوئی کہ تیز بارش سے مسلمانوں کی سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی لیکن ایسے نہ ہوا۔ بارش ہلکی رہی۔

منگل 20 جمادی الاولیٰ 857ھ مطابق 29 مئی 1453ء کو صبح ایک بجے فوج کو اشارہ دیا گیا اور عام حملہ شروع ہو گیا۔ مسلمان نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے فصیل کی طرف بڑھے۔ قسطنطنیہ والے گھبرا گئے اور کلیساؤں کی گھنٹیاں بجانے لگے۔ بہت سے لوگ بھاگ کر کلیساؤں میں چلے گئے۔ عثمانیوں نے طے شدہ منصوبے کے مطابق خشکی اور سمندر دونوں اطراف سے بیک وقت حملہ کیا۔ مجاہدین شہادت کے طلب گار تھے۔ بہت

---

[1] تاریخ الدولة العثمانية: 137، و محمد الفاتح: 124، و تاریخ الدولة العلية: 164. [2] تاریخ الدولة العثمانية: 137، عبدالسلام فہمی کی محمد الفاتح: 121، سالم الرشیدی کی محمد الفاتح: 129.



سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ میں داخل ہوتے ہوئے

سے مسلمانوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے بڑی بہادری اور قربانی کے جذبے سے جنگ کی اور شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ حملے کو مختلف علاقوں میں تقسیم کیا گیا تھا لیکن اس کا سب سے زیادہ زور خود سلطان فاتح کی زیر قیادت ندی لیکوس کی جانب تھا۔ حملہ آوروں کی اگلی افواج فصیلوں پر اور ان کا دفاع کرنے والوں پر گولوں اور تیروں کی بارش کر رہی تھیں۔ ان کی کوشش تھی کہ شہر کی افواج نقل وحرکت کے قابل نہ رہیں۔



بوکولیون کے بازنطینی محل کے آثار
جن کو انگور کی بیلیں ڈھانکے ہوئے ہیں

دفاع کرنے والے بہادری سے ڈٹے ہوئے تھے اور حملہ آور بھی بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے، چنانچہ دونوں فوجوں کے سپاہی بڑی تعداد میں لقمۂ اجل بن رہے تھے۔ [1]

جب پہلے حملہ آور گروہ کو تھکاوٹ محسوس ہوئی، تب تک سلطان دوسرا گروہ تیار کر چکا تھا۔ اس نے پہلے گروہ کو پیچھے بلا کر دوسرا گروہ آگے کر دیا۔ دفاع کرنے والے بھی تھکن کا شکار تھے۔ نیا حملہ آور گروہ فصیل تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ انھوں نے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہوئے فصیل کے ساتھ سیکڑوں سیڑھیاں لگا دیں لیکن دفاع کرنے والوں نے سیڑھیاں الٹا دیں۔ حملہ آور فوج کی طرف سے جان توڑ کوشش جاری رہی۔ دفاع کرنے والے انھیں فصیل پر چڑھنے سے روکنے کے لیے پوری کوشش کر رہے تھے۔ دو گھنٹے کی جدوجہد کے بعد سلطان فاتح نے اپنی فوج کو آرام کرنے کے لیے پیچھے ہٹ آنے کا حکم دیا جبکہ وہ محاذِ جنگ کے اس حصے میں دفاع کرنے والوں کو عاجز کر چکے تھے۔ اسی وقت حملہ آوروں کے تیسرے گروہ کو فصیل کے اس حصے پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دفاع کرنے والے سمجھ رہے تھے کہ معاملہ ٹھنڈا ہو گیا لیکن اچانک حملہ آوروں کے تیسرے گروہ نے انھیں حیران کر دیا۔ وہ تھک کر چور ہو چکے تھے جبکہ حملہ آور تازہ دم اور تیار تھے۔ وہ آرام کر چکے تھے اور جہاد میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے بڑے شوق سے آئے تھے۔ سمندر کی طرف بھی لڑائی زوروں پر تھی۔ اس سے دفاع کرنے والوں کی قوت تقسیم ہوگئی۔ انھیں ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ محاذوں پر لڑنا پڑا۔ جب صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو حملہ آور دشمن کے مقام کا بہتر اندازہ کرنے کے قابل ہوگئے۔ انھوں نے دگنی کوشش سے حملہ کر دیا، چنانچہ اس جگہ کا

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 139، و محمد الفاتح: 131، و فتح القسطنطينية: 114.

دفاع کرنے کی ذمہ داری بادشاہ قسطنطین کو ذاتی طور پر خود اٹھانا پڑی۔ اس میں جسٹینانی جنوی بھی اس کے ساتھ شریک تھا۔ [1]

مسلمان حملے کو کامیاب بنانے کے لیے انتہائی پرجوش تھے۔ اس کے باوجود سلطان فاتح نے انھیں پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا تاکہ توپیں دوبارہ اپنا کام شروع کر سکیں۔ انھوں نے دفاع کرنے والوں پر گولوں کی بوچھاڑ کر دی اور انھیں مزید تھکا دیا جبکہ وہ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ جونہی توپیں خاموش ہوئیں، ینی چری سورماؤں کا نیا دستہ آ پہنچا۔ ان کی قیادت خود سلطان کر رہا تھا۔ حملہ آوروں کے تیروں نے ان پر سایہ کر لیا تاکہ دفاع کرنے والوں کو قدم جمانے کا موقع نہ ملے۔ ان حملوں میں ینی چری کی شجاعت بہت نمایاں تھی۔ ان میں سے تیس افراد بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے فصیل پر چڑھ گئے جس سے دشمن بھی حیران رہ گئے۔ اگرچہ ان کی بڑی تعداد شہید ہوگئی جن میں ان کا کمانڈر بھی شامل تھا، تاہم وہ توپ قاپی کے نزدیک شہر میں داخل ہونے کا راستہ بنانے میں کامیاب ہوگئے اور انھوں نے عثمانی جھنڈے لہرا دیے۔ اس کے نتیجے میں باقی لشکر میں شہر میں داخل ہونے کا جوش بڑھ گیا اور دشمنوں کی ہمت پست ہوگئی۔ اس وقت دفاع کرنے والوں کے کمانڈر جسٹینانی کو جو بہادری میں ضرب المثل تھا، شدید زخم آ گیا جس کی وجہ سے اسے میدانِ جنگ سے ہٹنا پڑا۔ [2]

تب جسٹینانی کی جگہ بادشاہ قسطنطین نے خود دفاع کرنے والی فوج کی کمان سنبھالی جبکہ جسٹینانی ایک جہاز پر سوار ہو کر میدانِ جنگ سے فرار ہوگیا۔ بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ دفاع کرنے والوں کے قدم مضبوط کرے جو محسوس کر رہے تھے کہ اب دفاع کا کوئی فائدہ نہیں، ان کے دلوں میں مایوسی گھر کر چکی تھی جبکہ خود سلطان کی قیادت میں حملہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ دفاع کرنے والوں کی ہمت ٹوٹنے سے فائدہ اٹھا لے۔

عثمانیوں نے شہر کی دوسری طرف سے دباؤ جاری رکھا حتی کہ وہ باب ادرنہ کی طرف سے فصیل کے اندر داخل ہو کر بعض برجوں پر قابض ہوگئے اور ان میں موجود دفاعی دستوں کو ختم کر کے ان پر عثمانیوں کے جھنڈے لہرا دیے۔ عثمانی لشکر اس خطے سے شہر میں گھس آئے۔ جب بازنطینی بادشاہ نے دیکھا کہ شہر کے

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 139، و محمد الفاتح: 131، و فتح القسطنطنية: 113. [2] تاريخ الدولة العثمانية: 138، و محمد الفاتح: 135، و فتح القسطنطينية: 115.



بحیرۂ مرمرہ کے سامنے توپ کاپی محل (استنبول)

شمالی برجوں پر عثمانی جھنڈے لہرا رہے ہیں تو اسے یقین ہوگیا کہ اب دفاع کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے شاہی لباس اتار دیا تاکہ اسے کوئی نہ پہچانے اور گھوڑے سے اتر کر جنگ کرنے لگا حتی کہ میدانِ جنگ میں مارا گیا۔[1]

جب قسطنطین کے مرنے کی خبر عام ہوئی تو عثمانی مجاہدین کے جوش و جذبے میں اضافہ ہوگیا اور بازنطینی ہمت ہار بیٹھے۔ باقی عثمانی فوج کئی اطراف سے شہر میں داخل ہوگئی۔ دفاع کرنے والے بھی اپنے قائد کے ختم ہو جانے کے بعد فرار ہوگئے اور مسلمان شہر فتح کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اس وقت سلطان محمد فاتح اپنے گھوڑے پر سوار، اپنی فوج کے ساتھ دشمن پر غلبہ پانے اور فتح یاب ہونے کی خوشی میں شریک تھا۔ اس کے اردگرد اس کے کمانڈر جمع تھے جو اسے فتح کی مبارک باد دے رہے تھے۔ اور وہ

---

[1] تاريخ الدولة العلية: 164، و تاريخ الدولة العثمانية: 139، و محمد الفاتح: 137، و فتح القسطنطينية: 115.

کہہ رہا تھا: ''الحمدللہ۔ اللہ تعالیٰ شہداء پر رحمت فرمائے، مجاہدین کو شرف وعزت سے نوازے اور میری قوم کو فخر کے ساتھ شکر کی توفیق دے۔''[1]

شہر کے اندر بعض دفاعی مراکز موجود تھے۔ وہ بہت سے مجاہدین کی شہادت کا باعث ہوئے۔ شہر کے بہت سے لوگوں نے گرجا گھروں میں پناہ لے لی۔

منگل بیس جمادی الاولیٰ 857ھ مطابق 29 مئی 1453ء کی دوپہر نہیں ہوئی تھی کہ سلطان فاتح شہر کے وسط میں پہنچ گیا۔ اس کی فوج اور اس کے کمانڈر اس کے گرد جمع تھے اور ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! کہہ رہے تھے۔ سلطان نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''آج تم قسطنطنیہ کے فاتح بن گئے ہو جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی۔'' سلطان نے انھیں فتح کی مبارک باد دی اور کسی کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ عوام کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں اور ان سے حسن سلوک کریں۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور اللہ کا شکر اور اس کی حمد کرتے ہوئے تواضع کے ساتھ زمین پر سجدہ ریز ہو گیا، پھر اٹھ کر ایا صوفیا کے گرجے کی طرف گیا۔ وہاں بے شمار لوگ جمع ہو چکے تھے۔ ان میں پادری اور راہب بھی شامل تھے جو عیسائیوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ جب وہ اس کے دروازوں کے قریب پہنچا تو گرجے میں موجود عیسائی ڈر گئے اور سخت خوف زدہ ہوئے۔ ایک راہب نے اٹھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔ سلطان نے اس سے کہا کہ لوگوں کو تسلی دے اور ان سے کہے کہ وہ امن و امان کے ساتھ اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ عوام مطمئن ہو گئے۔ بعض راہب کلیسا کے تہہ خانوں میں چھپے ہوئے تھے۔ انھوں نے فاتح کی فراخ دلی اور درگزر دیکھا تو باہر نکل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد فاتح نے گرجے کو مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم دے دیا۔[2]

سلطان نے ایا صوفیا میں اگلا جمعہ ادا کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ کاریگر اس کے لیے تیاری کرنے لگے۔ انھوں نے صلیبیں اور مجسمے نکال دیے اور تصویروں پر چونا پھیر کر انھیں مٹا دیا۔ خطیب کے لیے منبر تیار کر دیا گیا۔ گرجے کو مسجد میں تبدیل کرنا قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ شہر جنگ کے ذریعے سے حاصل کیا گیا تھا

---

[1] محمد الفاتح: 139. [2] سلاطین آل عثمان: 28، و تاریخ الدولة العثمانیة: 141، و فتح القسطنطینیة: 117، و محمد الفاتح: 143، مصطفیٰ کمال اتاترک کے دور میں اس مسجد کو میوزیم بنا دیا گیا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

اور شریعتِ اسلامی میں جنگ سے حاصل ہونے والے شہر کے خاص احکام ہیں۔ علاوہ ازیں اس دور میں عیسائیوں نے جب مسجدوں پر قبضہ کیا تو ایسے ہی بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر کیا تھا بلکہ آج بھی ان کی یہی روش ہے۔

سلطان نے انھیں اپنے مذہبی اعمال ادا کرنے کی آزادی دی۔ انھیں اپنے مذہبی پیشوا منتخب کرنے کا حق بھی دیا جنھیں ان کے آپس کے مقدمات میں فیصلے کرنے کا اختیار تھا۔ اسی طرح دوسرے صوبوں میں پادریوں کو یہ حقوق دیے گئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان سب پر جزیہ بھی عائد کیا گیا۔ [1]

فتح ہونے سے پہلے قسطنطنیہ کا شہر یورپ میں اسلام کے پھیلاؤ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھا، اس لیے اس کا فتح ہونا یورپ میں اسلام کے پوری قوت کے ساتھ داخلے کا دروازہ کھولنے کے مترادف تھا۔ قسطنطنیہ کی فتح عالمی تاریخ کے اہم واقعات میں شمار ہوتی ہے۔ یورپی مؤرخین نے اسے قرونِ وسطی کا اختتام اور نئے دور کی ابتدا شمار کیا ہے۔ [2]

سلطان محمد فاتح نے شہر کے حفاظتی انتظامات دوبارہ قائم کیے اور اسے عثمانی سلطنت کا دارالحکومت بنا لیا۔ سلطان نے اس کا نام اسلام بول، یعنی اسلام کا شہر رکھ دیا۔ [3]

② مشرقی یورپ کی فتوحات

عثمانی سلطنت اپنے ابتدائی دور ہی سے اناطولیہ کے علاقے میں بازنطینی سلطنت سے برسرِ پیکار تھی۔ عثمانیوں نے 726ھ تا 755ھ (1326ء تا 1354ء) کے دوران میں بحیرۂ مرمرہ اور بحیرۂ اسود کے قریب یورپ کے مقابل ایشیائی ساحلوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ سلطان غازی ''اورخان اول'' کے دورِ حکومت میں 754ھ (مطابق 1353ء) میں بازنطینی بادشاہ ''جان پیلیولوگس'' نے عثمانی سلطنت سے سربوں کے خلاف مدد مانگی جو اس کے لیے خطرے کا باعث بن گئے تھے۔ سلطان نے اپنے بیٹے سلیمان پاشا کو حکم دیا کہ سمندر پار کر کے یورپ پہنچے اور ان علاقوں میں جہاد کے لیے اس موقع سے فائدہ اٹھائے۔ عثمانیوں نے بازنطینیوں سے اتفاق کر کے ان کے تعاون سے سربوں کی سرکوبی کے لیے سمندر پار کیا۔ اس طرح عثمانیوں کو ان علاقوں کے حالات سے متعارف ہونے کا موقع مل گیا۔ عثمانیوں نے کئی لڑائیوں میں سربوں کے

---

[1] تاریخ الدولة العلية: 165، و الدولة العثمانية: 63/1، و محمد الفاتح: 142. [2] تاريخ الدولة العثمانية: 143، و استنبول: 49. [3] تاريخ الدولة العثمانية: 140، و استنبول: 48.

خلاف بازنطینیوں کی مدد کی۔ ان کا احسان مانتے ہوئے بازنطینی بادشاہ نے عثمانیوں کو یورپی کناروں پر قلعہ تزنپ (Tzynpe) دے دیا۔ یورپ میں عثمانیوں کا یہ پہلا قلعہ تھا۔ [1]

762ھ مطابق 1361ء میں عثمانی سلطان مراد اول نے ''ادرنہ'' (Adrianople) شہر فتح کر لیا جو یورپ میں رومیوں کا ایک اہم شہر تھا، اور عثمانی سلطنت کا دارالحکومت ''بورصہ'' سے وہاں منتقل کر دیا، چنانچہ وہ یورپ میں عثمانیوں کا مرکزی شہر بن گیا اور وہاں جہادی تحریک نے زور پکڑا۔ سلطان مراد نے اپنے والد کی زندگی ہی میں یورپی قیدیوں کے بیٹوں پر مشتمل ایک نئی فوج بنا کر اسے مضبوط کیا۔ علماء نے انھیں تعلیم دی اور کمانڈروں نے ان کی تربیت کی۔ عثمانی سلطنت میں یہ فوج ینی چری (انکشاریہ) کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعد میں یورپ وغیرہ کی فتوحات میں اس فوج نے اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں سلطان مراد نے اپنی سلطنت کی یورپ میں توسیع کے لیے عیسائیوں سے کئی جنگیں لڑیں جن میں بازنطینی اور سرب دونوں شامل تھے، اس طرح عثمانی سلطنت کی سرحد سربیا، بلغاریہ اور البانیہ سے جا ملی۔

اس سے یورپ کی عیسائی دنیا کو بہت پریشانی ہوئی، چنانچہ پوپ اربن پنجم (Urban V) نے یورپ کے عیسائی بادشاہوں کو عثمانیوں سے ایک مذہبی جنگ لڑنے کی دعوت دی اور انھیں عیسائیوں پر عثمانی فتوحات کے خطرے سے خبردار کیا اور انھیں یہ احساس دلایا کہ اس سے یورپ میں اسلام کو فروغ حاصل ہوگا جس کا نقصان عیسائیت کو ہوگا۔ پوپ کی اس دعوت پر سربوں کے بادشاہ ''اورک پنجم'' نے لبیک کہا۔ اس نے سلطان مراد کی غیر حاضری میں ہنگری، سربیا اور بوسنیا کے سواروں کی بڑی فوجیں لے کر حملہ کرتے ہوئے ''ادرنہ'' کا رُخ کیا۔ یہ واقعہ 766ھ مطابق 1363ء میں پیش آیا۔ سلطان کے نائبوں اور کمانڈروں نے سربیا کے بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو ایک بڑی جنگ میں سخت ہزیمت سے دوچار کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''وہ مٹی کو اپنے خون سے رنگین کر کے پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔'' [2]

عثمانی فتوحات کے نتیجے میں متعدد یورپی ممالک انھیں جزیہ دینے پر مجبور ہوگئے۔ بعض دوسرے ممالک نے عثمانیوں کی قوت سے خوف زدہ ہو کر ان کے غیظ وغضب سے بچنے کے لیے ان سے دوستی کا اعلان کر دیا، چنانچہ عثمانیوں کا اقتدار ہنگری اور رومانیہ کے علاوہ بحیرۂ اڈریاٹک کے قریبی علاقوں اور البانیہ تک پہنچ گیا۔

---

[1] تاریخ الدولة العثمانية:96. [2] تاریخ سلاطین آل عثمان:16، و تاریخ الدولة العلية:131.

جنگ کوسووا

سلطان مراد نے خود بھی اور اس کے کمانڈروں نے بھی بلقان کے علاقے میں دور تک قبضہ کر لیا تھا۔ اس وجہ سے سرب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے ایک سے زیادہ دفعہ کوشش کی کہ سلطان کی یورپ سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر بلقان اور اس کے قرب و جوار میں عثمانی لشکر پر حملہ کر دیں۔ بار بار اور کئی مقامات پر لڑائیوں کے باوجود وہ عثمانیوں کو ان کے مقامات سے پیچھے نہ ہٹا سکے، چنانچہ بوسنیا، سربیا اور بلغاریہ والوں نے سلطان سے جنگ کرنے کے لیے بہت بڑا یورپی صلیبی لشکر تیار کیا۔ سلطان نے اچھی طرح تیاری کی تھی اور اب اپنی فوج کے ساتھ بلقان میں کوسووا کے علاقے میں پہنچ چکا تھا۔ سلطان کے ہمراہ اس کے دو بیٹوں بایزید اور یعقوب کے علاوہ سرداروں اور کمانڈروں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ [1]

---

[1] تاریخ الدولة العثمانية: 100، و تاریخ سلاطین آل عثمان: 16.



جنگِ کوسووا کا ایک منظر

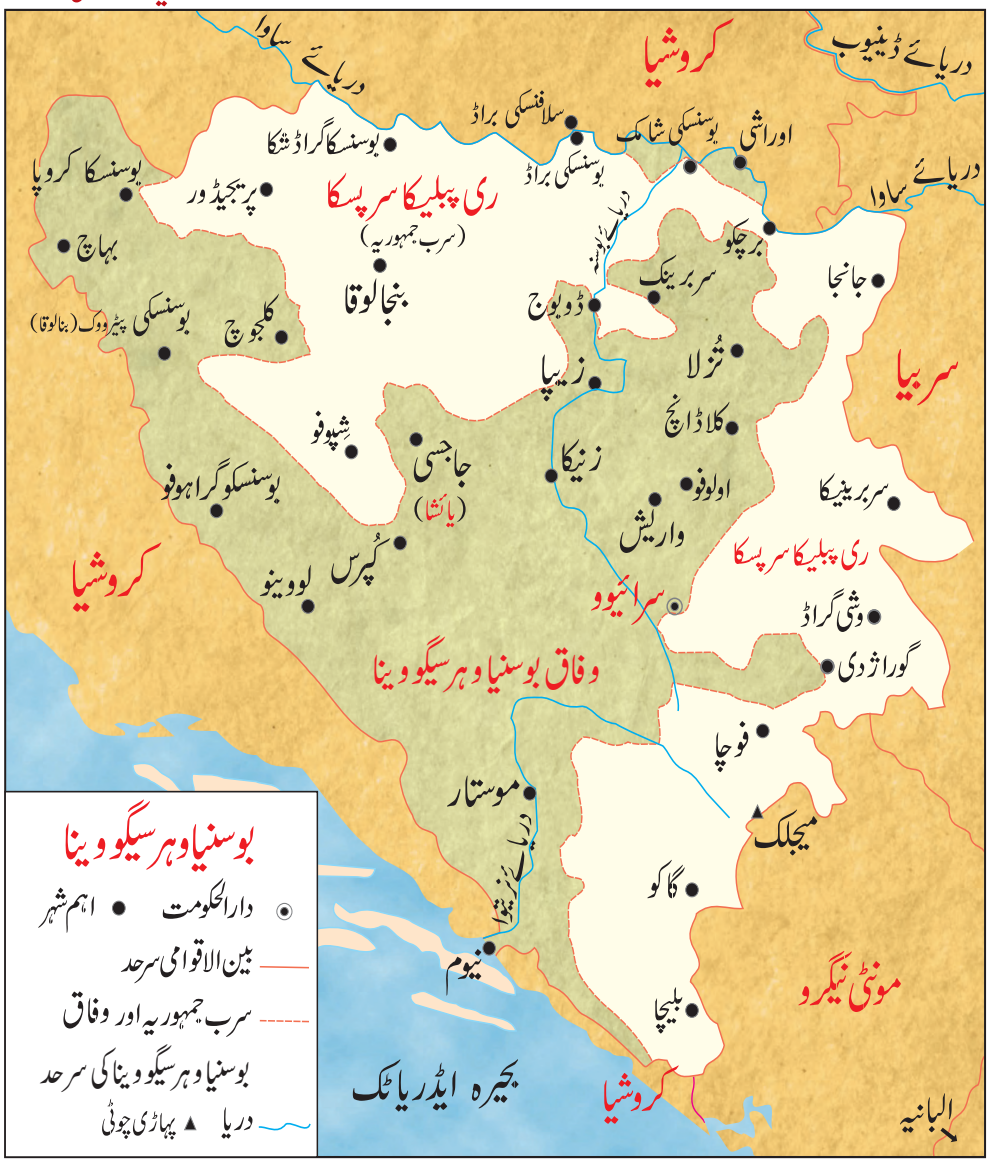

جنگ سے پہلی رات شدید اندھیرا تھا اور سخت آندھی آئی تھی جس سے ہر جگہ بے ترتیبی پیدا ہوگئی۔ اس رات سلطان مراد کو ہاتھ اٹھائے اس طرح دعا کرتے سنا گیا: ''یااللہ! یا رحیم! اے آسمانوں کے مالک! اے دعائیں قبول کرنے والے! مجھے رسوا نہ کرنا۔ یا رحمان! یا رحیم! اپنے فقیر بندے کی دعا اس بار ضرور قبول کر لے۔ ہم پر آسمان سے بارش برسا دے اور تاریکی کے بادل منتشر کر دے تاکہ ہم اپنے دشمنوں کو دیکھ سکیں۔ اے ہر وجود میں موجود! تو یکتا ہے اور ہر وجود کا حقیقی مالک ہے۔ ہم تیرے گنہگار بندے ہیں۔ تو



دریائے بِستریکا پر کوسوو شہر میں واقع قدیم عثمانی سنان پاشا مسجد اور پتھر کے پُل کا رات کا منظر

ہی عطا کرنے والا ہے اور ہم تیرے فقیر ہیں۔ میں تو محض تیرا ایک فقیر اور گڑگڑانے والا بندہ ہوں۔ تو سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے غیبوں اور رازوں کو جاننے والے! اے سینوں میں چھپی ہوئی باتیں جاننے والے! میری اپنی کوئی غرض اور مصلحت نہیں! میں غنیمت حاصل کرنے نہیں آیا۔ مجھے صرف اخلاص کے ساتھ تیری خوشنودی مطلوب ہے۔ یااللہ! یا علیم! اے ہر وجود میں موجود! اپنی جان تجھ پر قربان کرتا ہوں۔ میری عرض قبول کر لے۔ مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابل ناکام نہ کرنا۔ یااللہ! یا ارحم الراحمین! مجھے ان کی موت کا سبب نہ بنانا۔ انھیں فتح یاب کردے۔ میں اپنی جان تجھ پر فدا کرتا ہوں، یارب! میری ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے اور اب بھی یہی خواہش ہے کہ میں لشکر اسلام کے لیے شہید ہو جاؤں۔ یااللہ! مجھے ان کی مصیبت نہ دکھانا۔ یااللہ! اس دفعہ مجھے اجازت دے کہ تیری راہ میں اور تیری خوشنودی کے لیے شہید ہو جاؤں۔'' [1]

بیس جون 1389ء کی صبح دشمنوں سے مسلمانوں کی انتہائی شدید جنگ ہوئی جو آٹھ گھنٹے جاری رہی۔ اس

---

[1] العثمانیون والبلقان: 52.

میں سلطان خود شریک ہوا۔ فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ سربوں نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ بہت دیر تک جنگ کا پانسا بار بار پلٹتا رہا۔ دونوں طرف سے بہت سے لوگ جاں بحق ہوئے۔ معرکے کے دوران میں ایک سرب کمانڈر تقریباً دس ہزار سپاہیوں سمیت آ کر عثمانیوں کی صف میں شامل ہوگیا۔ [1]

اس کا شدید اثر ہوا کہ سرب کمزور ہوگئے اور انھیں شکست ہوگئی۔ مسلمان فتح یاب ہوئے اور سرب لشکر کا اکثر حصہ قتل ہوگیا۔ ان کا بادشاہ مسلمان سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قتل ہوگیا۔ جنگ کے آخر میں سلطان مسلمان شہداء کی صفوں میں پھر رہا تھا اور ان کے حق میں دعائیں کر رہا تھا اور زخمیوں کے حالات معلوم کر رہا تھا۔ اسی دوران میں ایک سرب فوجی جو مردہ بن کر پڑا ہوا تھا، اٹھ کر تیزی سے سلطان کی طرف بڑھا۔ محافظوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ سلطان سے گفتگو کرنا اور اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ سلطان نے محافظوں کو اشارہ کیا کہ اسے چھوڑ دیں۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ سلطان کا ہاتھ چومنا چاہتا ہے۔ تب اس نے تیزی سے حرکت کر کے ایک زہر آلود خنجر نکالا اور سلطان پر وار کر دیا۔ اور 15 شعبان 791ھ کو سلطان شہید ہوگیا۔ [2]

سلطان مراد کے آخری الفاظ یہ تھے: ''میں (دنیا سے) کوچ کرتے وقت اللہ کا شکر ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ غیبوں کو جاننے والا اور فقیر کی دعا قبول کرنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ شکر اور ثنا کا حق دار صرف وہی ہے۔ اب جبکہ میری زندگی کا اختتام ہونے والا ہے، میں نے اسلامی لشکر کو فتح یاب ہوتے دیکھ لیا ہے۔ میرے بیٹے بایزید کے فرماں بردار رہنا۔ قیدیوں کو تعذیب کا نشانہ نہ بنانا۔ انھیں کوئی تکلیف نہ دینا۔ ان سے کوئی چیز نہ چھیننا۔ اس لمحے میں تمھیں الوداع کہتا ہوں اور اپنے عظیم فاتح لشکر کو اللہ کی رحمت کے سپرد کرتا ہوں۔ وہی ہر مصیبت اور آفت سے ہماری سلطنت کی حفاظت فرمائے گا۔'' [3]

محافظوں کو اس حادثے کا یقین نہ آیا اور وہ کچھ نہ کر سکے کیونکہ غدار نے بہت تیزی سے یہ حرکت کی تھی۔ سلطان کے شہید ہو جانے کے باوجود اس معرکے میں مسلمانوں کی فتح کی وجہ سے آیندہ کئی صدیوں کے لیے بلقان پر عثمانیوں کی حکومت قائم ہوگئی۔ [4]

---

[1] تاريخ الدولة العلية: 135. [2] تاريخ سلاطين آل عثمان للقرماني: 16، و تاريخ الدولة العلية: 136، و تاريخ الدولة العثمانية: 100، و تاريخ سلاطين آل عثمان ليوسف آصاف: 38. [3] العثمانيون والبلقان: 53. [4] تاريخ الدولة العثمانية: 101.

معرکہ نیکوپولس

سلطان مراد کی وفات کے بعد اس کے بیٹے بایزید نے حکومت سنبھالی۔ اس نے بلقان کے علاقے میں مزید فتوحات حاصل کیں۔ بلغاریہ، رومانیہ، سالونیکا [1] اور البانیہ کو عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا۔ قسطنطنیہ پر بہت دباؤ ڈالا۔ اس نے اس شہر کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کوشش کے نتیجے میں پوپ اور یورپی اقوام اٹھ کھڑی ہوئیں اور عثمانی سلطنت کے خلاف ایک دوسرے سے مدد طلب کی۔ مزید برآں ہنگری کے بادشاہ نے ان سے مدد مانگ لی اور عثمانی سلطنت کے خلاف مذہبی صلیبی جنگ شروع کر دی۔ مغربی یورپ نے اس دعوت پر لبیک کہا جن میں فرانس اور اس کی متحدہ ریاستیں پیش پیش تھیں۔ ان میں جرمنی کے بعض علاقے، سوئٹزرلینڈ اور رودس بھی شامل تھے، حالانکہ ان میں شدید مذہبی اختلافات پائے جاتے تھے کیونکہ ان میں سے کچھ آرتھوڈکس مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور کچھ کیتھولک مذہب سے۔ اس کے باوجود ایک متحدہ یورپی لشکر تیار ہوگیا جن میں ساٹھ ہزار فوجی ہنگری کے تھے، دس ہزار فرانس کے اور باقی مذکورہ بالا ریاستوں کے۔ ان کے ساتھ سرب بھی شامل تھے۔ ان سب کا ہدف عثمانیوں کو بلقان اور یورپ سے نکال کر ایشیا میں دھکیلنا تھا۔ [2]

---

[1] سالونیکا 1387ء میں سلطان مراد اول کے عہد میں فتح ہو چکا تھا۔ [2] ''تہذیب کی کہانی''، ول ڈیوراں، ص: 180۔



عثمانی فوج نیکوپولس (بلغاریہ) میں داخل ہوتے وقت



جنگِ نیکوپولس (بلغاریہ) کا ایک منظر

یہ لشکر نیکوپولس شہر کی طرف روانہ ہوا جو اس دور میں یورپ میں عثمانی سلطنت کا ایک بڑا شہر تھا اور وہاں عثمانیوں کی ایک مضبوط چھاؤنی موجود تھی (ان دنوں یہ شمالی بلغاریہ میں ہے)۔ یورپ کی افواج نے دریائے ڈینیوب پار کر کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں موجود مسلمان افواج نے ثابت قدمی اور بہادری سے دفاع کیا۔ سلطان بایزید اناطولیہ میں مشغول تھا۔ اسے جونہی یورپی لشکر کی نقل و حرکت کا علم ہوا، اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا جس میں عثمانیوں کے ساتھ ساتھ ان کی دوست یورپی اقوام بلغاریہ اور بلقان وغیرہ کے فوجی بھی شامل تھے جن کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی۔ سلطان انھیں لے کر محصور شہر نیکوپولس کی طرف روانہ ہو گیا۔ عثمانی لشکر محصور شہر تک پہنچا اور وہاں کے مسلمانوں کو رات ہی میں اپنی آمد کی اطلاع کر دی۔ اگلے دن صبح کے وقت عثمانی لشکر اور یورپی لشکر کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔ یہ جنگ 23 ذوالقعدہ 798ھ مطابق 27 ستمبر 1396ء کو ہوئی۔ [1]

جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانی فوج نے یورپ کی متحدہ فوج پر فتح پائی۔ ان کے کئی بڑے بڑے لیڈر گرفتار ہوئے، بالخصوص فرانسیسی کمانڈر اور سردار جو گرفتار ہوئے، ان کی تعداد ستائیس تک پہنچ گئی۔ علاوہ ازیں فرانسیسی فوج کا مرکزی علم عثمانیوں کے مالِ غنیمت میں شامل تھا۔ ان کی فوج کی زیادہ تعداد قتل ہو گئی۔ [2]

یورپ کی ایک لاکھ تیس ہزار فوجیوں پر مشتمل متحدہ فوج میں سے صرف تقریباً بیس ہزار بچ سکے۔ باقی سب گرفتار ہوئے یا میدانِ جنگ میں قتل ہو گئے۔ فرانس کا کاؤنٹ (نواب) ڈی نیورس بھی گرفتار ہوا لیکن اس نے سلطان سے قسم کھا کر وعدہ کر لیا کہ وہ اور اس کا ملک دوبارہ مسلمانوں سے جنگ نہیں کرے گا۔ تب سلطان نے اسے آزاد کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سلطان نے اسے خبردار بھی کر دیا کہ اگر یورپی اقوام جنگ کرنا چاہتی ہیں تو وہ یورپ کی تمام اقوام سے جنگ کرنے کو تیار ہے۔ [3]

---

[1] الدولة العلية: 144، و تاريخ الدولة العثمانية: 108. [2] محمد الفاتح: 33، یوسف آصاف کی تاریخ سلاطین آل عثمان: 44، قرمانی کی تاریخ سلاطین آل عثمان: 18. [3] تاريخ الدولة العلية: 144.

③ عثمانی سلطنت اور عالم اسلام کا دفاع

آخری اسلامی مرکز غرناطہ پر 897ھ مطابق 1492ء میں ہسپانوی عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا تھا، چنانچہ دس سال سے بھی کم عرصے کے بعد اندلس میں مسلمانوں کا خاتمہ شروع ہوگیا۔ تب شاہی فرمان جاری ہوگیا کہ مسلمانوں کو تین چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا: وہ عیسائی مذہب اختیار کر لیں یا جلاوطن ہو جائیں یا انھیں قتل کر دیا جائے گا۔ [1]

ان بے کس مسلمانوں کا اس خوفناک طریقے سے قتل عام کیا گیا کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ کی پیشانی پر ندامت سے پسینہ آجاتا ہے۔ عثمانی بادشاہ سلیم اول نے چاہا کہ عثمانی سلطنت میں عیسائیوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جائے لیکن مسلمانوں نے اس رائے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سختی سے اس کی مخالفت کی۔ [2] اس سے دس سال سے بھی کم مدت کے بعد پرتگالیوں نے مسلمانوں کے مشرقی علاقوں پر حملے شروع کر دیے۔ وہ بہت سنگ دل تھے۔ جو بھی ان کے سامنے آتا، وہ اس پر رحم نہیں کرتے تھے، خواہ وہ دشمن ہو یا دوست۔ ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جو گاڑی سامنے آئے، اسے توڑ پھوڑ دیا جائے اور اس میں سفر کرنے والوں کو قتل کر دیا جائے۔ وہ جن شہروں اور بستیوں سے گزرتے، انھیں نذرِ آتش کر دیتے تھے۔ مزید برآں وہ بعض گروہوں کو امان دیتے، پھر جب وہ ان پر قابو پا لیتے تو انھیں بڑی بے دردی سے قتل کر دیتے تھے اور عہد شکنی کی پروا نہ کرتے۔ [3]

سب سے پہلے پرتگالیوں کا سامنا خاندانِ غلاماں (ممالیک) کی سلطنت سے ہوا۔ مصر، شام اور حجاز ان کے زیر انتظام تھے، لہٰذا یورپ کے ان عیسائی حملوں کا مقابلہ کرنا ان کی ذمہ داری تھی۔ ممالیک نے شروع



سلطنت عثمانیہ: سلطان سلیم اول کی تخت نشینی (24 اپریل 1512ء) کے وقت

[1] موقف الدولة العثمانية: 40. [2] الدولة العثمانية، دولة الإسلامية مفترى عليها: 414/1. [3] پرتگالی مصنّفین کی کتابوں میں بھی اس قسم کے واقعات کا ذکر ہے۔ ملاحظہ کیجیے: لوریمر کی في دليل الخليج: القسم التاريخي: 12/1، 16، 28.

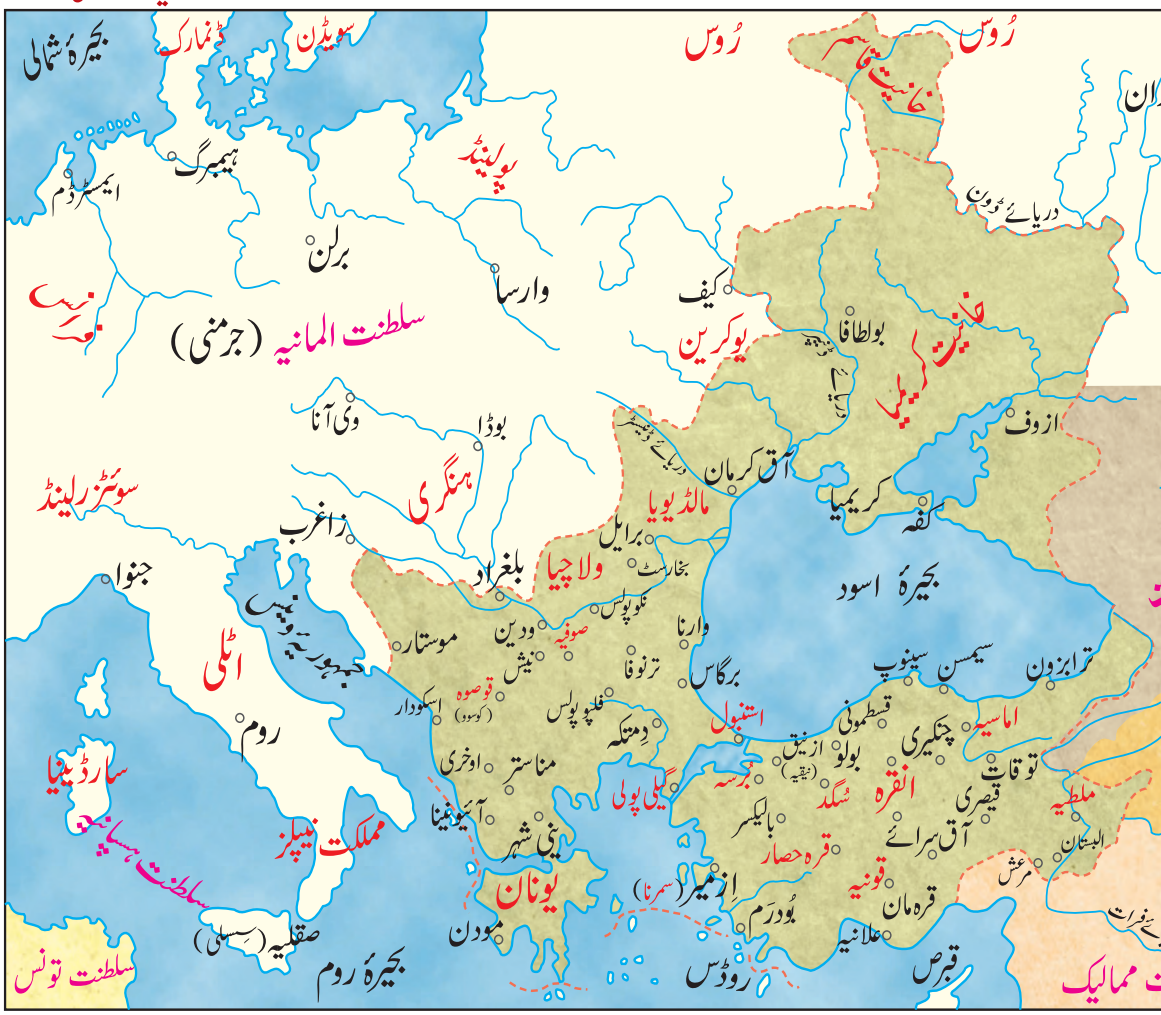

میں یہ فریضہ انجام دینے کی کوشش کی اور مختلف مشکلات کے باوجود انھیں کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ علاوہ ازیں اس پہلو سے وہ اور عثمانی ایک دوسرے سے تعاون کرتے تھے، چنانچہ سلطان بایزید کے دور میں انھوں نے پرتگالیوں کے خلاف مل کر کام کیا۔ 906ھ (مطابق 1500ء) میں الواریز کیبرال کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے انھوں نے متحدہ اقدامات کیے۔ [1]

البتہ بعد میں ان تعلقات کی نوعیت تبدیل ہوگئی جب اسلامی دنیا میں اپنے اپنے زیرِ اثر علاقوں کے بارے میں عثمانیوں کی ممالیک سے کشمکش شروع ہوگئی۔ [2]

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 231، غسال على الرمال کی صراع المسلمين مع البرتغاليين في البحر الأحمر: 204.

[2] تاريخ الدولة العثمانية: 231، و الفتح العثماني للشام و مصر: 110.



عثمانی دور کی سلطان سلیم مسجد (قونیہ)

پرتگالیوں کا مقابلہ کرنے میں ممالیک نے عمدہ کردار ادا کیا۔ ان کے بحری بیڑے حسین کردی کی قیادت میں مصر سے چل کر بحر ہند میں پہنچ گئے لیکن انھوں نے 915ھ (مطابق 1509ء) میں ''دیو'' کے مقام پر مشہور جنگ میں پرتگالیوں سے شکست کھائی۔[1] اس سے مستقبل کے واقعات پر گہرا اثر پڑا کیونکہ اس کے بعد پرتگالی خود کو برتر محسوس کرنے لگے اور اس علاقے میں ان کی بحریہ کا اثر و رسوخ زیادہ ہوگیا۔[2]

جب 1517ء میں مصر اور شام پر عثمانیوں کا قبضہ ہوگیا اور ممالیک کی سلطنت ختم ہوگئی تو عثمانیوں کو اسلامی دنیا میں سرداری کا مقام حاصل ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں وہ ایک بار پھر مشرقی افریقہ میں یورپی طاقتوں کے مقابل آ گئے جو اس زمانے میں عالم اسلام کے زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے، بالخصوص پرتگالی جنھوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا، چنانچہ عثمانیوں اور پرتگالیوں میں کئی محاذ گرم ہوگئے جن میں بحیرۂ احمر (قلزم)، مشرقی افریقہ اور خلیج عربی (خلیج فارس) زیادہ اہم تھے۔ ان میں کشمکش کی تفصیل درج ذیل ہے:

---

[1] چند پروفیسروں کی مشترکہ تصنیف تاريخ البحرية: 570. [2] عثمان الرمالی: صراع المسلمين مع البرتغاليين في البحر الأحمر: 89.

بحیرۂ احمر (قلزم) کا دفاع

عالم اسلام میں بحیرۂ احمر کو ہر دور میں خاص اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس مقامات کے قریب ہے۔ صلیبیوں نے اس سے پہلے بھی سلطان صلاح الدین کے ایام میں بحیرۂ احمر میں پاؤں جمانے کی کوشش کی تھی لیکن صلاح الدین نے بڑی حکمت اور قوت سے انھیں ناکام کر دیا تھا۔ دسویں صدی ہجری کے شروع میں اہل یورپ نے، جن میں پرتگالی سرفہرست تھے، اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کی بنیاد پر بحیرۂ قلزم تک پہنچنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے خلاف حبشہ کی سلطنت سے تعاون کیا کیونکہ انھیں یقین تھا کہ حبشہ اور پرتگال کے باہمی تعاون سے مکہ مکرمہ کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جاسکتا ہے اور یہ ان کا سب سے اہم ہدف ہے۔ [1]

مسلمانوں کے خلاف باہمی تعاون اور اس مقصد کے لیے عملی اقدامات کے پروگرام ترتیب دینے کے لیے حبشیوں اور پرتگالیوں میں متعدد رابطے ہوئے۔ ممالیک اور ان کے بعد اس مرحلے میں ذمہ داری سنبھالنے والے عثمانی ان رابطوں کی معلومات حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے تھے کیونکہ انھیں اس امر کا پورا احساس تھا کہ حبشہ اور پرتگال کے عیسائیوں کا باہمی تعاون کس قدر خطرناک ثابت ہوسکتا ہے، چنانچہ عثمانی ہمیشہ مشرقی افریقہ کے ان مسلمان ممالک کی مدد کرتے رہتے تھے جن کا حبشیوں سے ٹکراؤ رہتا تھا، اس لیے حبشی بھی عثمانیوں سے خطرہ محسوس کرتے تھے۔ [2]

عثمانیوں نے اپنے مصری بحری بیڑے کے ذریعے سے اس علاقے میں بحریہ کی نقل وحرکت میں اضافہ کر دیا۔ بحیرۂ قلزم پر پرتگالیوں کا پہلا حملہ ''بوقرق'' کی قیادت میں ہوا۔ اس نے عدن پر 919ھ مطابق 1513ء میں حملہ کیا۔ اس وقت تک اس علاقے میں عثمانی نہیں آئے تھے۔ اس نے عدن پر حملے کے فوراً بعد بحیرۂ قلزم پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ اس مقصد کے لیے اس کی مدد کے لیے یورپ سے بھی افواج پہنچ گئیں، اس لیے اہل حجاز بہت خوف زدہ ہوئے۔ انھیں خطرہ محسوس ہوا کہ بوقرق کسی بھی وقت جدہ کے قریب پہنچ سکتا ہے، چنانچہ شریف مکہ ''برکات دوم'' (903-931ھ) کو پرتگالیوں کے متوقع حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے جدہ میں کچھ فوج رکھنی پڑی لیکن وہ لوگ اپنے مقررہ وقت پر (931ھ) علاقے میں نہ پہنچ سکے۔ ممکن ہے ہواؤں

---

[1] الدولة العثمانية دولة الإسلامية مفترى عليها: 2/698، 862، و صراع البرتغاليين مع المسلمين في البحر الأحمر: 89، 91. [2] تاريخ الدولة العثمانية: 331.



سلطنت عثمانیہ: سلیم اول کی وفات (22 ستمبر 1520ء) کے وقت

کا ناموافق ہونا اس کا سبب بنا ہو اور ممکن ہے کہ بوقرق اس وقت خلیج کے علاقے میں مشغول ہو۔ [1]

پرتگالیوں نے 923ھ (مطابق 1571ء) میں ''لوبرسواریز'' کی قیادت میں بحیرۂ قلزم پر ایک نیا حملہ کیا۔ یہ لوگ عدن سے گزر کر حدیدہ پہنچے، پھر جدہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں عثمانی بحریہ کے قائد ''سلیمان رئیس'' کی قیادت میں محافظ فوج نے مقابلہ کیا اور ان کے جہاز توڑ پھوڑ دیے۔ اس نے کچھ پرتگالی گرفتار کر لیے اور انھیں عثمانی سلطان کے پاس استنبول بھیج دیا۔ اس واقعے کے بعد عثمانی سلطنت کو پرتگالیوں کی طرف سے مزید حملوں کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنی فوجی قوت میں اضافہ کرنا پڑا۔ اور واقعی 927ھ (1520ء) میں ''لوبرڈی سکویرا'' کی قیادت میں پرتگالیوں کا نیا لشکر آ گیا۔ یہ لشکر جدہ کے قریب پہنچ گیا تھا لیکن مخالف ہواؤں کی وجہ سے جدہ نہ پہنچ سکا۔ اس کے علاوہ اس کے کمانڈر نے محسوس کیا کہ عثمانی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں، لہٰذا اس نے اپنے بحری بیڑے کا رخ بحیرۂ احمر کے مغربی کنارے پر ''مصوع'' (اریٹیریا) کی طرف پھیر دیا۔ اس طرح یہ فوج اپنا وہ بڑا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہی جس کے لیے وہ آئی تھی۔ اس کے نتیجے میں اس خطے میں مستقبل میں پرتگالیوں کی نقل وحرکت متاثر ہوئی۔ [2]

اس کے بعد عثمانی سلطنت نے اپنی توجہ بحیرۂ قلزم کو محفوظ بنانے اور اسے اسلامی سمندر بنا دینے پر مرکوز کر دی تاکہ پرتگال کے جہازوں کو اس سمندر تک پہنچنے سے روکا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنی کوشش یمن میں باب المندب کی تنگ آبنائے پر قبضہ کرنے پر مرکوز کر دی۔ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے انھیں فطری طور پر یمن کی مقامی طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اگلے مرحلوں میں ان کا ٹکراؤ بحر الکاہل اور خلیج عربی (خلیج فارس) تک محدود رہا۔ اس کے بعد پرتگالیوں نے بحیرۂ قلزم میں پہلے کی طرح داخل ہونے کی جرأت نہ کی۔ [3]

عثمانیوں کی مسلسل کوشش رہی کہ دشمن بحیرۂ احمر تک نہ پہنچ سکیں۔ اس کے بعد ان کا ٹکراؤ یہاں آخری ادوار میں پہلی جنگ عظیم سے پہلے اور اس کے دوران ہوا۔ تب خاص طور پر برطانیہ سے مقابلہ ہوا جو انیسویں صدی عیسوی میں اس خطے میں پہنچ چکا تھا۔ [4]

---

[1] صراع المسلمين مع البرتغاليين في البحر الأحمر: 99. [2] غسان الرمال کی مذکورہ بالا کتاب: 103۔ [3] غسان الرمال کی مذکورہ بالا کتاب: 203، و الدولة العثمانية دولة إسلاميه مفترٰى عليها: 863. [4] بحیرۂ قلزم پر برطانویوں کی عثمانیوں سے کشمکش کے بارے میں مزید معلومات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عبداللطیف بن محمد الحمید کی الصراع بين الدولة العثمانية و بريطانيا في منطقة البحر الأحمر خلال الحرب العالمية الأولٰى: 1332-1337ھ مطابق 1914-1918ء.

الخليج العربي (خلیج فارس) میں کشمکش

عثمانی سلطنت کا دارالحکومت جزیرہ نمائے عرب کے مشرق سے نسبتاً دور تھا۔ اس کے باوجود اس کے پاس ایک بحری بیڑا موجود تھا جو دسویں صدی ہجری کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا بیڑا ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرنے کی اہلیت رکھتا تھا اور یورپی حملوں کے خلاف اسلامی علاقوں کا دفاع کرسکتا تھا۔ مصر پر عثمانیوں کا قبضہ ہونے سے اسے ایک اہم بحری اڈہ مل گیا، یعنی سویز کی بندرگاہ جو بحیرۂ احمر (قلزم) اور خلیج عربی (خلیج فارس) میں جاری کشمکش کے دوران میں ایک اہم بحری فوجی اڈے کی حیثیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں عثمانیوں کے عراق پر قبضے کی وجہ سے ان کی بحری افواج کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوگیا اور وہ ایسی قوت بن گئے جو خلیج کے شمالی حصے میں بصرہ کی بندرگاہ کے ذریعے سے خلیج فارس میں دشمنوں کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ عثمانیوں نے ابتدائی مراحل ہی میں مشرق میں پرتگالیوں کا مقابلہ کرنا شروع کردیا تھا۔ ان کے بعض بیڑے 923ھ مطابق 1515ء ہی میں ہندوستان میں پرتگالیوں کے اڈوں پر حملے کرنے لگے تھے۔ [1]

لیکن یہ حملے پرتگالیوں کو خلیج میں اور جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے میں اپنے اڈے قائم کرنے سے نہ روک سکے، چنانچہ سابقہ کوششوں کے بعد پرتگالی کمانڈر ''بوقرق'' نے 1515ء مطابق 923ھ میں ہرمز (ایران) پر قبضہ کرلیا اور اسے پرتگالیوں کا مرکزی بحری اڈہ بنالیا۔ [2]

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیج اور جزیرہ نمائے عرب کے علاقے براہ راست ان کے خطرے کی زد میں آگئے۔ پرتگالیوں کا مقابلہ کرنے والے عثمانی سلاطین میں ''سلیمان قانونی'' سب سے مشہور ہے جس نے خلیج میں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلسل منظم بحری لشکر بھیجے۔ سب سے پہلا لشکر مصر کے گورنر سلیمان پاشا کی قیادت میں 930ھ (مطابق 1523ء) میں بھیجا گیا۔ اس کے بعد متعدد لشکر بھیجے گئے جن میں 945ھ (مطابق 1538ء) کا حملہ سب سے اہم ہے۔ وہ ستر جہازوں کا بیڑا لے کر سویز کے علاقے سے روانہ ہوا۔ ان پر بیس ہزار فوجی سوار تھے۔ اس میں بڑی بڑی توپیں بھی تھیں۔ اس فوج نے عدن اور مسقط فتح کرلیے اور ہرمز میں پرتگالیوں کا قلعہ فتح کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ [3] ایک لشکر 958ھ مطابق 1551ھ میں کپتان ''پیری محی الدین رئیس'' کی قیادت میں خلیج کی طرف روانہ ہوا۔ یہ تیس جہازوں

---

[1] دليل الخليج، القسم التاريخي: 13/1، و تاريخ الدولة العثمانية: 325. [2] دليل الخليج (خلیج کی گائیڈ)، القسم التاريخي: 14/1. [3] تاريخ الدولة العلية: 241، و تاريخ الدولة العثمانية: 330.



عرب، شام و فلسطین اور عراق (مراد ثالث کے عہد میں)



پر مشتمل تھا جن پر تقریباً سولہ ہزار فوجی سوار تھے۔ یہ لشکر سویز سے روانہ ہوا۔ اس نے عدن میں پرتگیزوں سے سخت جنگیں کیں اور اسے ان سے خالی کروا لیا، پھر وہ مسقط کی طرف روانہ ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا حتی کہ وہاں کا پرتگالی حاکم ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگیا۔ [1]

وہاں سے اس لشکر نے ہرمز کا رُخ کیا۔ وہاں کے پرتگالی حاکم ''الوارو ڈی نورنہا'' سے جنگ ہوئی۔ اس نے شہر پر قبضہ کر لیا مگر پرتگالی قلعہ بند تھا اور وہ ان تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوا۔ پیری محی الدین وہاں سے بصرہ چلا گیا۔ [2] پرتگالیوں کے لیے ہرمز میں نئی کمک آ گئی جس سے انھیں خلیج فارس میں اپنی قوت دوبارہ مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔

سلیمان قانونی کے دور میں بصرہ کے گورنر مراد بک نے ایک بحری بیڑا تیار کر لیا تھا جس کے ذریعے سے اس نے خلیج میں پرتگالیوں سے کئی جنگیں لڑیں۔ ان میں سب سے اہم وہ لڑائی ہے جو 957ھ مطابق 1550ء میں قطیف کے قریب ہوئی، اس کے علاوہ اس نے 961ھ میں پرتگالی کمانڈر ''ڈیگوڈی نورنہا'' سے جنگ کی۔ اس جنگ میں عثمانیوں کو شکست ہوئی۔ اس سے پرتگالیوں کی ہمت بڑھی کہ وہ علاقے میں پہلے سے زیادہ اندر تک داخل ہو جائیں۔ [3]

---

[1] النفوذ البرتغالي في الخليج العربي: 146، و دليل الخليج، القسم التاريخي: 17/1. (عجیب بات یہ ہے کہ لوریمر نے پیری جیسے عثمانی کمانڈروں کو جو اسلامی سرزمین اور اسلامی سمندروں کا دفاع کر رہے تھے، بحری ڈاکو قرار دیا ہے۔) [2] دائرة المعارف الإسلامية: 11/9. [3] النفوذ البرتغالي في الخليج العربي: 149، و دليل الخليج العربي، القسم التاريخي: 17/1.



عثمانی سلطنت سلیم ثانی کے عہد (1566ء-1574ء) میں

لیکن اس شکست سے سلیمان قانونی کا عزم کمزور نہیں ہوا۔ اس نے پرتگالیوں کا مقابلہ کرنا بند نہیں کیا۔ تقریباً ایک سال بعد عثمانی بحریہ کے ایک کمانڈر ''سید علی رئیس'' کو اس مہم پر مقرر کیا۔ اس کمانڈر نے بصرہ میں ایک بحری بیڑا تیار کیا۔ وہ 962ھ میں خلیج میں حرکت میں آیا۔ ساحلِ عُمان کے قریب پرتگالی بیڑے سے اس کی بہت بڑی جنگ ہوئی۔ اگرچہ جہازوں کی تعداد کے لحاظ سے انھیں برتری حاصل تھی لیکن اس



قدیم تاروت قلعہ، قطیف (سعودی عرب)

نے انھیں شکست دے دی، چنانچہ پرتگالی میدانِ جنگ سے فرار ہونے پر مجبور ہوگئے۔ عثمانیوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن تیز ہواؤں کی وجہ سے ان کے جہاز بکھر گئے، اس لیے وہ اس مقابلے کے ذریعے سے اپنا مطلوبہ ہدف حاصل نہ کر سکے، یعنی یہ علاقہ پرتگالیوں سے پاک نہ ہوسکا۔ عثمانیوں نے 966ھ (1559ء) میں پرتگالیوں اور ان کے مددگاروں سے بحرین میں ایک بڑی جنگ لڑی۔ بارہ سو عثمانی فوجیوں نے ایک جنگی چال چل کر پرتگالیوں کے ستر فوجی قتل کر دیے۔ تب پرتگالیوں کو ہرمز اور بعض دوسرے فوجی اڈوں سے مزید فوج طلب کرنی پڑی۔ انھوں نے عثمانیوں کو ایک بار پھر بحرین سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔[1]

بعد میں جب خلیج میں پرتگالی اثر و رسوخ کم ہوگیا تو وہاں بعض دوسری یورپی اقوام میں مقابلہ بازی شروع ہوگئی، یعنی ہالینڈ، برطانیہ اور فرانس نے اس علاقے تک پہنچنے اور اپنا اپنا حلقۂ اثر بڑھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آخر میں حالات برطانیہ کے حق میں ہوگئے۔ اس نے اپنے مرکزی اڈے قائم

[1] دليل الخليج، القسم التاريخي: 18/1.

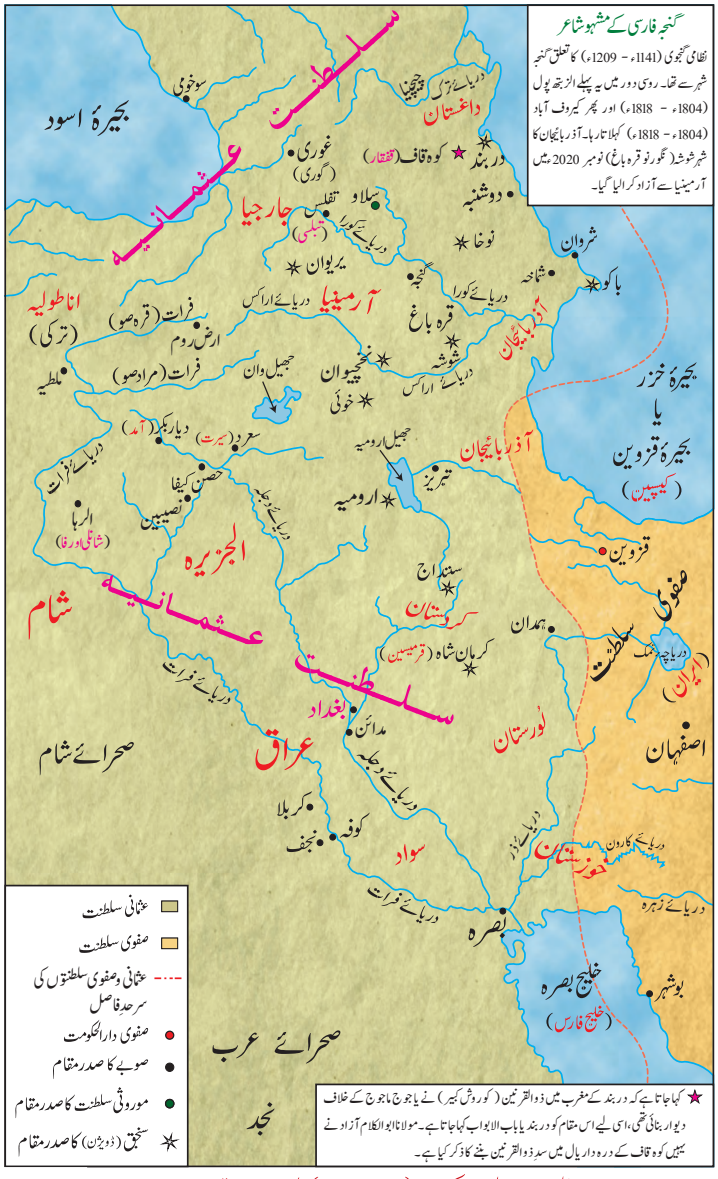

خلیفہ مراد ثالث کے عہد (95-1574ء) میں ولایت قفقاز و فارس

کرنے شروع کر دیے۔ اس نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد علاقے میں اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ انگریزوں نے 1032ھ (مطابق 1622ء) میں ہرمز پر قبضہ کر کے پرتگالیوں کو وہاں سے نکال دیا۔ اس سلسلے میں ان سے صفویوں نے تعاون کیا۔ انھوں نے عثمانیوں کی راہ روکنے کے لیے پہلے پرتگالیوں سے، پھر برطانویوں سے تعاون کیا۔ اس طرح خلیج میں یورپی اقوام کی قیادت برطانیہ کو حاصل ہوگئی۔ [1]

اس کے بعد عثمانی سلطنت کچھ اور مسائل میں الجھ گئی، اس لیے خلیج کی طرف اس کی توجہ کم ہوگئی۔ اس کے بعد ضعف کے مراحل میں اس کی زیادہ توجہ صفویوں سے کشمکش پر رہی، چنانچہ اس دوران میں یورپی اقوام نہ صرف خلیج میں موجود رہیں بلکہ انھوں نے عثمانی سلطنت کے اندر بھی عثمانیوں کے ماتحت علاقوں،

[1] دليل الخليج، القسم التاريخي: 46/1.

مثلاً: عراق وغیرہ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے تجارت، بین الاقوامی معاہدوں اور اس طرح کے دوسرے حالات سے فائدہ اٹھایا جو اس عرصے میں پیش آئے۔ [1]

بعد میں عثمانی سلطنت کو قطر اور احساء وغیرہ کے علاقے اپنے دائرہ اختیار میں لانے پڑے۔ 1274ھ (مطابق 1871ء) سے وہاں عثمانی محافظ افواج رکھی گئیں لیکن برطانیہ نے تنبیہ کی کہ بحرین میں مداخلت نہ کی جائے اور اس کے اڈوں اور بحری راستوں کو خطرے میں نہ ڈالا جائے۔ [2]

اس کے بعد فریقین میں مذاکرات ہوتے رہے حتی کہ پہلی جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ جنگ کے بعد یورپ نے عثمانی سلطنت کا ترکہ آپس میں بانٹ لیا اور عرب دنیا جو اس دور میں سلطنت عثمانیہ کے تابع تھی، کے اکثر حصوں پر براہِ راست قبضہ کر لیا کیونکہ سلطنتِ عثمانیہ کے سقوط کے بعد یورپ کی استعماری طاقتوں کا مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا۔

---

[1] دليل الخليج، القسم التاريخي: 360/1، و تاريخ الدولة العلية: 670. [2] دليل الخليج، القسم التاريخي: 382/1، و علاقة ساحل عمان ببريطانيا: 286.



بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) کا ساحل اور شمالی افریقہ

جب اندلس میں مسلمانوں کا آخری مرکز غرناطہ چھن جانے کا المیہ پیش آیا تو عرب دنیا کے مغربی حصے اور شمالی افریقہ کے ممالک اہلِ یورپ کی دست درازیوں اور فوج کشی کی کوششوں سے محفوظ نہ رہے، چنانچہ ان علاقوں میں مسلمانوں پر ضرب لگانے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ اسلامی دنیا کے اس حصے میں متعدد اسلامی ریاستیں بکھری ہوئی تھیں لیکن وہ کمزور ریاستیں تھیں۔ ان میں یورپی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہ تھی، حالانکہ وہاں کے عوام اہل یورپ سے جہاد کرنے اور انھیں مغرب (مراکش وغیرہ) کی سرزمین سے دور ہٹانے کا جذبہ رکھتے تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ مقبوضہ اندلس پر حملہ کیا جائے جو اس وقت مسلمانوں سے چھن چکا تھا۔ ان پُرخطر حالات میں عثمانی حکومت کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ ہسپانوی اور یورپی حملہ آوروں کو روکنے اور علاقے کے مسلمانوں کی مدد کرنے کے لیے مداخلت کرے۔ [1]

سلطان سلیم نے بعض ایسے جہاز رانوں سے مدد لی جو اس سے پہلے ممالیک سے تعاون کرتے رہے تھے۔ ان کا تعلق بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) میں موجود بحری فوج سے تھا۔ ان میں ایک جہاز ران خیرالدین باربروسا بھی تھا۔ دوسرا اس کا بھائی عروج تھا۔ سلطان نے انھیں جہاز اور سپاہی مہیا کیے۔ ان سے کہا کہ وہ موجودہ تیونس اور الجزائر کے سامنے اسلامی ساحلوں پر ہسپانویوں کو چیلنج کریں اور الجزائر کے ساحل پر دشمن نے جن مقامات پر قبضہ کیا ہے، انھیں آزاد کرائیں۔ انھوں نے بحیرۂ روم میں کچھ یورپی جہازوں کے راستے میں رکاوٹ ڈالی۔ اس کے علاوہ الجزائر کے سمندر میں بعض جزیروں کو آزاد کرا لیا۔ عروج نے الجزائر میں ہسپانویوں سے جنگ کرتے ہوئے 922ھ مطابق 1516ء میں ایک معرکے میں شہادت پائی۔ [2]

خیرالدین فرنگیوں کے جہازوں پر حملے کرتا رہا بلکہ سلیمان قانونی کے ایام میں اس نے اٹلی، فرانس اور سپین کے ساحلوں پر اپنی فوجیں اتار دیں اور وہاں کے ان فوجی اڈوں کو نقصان پہنچایا جہاں سے جہاز چل کر شمالی افریقہ پر حملے کرتے تھے۔ ان کارناموں کی عالم اسلامی میں بلکہ یورپ میں بھی بہت شہرت ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ خیرالدین کا خیال تھا اور اسے استنبول کی حمایت بھی حاصل تھی کہ اندلس کو ان ہسپانویوں سے نجات دلائی جائے جنھوں نے مسلمانوں کو وہاں سے نکالا تھا، چنانچہ وہ کئی مرتبہ ہسپانویوں

---

[1] عادل سعید بشتاوی کی الأندلسیون الموارکة: 117، و الدولة العثمانیة دولة إسلامیة مفتری علیها: 64/2.

[2] تاریخ الدولة العثمانیة: 252، و تاریخ الدولة العلیة: 230، و خیرالدین بربروس: 102.



بحر اوقیانوس شمالی
بحر اوقیانوس جنوبی
بحر ہند
ایشیا
قازاقستان
ترکستان
ایران
صفوی سلطنت
روس
ماسکو
فن لینڈ
ناروے
سویڈن
ڈنمارک
بحیرۂ شمالی
انگلستان
جرمنی
پولینڈ
یورپ
ہالینڈ
فرانس
نیس
مارسیلز
اٹلی
ہسپانیہ
میڈرڈ
پرتگال
بارسیلونا
ہنگری
بوڈاپسٹ
کریمیا
مالڈیویا
استنبول (قسطنطنیہ)
بحیرۂ اسود
سلطنت عثمانیہ
بحیرۂ روم
الجزائر
تونس
سسلی
مالٹا
طرابلس
بن غازی
اسکندریہ
قاہرہ
شام
دمشق
بغداد
تبریز
ولایت مصر
ولایت الجزائر
لیبیا (طرابلس)
صحرائے اعظم
طنجہ
فاس
مراکش
تلمسان
سلطنت فاس
سنگھوئی حبشی سلطنت
(فاس کی باجگزار)
ٹمبکٹو
مملکت ہوسا
مملکت بورنو
گنی
خلیج گنی
اسوان
سواکن
بحیرۂ احمر (قلزم)
حجاز
نجد
عرب
سلطنت عثمانیہ
یمن
صنعا
مصوّع
سودان
خلیج عدن
حبشہ
(ایتھوپیا)
ادیس ابابا
صومالیہ
براعظم افریقہ
وسطی افریقہ
کا
نامعلوم خطہ
دریائے کانگو
کانگو
کینیا
جھیل وکٹوریہ
ممباسہ
دارالسلام
ٹانگانیکا
(تنزانیہ)
قُمر (کومورو)
زیمبیا
دریائے زیمبزی
موزمبیق
مڈغاسکر
نامعلوم سرزمین
دریائے اورنج
جنوبی افریقہ
راس اُمید
براعظم افریقہ (1566ء میں)
سلطنت عثمانیہ
عثمانی دارالسلطنت
صفوی سلطنت
صفوی دارالسلطنت

سے جنگیں کر کے اندلس کے ہزاروں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑا کر اپنے جہازوں میں لے آیا۔ اس طرح اس نے ان مسلمانوں کو ہسپانویوں کے ہاتھوں زندہ جلا دیے جانے سے بچا لیا۔ وہ بڑی بے دردی سے مسلمانوں کو جلا دیتے تھے۔ [1]

یہ سب کارروائی عثمانی سلطان ''سلیمان قانونی'' کے نام سے انجام دی جاتی تھی جس نے خیرالدین کو عثمانی بحری افواج کا چیف کمانڈر مقرر کیا تھا اور اسے یہ عہدہ سنبھالنے کے لیے استنبول آنے کی دعوت دی تھی، چنانچہ خیرالدین نے اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور مغربی محاذ چھوڑ کر حکم کی تعمیل میں استنبول روانہ ہوگیا۔ [2] وہ الجزائر سے استنبول آتے ہوئے سپین کے زیرِ قبضہ ساحل سے گزرا تو وہاں ایک بڑی بحری لڑائی ہوئی اور اس نے بڑی تعداد میں سپین کے جہازوں پر قبضہ کر لیا۔ [3]

یہ مجاہد میدان سے زیادہ عرصہ غیر حاضر نہیں رہا بلکہ ایک بار پھر میدانِ جہاد میں آ گیا۔ اس نے شمالی افریقہ پر یورپی حملے کا مقابلہ کیا اور 941ھ مطابق 1535ء میں تیونس کے علاقے میں ہسپانویوں کے خلاف بڑی بڑی جنگوں میں حصہ لیا لیکن علاقے کے بعض لوگوں نے ہسپانویوں سے تعاون کیا جس کی وجہ سے اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔ ہسپانویوں نے ایسے جرائم کا ارتکاب کیا جن کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ انھوں نے تیس ہزار سے زیادہ مردوں کو قتل کر دیا اور دس ہزار سے زیادہ خواتین کو گرفتار کر لیا اور متعدد کتب خانوں اور مساجد کو آگ لگا دی۔ [4]

945ھ مطابق 1538ء میں پوپ نے خیرالدین کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک صلیبی بحری بیڑا تیار کیا۔ تیاری مکمل ہونے پر پوپ نے ایک فرمان جاری کیا جسے تمام یورپی ممالک میں نشر کیا گیا۔ اس فرمان میں اس نے اعلان کیا کہ یہ لشکر صلیبی لشکر ہے۔ مسیح پر ایمان رکھنے والے، نصرانیت کے ساتھ مخلص ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس میں شامل ہو کر کافروں سے جنگ میں شریک ہو۔ [5]

خیرالدین تھوڑی مدت میں اس پاپائی بیڑے کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگیا جس میں اٹلی، سپین اور پوپ کے بحری جہاز شامل تھے۔ اس نے ان سے ایک شدید بحری جنگ کی جس میں عثمانی بحری بیڑے کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔ اس پر عثمانی سلطنت کے طول وعرض میں اظہارِ مسرت کے لیے تقریبات منعقد

---

[1] تاریخ الدولة العثمانية: 257، و خیرالدین بربروس: 126. [2] تاریخ الدولة العثمانية: 258، و خیرالدین بربروس: 127، و تاریخ الدولة العلية: 231. [3] تاریخ الدولة العثمانية: 290، و خیرالدین بربروس: 131. [4] دیکھیے: یلماز اوزتونا کی مذکورہ بالا کتاب: 393، و تاریخ الدولة العلية: 233. [5] خیرالدین بربروس: 150.

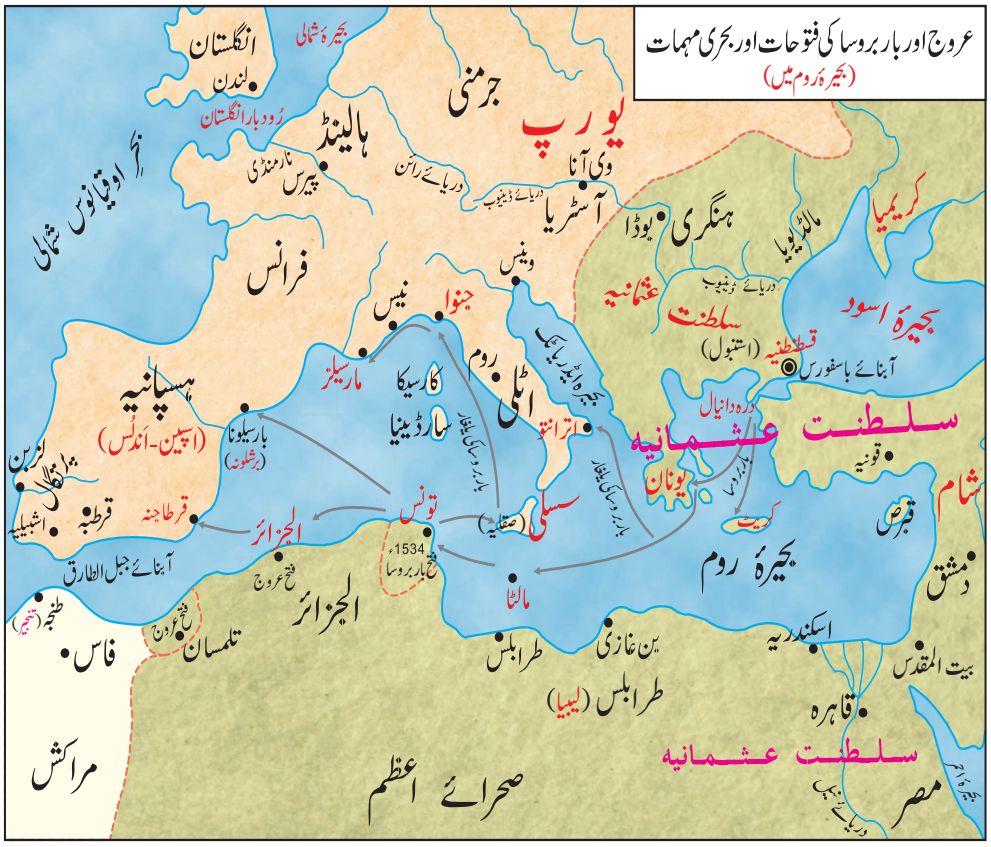

کی گئیں۔ اس معرکے کے بعد عثمانی بیڑے کو بحر ابیض متوسط (بحیرۂ روم) پر مکمل تسلط حاصل ہو گیا۔ [1]

اس معرکے کے بعد یورپی افواج نے الجزائر میں عثمانی بیڑے پر حملہ کرنے کی کوشش کی لیکن عثمانی بحریہ کے کمانڈر ان کی تاک میں تھے، چنانچہ انھوں نے دوبارہ یورپیوں کو شکست دے دی۔ انھوں نے اس پر بس نہیں کی بلکہ طرابلس الغرب (لیبیا) کے گرد و نواح میں بعض عیسائی مقبوضات پر حملے کر کے انھیں آزاد کروا لیا۔ اس کے علاوہ عثمانیوں نے بحیرۂ روم کے بعض جزیرے بھی یورپی تسلط سے چھڑا لیے۔ [2]

خیر الدین اور اس کے ساتھی بحیرۂ روم میں مسلسل بحری جہاد کرتے رہے۔ وہ دشمن کی افواج کو کمزور کرتے، سمندر میں جہازوں پر حملے کرتے اور انھیں بڑے نقصان سے دوچار کر دیتے تھے۔ یورپیوں کی نظر میں وہ ڈاکو تھے لیکن حقیقت میں انھوں نے ان کارروائیوں کے ذریعے سے الجزائر اور قرب و جوار کے ساحلوں کو اصل ڈاکوؤں، یعنی حملہ آور یورپیوں سے محفوظ رکھا جو ان مقامات پر قبضہ کر کے وہاں سے

---

[1] العثمانيون في التاريخ والحضارة: 99. [2] العثمانيون في التاريخ والحضارة: 99.

اسلام کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ خیرالدین نے شمالی افریقہ میں اپنے دشمن عیسائیوں سے جو جہاد کیا اس کی وجہ سے ان علاقوں میں عثمانی سلطنت کا وجود باقی رہا۔ [1]

شمالی افریقہ کی مسلمان اقوام آج بھی خیرالدین، اس کے ساتھیوں اور اس کے لشکر کو فخر کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور انھیں اندلس پر ہسپانویوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کی کشمکش کے نازک مرحلے میں مجاہدین کی ایک دلکش مثال سمجھتی ہیں۔

④ عثمانیوں کا روس سے جہاد

عثمانی سلطنت نے دسویں صدی ہجری میں یورپ کے مختلف حصوں میں جہاد کیا۔ سلیمان قانونی نے ویانا کا محاصرہ کر کے وسطی اور مغربی یورپ کو خوف زدہ کر دیا، چنانچہ عیسائی یورپ نے اپنے مشرقی اور مغربی ممالک سے عثمانی سلطنت کے خلاف مدد مانگی۔ روس کی زار شاہی حکومت اس وقت بھی اور بعد کے ایام میں بھی عثمانی سلطنت سے مزاحمت کی کوشش کرتی رہی۔ یہ مزاحمت براہِ راست بھی تھی اور بلقان وغیرہ میں عثمانیوں کے مخالفین کی مدد کرنے کی صورت میں بھی تھی، خاص طور پر عثمانی سلطنت کے آخری دور میں جب اس میں کمزوری آنا شروع ہوگئی تھی۔

بارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسوی) میں روس نے پطرس (پیٹر اعظم) کی قیادت میں اپنے قریبی علاقوں میں سرگرمی سے پاؤں پھیلانے شروع کر دیے۔ وہ یورپ سے عثمانیوں کو نکالنے کے لیے عیسائی تحریک کی قیادت کر رہا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے یورپ کا دورہ کیا۔ اس کے دور حکومت میں روس نے اس مقصد کے حصول کے لیے تیاری کی۔ اس نے بلقان، قفقاز (کوہ قاف) اور قرم (کریمیا) کے علاقوں میں عثمانی سلطنت سے بغاوت کرنے والوں کی مدد کے لیے مداخلت کرنے کی کوشش کی۔

پیٹر اعظم [2] نے بحیرۂ اسود پر عثمانی بندرگاہ ''ازوف'' پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور طویل عرصے تک اس کا محاصرہ جاری رکھا حتی کہ 1107ھ (1695ء) میں اس پر قبضہ کر لیا۔ [3]

---

[1] تاریخ الدولة العثمانية: 303، و تاریخ الدولة العلية: 230، و خیرالدین بربروس: 118. [2] پیٹر نے 1695ء میں 60 ہزار فوج کے ساتھ ازوف کا آن محاصرہ کیا جو ناکام رہا اور پیٹر 30 ہزار روسی سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گیا لیکن دوسرے سال اس نے تازہ فوج کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیا۔ روسی بیڑے نے عثمانی بیڑے کو شکست دی۔ اب کے محاصرہ کامیاب رہا اور 28 جولائی 1696ء کو ازوف نے ہتھیار ڈال دیے۔ (دولتِ عثمانیہ، ڈاکٹر عزیر احمد: 282/1) [3] تاریخ الدولة العلية: 309، و تاریخ الدولة العثمانية: 572، و العثمانیون والروس: 75.

1123ھ (1711ء) میں عثمانیوں اور روسیوں میں ''ازوف'' کے قریب ایک نئی جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں عثمانی لشکر کا سالار صدر اعظم ''بلطہ جی محمد پاشا'' تھا جس نے روسی افواج اور ان کی قائم کی ہوئی قلعہ بندیوں اور خندقوں کو تباہ کر دیا۔ عثمانیوں نے زور دار حملے کیے جن کے نتیجے میں عثمانیوں کو فتح ہوئی اور ہزاروں روسی سپاہی ہلاک ہو گئے۔ [1]

دونوں ملکوں میں 1125ھ (1713ء) میں ایک اور جنگ ہوئی جس کے بعد فریقین میں ہونے والے معاہدے کے تحت روسیوں نے بحیرۂ اسود سے متصل بہت سے عثمانی علاقے حاصل کر لیے۔ [2]

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 597، و تاريخ الدولة العلية: 313، و العثمانيون والروس: 76. [2] تاريخ الدولة العثمانية: 597، و تاريخ الدولة العلية: 314.





لالہ مصطفیٰ پاشا مسجد، فاماگستا (قبرص)

عثمانیوں اور روسیوں کی جنگوں پر ان جنگوں کا بہت اثر پڑتا تھا جو عثمانی سلطنت اور اس کے یورپی دشمنوں میں ہوتی تھیں، چنانچہ عثمانیوں کی فتح سے روس پر دباؤ پڑتا تھا اور انھیں عثمانیوں کے حق میں بعض علاقوں سے دست بردار ہونا پڑتا تھا۔ اسی طرح اس کی برعکس صورت بھی درست ہے۔ اس کے نتیجے میں 1152ھ (مطابق 1739ء) میں روسیوں کو جھکنا پڑا اور انھوں نے بحیرۂ اسود کے کئی مقبوضہ علاقے عثمانیوں کو واپس کر دیے۔ انھوں نے وہاں جو قلعہ بندیاں قائم کی تھیں، وہ گرا دیں۔ یہ اس معاہدے کے تحت ہوا جو ''معاہدۂ بلغراد'' کے نام سے معروف ہے۔ [1]

1184ھ (1770ء) میں کچھ اور جنگیں بھی ہوئیں جن میں ایک طرف عثمانی تھے اور دوسری طرف روس اور اس کی مدد کرنے والی یورپی افواج تھیں۔ یہ جنگیں یونان کے قریب بعض جزیروں کی وجہ سے ہوئیں، ان میں کوئی فریق غالب نہ آ سکا۔ اس کے علاوہ روسیوں نے ''طرابزون'' (مشرقی ترکی) وغیرہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ عثمانی انھیں روکنے میں کامیاب رہے اگرچہ انھوں نے سمندر کی طرف سے خود استنبول کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ [2]

اس عرصے میں کئی بار کوشش کی گئی کہ عثمانی سلطنت اور ملکۂ روس کیتھرائن کے درمیان جنگ بندی کا

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 611، و العثمانيون والروس: 79. [2] تاريخ الدولة العثمانية: 625، و تاريخ الدولة العلية: 336.



قلعہ بلغراد (سربیا) میں زندان گیٹ یا ''زندان کپیجہ'' کا فضائی منظر

معاہدہ ہو جائے لیکن کیتھرائن کی ضد اور سخت شرائط کی وجہ سے کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی، چنانچہ روسیوں اور عثمانیوں میں نئے سرے سے جنگ چھڑ گئی۔ فریقین میں ڈینیوب کے علاقے میں کئی شدید معرکے ہوئے جن میں عثمانیوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ایک معرکے میں آٹھ ہزار سے زیادہ روسی فوجی ہلاک ہوئے اور باقی شکست کھا کر پلٹ گئے لیکن وہ جہاں جہاں سے گزرے، بہت سے مسلمان معمر مردوں، خواتین اور بچوں کو شہید کر گئے۔ ان معرکوں میں عثمانی افواج کا سالار ''عثمان پاشا'' تھا۔ ان فتوحات کے نتیجے میں اسے ''غازی'' کا لقب دیا گیا۔ [1]

1187ھ (1773ء) میں روسی افواج پھر عثمانی علاقے میں گھس آئیں اور دریائے ڈینیوب کو پار کر لیا۔ ان

[1] العثمانیون والروس: 82، وتاریخ الدولة العلیة: 337، وتاریخ الدولة العثمانیة: 627.

کا مقابلہ عثمانی کمانڈر ''آفندی عبدالرزاق'' کی زیر قیادت افواج سے ہوا۔ روسیوں نے عثمانی افواج کو شکست دے دی۔ تب فریقین میں مذاکرات ہوئے جن کے نتیجے میں 16 جولائی 1774ء کو ایک نیا معاہدہ ہوا جسے ''معاہدہ کینارجی'' کہتے ہیں۔ اس میں روسیوں کو عثمانی علاقوں اور عثمانی سمندروں پر بہت سے حقوق حاصل ہوگئے۔ انھیں عثمانی سمندروں میں جہاز رانی اور عثمانی بندرگاہوں سے گزرنے کا حق مل گیا[1] اور عثمانی سلطنت کے زیر انتظام بعض خطوں میں گرجا گھر تعمیر کرنے اور ان کی حفاظت کرنے کا حق بھی حاصل ہوگیا۔[2]

ان معاہدوں کے باوجود روسیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ ہمسایہ اسلامی علاقوں کو ان کی مختلف اقوام سمیت ہڑپ کر لیا جائے۔ انھوں نے کریمیا کے علاقے میں مداخلت کا جواز پیدا کرنے کے لیے وہاں شورش برپا کرنے کی متعدد کوششیں کیں، پھر اس علاقے میں داخل ہو کر اس پر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ عثمانی سلطنت ان علاقوں کو روسی قبضے سے چھڑانے کے لیے مسلسل کوشش کرتی رہی لیکن دوسرے یورپی ممالک نے فوجی اور سیاسی طور پر مسلسل دباؤ ڈال کر عثمانی سلطنت کو مجبور کر دیا کہ وہ موجودہ صورتِ حال کو قبول کر لے اور اس علاقے پر روسی قبضے پر خاموشی اختیار کرے۔[3]

عثمانیوں اور روسیوں کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ آتے رہے۔ روسی ان تحریکوں کی حمایت کرتے تھے جن کا مقصد عثمانی سلطنت کو ختم کر کے دوبارہ بازنطینی سلطنت قائم کرنا تھا جبکہ تیرہویں صدی ہجری کے شروع میں عثمانی سلطنت مشکل حالات سے گزر رہی تھی۔ اس دوران میں مختلف عثمانی سلاطین کی حکومت رہی جن کی پالیسیاں ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روسیوں سے تصادم بھی مسلسل جاری تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے یورپی ممالک کے ساتھ بھی کئی مسائل پیدا ہوگئے جو نہ صرف یورپ میں بلکہ مغربی مسلم ممالک، یعنی افریقہ، بالخصوص مصر میں عثمانی سرزمین پر قبضہ کرنے کی خواش رکھتے تھے۔ انقلاب فرانس کے بعد روس، فرانس اور برطانیہ کی استعماری تحریکوں کی صورت میں یورپ متحرک ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان ایام میں عثمانی سلطنت کئی اندرونی مسائل کا شکار تھی، حالانکہ بعض عثمانی سلاطین اور

---

[1] روس اور دولت عثمانیہ کے تجارتی جہازوں کو ان سمندروں میں جو ان سلطنتوں کے کنارے (درمیان) واقع تھے (یعنی بحیرۂ ازوف اور بحیرۂ اسود) آمد و رفت کی پوری آزادی دی گئی۔ (دولت عثمانیہ، ڈاکٹر عزیر احمد: 351) گویا آبنائے باسفورس، بحیرۂ مرمرہ اور بحیرۂ ایجین میں روسیوں کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ (م ف) [2] تاريخ الدولة العثمانية: 628، و تاريخ الدولة العلية: 342، و العثمانيون و الروس: 82. [3] العثمانيون و الروس: 89، و تاريخ الدولة العثمانية: 231.

کمانڈروں نے ان مسائل پر قابو پانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس مشکل دور میں عثمانی سلطنت کمزور ہوتی گئی اور روسی شہنشاہیت مضبوط ہوتی گئی۔ خاص طور پر نپولین سے جنگوں کے بعد اس کی قوت میں اضافہ ہوگیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عثمانیوں پر شیر ہونے لگی جو کئی سال تک ایران سے جنگوں میں الجھے رہے تھے۔ [1]

1226ھ (مطابق 1811ء) میں رومانیہ سے متصل علاقے میں روسیوں اور عثمانیوں میں کئی جنگیں ہوئیں کیونکہ روس نے اس خطے میں بعض عثمانی شہروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور شروع میں وہ کامیاب بھی ہوئے لیکن پھر عثمانیوں نے کئی جنگیں لڑ کر وہ شہر ان سے واپس لے لیے اور روسیوں کو علاقے خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ [2]

1243ھ مطابق 1827ء میں یونانیوں نے عثمانی سلطنت کے خلاف کچھ یورشیں برپا کیں۔ عثمانی کمانڈر ابراہیم پاشا نے ان پر کامیابی سے قابو پا لیا، چنانچہ روس نے عثمانی سلطنت کے خلاف برطانیہ، فرانس اور پروشیا (جرمنی) کے ساتھ اتحاد کر لیا تاکہ اسے یونان سے بے دخل کیا جا سکے۔ ان ممالک کے بحری بیڑوں نے مل کر یونان میں عثمانی جہازوں پر حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ حملہ غیر متوقع تھا، اس لیے انھوں نے مختصر وقت میں انھیں مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ عثمانی بیڑے کی تباہی کا فائدہ سب سے زیادہ روس کو ہوا جو موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے پہلے ہی تیار تھا، چنانچہ اس نے عثمانی علاقے میں پیش قدمی کی اور افلاق، یعنی ولاچیا (رومانیہ) کے دارالحکومت بخارسٹ پر قبضہ کر لیا۔ علاوہ ازیں وارنا اور یاشی (Iasi) وغیرہ عثمانی شہروں پر بھی قبضہ کر لیا جو آج کل بلغاریہ اور رومانیہ میں واقع ہیں۔ ان علاقوں میں جنگ 1245ھ تک جاری رہی۔ آخر کار روس کو فتح ہوئی۔ اس کے باوجود عثمانیوں نے روسیوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ اس جنگ کا خاتمہ ''معاہدہ ادرنہ'' پر ہوا جس میں روس کو کئی رعایتیں حاصل ہوئیں اور فریقین میں نئے سرے سے سرحدوں کا تعین کیا گیا۔ [3]

اس معاہدے کے باوجود روسی اور عثمانی (دونوں فریق) مناسب موقع کے انتظار میں رہے۔ ان میں بعض لڑائیاں بھی ہوئیں۔ روس کی کوشش تھی کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر عثمانیوں پر حملہ کر دے اور مشرقی یورپ میں عثمانیوں کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لے۔ اس وجہ سے دوسری یورپی اقوام روس کی قوت میں

---

[1] تاريخ الدولة العثمانية: 623-648، و الحروب العثمانية الفارسية و أثرها على المد الإسلامي في أوربا. طبع دار الصحوة قاهرة، 1408ھ. [2] العثمانيون و الروس: 98، و تاريخ الدولة العلية: 401. [3] تاريخ الدولة العلية: 431، و العثمانيون و الروس: 102-104.



وچاؤ (آسٹریا) میں قدیم ایگشٹائن قلعہ اور دریائے ڈینیوب غروبِ آفتاب کے وقت

اضافہ ہوتا دیکھ کر خطرہ محسوس کرنے لگیں، چنانچہ فرانس اور برطانیہ میں روس مخالف احساسات بیدار ہونے لگے کیونکہ یہ دونوں ملک بھی عثمانی سلطنت کے بعض علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ عثمانی سلطنت کمزوری کے مرحلے سے گزر رہی تھی، اس لیے یہ ممالک اس کے علاقے تقسیم کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے۔ اسی وجہ سے برطانیہ اور فرانس نے فوراً عثمانیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور خواہش ظاہر کی کہ وہ عثمانی سلطنت کی سرزمین کی حفاظت اور روس کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کی مدد کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ 55-1853ء کی جنگِ کریمیا میں ان ممالک نے روس کے خلاف جنگ میں عثمانیوں کا ساتھ دیا۔ جولائی 1853ء میں روسی فوجیں مولڈیویا اور ولاچیا پر قابض ہوگئیں، تاہم عثمانی فوج نے عمر پاشا کی قیادت میں بڑی بہادری سے جنگ کی اور ''اولٹنزا'' شہر کے پاس روسیوں کو شکست سے دوچار کیا،



ٹرانسلوینیا (رومانیہ) کا قلعہ سیغی سوارا

چنانچہ روسیوں کو بھاگنا پڑا۔ ان کا سپہ سالار بھاگنے میں سب سے آگے تھا۔ عثمانیوں نے ان کا خاتمہ کرنے کے لیے ان کا تعاقب کیا لیکن عثمانی سلطنت کے یورپی حلیفوں نے، جن میں آسٹریا کی فوجیں سب سے نمایاں تھیں، انھیں منع کر دیا۔ یورپیوں نے نہ صرف عثمانیوں کو روس پر یقینی فتح حاصل کرنے سے روکا بلکہ خود آسٹریا والوں نے بغدان (مالڈووا) اور افلاق (ولاچیا) پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح عثمانیوں نے کچھ علاقے روس کے قبضے میں جانے سے بچائے لیکن پھر آسٹروی ان پر قابض ہو گئے۔ عثمانیوں نے اسے مجبوراً تسلیم کر لیا تاکہ تعاون کا معاہدہ ختم نہ ہو جائے اور ایک نئی جنگ شروع نہ ہو جائے۔

مارچ 1854ء میں برطانیہ اور فرانس نے روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ انھوں نے اپنی افواج بلغاریہ اور کریمیا میں بھیج دیں۔ اتحادیوں نے سباستوپول (کریمیا) کا ایک سال محاصرہ کیے رکھا حتی کہ

8 ستمبر 1855ء کو روسیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔

اس دوران میں عثمانیوں کے حلیف یورپیوں کی جنگ کا میدان روس کے شمالی ساحلوں پر منتقل ہوگیا تھا۔ 1270ھ (مطابق 1853ء) میں ''سینٹ پیٹرز برگ'' کے شہر کے قریب سمندری جنگیں ہوئیں اور حلیفوں نے بحیرہ بالٹک میں بعض روسی بندرگاہوں پر قبضہ کرلیا، پھر انھوں نے دوسرے محاذوں پر پیش قدمی کی حتی کہ محسوس ہونے لگا کہ وہ ''کیف'' پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ اس وجہ سے روسیوں نے جنگ پر مذاکرات کو ترجیح دی۔ مذاکرات میں حلفاء (اتحادی) اور عثمانی ایک فریق تھے اور روسی دوسرا فریق تھے۔ اسی سال مختلف فریقوں میں ''معاہدہ پیرس'' انجام پا گیا۔ [1]

اس طرح روسیوں اور عثمانیوں کی جنگ وقتی طور پر بند ہوگئی جبکہ عثمانی سلطنت اور اس کی املاک پر روس اور یورپ کی لالچ بھری نظریں لگی ہوئی تھیں، چنانچہ وہ تمام ممالک مل کر عثمانی سلطنت کے لیے طرح طرح کی مشکلات کھڑی کرنے لگے۔ [2]

اس مقصد کے لیے انھوں نے سلطنتِ عثمانیہ میں نسلی اور مذہبی اقلیتوں اور شورشوں کو مدد دینی شروع کردی۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایسی خفیہ تنظیمیں قائم کرنی شروع کردیں جو عثمانی سلطنت کے خلاف کام کرتی تھیں۔ وہ انھیں اسلحہ اور مالی امداد مہیا کرتے تھے۔ ان کی پوری کوشش تھی کہ سلطنت عثمانیہ کو کمزور کر کے اس کے ٹکڑے کردیے جائیں، چنانچہ یورپ کے مختلف علاقوں میں عثمانیوں کے خلاف نافرمانی اور بغاوت کی تحریکیں شروع ہوگئیں۔ [3]

عثمانی سلطنت کے آخری دور میں، خاص طور پر عثمانی سلطان عبدالحمید دوم کے دور (1293ھ تا 1327ھ مطابق 1876ء تا 1909ء) میں روس اور یورپی ممالک کی امداد و تائید سے یورپ کے عثمانی صوبوں بلقان اور یونان وغیرہ میں کثرت سے شورشیں برپا ہونے لگیں۔ عثمانی گورنروں اور کمانڈروں نے اکثر شورشوں کا قلع قمع کردیا جس سے یورپ کی رائے عامہ عثمانیوں کے خلاف ہوگئی۔

1293ھ میں سلطنت عثمانیہ نے سربوں پر ایک شدید ضرب لگائی جنھوں نے عثمانیوں کو بلقان سے نکالنے کے لیے بہت سی فوج جمع کر لی تھی۔ اس میں عثمانیوں کو فتح حاصل ہوئی اور بلقان میں ان کے دشمنوں کا زور

---

[1] العثمانيون والروس: 117، و تاريخ الدولة العلية: 513. [2] تاريخ الدولة العلية: 610، و العثمانيون في التاريخ والحضارة: 203. [3] تاريخ الدولة العلية: 605.



سینٹ پیٹرز برگ (رُوس) میں دریائے نیوا میں ایک پُرانا فریگیٹ جہاز

ٹوٹ گیا۔ اس وجہ سے روس نے دوبارہ عثمانی سلطنت کے خلاف دشمنی کا اعلان کر دیا اور عثمانیوں سے جنگ کے لیے فوجیں جمع کر لیں۔ [1]

روس نے بین الاقوامی طور پر جوڑ توڑ کر کے عثمانیوں کو مجبور کیا کہ وہ یورپ کے بعض علاقوں سے عیسائیوں کے حق میں دست بردار ہو جائیں۔ اس سازش میں فرانس، برطانیہ اور آسٹریا شامل تھے۔ ان کے نمائندے 1294ھ (مطابق 1877ء) میں استنبول میں ایک کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن کانفرنس کسی بات پر متفق ہوئے بغیر ختم ہوگئی۔ [2]

عثمانیوں کا اصرار تھا کہ یہ علاقے ان کے کنٹرول میں رہیں، البتہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مساوات کی ضمانت دی جائے گی لیکن یورپیوں کا مطالبہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ ان علاقوں سے غیر مشروط طور پر دست بردار ہو جائے، یعنی وہ سلطنت کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اس طرح ان علاقوں کے مسلمانوں کے لیے خطرہ پیدا ہوگیا کہ انھیں ظلم اور قتل و غارت کا نشانہ بنایا جائے گا۔ اس وجہ سے عثمانی سلطنت

---

[1] تاريخ الدولة العلية: 616، و العثمانيون والروس: 134. [2] تاريخ الدولة العلية: 619، و العثمانيون والروس: 135.

کو سخت موقف اختیار کرنا پڑا۔

انھوں نے عثمانی سلطنت پر دباؤ ڈالنے کے لیے دھمکی آمیز یادداشتیں ارسال کیں لیکن عثمانی اپنے موقف پر قائم رہے کہ وہ مشرقی یورپ میں اپنے علاقوں سے دست بردار نہیں ہوں گے، چنانچہ روس نے مکمل تیاری کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس نے رومانیہ سے اتحاد کر لیا جو گزشتہ ایام میں سلطنت عثمانیہ کے تابع تھا، چنانچہ روس کے ایک لشکر جرار نے سلطنت عثمانیہ کی مشرقی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں رومانیہ روس سے مل گیا اور اس کے مسلمان باشندے ایک طرف سے روسی افواج اور دوسری طرف سے رومانیہ کے عیسائیوں کے درمیان گھر گئے۔ عثمانی افواج روسی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آ گئیں۔ استنبول کے علماء نے فتویٰ جاری کر دیا کہ جسے طاقت ہو، اس پر جہاد کرنا واجب ہے۔ سلطان عبدالحمید نے سلطنت کے تمام حصوں میں ملک کے حالت جنگ میں ہونے کا اعلان کر دیا اور اس پر زور دینے کے لیے اپنے نام کے ساتھ ''غازی'' کا لفظ شامل کر دیا۔ اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ جنگ میں بذاتِ خود شریک ہے۔ یہ رواج بعد کے ان عثمانی سلاطین میں بھی قائم رہا جنھوں نے جنگیں کیں۔ [1]



روسیوں نے دریائے ڈینیوب پار کیا اور عثمانیوں کے زیرِ انتظام بعض شہروں پر قبضہ کر لیا، مثلاً: ''تیرنوہ'' اور ''نیکوپولس'' جو اس وقت بلغاریہ میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں روسیوں نے بعض نازک مقامات پر اور بلقان جانے والے بعض راستوں پر قبضہ کر لیا۔ سلطان غازی عبدالحمید نے روسی حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے فوج کی قیادت میں بڑی بڑی تبدیلیاں کر دیں۔ روسیوں نے ''پلونا'' کے شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جو آج کل بلغاریہ میں شامل ہے اور وہ بلقان کے راستے میں ایک اہم مقام ہے لیکن بہادر عثمانی کمانڈر

---

[1] تاريخ الدولة العلية: 628، والعثمانيون والروس: 134.

عثمان پاشا نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا اور وہ شکست کھا کر اُلٹے پاؤں بھاگ گئے۔ انھوں نے پہلے سے بڑا لشکر لے کر ایک بار پھر حملہ کیا۔ اس کے باوجود بے مثال عثمانی کمانڈر نے اس بار بھی ان کا حملہ پسپا کر دیا، چنانچہ سلطان نے اس کمانڈر کی تعریف میں ایک خاص تحریری فرمان جاری کیا۔[1]

جب روسیوں نے یہ ثابت قدمی دیکھی تو اس شہر پر قبضہ کرنے کے لیے انھوں نے اپنا طریقہ تبدیل کر لیا۔ اب انھوں نے محاصرے کا طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے کوشش کی کہ امدادی افواج عثمانی لشکر تک نہ پہنچ سکیں اور خود اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کر لیا۔ زارِ روس اپنے مشہور ترین کمانڈروں کے ہمراہ آئندہ معرکے کی نگرانی کرنے کے لیے خود آ گیا۔ اس کی آمد سے روسی فوج کے حوصلے بلند ہو گئے۔ علاوہ ازیں رومانیہ کے حاکم نے غداری کی کیونکہ اس کے بارے میں یہ توقع تھی کہ وہ عثمانیوں کا ساتھ دے گا یا کم از کم غیر جانب دار رہے گا۔ لیکن وہ اپنی فوج کو لے کر جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی، روسیوں سے مل گیا، لہٰذا جنگ کا پلڑا روسیوں کی طرف جھک گیا کیونکہ اب ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو چکی تھی۔ انھوں نے عثمانی فوج کا محاصرہ کرتے ہوئے تین دائرے بنائے۔ اس کے باوجود عثمانی فوج عثمان پاشا کی قیادت میں بہادری سے ڈٹی رہی۔ اگرچہ ان کی تعداد صرف پچاس ہزار تھی، پھر بھی انھوں نے اپنی جگہ قائم رہنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ محاصرہ کرنے والے دشمنوں پر حملے کا ایک عمدہ منصوبہ تیار کیا۔ ان کا عزم تھا کہ محاصرہ توڑ کر فتح حاصل کریں گے یا شہادت کا شرف پالیں گے۔

عثمان پاشا نے اپنی فوج کی قیادت کی۔ مجاہدین کلمہ پڑھتے ہوئے اور نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے اپنے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے مجاہدین روسی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ انھوں نے محاصرہ کرنے والوں کا پہلا اور دوسرا دائرہ توڑ دیا اور ان میں موجود توپوں پر قبضہ کر لیا۔ تیسرے دائرے کے قریب عثمان پاشا کو کچھ زخم آ گئے تو اس کی فوج میں اس کی شہادت کی افواہ پھیل گئی جس سے ان کی کمرِ ہمت ٹوٹ گئی۔ انھوں نے شہر میں واپس آنے کی کوشش کی لیکن کچھ روسی فوجیں شہر میں داخل ہو گئیں۔ اس طرح عثمانی لشکر دشمن کی مختلف توپوں کی گولہ باری کے درمیان پھنس گیا، چنانچہ وہ روسی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ واقعہ 1294ھ میں، یعنی 1877ء کے آخر میں پیش آیا۔ عثمانی کمانڈر نے شدید زخمی ہونے کی وجہ سے خود کو روسیوں کے سپرد کر دیا جو اس کی بہادری پر حیران تھے اور اس کی شجاعت اور پیش قدمی کی

---

[1] تاريخ الدولة العلية: 631 و السلطان عبد الحميد الثاني، حياته وأحداث عهده: 133.

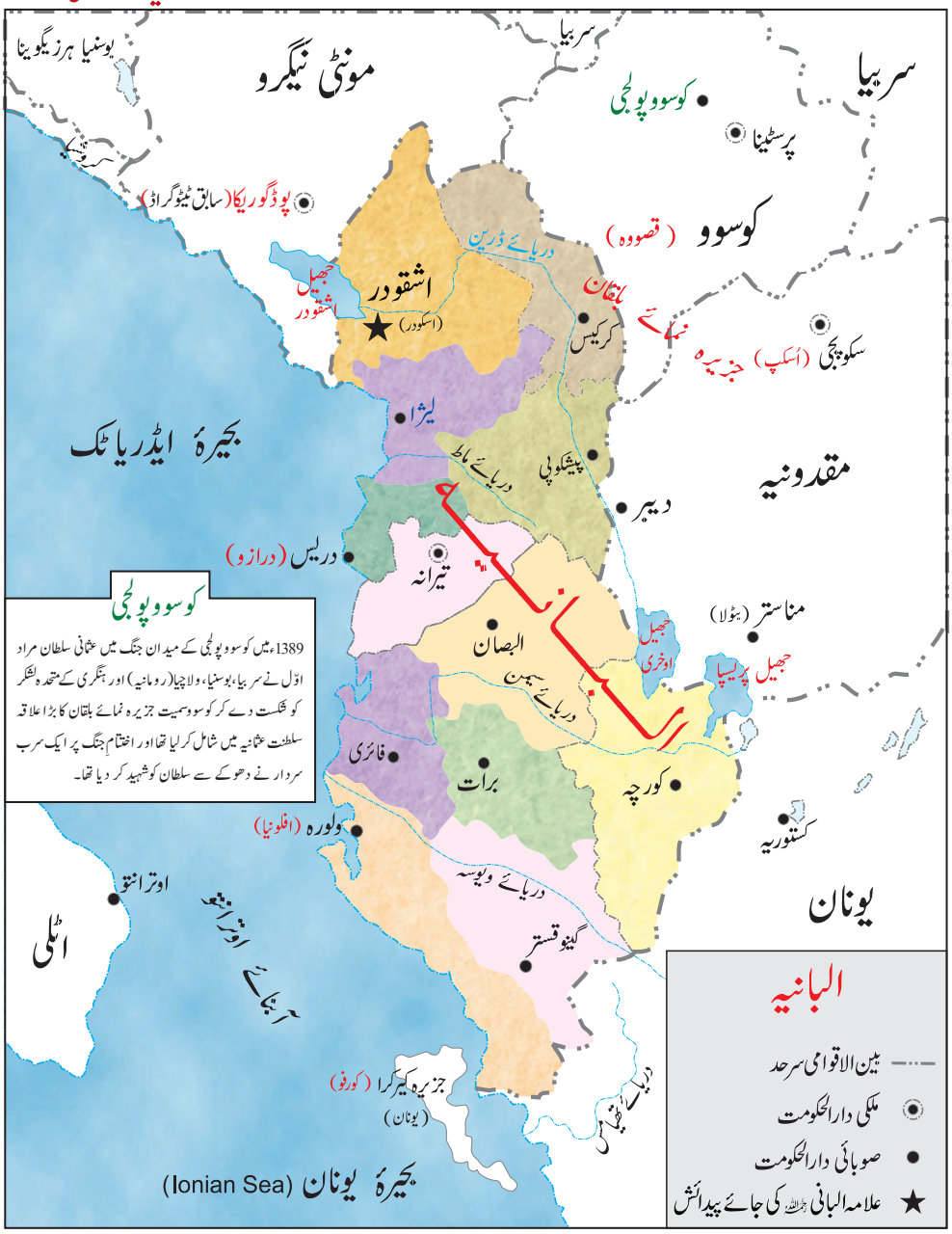

تعریف کر رہے تھے۔[1]

روسیوں کی ان فتوحات سے بلقان میں سربوں کو عثمانیوں کے خلاف اٹھنے کی ہمت ہوئی۔ انھوں نے

[1] تاریخ الدولة العلية: 634، و العثمانيون و الروس: 136 و السلطان عبدالحميد: 133.



وولگا بلغار (روس) کی سفید مسجد

وہاں کی عثمانی چوکیوں پر حملہ کر دیا۔ اس طرح روسیوں سے ان کی توجہ ہٹ گئی جو نئے علاقوں پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھے اور واقعی روسیوں نے بلغاریہ کے موجودہ دارالحکومت ''صوفیہ'' پر قبضہ کر لیا۔ روسیوں نے اس پر بس نہ کی بلکہ جنوب میں عثمانی دارالحکومت ''استنبول'' کی طرف بڑھے اور عثمانیوں کے سابقہ دارالحکومت ''ادرنہ'' پر قبضہ کر لیا۔ وہ ان مقامات تک پہنچ گئے جو استنبول سے صرف پچاس کلومیٹر دور تھے۔ اس طرح عثمانی دارالحکومت کی اندرونی حالت انتہائی نازک ہوگئی۔

اس دوران میں روسیوں اور عثمانیوں کے درمیان ایشیا میں بھی جنگ جاری تھی۔ روسی اناطولیہ تک پہنچ چکے تھے۔ اس کے باوجود عثمانی انھیں شکست دے کر واپس روسی علاقے میں دھکیلنے میں کامیاب ہوگئے۔ عثمانیوں نے ''احمد مختار پاشا'' کی قیادت میں چھ سے زیادہ معرکوں میں روسیوں پر فتح حاصل کی۔ اسی وجہ سے سلطان عبدالحمید نے اس کی تعریف میں شاہی فرمان جاری کیا۔ روسیوں نے ان علاقوں پر دوبارہ حملہ کیا اور 1295ھ میں عثمانیوں کی افواج کو یورپ اور ایشیا میں شکست دے دی، چنانچہ عثمانی سلطنت کو روس سے جنگ بندی کرنی پڑی اور ان سے مذاکرات کرنے پڑے، چنانچہ فریقین میں ''سان سٹیفانو'' کا معاہدہ طے پایا، جس کے نتیجے میں عثمانی سلطنت کو یورپ میں اپنے اکثر علاقوں سے محروم ہونا پڑا جن میں بلقان،

رومانیہ اور بلغاریہ بھی شامل تھے۔ علاوہ ازیں عثمانیوں کو پابند کیا گیا کہ وہ روس کو جنگ میں ہونے والے نقصانات کا معاوضہ ادا کریں۔ یہ معاہدہ عثمانیوں کی ایسی تذلیل تھی جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ (عثمانیوں کی شکست کے) ان واقعات سے کچھ ہی عرصہ پہلے عثمانی سلطنت میں ایک خطرناک تبدیلی آئی تھی۔ وہ یہ کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مساوات کا اعلان کر دیا گیا اور تمام عثمانی رعایا کو بلا امتیاز ملک کے برابر کے شہری تسلیم کیا گیا جس کے نتیجے میں بعض عیسائی بھی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ عثمانیوں کو ہونے والی شکستوں میں ان کا واضح کردار رہا، تاہم عثمانیوں کی صفوں میں ایسے افراد موجود تھے جنھوں نے اسلام کے لیے جنگ کی کیونکہ انھیں پوری طرح احساس تھا کہ روس نے عثمانیوں سے جو جنگ لڑی ہے، ان میں عیسائی مذہبی جذبات ہی کارفرما تھے۔ اسی طرح اس دور میں عام یورپیوں کی عثمانیوں سے جنگ خالصتاً مذہبی جنگ تھی اگرچہ ان کے ممالک آزادی، ترقی پسند سوچ اور مساوات جیسے دلکش نعرے لگاتے تھے۔

اس معاہدے کے نتیجے میں عثمانی کمزور اور لاچار ہو گئے۔ اس کے باوجود روس کے قبضے میں جانے والے علاقوں کے مسلمان روسیوں پر شدید دباؤ کا باعث بنے رہے۔ ان علاقوں کے مسلمانوں کو یورپ کی نظروں کے سامنے عیسائیوں کے ہاتھوں قتل عام کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی ملین مسلمان ہجرت کر کے عثمانی سلطنت کے اندرونی علاقوں میں چلے آئے۔ وہاں وہ پناہ گزینوں کی حیثیت سے استنبول کی حکومت پر ایک بڑا بوجھ بن گئے۔ اس ہجرت کی وجہ سے مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد کم ہوتی چلی گئی اور ان کی قوت کمزور ہو گئی، چنانچہ وہاں عیسائیوں کا تسلط مضبوط ہو گیا۔ یورپ کے دوسرے ممالک علاقے میں روس کا اثر و نفوذ کم کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ عثمانی حکومت کو بھی ختم کرنا چاہتے تھے۔ پہلی جنگ عظیم نے انھیں یہ موقع فراہم کر دیا۔ اس دوران میں صرف جنگ گیلی پولی (1915ء) میں ایک لاکھ 89 ہزار ترکوں نے شہادت پائی، تاہم اس وقت تک ''ترک قومیت'' کا تصور عثمانی سلطنت کو کرم خوردہ کر چکا تھا، چنانچہ عربی اور غیر عربی قومیتیں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ جب عثمانیوں کی اسلامی شناخت ختم ہو گئی تو وہ بے حیثیت ہو گئے۔ ترکی اور اس کے عوام زوال کی پستیوں میں اترتے چلے گئے۔ یہ سلطنت وہ تھی جو صدیوں تک ایشیا کی سب سے طاقتور اسلامی سلطنت رہی تھی اور دسویں صدی ہجری میں یورپ کی مضبوط ترین سلطنت تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کو ضائع کیا تو خود ضائع ہو گئے اور اسلام باقی ہے۔ اور ان شاء اللہ وہ قوم بھی آئے گی جو اسلام کا پرچم بلند کرے گی۔

حرفِ آخر

اسلامی جہاد کی تاریخ اور مختلف ادوار میں اس کی پیش قدمی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر اس جہانِ فانی کے اختتام تک اسلامی جہاد کے کچھ خاص مقاصد رہے ہیں اور رہیں گے۔ ان میں سرفہرست مقصد اسلام کا پیغام تمام انسانیت تک پہنچانے کے لیے علاقے فتح کرنا اور پہلے سے فتح شدہ علاقوں کی حفاظت کرنا ہے۔ ہر دور میں جہادی تحریکوں کے یہی دو مقاصد رہے ہیں۔

جہاد کے اولین اقدامات رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں شروع ہوئے۔ یہ جہاد کسی خاص قوم سے نہیں تھا بلکہ اسلام کے ہر مخالف سے تھا جن میں سرفہرست رسول اللہ ﷺ کا اپنا قبیلہ قریش تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے جہاد کا بڑا حصہ قریش کے خلاف تھا اور اس جہاد کا دوسرا بڑا ہدف یہود تھے۔ آپ ﷺ نے دعوت اور جہاد کے سلسلے میں ان دونوں فریقوں میں کوئی فرق نہیں کیا بلکہ انھیں برابر رکھا۔

یہ امر بھی نمایاں ہے کہ جہاد کی تحریک اسلام کے مختلف ادوار میں سے کسی دور میں موقوف نہیں ہوئی۔ اگر ایک قوم اس سے دست کش ہوئی تو دوسری قوم نے یہ فریضہ سنبھال لیا، جیسے عباسی دور کے آخر میں جب بنوعباس نے جہاد چھوڑ دیا تو غزنویوں، زنگیوں اور ایوبیوں نے جہاد کا علم اٹھا لیا۔ اسی طرح جب عرب اس سے دست بردار ہوئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے تو عثمانی ترک اس کے علم بردار بن گئے کیونکہ اسلامی جہاد کسی خاص قوم یا کسی خاص جماعت سے وابستہ نہیں ہے۔

اس مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکثر اوقات دشمن کے حملوں سے اسلامی علاقوں کا دفاع کرنا، انھیں فتح کرنے سے زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو کئی علاقے دوبارہ یا کئی بار فتح کرنا پڑے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جہادی تحریکوں کی کامیابی کا دارومدار شریعتِ اسلامی کی تعلیمات

پر پابندی سے عمل پیرا رہنے میں ہے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت قوت حاصل کرنے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت افرادی قوت اور اسلحہ تیار رکھنے کو حاصل ہے۔ جو قائدین اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہیں، اسلام کے دشمن سے جہاد میں وہی کامیاب ہوتے ہیں۔

اس مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رضا کار مجاہدین جو باقاعدہ فوج کا حصہ نہیں ہوتے بلکہ صرف دینی جذبے کے تحت میدان میں آتے ہیں، وہی جہاد کا زیادہ شوق رکھتے ہیں اور جہاد کے دوران میں شہید ہونے والوں میں بھی زیادہ تعداد انھی کی ہوتی ہے اور طاقتور قائدین کے ساتھ ایسے افراد زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ امت کے دلوں میں مخلص مجاہدین کا ایک خاص مقام ہمیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ خواہ کتنا طویل عرصہ گزر جائے، ہم سیدنا خالد بن ولید، مثنیٰ بن حارثہ اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ایسے حضرات کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ اسی طرح عقبہ بن نافع رحمہ اللہ، محمد بن قاسم، قتیبہ بن مسلم، طارق بن زیاد، محمود غزنوی، الپ ارسلان، عماد الدین زنگی، نورالدین محمود زنگی، صلاح الدین ایوبی، سیف الدین قُطز، سلطان محمد فاتح (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اور ان جیسے دیگر مجاہدین کو فراموش کرنا ممکن نہیں جن کے صالح اور مجاہد ہونے کی گواہی پوری امت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت نازل فرمائے! اسی وجہ سے اسلامی تاریخ کے مصادر و مراجع میں انھیں بہت اہمیت دی گئی ہے اور ان کی تعریف کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں اس مطالعے سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ اسلام کے دشمن مسلمانوں سے لڑنے سے باز نہیں آتے، خواہ مسلمان ان سے لڑنا چھوڑ دیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال صلیبی جنگوں کی صورت میں ہمارے سامنے ہے جب فرنگیوں نے جزیرہ نمائے عرب کے درمیان تک اور حجازِ مقدس تک پہنچنے کی کوشش کی تھی۔

امت کی موجودہ حالت اور اس کی گزشتہ تاریخ میں یقیناً ایک واضح تعلق ہے۔ مغرب کی عیسائی دنیا، یہود اور کفر کی مختلف قوتوں سے مسلمانوں کی آویزش حقیقت میں اسی کشمکش کا تسلسل ہے جو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مقدسہ سے عثمانی دور کے آخر تک جاری رہی بلکہ آج تک جاری ہے۔ مسلمان آج بھی وہی اسباب و ذرائع اختیار کر کے اپنے دشمنوں پر فتح پاسکتے ہیں جن کے ذریعے سے انھوں نے ماضی میں فتوحات حاصل کی تھیں۔ ان کو ایک نکتے میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کو جزوی طور پر نہیں بلکہ پورے کا پورا قبول کیا جائے کیونکہ اسلام نے ہمیں قوت اور غلبہ حاصل کرنے کے لیے جو ہدایات دی ہیں، ان میں جہاد اور اس کے مختلف اصول وضوابط سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

ہم آج ایسی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں جس میں صرف طاقتور ہی احترام کا مستحق سمجھا جاتا ہے جو حالات کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ قوت کا مطلب ظلم و تعدی نہیں بلکہ دفاع کی طاقت ہے اور اکثر اوقات پہل کرنا ہی دفاع کا اہم ترین ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ اصول دور اول کے مجاہدین نے سمجھ لیا تھا اور یہی اصول آج کی بعض اسلام دشمن طاقتوں نے سمجھا ہے۔

جہاد کی تحریکیں بہت زیادہ ہیں۔ انھیں اختصار کے ساتھ بیان کرنا بھی بہت مشکل ہے لیکن میں نے کوشش کی ہے کہ ہر دور سے کچھ مثالیں لے لوں تاکہ ہم اس دور کی بعض جہادی تحریکوں کو جان سکیں۔ اس کے علاوہ امت کے کتنے ہی گمنام مجاہدین ہیں جن کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتا لیکن اللہ کے پاس ان کا اجر وثواب بہت عظیم ہے اور ان کے کارنامے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کتاب میں درج ہو چکے ہیں جس کے بارے میں اس نے فرمایا:

﴿لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا﴾

''وہ نہ کسی چھوٹے عمل کو چھوڑتی ہے، نہ بڑے عمل کو بلکہ سب کو شمار کر لیتی ہے۔'' (الکھف 49:18)

میں نے کوشش کی ہے کہ واقعات تحقیق کر کے بیان کیے جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی تحریک کے دوران میں جو واقعات پیش آئے ہیں، میں نے ان کے بارے میں اسلامی اور علمی نقطہ نظر پر اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے۔ میں نے تاریخی واقعات کی وضاحت کرتے ہوئے بعض گزشتہ اور موجودہ مصنفین کے کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس مبارک تحریک کو محض تاریخی واقعات کے طور پر بیان کرنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس سے اسباق اخذ کیے جائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ امت کے مجاہدین اور ان کی مدد کرنے والوں پر رحمت فرمائے۔ اس کے لشکر کو عزت اور غلبہ عطا فرمائے اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کر دے جنھیں اللہ نے اسلام کی وجہ سے عزت بخشی اور ان کی جدوجہد سے اسلام کو قوت بخشی۔